نقوش

میر تقی میر نمبر (نسخۂ لاہور)

زندگی آمیز اور زندگی آموز ادب کا نمائندہ

نقوش

میر تقی میر نمبر (نسخۂ لاہور)

مخطوطہ سنہ ۱۲۰۳ھ بہ حیاتِ میر

(مع غیر مطبوعہ کلام)

شمارہ ۱۲۵

اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء

مدیر محمد طفیل

ادارۂ فروغِ اردو ○ لاہور

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

طلوع

تجسّس! ــــــ بس اتنی سی میری زندگی ہے۔

۱۹۶۹ء آیا تو ادب کے میدان میں ایک عجیب سی ہماہمی تھی۔ جو تھا وہ یا تو غالب پہ نمبر چھاپ رہا تھا یا غالب پر کتاب! پھر اترا ہٹ ایسی کہ کسی کے بھی پاؤں زمین پہ ٹکتے نہ تھے۔ ایسے میں ادارۂ نقوش صرف حیران ہی ہو سکتا تھا۔

اُس عالمِ حیرانی میں، ہم نے غالب پہ تین نمبر پیش کئے۔ اُن میں غالب کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی اُس بیاض کو بھی ڈھونڈھ نکالا جو کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں اِدھر اُدھر ہو گئی تھی۔ جو انمول تھی۔

۱۹۷۷ء آیا تو اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کا غلغلہ بلند ہوا۔ حکومتوں نے خزانوں کے مُنہ کھول دیئے۔ یاروں نے بھی کھونٹیوں پہ لٹکائے ہوئے قلم اُتارے۔ میری سوچ ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ جو کام دوسرے کر سکتے ہوں۔ اُسے ادارۂ نقوش کیوں کرے؟ وہ کیوں نہ کسی نئی مہم پہ نکلے۔ کیونکہ وہ محنت دیدہ کا کوئی اور امتحان دے؟

ایسے ماحول میں بھی ہم نے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا۔ چنانچہ ہم نے اقبال پہ دو نمبر پیش کئے۔ تیسری جلد بھی پیش کر رہے ہیں۔ جس میں علامہ کی نصف صدی سے بھی پرانی اور غیر مطبوعہ تحریریں ہیں۔ یہ کام بھی وہی کر سکتا تھا۔ جسے مرنے کا سلیقہ ہو۔

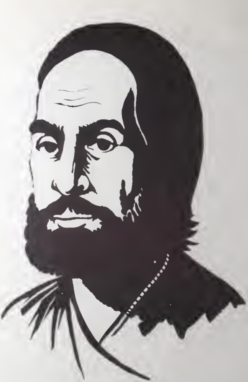
اِدھر خیالات نے پھر انگڑائی لی کہ میر خدائے سخن ہے۔ حق ادا کرنا چاہیے۔ اوراقِ نقوش میں غالب اور اقبال کو تو سینے سے لگایا گیا۔ میر کے ساتھ زیادتی کیوں؟ اس لئے ہم نے بھی کھاتۂ میر میں اپنا حساب کھول دیا۔ اس بار ہم پھر تقریباً دو صدیاں پرانے، ایک ایسے مخطوطے کو منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ جس میں میر کا غیر مطبوعہ کلام بھی ہے۔

آپ نہ جانے کیا محسوس کرتے ہوں۔ میں تو ایسی ادبی دستاویزات کی دریافت پر ایسا محسوس کرتا ہوں۔ جیسے میں نے صدیوں کو لمحہ لمحہ بسر کیا ہو۔ جیسے میرا وجود تین صدیوں پہ محیط ہو۔

اس کے باوجود!

اس کے باوجود، میں خاموشی سے اُٹھتا ہوں اور ــــــ اپنی ایک اور نیکی کو دریا میں ڈال دیتا ہوں۔

محمد طفیل



میر تقی میرؔ، ہمارے مُصوّر کی نظر میں ، مُصوّر: اسلم کمال

اِس شمارے میں

یہ حیاتِ میر ۱۲۰۳ھ ہجری کا مخطوطہ ہے۔ جو نایاب دستاویز ہے جس میں میر کا غیر مطبوعہ کلام بھی ہے۔ غیر مطبوعہ کلام کی تفصیل :۔

غزلیں	۱۵	اشعار	۵۷
مثنوی	۱	اشعار	۲۸
قصائد	۲	اشعار	۷۶
رباعیات	۸	اشعار	۱۶
مختلف تذکروں میں	–[1]	اشعار	۱۴
نسخہ آصفیہ (مخطوطہ)	–[2]	اشعار	۲۵۹
مختلف مخطوطات سے	–[3]	اشعار	۲۴

یوں کُل غیر مطبوعہ اشعار کی تعداد ۴۷۴ ہوتی ہے۔ یہ اتنی بڑی تعداد ہے کہ اتنی تعداد میں شعر آج کل کے مطبوعہ دواوین میں بھی نہیں ملتے۔ چہ جائیکہ اتنے غیر مطبوعہ اشعار، وہ بھی میر کے!

یہ نسخہ پاکستان میں پہلی بار چھپ رہا ہے۔ اگر ڈاکٹر اکبر حیدری اپنے وعدے پر قائم رہتے تو پاک و ہند میں اس نایاب نسخے کو پہلی بار چھاپنے کا شرف ادارۂ نقوش کو ہی حاصل ہوتا۔ بہرحال ہندوستانی ایڈیشن میں مندرجہ ذیل غزلیں فہرست میں تو موجود ہیں۔ مگر متن میں موجود نہیں جنھیں یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

دست و پا مارے وقتِ بسمل تک ہاتھ پہونچا نہ پائے قاتل تک
کعبہ پہونچا تو کیا ہوا اے شیخ سعی کر ٹک پہنچ کسی دل تک
درپئے محمل اوس کے جیسے جرس میں بھی نالاں ہوں ساتھ منزل تک
بجھ گئے ہم چراغ سے باہر کہیو اے باد شمع محفل تک

---

[1] یہ اشعار دیگر تذکروں نکات الشعرا، تذکرۂ شورش، طبقات الشعرا، گلشنِ سخن، عمدۂ منتخبہ میں چھپ چکے ہیں مگر کلیاتِ میر میں شامل نہ تھے۔

[2] ان میں ۲۷ اشعار نسخۂ آصفیہ (مخطوطہ) میں بھی شامل ہیں۔

[3] مختلف مخطوطات میں سے حاصل کئے گئے۔

لگیا میر اپنی کشتی سے
ایک بھی تختہ پارہ ساحل تک

(ص ۹۶ ایڈیشن نولکشور ۱۸۷۴ء)

صبر و طاقت کو کوڑھوں یا خوش دل کا غم کروں — اس میں حیراں ہوں بہت کس کس کا میں ماتم کروں
موسم حیرت ہے دل بھر کر تو رونا مل چکا — اتنے بھی آنسو بہم پہنچیں کہ مژگاں نم کروں
ہوں سیہ مست سر زلف صنم معذور رکھ — شیخ اگر کعبے میں آوے گفتگو درہم کروں
ریزۂ الماس یا مشتِ نمک ہے کیا بُرا — جو میں اپنی ایسی زخم سینہ کو مرہم کروں
گرچہ کس گنتی میں ہوں پر ایک دم مجھ تک تو آ — یا ادھر ہوں یا ادھر کب تک شمار دم کروں
بس بہت رسوا ہوا میں اب نہیں مقدور کچھ — وہ طرح ڈھونڈوں ہوں جس سے ربط تجھ سے کم کروں

گو دھواں اُٹھنے لگا دل سے مرے پر پیچ و تاب
میر اس پر قطع ربط زلف خم در خم کروں

(ص ۸۲ کلیات ۱۸۷۴ء)

اس شمارے میں 'ڈاکٹر اکبر حیدری کے اس دستاویزی مخطوطے کے ساتھ' ہم نے ادارہ 'نقوش' کی طرف سے میر کے پورے کلام کے انتخاب[1] کا اضافہ کیا ہے۔ تاکہ میر کے کلام کی رفعتوں کو پورے طور پر محسوس کیا جا سکے۔ انتخاب کے علاوہ فرہنگِ میر کے عنوان سے 'فرہنگ بھی پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں ان چند صراحتوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں کہنا۔

اگر کہنا ہے تو صرف اتنا کہ ڈاکٹر اکبر حیدری کام کے آدمی ہیں۔ اُردو ادب کے بنیادی سرمائے میں ان کے انکشافات نئی جہتوں کی نشاندہی کرتے رہیں گے۔

ہاں اپنی غیر حاضری کے بارے میں بھی کچھ کہہ دوں۔ بعض دوست مجھ سے پوچھتے ہیں۔ تو کہاں ہے؟ بلکہ اس سے بھی بڑھا سوال کہ اتنا عرصہ کہاں رہا؟ میں کہاں ہوں۔ کہاں رہا۔ یہ سوالات مجھ سے متعلق نہیں۔ اس لئے میں جواب کیوں دوں؟ شاید میری ذات کا تعلق، اب میری ذات سے نہیں رہا ——— میرا اس وقت آپ سے معرفت کی زبان میں گفتگو کرنے کا ارادہ نہیں۔ پوچھنا صرف اتنا ہے کہ جب میں بیمار تھا تو اس کی گواہی آپ کے دل نے بھی دی کہ نہیں؟

بہر طور میں واپس آ رہا ہوں۔ کیونکہ میرا ادبی آنگن سُونا ہو گیا ہے۔

محمد نقوش

---

[1] جو ہمارے ایک الگ انتخابی منصوبے کی بھی کڑی ہے۔

حرفے چند بطورِ معذرت

نقوش لاہور سے میرا غائبانہ تعارف اس وقت ہوا جب کہ اس کے نامور ایڈیٹر جناب محمد طفیل صاحب نے ۵ جنوری ۱۹۶۹ء کے خط میں غالب نمبر کے لئے مضمون لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ اس کے بعد انہوں نے دیوانِ میر نسخۂ محمود آباد کی اشاعت کے لئے جس مستعدی اور خلوص کا اظہار فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی نئی چیز کو منظرِ عام پر لانے کے لئے ان میں کتنی بے چینی رہتی ہے۔ ذیل میں ان کے بعض خطوں کے اقتباسات درج کئے جاتے ہیں۔ جو موصوف نے دیوانِ میر کے سلسلے میں لکھے تھے۔

۸ر اپریل ۱۹۶۹ء کے خط میں لکھتے ہیں :۔

"میری ایک گزارش اور بھی ہے وہ یہ کہ میر پر آپ کو جو کچھ ملا ہے۔ وہ میں چھاپوں گا (فوٹو بھی عکس بھی) چاہیے مجھے اس کے لیے میر نمبر چھاپنا پڑے۔ لہٰذا وہ سب کچھ بحقِ نقوش محفوظ کر لیجیے اور یہ بھی کہ اس کام کو جلد مکمل کر ڈالیں تاکہ کوئی دوسرا نہ لے اُڑے — قبول؟ — میری آرزو ہے کہ میں اپنی زندگی میں غالب کے بعد میر اور اقبال[1] نمبر بھی چھاپ سکوں۔ اگر چھاپ نہ سکا تو کم از کم نیّت کا ثواب تو ملے گا ہی!"

۱۶ر مئی ۱۹۶۹ء کو لکھتے ہیں :

"میں نے لکھا تھا کہ میر پر ایک نمبر چھاپ دوں۔ بشرطیکہ آپ مجھے وہ سارا کلام ترتیب دے کر دے دیں جو آپ کے پاس ہے۔ ہو سکے تو ایسا کر گزریے، اس بہانے سے کچھ میں بھی کام کر لوں گا۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے وہ نہ صرف آپ کے نام کے ساتھ چھپے گا بلکہ آپ کے شکریے کے ساتھ چھپے گا۔"

۲۰ر جون ۱۹۷۰ء کے مکتوب میں فرماتے ہیں :

"کلیاتِ میر کے سلسلے میں پہلے یہ بتائیں کہ کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی ملا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر یہ نسخہ بڑا اہم ہوگا۔ ورنہ بھی آپ محنت سے کام کریں گے۔ اس میں کیا شبہ — عام ڈاک سے مضمون آ جا رہے ہیں۔ البتہ نقل اپنے پاس ضرور رکھیں۔ دیوانِ میر کا کب تک انتظار کروں؟"

جناب طفیل دسمبر ۱۹۷۰ء میں لندن کے لئے پر تول رہے تھے۔ جانے سے قبل ۱۴ر دسمبر ۱۹۷۰ء[2] کو لکھتے ہیں :

"کلیاتِ میر بھجوائیں گے تو نقوش کا ایک نمبر بھی چھاپ دوں گا۔ ایک بار ذکر کر کے پھر آپ نے کچھ نہ بتایا۔

---

[1] اقبال پر نمبر چھپے۔ طفیل صاحب کی آرزو پوری ہوئی۔ اب میر پر بھی نمبر آ رہے ہیں۔ (حیدری)

[2] یہ خط میں نے لندن سے لکھا ہوگا۔ کیونکہ میں وہاں ۱۹ر اگست ۱۹۷۰ء کو پہنچ گیا تھا۔ (مدیر)

اس ضمن میں بھی لکھیں تاکہ جیتے جی کچھ اور بھی کام "سرزد" ہو جائیں' لندن کا پتہ یہ ہے۔ معرفت:-

DR. S. A. HAIDER
MOORGATE GENERAL HOSPITAL
ROTHERHAM (U.K)

مجھے بخوبی علم ہے کہ ادارۂ نقوش برسوں پہلے اعلان کر چکا تھا کہ ہم میر کا ایک ایسا دیوان چھاپ رہے ہیں۔ جو پہلے نہیں چھپا اور اس کا خاصا حصّہ غیر مطبوعہ اشعار پر مشتمل ہوگا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ادارۂ نقوش نے زرِ کثیر صرف کر کے اس کی کتابت بھی کرائی تھی۔ بدقسمتی سے انہی دنوں ہندو پاک کے تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ آخر میں طبلِ جنگ بھی بجا۔ رسل و رسائل کے ذرائع مسدود ہو گئے اور دیوانِ میر کی اشاعت کے لیے میری امیدوں پہ پانی پھر گیا۔ اُدھر طفیل صاحب اپنے دیگر علمی و ادبی کاموں میں مصروف تھے اور اِدھر دیوان کی اشاعت کے سلسلے میں میرا دامنِ صبر چھوٹنے لگا۔ آخر کار میں نے اپنے ضمیر کے خلاف بحالتِ مجبوری اسے یہاں سری نگر سے شائع کرایا۔

راقم دیوانِ میر اور دوسری نایاب تخلیقات کو ادارۂ نقوش لاہور سے اس لیے شائع کرانا چاہتا تھا کہ اس کے ایڈیٹر محمد طفیل صاحب جنہیں لوگ محمد نقوش بھی کہتے ہیں۔ سالہا سال سے مردِ بے تیغ کی طرح خاموش جہاد کر رہے ہیں جس محنت لگن اور جذبے کے ساتھ وہ خاص نمبر شائع کرتے رہے ہیں۔ اس کی نظیر دنیائے ادب میں نہیں ملتی۔ اور وہ نمبر اُردو کی آبرو اور مستقبل کی دستاویزات ہیں۔

مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی جھجک محسوس نہیں ہوتی ہے کہ جو معاہدہ میں نے دیوانِ میر کی اشاعت کے لئے ادارۂ نقوش سے کیا تھا۔ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر اس کی پابندی مجھ سے نہ ہو سکی۔ جب اس کی اطلاع طفیل صاحب کو ملی تو انہوں نے نہایت ہی مہذبانہ الفاظ میں ایک شکایت نامہ لکھ بھیجا:

"آپ نے بڑا ظلم کیا۔ جو دیوانِ میر کو خود چھاپ لیا۔ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا یا یہ کہ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ اس دستاویز کو میں چھاپوں گا۔ آپ کی وساطت سے میری بھی واہ وا ہو جاتی۔ سچ میں حشر کے دن بھی آپ سے اس زیادتی کا شکوہ کروں گا۔"

معاہدے کی خلاف ورزی کے باوجود وہ دیوانِ میر کو نسخۂ لاہور کے نام سے شائع کر کے ادب نوازی کے سہرے میں ایک اور پھول کا اضافہ کر رہے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ نقوش کی اشاعت سے دیوانِ میر کا یہ بیش بہا تحفہ صحیح ہاتھوں میں پہنچے گا۔[1]

اکبر حیدری کاشمیری

---

[1] محبی ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری صاحب نے جو کچھ کیا یا جو کچھ سوچا۔ وہ انہوں نے رقم کر دیا۔ میں نے اس تحریر کو اس لئے چھاپ دیا کہ ایک دوست کی تحریر ہے۔ (مدیر)

دیوانِ میر

(نسخۂ محمود آباد مخطوطہ ۱۲۰۳ھ بہ حیاتِ میر)

ترتیب و تدوین

ڈاکٹر اکبر حیدری کاشمیری

شعر میرے ہیں سب خواص پسند
پر مجھے گفتگو عوام سے ہے

ترتیب

دیوانِ میر

(۲)

فہرست غزلیات دیوانِ میرؔ

نمبر شمار	مطلع	تعداد اشعار	صفحہ
۳۵۵	خورشید تیرے چہرہ کے آگے نہ آسکے	۱۱	۳۶۳
۳۵۶	کیا غم میں ویسے خاک فتادہ سے ہو سکے	۶	۳۶۳
۳۵۷	اے حُبِ جاہ والو جو آج تاجور ہے	۱۰	۳۶۴
۳۵۸	ڈھونڈا نہ پائیے جو اس وقت میں سوز رہے	۹	۳۶۴
۳۵۹	شب شمع پر پتنگ کے آنے کو عشق ہے	۷	۳۶۵
۳۶۰	یک مژہ اے دمِ آخر مجھے فرصت دیجے	۶	۳۶۶
۳۶۱	ہنس دے ہے دیکھتے ہی کیا خوب آدمی ہے	۲	۳۶۶
۳۶۲	ملو کوئی دن ہم سے ہر رات جانی	۴	۳۶۶
۳۶۳	یہاں جو وہ نونہال آتا ہے	۵	۳۶۷
۳۶۴	نہ تنہا داغ تو سینے پر میرے صد چمن نکلے	۵	۳۶۷
۳۶۵	یہ رات ہجر کی یہاں تک تو دکھ دکھاتی ہے	۴	۳۶۷
۳۶۶	سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے	۵	۳۶۸
۳۶۷	ہم رو رو کے دردِ دلِ دیوانہ کہیں گے	۲	۳۶۸
۳۶۸	چمن کو یاد کر مرغِ قفس فریاد کرتا ہے	۴	۳۶۸
۳۶۹	جب تک کہ ترا گزر نہ ہووے	۹	۳۶۹
۳۷۰	کیا خط لکھوں میں اشک سے فرصت نہیں رہی	۳	۳۶۹
۳۷۱	ہم جنوں میں جو خاک اڑائیں گے	۲	۳۷۰
۳۷۲	وصل کی جب سے گئی چھوڑ دلداری مجھے	۲	۳۷۰
۳۷۳	جوں جوں ساقی تو جام بھرتا ہے	۳	۳۷۰
۳۷۴	تو گلے ملتا نہیں ہم سے تو کیسی خرمی	۷	۳۷۱
۳۷۵	کیوں گردنِ ہلال ابھی سے ڈھلک چلی	۲	۳۷۱
۳۷۶	قصد اگر امتحان ہے پیارے	۱۰	۳۷۱
۳۷۷	قبرِ عاشق پر مقرر روز آنا کیجئے	۸	۳۷۲
۳۷۸	ہو گئی شہر شہر رسوائی	۵	۳۷۳

غالبؔ نمبر اور اقبالؔ نمبر

کے بعد

میرؔ نمبر ——————— پہلا حصہ حاضر

ابھی

دو جلدیں اور چھپیں گی

ادارۂ "نقوش" لاہور

پیش لفظ

راجہ صاحب محمود آباد کے نادر الوجود کتب خانے میں دیوان میر کے متعدد قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ ان میں سے سب سے قدیم نسخہ ۱۲۰۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ یہ میر کی حیات میں موتی لال تخلص حیقت شاگرد میر سوز کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس زمانے میں میر لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے وابستہ تھے اور حیقت نواب موصوف کے دیوان بھوانی پرشاد کے ملازم تھے۔ اس طرح دونوں بزرگوار یعنی میر اور حیقت لکھنؤ میں نواب وزیر کے زیرِ عاطفت رہتے تھے۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ دیوان خود میر کی نظر سے گزرا ہو۔ اس کی کتابت کے بعد میر ۲۳ سال تک زندہ رہے اور ۱۲۲۵ ہجری مطابق ۱۸۱۰ عیسوی میں انتقال کیا۔

یہ وہی دیوان ہے جس پر میر کو بڑا فخر تھا اور جس کے بارے میں پیشگوئی کی تھی کہ: ؎

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز
تا حشر جہاں میں میرا دیوان رہے گا

راقم الحروف نے یہ دیوان کئی پرانے قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے ترتیب دیا ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں قدیم ترین نسخہ (نسخۂ کلکتہ) فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں میر کے انتقال کے ایک سال بعد ۱۲۲۶ھ مطابق ۱۸۱۱ء میں چھپا تھا۔ یہ نسخہ اب عنقا کے برابر ہے راقم کو اس کا ایک مکمل نسخہ دستیاب ہوا جس سے بھرپور استفادہ کیا گیا۔

نسخۂ کلکتہ میں میر کا سارا کلام شامل نہیں کیا گیا۔ جب زیرِ نظر دیوان کے ساتھ ملایا گیا تو معلوم ہوا کہ بعض غزلوں کی تعدادِ اشعار میں بڑا فرق ہے۔ یعنی اگر نسخۂ کلکتہ کی غزل میں چھ شعر ہیں تو نسخۂ محمود آباد میں گیارہ ہیں۔ اس طرح اس نسخے میں سیکڑوں اشعار ایسے ہیں جو غیر مطبوعہ ہیں اور اب پہلی مرتبہ شائع کیے جاتے ہیں۔

میر کے بارے میں مشہور ہے کہ ان کے کلام میں بہتّر نشتر ہیں۔ کلیاتِ میر میں صرف بہتّر نشتر کا تعین کرنا میر کے ساتھ ناانصافی ہے۔ راقم نے نسخۂ محمود آباد میں میر کے سیکڑوں اشعار دریافت کیے ہیں جن میں سے ایک ایک شعر نشتر سے تیز تر ہے اور یہ سب کے سب غیر مطبوعہ ہیں۔ اس کی مثال صرف ایک شعر سے دی جا سکتی ہے جو آج تک لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی ابتدا غزل کے اس شعر سے ہوتی ہے: ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

اس غزل کا درج ذیل شعر غیر مطبوعہ ہے اور یہی حاصلِ غزل ہے: ؎

اس فصل میں کہ گل کا گریباں بھی ہے ہوا
دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا

دیوان میں اس قسم کے غیر مطبوعہ اشعار بکثرت ملتے ہیں جو میرؔ کے مزاج اور افتادِ طبع کے آئینہ دار ہیں۔ راقم نے ہر غزل کے فُٹ نوٹ میں اختلافِ نسخ کے علاوہ ان تمام غیر مطبوعہ اشعار کی نشان دہی کی ہے جو پہلی مرتبہ دریافت کیے گئے ہیں۔

راقم الحروف نے دیوان کے دیباچے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ نسخۂ محمود آباد میں میر کا وہ کلام درج ہے جو انھوں نے ۱۱۹۵ھ سے قبل دہلی میں ترتیب دیا تھا۔ روانگی لکھنؤ سے قبل یہی دیوان دلّی میں مروّج تھا۔ اس بات کا وافر ثبوت خود میرؔ کے نکات الشعرأ سے فراہم ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنے ترجمے کے ساتھ ۲۲۳ اشعار اور ۷ رباعیوں کا انتخاب دیا ہے۔ انتخاب کے بہ جملہ اشعار نسخۂ محمود آباد میں موجود ہیں۔

زیرِ بحث دیوان میں ایک غیر مطبوعہ غزل کا یہ شعر قابلِ توجہ ہے: ؎

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے
جب مرا انتخاب نکلے گا

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ نے گویا اپنے کلام کا انتخاب بھی کیا تھا۔

دیوان میں میرؔ کی یہ غزل بھی درج ہے: ؎

رہی نہفتہ میرے دل میں داستاں میری
نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری

اس شعر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ میرؔ کو لکھنؤ سے ایک خاص تنفر تھا اور لوگ ان کی زبان نہیں سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اس شعر میں اہلِ لکھنؤ کی ناقدردانی کی شکایت کی ہے۔ راقم کی دریافت ہے کہ یہ غزل دلّی میں ۱۱۹۵ھ سے قبل کہی گئی تھی۔ ثبوت یہ ہے کہ اس کا انتخاب قدیم تذکروں جیسے تذکرۂ میر حسن (سالِ تصنیف ۹۲-۱۱۸۸ھ) میں بھی دیا گیا ہے۔

غزل کا یہ شعر غیر مطبوعہ ہے: ؎

نہیں ہے تاب و تواں کی جدائی کا اندوہ
کہ ناتوانی بہت ہے مزاجداں میری

اسی طرح یہ غزل بھی میرؔ نے ۱۱۶۵ھ سے پہلے دلّی میں کہی تھی اور میرؔ نے اس کا انتخاب نکات الشعراء میں بھی دیا ہے: ؎

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر
یہ ہماری زبان ہے پیارے

نسخۂ محمود آباد دیوانِ میرؔ کا ایک مستند اور قدیم ترین نسخہ ہے۔ اس میں میرؔ کی خاص زبان پائی جاتی ہے اور اشعار اسی املا، لب و لہجہ اور قرأت سے درج ہیں جیسے کہ نکات الشعراء میں پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصاید در منقبت وغیرہ

جب سے خورشید ہوا ہی چمن افروز حمل
رنگ گل چمکی ہی ہر پات ہرے کے اوجہل

وقت وہ ہی کہ زبس شوق سے چشم بلبل
خوبیٔ دلکش گل دیکھنے کو ہو احول

جوش گل بسکہ ہی جہاں نکہت کرے ہی کام عطر
لالہ و نرگس و گل سے ہیں بھرے دشت و جبل

لطف روئیدگی مت پوچھ کہ ہیش شیشے میں ہوں
سبزہ غلطاں ہی لب جو پہ کہ خواب مخمل

چشم رکھتا ہی تو چل فیض ہوا کو ٹک دیکھ
نرگس اُگتی ہی جہاں بوئی تھی دہقاں نے بصل

سبز کر تازگی و خرمی و شادابی
خشک بھی شاخ نے اب سبز نکالی کونپل

خون عمبارہ کش عاشق و ہیچۂ گل
دونوں نکلے ہیں نہ خاک سے اب دست و بغل

مرگ گل فیض ہوا کرتا ہی ہر اخگر کو
آگ کی گر کہیں سلگا کے رکھے ہیں منقل

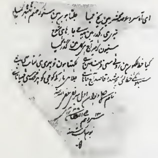
بیت بحثی کنہیں مرغ چمن آئے ہزار
کسو گلبن کے تلے آپ بھی اب پڑھیے غزل

مطلع ثانی

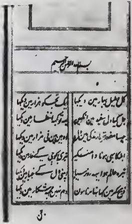
نکلے ہی لالہ زبس چاک کر اب سینۂ تل
آتش گل سینے جلا کرتا ہی سارا جنگل

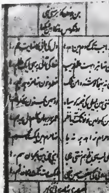
۱

کلیات میر، نسخۂ کلکتہ، مکتوبہ ۱۸۱۱ء کا عکس، پہلا صفحہ



کلیات میر۔ نسخۂ ندوہ لکھنؤ، مکتوبہ سنہ ۱۲۳۸ ہجری





دیوان میر مکتوبہ ۱۲۰۳ ہجری نسخۂ محمود آباد کے پہلے دو صفحے



مخطوطہ تذکرۂ بہار بے خزاں مکتوبہ ۱۲۶۱ھ ہجری میں ترجمۂ میر

دو شعر ملاحظہ ہوں :-

افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب
پچھتاؤنا عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا

اگو تو لعل نوخط خوباں کہ دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں

یہ شعر نکات الشعراء میں بھی اسی طرح درج ہیں۔ نسخۂ کلکتہ اور دیگر قلمی نسخوں میں "پچھتاؤنا" کے بجائے "پچھتانا" اور "اگو" کے بدلے "آ گے" ہے۔

راقم نے دیوان کی ابتداء میں میرؔ کے حالاتِ زندگی مستند ذرائع سے قلمبند کیے ہیں۔ راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں میرؔ کے دیوانِ چہارم کا ایک نایاب اور بیش بہا مخطوطہ ہے۔ یہ نسخہ میرؔ کے داماد میر حسن علی تجلیؔ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ اس کے بیچ میں ایک ورق میں میرؔ کی زندگی کے اہم واقعات درج ہیں جو "سوانح محمد تقی میرؔ" کے عنوان کے تحت لکھے گئے ہیں۔ یہ حالات "نوادر الکملا" سے ماخوذ ہیں۔ اس کتاب کا نام و نشان نہیں ملتا ہے۔ راقم نے زیر نظر دیوان میں اس اہم دستاویز کا عکس بھی شامل کیا ہے۔ اس کے بعد میرؔ کے بارے میں تذکرہ نویسوں کی آراء اور میرؔ کے الحاقی کلام کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مقدمہ کا آخری اور اہم باب "مخطوطات دیوانِ میرؔ اور کلیاتِ میرؔ کے مطبوعہ نسخے" پر مشتمل ہے۔ مخطوطات میں جس قدر میرؔ کا غیر مطبوعہ کلام دستیاب ہو سکا وہ بھی دیوان کے مقدمہ کے ساتھ شامل کیا گیا ہے۔ کتاب میں نسخۂ محمود آباد کے علاوہ دیوانِ چہارم، کلیاتِ میرؔ نسخۂ ندوہ لکھنؤ مکتوبہ ۱۲۳۸ھ، دیوانِ میرؔ مکتوبہ ۱۲۴۵ھ اور نسخۂ کلکتہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء کے عکس بھی شامل کئے گئے ہیں۔

مولانا آزاد نے آبِ حیات میں میرؔ کا جو حلیہ پیش کیا ہے دیوان میں اسی کے عین مطابق میرؔ کی تصویر شایع کی گئی ہے۔ یہ تصویر خیر بہوروی مرحوم نے عنایت کی تھی۔

راقم الحروف مہاراجکمار محمد امیر حیدر خاں کا بے حد ممنون ہے کہ موصوف نے اپنے بیش بہا اور نایاب کتب خانہ میں سے استفادہ کرنے کی اجازت فرمائی ہے۔

اکبر حیدری
۲۱- مارچ ۱۹۷۳ء
سری نگر

مقدمہ

حالات زندگی

میر محمد تقی نام، میر تخلص[1]، اکبرآباد میں ۱۱۳۵ھ مطابق ۱۷۲۲ء میں پیدا ہوئے[2]۔ والد کا نام میر محمد علی[3]، خطاب علی متقی[4]۔ لقب "عزیز مردہ"[5]۔ ڈاکٹر عبدالحق کا یہ کہنا غلط ہے کہ میر کے والد کا نام میر محمد تقی تھا[6]۔

جب خواجہ محمد باسط[7] اپنے چچا نواب صمصام الدولہ[8] کے پاس میر کو لے گئے تھے تو انھوں نے کہا:

"ایں پسر از کیست؟ گفت از میر محمد علی است"[9]

سعادت خاں ناصر[10]، سید محسن علی محسن[11]، گارساں دتاسی[12]، عبدالغفور خاں نساخ[13]، محمد حسین آزاد[14] اور بلوم ہارٹ[15] نے میر کے

---

[1] مجمع النفائس (قلمی)، سراج الدین علی خاں آرزو (میکروفلم محکمہ ریسرچ سری نگر)، نکات الشعرا ص ۱۴۵، ذکرِ میر ص ۳۔

[2] نوادر الکلام ص ۱۴۱ مشمولہ دیوان چہارم (مخطوطہ) [3] ذکرِ میر ص ۶۲ [4] ذکرِ میر ص ۵ [5] ذکرِ میر ص ۴۵

[6] مقدمہ ذکرِ میر ص ۵ [7] خواجہ محمد باسط نام باسط تخلص۔ خواجہ جعفر کے بیٹے اور نواب صمصام الدولہ کے بھتیجے تھے۔ سلسلۂ نسب خواجہ علاؤ الدین عطار سے ملتا تھا۔ ان کے خاندان میں سے ایک بزرگ ماوراء النہر سے آکر ہندوستان آگئے۔ باسط کی ولادت اکبرآباد میں ہوئی۔ کم عمری میں صمصام الدولہ کے کہنے پر دلی آئے اور یہیں نشوونما بھی ہوئی۔ جب دلی اجڑ گئی تو نواب شجاع الدولہ (متوفی ۱۱۸۸ہجری مطابق ۱۷۷۵ء) کی خواہش پر فیض آباد گئے اور یہیں ۱۱۸۰ھ مطابق ۱۷۶۴ء میں انتقال کیا۔ مادۂ تاریخ "شیخ مومنین باسط" ہے۔ باسط فارسی میں شعر کہتے تھے۔ (سفینۂ ہندی ص ۳۷) تاریخ مظفری قلمی از محمد علی خاں عاصی۔

[8] یہ وہی صمصام الدولہ ہیں جنہوں نے میر کا روزینہ مقرر کیا تھا۔ ان کا اصل نام خواجہ عاصم تھا۔ والد کا نام خواجہ قاسم، اکبرآباد کے رہنے والے تھے۔ محمد فرخ سیر بادشاہ (متوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) کے دربار سے وابستہ تھے اور ان سے "خان دوران بہادر" کا خطاب پایا۔ ان کے انتقال کے بعد محمد شاہ بادشاہ (متوفی ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء) کے زمانے میں ترقی کرتے کرتے امیر الامراء اور بخشی گری کے خطاب اور صمصام الدولہ بہادر کے لقب سے سرفراز ہوئے۔ یکم ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ مطابق ۳۰ جنوری ۱۷۳۹ء کو نادر شاہ کی فوج کے مقابلے میں گولی لگنے سے انتقال کیا۔ مادۂ تاریخ "امیر الامرا شہید شدہ" ہے۔ عاصم فارسی میں شعر کہتے تھے۔ سفینۂ خوشگو صفحہ ۲۲۰، تذکرہ گل رعنا قلمی شفیق اورنگ آبادی، سفینۂ ہندی ص ۶۵۔ [9] ذکرِ میر ص ۶۲ [10] مخطوطہ خوش معرکہ زیبا ورق ۴۲ [11] سراپا سخن ص ۱۸۹ مرتبہ ڈاکٹر سلیمان حسین [12] تاریخ ادبیات ہندی و ہندوستانی جلد دوم ص ۳۰۲ [13] سخن شعرا ص ۴۷۹ [14] آبحیات ص ۲۰۳

[15] ہندی، پنجابی اور ہندوستانی مخطوطات کی فہرست ص ۳۲ برٹش میوزیم لندن مطبوعہ ۱۸۹۹ء۔

والد کا نام میر عبداللہ لکھا ہے۔ خواجہ احمد فاروقی لکھتے ہیں کہ:

"گلزار ابراہیمی (کذا) میں بھی لکھا ہے۔"

مزید برآں وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"بیل نے محمد تقی مانا ہے۔"[1]

جناب فاروقی صاحب کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ علی ابراہیم خاں خلیل نے گلزار ابراہیم میں میرؔ کے والد کا نام میر عبداللہ لکھا ہے یا یہ کہ بیلؔ نے انھیں محمد متقی کہا ہے۔ دراصل فاروقی صاحب کو آزاد کے گلزار ابراہیمی (کذا) کے حوالے سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے جو انھوں نے آبِ حیات میں میر کے آغاز ترجمہ میں دیا ہے۔ آزاد نے ہرگز گلزار ابراہیمی (کذا) کے حوالے سے یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ میرؔ کے والد کا نام میر عبداللہ تھا۔ اسی طرح بیلؔ کے متعلق خواجہ صاحب کو بلوم ہارٹ کے بیان سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ بلوم ہارٹ مخطوطہ دیوان میرؔ کے سلسلے میں لکھتے ہیں کہ میرؔ کے والد کا نام میر عبداللہ تھا۔ اس کے بعد فُٹ نوٹ میں لکھتے ہیں کہ بیلؔ کی بیوگرافکل ڈکشنری میں غلطی سے میر عبداللہ کے بجائے محمد تقی لکھا گیا ہے۔ اصل میں بلوم ہارٹ اور فاروقی صاحب کا یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ بیلؔ نے میرؔ کے والد کا نام محمد متقی لکھا ہے۔ بیلؔ نے اپنی کتاب میں کہیں بھی میرؔ کے والد کا نام نہیں لکھا ہے۔[2]

سیادت فارسی اور اردو کے اکثر مستند تذکروں میں محمد تقی نام سے پہلے "میر" تحریر کیا گیا ہے۔[3] "میر" نشان سیادت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ میرؔ سیّد تھے۔ مولف تذکرۂ شورش کو میرؔ کے سیّد ہونے پر شدید اختلاف ہے۔ وہ انہیں "شیخ" کہتا ہے، چنانچہ تذکرہ میں منقول ہے کہ:

"میر... در تذکرہ خود را "سیّد" نوشتہ اند۔ مردماں گویند کہ شیخ است۔ چنانچہ کسے گفتہ، ع
"شیخ تقی نام ہو اور میر کہائے"

دیگرے گوید: ع

دلی میں ایک شیخ زادہ گنجفہ کا میر ہے

سوائے ازیں فتح علی گردیزی در تذکرۂ خود تقی میر را سیّد نوشتہ است۔ پس ایشاں را برائے استحکام سیادت

---

[1] میر تقی میرؔ حیات اور شاعری ص ۵۳

[2] اورینٹل بیوگرافکل ڈکشنری ص ۲۴۹ مطبوعہ ۱۸۹۴ء

[3] مجمع النفائس قلمی ورق ۴۰۴ الف، مقالات الشعرا قلمی ورق ۲، ب، قیام الدین حیرت، تذکرۃ الشعرا قلمی ۲۶۶ ب میر علاؤ الدولہ اشرف علی خاں، تکملۃ الشعراء ۲۰۰ ب شوق رامپوری، مدائح الشعرا قلمی ورق ۲۶ الف عنایت حسین خاں مہجور، نکات الشعرا ص ۱۵۲ میر تقی میر، تذکرہ ریختہ گویاں ص ۱۳۷ سیّد فتح علی حسینی گردیزی، طبقات الشعرا ص ۱۰۳ در ترجمہ بقا از شوق رامپوری، عقد ثریا ص ۵۲ مصحفی، گلشن سخن ص ۲۰۵ مردان علی خاں مبتلا، گلزار ابراہیم ص ۲۰۸، مخطوطہ دیوان میرؔ سال کتابت ۱۲۰۳ھ

کا ذبہ خود میرؔ تخلص نمودہ اند۔"[1]

ابو الحسن امیر الدین امیر اللہ الہ آبادی کو بھی میرؔ کی سیادت سے انکار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

"میرؔ سید نہ تھے۔ میر دردؔ کے والد ناصرؔ مرحوم نے ان کی تیزیِ طبع کو دیکھ کر ان کی ابتدائی جوانی ہی میں فرمایا تھا کہ محمد تقی میرؔ میدانِ سخن کے میر ہو جائیں گے۔ اسی دن سے انھوں نے اپنا لقب میرؔ قرار دیا۔ حضرت مصیبؔ فرماتے تھے کہ ایک شخص میرا ہمسایہ تھا جو اپنے کو "شیخ" کہتا تھا۔ کچھ دنوں کے بعد تلاشِ معاش میں گھر سے نکلا جب واپس آیا تو اپنے کو "میر" مشہور کیا۔ ایک روز میں نے مذاقاً اس سے پوچھا کہ تمہاری "شیخی" میں کیا خرابی پیدا ہوئی کہ "میر" بن گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پیر نے مجھ کو "میر" خطاب دیا۔"[2]

محمد حسین آزاد کو بھی میرؔ کی سیادت پر شبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ:

"کہن سال بزرگوں سے یہ بھی سُنا ہے کہ جب انھوں نے میرؔ تخلص کیا تو ان کے والد نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ ایک دن خواہ مخواہ سید ہو جاؤ گے۔ رفتہ رفتہ ہو ہی گئے۔"[3]

اس کے بعد آزادؔ میرؔ کی مسکینی و غربت اور صبر و قناعت اور تقویٰ و طہارت کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ،

"ان کی سیادت میں شبہ نہیں کرنا چاہیے۔"[4]

آسیؔ لکھنوی کو بھی باوجودیکہ انھوں نے میرؔ کی سیادت کے سلسلے میں خود میرؔ کے کلام سے بہت سے شعر پیش کیے ہیں میرؔ کی سیادت پر یقین نہیں آتا ہے۔ انھوں نے "سیادت میرؔ" کے عنوان پر سیر حاصل بحث کی ہے اور آخر اس نتیجے پر پہنچے ہیں:

"ان سب باتوں کے باوجود ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اگر کہنے والا یہ کہہ دے کہ میرؔ صاحب سیادت کے مدعی تھے اور یہ سب باتیں میرؔ صاحب ہی کی بیان کی ہوئی ہیں۔ ان پر اعتماد کیا ہو سکتا ہے۔"[5]

جناب قاضی عبدالودود صاحب کو بھی میرؔ صاحب کی سیادت سے اختلاف ہے۔ وُہ میرؔ کے حالاتِ زندگی قلمبند کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"میرؔ نے کلیات میں ایک اور شخص کی زبان سے اپنے کو "بنی فاطمہ" کہوایا ہے۔ میری رائے میں ان کی فاطمیت مشتبہ ہے۔"[6]

غالباً اسی لیے قاضی صاحب نے اپنے مقالے میں ہر جگہ "میر محمد تقی" کے بجائے صرف "محمد تقی" ہی لکھا ہے۔ ایک اور جگہ وُہ کہتے ہیں کہ:

---

[1] تذکرہ شورش ص ۱۹۰ [2] تذکرہ مسرت افزا ص ۱۰۹ مرتبہ عطا کاکوی [3] آب حیات ص ۲۰۳ [4] آبحیات ص ۲۰۲

[5] مقدمہ کلیاتِ میرؔ ص ۶ [6] میرؔ نمبر دہلی کالج میگزین ص ۲۷ مطبوعہ ۱۹۶۲ء میرؔ کا شعر مختار سلطنت کی زبانی یہ ہے: سہ

تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام ہے غلامی تمہاری اپنا کام

"تذکرۂ شورش (نسخۂ آکسفورڈ) میں ان (میر) کی سیادت سے انکار کیا گیا ہے۔ گو یہ خود مدعی سیادت ہیں"[1]

میر نمبر میں کلب علی خاں فائق رامپوری کا ایک مضمون "حیاتِ میر" کے نام سے درج ہے۔ فاضل مضمون نگار نے میر کے شیخ ہونے پر اپنا تمام زورِ قلم صرف کیا ہے۔ جو رائے انہوں نے قائم کی ہے وہ ذیل میں اختصار سے پیش کی جاتی ہے:

"اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ میر نسباً شیخ تھے اور شیخ بھی صدیقی ...... اب سوال یہ ہے کہ میر کو سید کہلانے پر کیوں اصرار تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ میر کی والدہ سیدانی تھیں جس طرح آرزو کی والدہ اور دادی سیدانی تھیں۔ آرزو نے سید کہلانے کے دلائل کمزور پائے اس لیے دعویٰ نہیں کیا۔ اور یہ حقیقت ہے رواجِ زمانہ کے موافق خاندان باپ سے منسوب ہوتا ہے۔ میر نے اپنی جدتِ طبع کے تحت شرافت مادری سے فائدہ اٹھایا اور سید کہلانے پر مصر رہے۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ خاندان شیوخ سے ہیں۔ یہ میر کی ذاتی رائے تھی جس کو اکثریت نے آخر میں تسلیم کر لیا"[2]

جناب فائق صاحب نے اپنے بیان کی تائید میں یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ اگر میر واقعی سید ہوتے تو تذکرہ نویس بھی ان کے بھتیجے محمد محسن محسن کے نام کے ساتھ میر لکھتے۔ چنانچہ کہتے ہیں:

"آخر محسن کو اپنے والد کے نام سے پہلے لفظ "میر" لکھنے میں کونسی چیز مانع تھی۔ اگر محسن سید تھا تو اس نے "سید" یا "میر" اپنے نام سے پہلے کیوں نہ لکھا۔ اس کا سبب واضح ہے۔ محسن کو اپنا نسب معلوم تھا وہ سادات سے انتساب پسند نہیں کرتا تھا اور جو بات میر صاحب پھیلا چکے تھے اس سے محسن نے فائدہ اٹھانا گوارا نہیں کیا۔"[3]

فائق صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"اگر معاصرین نے انہیں (محمد محسن) "میر" یا "سید" سے موسوم کیا ہو تو معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ آخر محمد علی ہی کی نسل ہے۔ میر سید بن جائیں اور محسن شیخ۔"[4]

اس کے بعد فائق نے ذکرِ میر، مخزن نکات، تذکرہ شعرائے اردو، مجموعہ نغز اور رسالہ "محاکمات الشعراء" کے حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ چونکہ ان کتابوں میں محمد محسن سے پہلے "میر" نہیں لکھا گیا۔ لہٰذا وہ "سید" نہیں تھے۔

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے میر کی سیادت کو موضوعِ بحث قرار نہیں دیا ہے۔ وہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ:

"میر کے کلام میں کافی موثر شہادتیں ان کی سیادت کی موجود ہیں جن کو جھٹلانا آسان نہیں ہے۔"[5]

---

[1] تذکرۂ طوفان (حواشی) ص ۲۵ مرتبہ قاضی عبدالودود

[2] میر نمبر دلی کالج میگزین ص ۵۸

[3] میر نمبر ۔ دلی کالج میگزین ص ۵۸

[4] میر تقی میر دلی کالج میگزین ص ۵۸

[5] میر تقی میر حیات اور شاعری ص ۶۷

غرضیکہ میر کی سیادت کا مسئلہ آج بھی اتنا ہی تحقیق طلب ہے جتنا کہ یہ ذکرِ میر شائع ہونے سے پہلے تھا۔ ہماری رائے یہ ہے کہ میر تقی میر سید تھے۔ اس کی کافی شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اوّل یہ کہ تمام معاصر اور قدیم تذکروں میں (مسرت افزا اور تذکرۂ شورش سے قطع نظر کرکے) ان کے نام سے پہلے لفظ "میر" تحریر کیا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ احد علی یکتا جو میر کے ہمعصر تھے اور جنھوں نے میر کی زندگی میں ہی اپنا تذکرہ تالیف کرنا شروع کیا تھا، میر کو صاف الفاظ میں سید کہتے ہیں۔ ان کی تحریر یہ ہے:

"سید محمد تقی المتخلص بہ میر" [۱]

تذکرۂ نادر میں بھی "سید محمد تقی" ہی لکھا گیا ہے [۲]

اب رہا فائق صاحب کا یہ اعتراض کہ معاصرین میں سے محمد محسن کے نام کے ساتھ کسی نے لفظ "میر" شامل نہیں کیا ہے۔ اس باب میں اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ شفیق اورنگ آبادی [۳]، ابوالحسن امیرالدین [۴]، عشقی [۵]، سرور [۶]، شیفتہ [۷]، محسن [۸] اور نساخ [۹] نے محسن کا نام میر محمد محسن ہی لکھا ہے۔ علاوہ ازیں مبتلا [۱۰]، علی ابراہیم خاں [۱۱]، مصحفی [۱۲]، حیدر بخش حیدری [۱۳] اور شاہ کمال [۱۴] نے میر کے بیٹے فیض کے نام سے پہلے لفظ "میر" لکھا ہے۔ یعنی ان کا نام میر فیض علی فیض لکھا ہے۔ سرور نے تو ان کا نام سید فیض علی فرزند میر محمد تقی میر لکھا ہے۔ میر کے دوسرے بیٹے کے نام کے ساتھ تذکروں میں لفظ "میر" شامل ہے۔ مثلاً میر حسن عسکری عرف میر کلو تخلص زار ثم عرش [۱۵]

ان تمام باتوں کے علاوہ میر کا سید ہونا ان کے کلام سے بھی ثابت ہے۔ اس قسم کے چند اشعار ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

رکھتی ہے میری شرافت اشتہار — گویا نا سید کے ہے کیا چمار

اے غیر میر تجھ کو گر جوتیاں نہ مارے — سید نہ ہوئے پھر تو کوئی چمار ہووے

سید ہیں میر صاحب و درویش درد مند — سر رکھئے ان کے پاؤں پہ جائے ادب ہے یہ

جانتے تھے کہ ہے یہ دلدادہ — سید خستہ خاک افتادہ

کیا خانداں کا اپنے تجھ سے کہیں تقدس

روح القدس اک ادنیٰ درباں ہے ہمارا

---

[۱] دستور الفصاحت ص ۲۲ [۲] تذکرۂ نادر ص ۵۴ مرزا کلب حسین خاں مرتبہ سید مسعود حسن رضوی
[۳] چمنستان شعراء ص ۲۰۶ [۴] مسرت افزا ص ۱۱۲ [۵] تذکرۂ عشقی ص ۲۱۰
[۶] عمدۂ منتخبہ ص ۱۳۷ [۷] مخطوطہ گلشن بے خار [۸] سراپا سخن ص ۱۷۰
[۹] سخن شعراء ص ۴۲۰ [۱۰] گلشن سخن ص ۱۹۱ [۱۱] گلزار ابراہیم ص ۱۹۱
[۱۲] تذکرۂ ہندی ص ۱۵۸ [۱۳] گلشن ہند ص ۸۰ [۱۴] مجمع الانتخاب قلمی [۱۵] ریاض الفصحاء ص ۱۱۰، سراپا سخن ص ۱۳۵

میر کے آبا و اجداد

میر کے آبا و اجداد کے بارے میں ابھی تک کچھ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے دادا، پردادا کون تھے۔ ذکرِ میر کی اشاعت کے بعد بھی یہ مسئلہ ابھی تشنۂ تحقیق ہے۔ اپنے خاندان کے بارے میں میر حرف اتنا کہتے ہیں کہ:

"بزرگان من قوم و قبیلہ کے ساتھ زمانے کی نامساعدت سے ملک حجاز سے رخصت ہو کر سرحد دکن میں پہنچے وہاں سے مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلتے ہوئے احمد آباد گجرات میں وارد ہوئے۔ ان میں سے بعض لوگ وہیں اترے اور کچھ تلاش روزگار کے لیے آگے بڑھے۔ چنانچہ میرے جد بزرگوار دار الخلافہ اکبر آباد میں متوطن ہوئے۔ انھیں یہ جگہ آب و ہوا کی ناموافقت سے راس نہ آئی، بیمار ہو گئے اور چل بسے۔ انھوں نے ایک لڑکا یادگار کے طور پر چھوڑا۔ جو میرے دادا تھے وہ فکر معاش میں سرگرداں رہے۔ کافی دوڑ دھوپ کے بعد فوجداری نواح اکبر آباد پر فائز رہے۔ شریفانہ زندگی بسر کرتے تھے پچاس سال کی عمر میں بیمار ہو گئے۔ کئی دن علاج معالجہ ہوا۔ ابھی صحت یاب نہیں ہوئے تھے کہ گوالیار گئے۔ سفر کی تکان اور جسم کی نقاہت کی وجہ سے وہیں انتقال کیا ان کے دو بیٹے تھے، بڑے جو "خلل دماغ" سے خالی نہ تھے جوان مرے اور ان کا قصہ ہی تمام ہوا۔ چھوٹے بیٹے میرے والد تھے انھوں نے ترک لباس کر کے درویشی اختیار کی۔ علوم ظاہر کی تحصیل شاہ کلیم اللہ اکبر آبادی سے کی تھی۔"[1]

میر محمد علی

میر کے والد میر محمد علی جوان، صالح اور عاشق پیشہ تھے۔ عشق کی گرمی دل میں رکھتے تھے اور روز و شب خدا کی یاد میں معروف رہتے تھے۔[2]

میر صاحب کو تلقینِ عشق یوں کیا کرتے تھے:

"اے پسر عشق بورز عشق است کہ دریں کارخانہ متصرف است۔ اگر عشق نمی بود نظم کل صورت نمی است، عشق لبسازد، عشق لبسوزد، در عالم ہرچہ ہست، ظہور عشق است۔ آب رفتار عشق است خاک قرار عشق است۔ باد اضطرار عشق است، شب خواب عشق است۔ صلاح قرب عشق است، مسلم جمال عشق است، کافر جلال عشق است، گناہ بعد عشق است، بہشت شوق عشق است، مقام عشق از عبودیت و عارفیت و زاہدیت و صدیقیت و خلوصیت و مشتاقیت و خلیت و حبیبیت برتر است۔ جمعے برآنند کہ حرکت آسمانہا حرکت عشق است یعنی بہ مطلوب نمی رسند و سرگردانند۔ ے

بے عشق نباید بود بے عشق نباید زیست
پیغمبر کنعانی، عشق پسرے دارد

---

[1] ذکرِ میر ص ۳۰۴ [2] ذکرِ میر ص ۵

روز حیران کار، شب زندہ دار، اکثر ردئے نیاز بر خاک . . . . عشق الٰہی را پیشۂ خود کن، روزے در پیش است، اندیشۂ خود کن، ہر کہ اہل است می داند کہ دنیا سہل است . . . . زمانہ آں سیال است یعنی بسیار کم فرصت از تربیت خود غافل مشو۔ دریں راہ نشیب و فراز بسیار است، دیدہ دیدہ برو . . . . عندلیب گلے باش کہ ہمیشہ بہار است، آں سادہ شو کہ یک پرکار است دور آسمان دو رنگ و رنگ ندارد، بشتاب فرصت غنیمت شمار و خود را دریاب۔"[۱]

میر متقی بڑے درویش کامل اور صاحبِ کرامات تھے انھوں نے ایک سیدزادے مسمی میر امان اللہ کی تربیت کی جو تھوڑی سی مدت میں فقیر کامل ہو گئے[۲]۔ میر تقی انہیں "برادر عزیز" کہہ کر پکارتے تھے[۳]

میر ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷۲۹ء میں جبکہ سات برس کے تھے تو میر امان اللہ نے انھیں اپنا فرزند بنا لیا اور انہیں ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتے تھے انھوں نے میر کی بڑے لاڈ پیار سے پرورش کی اور قرآن شریف بھی پڑھایا[۴]۔ میر دس برس کے تھے تو امان اللہ کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال سے میر اور ان کے والد کو بڑا صدمہ ہوا اور دونوں بے اختیار روتے تھے۔ میر تقی نے ان کی وفات پر اپنا لقب "عزیز مردہ" رکھا اور بعد میں اسی لقب سے مشہور ہوئے[۵]۔

میر اپنے والد کی بیماری اور ان کی وفات کے بارے میں کہتے ہیں:

میر متقی کا انتقال

"ایک دن درویش عزیز مردہ (میر متقی) برادر عزیز (میر امان اللہ) کے بھانجے محمد باعث کی عیادت کو محلہ عالم گنج جو اکبر آباد کا مشہور محلہ ہے گئے جب واپس آتے تو راستے میں آفتاب کے اثر سے بیمار ہو گئے اور تپ آنے لگی صبح کو حکیم ابوالفتح جو ان کے پرانے معالج تھے آئے انھوں نے ٹھنڈائی پلائی مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک مہینہ اسی طرح علاج معالجے میں گزرا۔ آخر جب زیست کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو اپنے بڑے بیٹے حافظ محمد حسن (جو سراج الدین علی خاں آرزو کی بہن کے لڑکے اور میر کے سوتیلے بھائی تھے) کو بلوایا اور کہا: "من فقیرم و ہیچ ندارم مگر سہ صد جلد کتاب روبروئے من بیارید و حصہ برادرانہ کردہ بگیرید"۔ انھوں نے جواب دیا کہ میں طالب علم ہوں اور میرا کتابوں سے بیشتر واسطہ رہتا ہے۔ یہ چھوٹے بھائی یعنی میر تقی میر کتابوں سے کوئی ربط نہیں رکھتے۔ ان کے ورق پھاڑیں گے ایک پتنگ بنائیں گے اور دوسرے پانی میں بہا دیں گے۔ اگر یہ سب کتابیں مجھے ہی امانت کے طور پر دے دیں تو بہتر ورنہ آپ مختار ہیں۔"[۶]

علی متقی حافظ محمد حسن کے مزاج ناساز سے باخبر تھے کہنے لگے:

۱؎ ذکر میر ص ۵-۸
۲؎ ذکر میر ص ۱۹
۳؎ ذکر میر ص ۱۹
۴؎ ذکر میر ص ۲۰
۵؎ ذکر میر ص ۵۴
۶؎ ذکر میر ص ۵۷-۵۹

"چہ شد کہ ترک لباس کردہ۔ لیکن کج پلاسی تو ہنوز نہ رفتہ است۔ می خواہی کہ طفلان بے چارہ را بازی دہی و پس از مرگ دل۔ بجز ابی الیشان نہی۔ دانستہ باش کہ حق تعالیٰ غیور است و غیور را دوست می دارد۔ غالب کہ میر محمد تقی دست نگر تو شود۔ اگر بنوع دیگر پیش خواہی آمد، کاسہ بر سرت خواہد شکست و نقش عزت تو پیش ایں بابا نخواہد نشست۔ خواہی دید اگر بمراد خواہی رسید، برائے یک جلد کتاب پوست تو خواہد کشید۔ کم کاسہ شائستہ بے اعتباری است۔ بخل و حسد دلیل ذلت خواری است خوب است کتاب ہا را بہ برونگاہ دار۔"[1]

اس کے بعد میر سے مخاطب ہوئے اور کہا:

بیٹے میں بازار کے بنیوں کا تین سو روپے کا مقروض ہوں۔ امید ہے کہ جب تک یہ رقم ادا نہ کرو گے میری میت نہ اٹھاؤ گے۔ میں معاملے کا صاف رہا ہوں اور عمر بھر میں نے کسی کو دھوکہ نہیں دیا ہے۔ میر نے عرض کیا کہ سوائے ان کتابوں کے میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں ہے۔ وہ بھی آپ نے بڑے بھائی کو دے دیں۔ اب میں قرض کہاں سے ادا کروں گا۔ میر متقی کی آنکھیں بھر آئیں اور کہا خدا کریم ہے تمہیں مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ہنڈوی راستے میں ہے اور پہونچنے ہی والی ہے۔ میں چاہتا تھا کہ روپیہ آنے تک زندہ رہوں لیکن کیا کروں پیمانۂ عمر چھلکنے ہی والا ہے اب ٹھہرنا ممکن نہیں۔ یہ کہہ کر میر کے حق میں دعا کی اور خدا کے حوالے کیا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔"[2]

حافظ محمد حسن کی طوطا چشمی

میر متقی کی وفات کے بعد میر کے لیے عرصۂ حیات تنگ ہونے لگا اور عالم ان کی نگاہ میں تاریک ہو گیا۔ آفت عظیم نازل ہوئی اور ان پر آسمان ٹوٹنے لگا۔ آٹھ آٹھ آنسو روتے۔ بے حد مضطرب ہوتے۔ سر ٹکراتے، خاک بسر ہوتے۔ قیامت رونما ہوئی، بڑے بھائی حافظ محمد حسن نے بے مروتی اختیار کی جب دیکھا کہ والد عالمِ افلاس میں مرے اور میر کو مقروض چھوڑ گئے تو کہنے لگے:

"کسانیکہ ہمگیر ناز و نعم بودند، آنہا وانند وکار آنہا۔ من در حیات پدر دخیل کارے نگشتم از دفعت اولادی ہم گزشتم، سجادہ نشینانِ او سلامت باشند۔ سر رامی کنند، وجہ رامی خراشند۔ آنچہ مصلحت وقت خواہد بود خواہند نمود۔"[3]

جب میر نے بڑے بھائی کا یہ نامعقول طرزِ عمل دیکھا تو انہیں اور بھی غصہ آ گیا، خدا پر بھروسہ کر کے کمرِ ہمت باندھی۔ اتنے میں بازار کے بنیے مزید دو سو روپے لاتے۔ لیکن میر نے وصیتِ درویش کا پاس کیا اور وہ روپے قبول نہ کیے۔ اتنے میں میر امان اللہ کے مرید سید مکمل خان کا آدمی پانچسو روپے کی ہنڈوی لے کر آیا اور میر کے ساتھ شریکِ غم رہا۔ میر نے قرض خواہوں کو

---

[1] ذکرِ میر ص ۵۹ [2] ذکرِ میر ص ۶۰ [3] ذکرِ میر ص ۶۰

روپے ادا کر کے فارغ خطی حاصل کی اور سو روپے سے والد کا کفن کیا اور ان کے پیر کے پہلو میں دفن کیا۔[۱]

میر صاحب دلّی میں والد کے انتقال کے بعد میرؔ پراگندہ حال رہے۔ رات دن ان کا ماتم کیا کرتے تھے۔ جب کسی ہمدرد کو نہ دیکھا تو ناچار چھوٹے بھائی کو گھر میں بٹھا کر تلاشِ معاش کے لیے سارا شہر چھان ڈالا لیکن بے سُود۔ پردیس کا رُخ کیا اور بڑی تکلیفیں جھیل کر دہلی پہونچے۔ یہاں بھی خاک چھانی لیکن کسی کو شفیق نہ پایا۔[۲] آخر کار خواجہ محمد باسط نے ان پر رحم کھایا اور اپنے چچا صمصام الدولہ امیر الامراء[۳] سے ایک روپیہ کا روزینہ مقرر کرایا جو نادر شاہ[۴] کے حملے تک ملتا رہا۔ اور اسی پر نان و نمک کھا کر گزارہ کرتے تھے۔[۵]

امیر الامراء کے انتقال اور ہنگامۂ نادری کے انقلاب کے بعد میرؔ دوبارہ دلّی گئے اور اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین علی خاں آرزو کے یہاں مقیم ہوئے۔[۶]

خان آرزو کی بدسلوکی میرؔ اپنی ناقدردانی کی شکایت اور خان آرزو کی بدسلوکی کا حال نہایت ہی دردناک لہجہ میں یوں بیان کرتے ہیں:

"کسانیکہ پیش درویش، خاک پا تے مراحل بصرمی ساختند، یکبار از نظرم انداختند۔ ناچار بار دیگر بدہلی رسیدم و منتہائی بے منتہاتی خالوے برادر کلاں کہ سراج الدین علی خان آرزوؔ[۷] باشد کشیدم یعنی چندے پیش او ماندم وکتابے چند از یاران شہر خواندم۔ چوں قابل ایں شدم کہ مخاطب صحیح کسے نے توانم شد۔ نوشتۂ اخوان پناہ رسید کہ میر محمد تقی فتنۂ روزگار است۔ زینہار بہ تربیت او نباید پرداخت و در پردۂ دوستی

---

[۱] ذکرِ میر ص ۶۱ [۲] ذکرِ میر ص ۶۲

[۳] نادر شاہ کی ذات محتاجِ تعارف نہیں ہے ۱۱۵۱ھ میں محمد شاہ کے زمانے میں دلّی پر حملہ کیا۔ حملہ کیا تھا گویا خدائی قہر نازل ہوا تھا صبح سے سہ پہر تک قتلِ عام کا بازار گرم کیا جس میں ہزاروں جانیں تلف ہوئیں۔ قتل و غارت گری کے بعد جب واپس گیا تو کروڑوں روپیہ کی مالیت کا سامان یرغمال کے طور پر لے گیا۔ اس حملے کی تاریخ "دلّی خراب شد"، "غم عام"۔ انشاؔ نے بھی تخرجہ سے یہ تاریخ کہی ہے "آہ قتلِ عام شہر" ۱۱۵۲-۱ = ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۹ء (کلیاتِ انشا قلمی)

[۴] ذکرِ میر ص ۶۳ [۵] نوادر الکلام میں مرقوم ہے کہ میرؔ اپنے والد کی وفات کے بعد ۱۰ سال کی عمر میں اکبر آباد سے دلّی گئے اور سراج الدین علی خان آرزو کے پاس ٹھہرے اور ان سے علوم عقلی و نقلی کی تکمیل کی۔

[۶] آرزو فارسی کے مسلم الثبوت شاعر تھے۔ فیض آباد میں ۵۵، ۱۷۶/۱۱۶۹ھ میں انتقال کیا۔ آزاد نے تاریخ کہی ہے:

سراج الدین علی خان نادرِ عصر ز مرگ او سخن را آبرو رفت
اگر جوید کسے سالِ وفاتش بگو آں جانِ معنی آرزو رفت

(سروِ آزاد ص ۳۱-۲۳۰)

کارش باید ساخت۔ آں عزیز دنیادار واقعی بود، نظر بر خصومت ہمشیرہ زادہ خود بر من اندیشید....

چگویم کہ چہ حالت کشیدم، ہر چند غنبہ دہانی اختیار می کردم، او از صلاحی دست نمی داشت، با صد ہزار احتیاج یک روپیہ از دنمی خواستم، اما سلاخی نمی گزاشت، خصمی او اگر بہ تفصیل بیان کردہ آید، دفترے جداگانہ می باید۔ خاطر گرفتۂ من گرفتہ تر شد۔[1]

میر صاحب کے جنون کی کیفیت

میر متقی کے انتقال، غم روزگار اور اقربا کی بدسلوکی کے اسباب کی بنا پر میر صاحب کے دل و دماغ کے تار و پود منتشر ہونے لگے اور ان پر جنون و وحشت کی کیفیت طاری ہونے لگی۔ جنون کی حالت یہاں تک پہنچی تھی کہ انھیں چاند میں "پیکرِ خوش صورت" اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ نظر آتا تھا اور وہ دروازے بند کیے کوٹھری میں پڑے رہتے تھے۔ اپنے جنون و وحشت کا حال یُوں لکھتے ہیں:

"سودا کردم، دل تنگم تنگ تر گردید۔ وحشتے پیدا کردم، در حجرہ کہ می بودم، درش می بستم و باایں کثرت غم تنہا مے نشستم، چوں ماہ برمی آمد، قیامت برسرمی آمد، ہر چند از آں ہنگام کہ وا ایام در روشستن ماہ ماہ می گفت و من لبوسے آسماں می دیدم، نظرے بماہ می داشتم، لیکن نہ بایں مرتبہ کہ کارم بدیوانگی کشد و وحشت بجاتے رسد کہ در حجرۂ من باندیشہ باز کنند و از صحبتم احتراز نمایند۔ در شب ماہ پیکرے خوش صورت، باکمال خوبی، از جرم قمر انداز طرف من می کرد و موجب بے خودی می شد، بہر طرف کہ چشم می افتاد بر آں رشک پری می افتاد، بہر جا کہ نگاہ می کردم، تماشائے آں غیرتِ حور می کردم، در و بام و صحن خانۂ من ورقِ تصویر شدہ بود یعنی آں حیرت افزا از شش جہت رو می نمود، گاہے چوں ماہ چہاردہ متقابل، نگاہ ہیرگاہ او منزل دل۔ اگر نظر بر گل مہتاب می افتاد ہر شب باد صحبت، ہر صبح بے او وحشت، و میکہ سفیدۂ صبح می دمید، از دل گرم آہ سرد می کشید، یعنی آہ می کرد و انداز ماہ می کرد۔ تمام روز جنوں می کردم، کف برلب چوں دیوانہ دست، پارہ ہائے سنگ در دست، می افتان و خیزان، مردم از من گریزان تا چار ماہ آں گل شب افروز رنگ تازہ می ریخت، و از فتنۂ خرامہا قیامت می انگیخت، ناگاہ موسم گل رسید دماغ سودا سیاہ گردید، یعنی چوں پریدار شدم مطلق از کار شدم صورت آں شکل وہمی در نظر، خیال زلف مشکینش در سر، شائستہ کنارہ گیری شدم، زندانی و زنجیری شدم۔"[2]

مثنوی خواب و خیال بھی میر صاحب کے جنون و وحشت کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس سلسلے میں چند شعر قابلِ ذکر ہیں: ؎

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے   کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
زمانے نے رکھا مجھے منفعل   پراگندہ روزی پراگندہ دل
زمانے نے آوارہ چاہا مجھے   میری بے کسی نے نباہا مجھے

---

[1] ذکرِ میر ص ۶۲-۶۳   [2] ذکرِ میر ۶۵-۶۴

رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی　　غریبی نے اک عمر کی ہمسری
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا　　غریبانہ چندے بسر لے گیا
بندھا اس طرح آہ بارِ سفر　　کہ نے زادِ رہ کچھ نہ بارِ سفر
گرفتار رنج و مصیبت رہا　　غریبِ دیارِ محبت رہا
چلا اکبر آباد سے جس گھڑی　　در و بام پر چشم حسرت پڑی
جگر جورِ گردوں سے خوں ہو گیا　　مجھے رکتے رکتے جنوں ہو گیا
ہوا خبط سے مجھ کو ربط تمام　　لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام
نظر رات کو چاند پر گر پڑی　　تو گویا کہ بجلی سی دل پر پڑی
مہ چار دہ کا رہ آتش کرے　　ڈروں یاں تلک میں کہ جی غش کرے
نظر آئی اک شکل مہتاب میں　　کمی آئی جس سے خور و خواب میں
جو دیکھوں تو آنکھوں سے لوہو بہے　　نہ دیکھوں تو جی پر قیامت رہے
وہی جلوہ ہر آن کے ساتھ تھا　　تصور مری جان کے ساتھ تھا
عجب رنگ پر سطحِ رخسار کا　　مگر وہ تھا آئینہ گلزار کا
کہیں مہ کا آئینہ در دست ہے　　کہیں بادۂ حسن سے مست ہے
کہیں نقشِ دیوار دیکھا اسے　　کہیں گرم رفتار دیکھا اسے
کبھو صورتِ دلکش اپنی دکھائے　　کبھو اپنے بالوں میں مونھ کو چھپائے
گلے میں مرے ہاتھ ڈالے کبھو　　طرح دشمنی کی نکالے کبھو
رہوں زرد میں گاہ بیمار سا　　پریشان سخن گہہ پریدار سا
پری خواں کو لا کوئی افسوں پڑھائے　　کسو سے کوئی جا کے تعویذ لائے
طبیبوں کو آخر دکھایا مجھے　　نہ پینا جو کچھ تھا پلایا مجھے
جنوں آہ درپے ہوا جان کے　　مجوز ہوئے یار زندان کے
کیا بند اک کوٹھری میں مجھے　　کہ آتش جنوں کی مگر واں بجھے
نہ آوے کوئی ڈر سے میرؔ کنے　　کہ کیا جانیے کیسی صحبت بنے

وہ حجرہ جو تھا گور سے تنگ تر
در اس کا نہ کھلتا تھا دو دو پہر

انجام کار فخر الدین خاں کی بیوی جو میرؔ کے والد میر متقی کی مرید تھیں اور قریبی رشتہ بھی رکھتی تھیں انھوں نے میرؔ کے علاج معالجے

میں بہت روپیہ خرچ کیا۔ تعویذ گنڈے، جھاڑ پھونک اور طبیبوں نے فصد کھولی۔ جب موسم خزاں آیا تو سلسلۂ جنوں ٹوٹ گیا۔ خیالی تصویر بھی دل سے مٹ گئی اور انھوں نے مکتوبات پڑھنے شروع کیے[۱]

میرؔ مثنوی خواب وخیال کے اختتام میں کہتے ہیں : ؎

سرِ شام بیٹھا تھا میں اک روز　　رفاقت نہ آئی تھی مجھ کو ہنوز
کہ یاروں نے برجستہ تدبیر کی　　میرے خون میں کچھ نہ تقصیر کی
لگے نشتر ایسے کہ لگتے نہیں　　چبھے جیسے مژگاں کسو کے تئیں
کسے تھا مری زندگانی کا دھیان　　ولیکن نہایت تھا میں سخت جان
لگی جان سی آنے اعضا کے بیچ　　کوئی روز رہنا تھا دنیا کے بیچ
وہ صورت کا وہم اور دیوانگی　　لگی کرنے در پردہ بیگانگی
دکھایا نہ اس منھ نے رو خواب میں　　نہ دیکھا پھر اس کو کبھو خواب میں
بہت بیخود و بے خبر ہو چکا　　ہم آغوش طالع بہت سو چکا
نہ دیکھا کبھو میرؔ پھر وہ جمال
وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال[۲]

ایک دن سراج الدین علی خاں آرزو نے مجنونانہ حالت میں میر صاحب کو کھانے پر بلایا اور پھٹکارنا شروع کر دیا۔ وہ کھانے میں ہاتھ ڈالے بغیر اٹھ کر چلے گئے اور مسجد جامع کا رستہ لیا حوض قاضی میں جو اعتماد الدولہ کی حویلی[۳] کے قریب واقع ہے ایک شخص علیم اللہ نامی سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے کہا،

"شما میر تقی میرؔ نباشید؟" میرؔ نے کہا کہ تم نے کیسے پہچانا۔ جواب دیا کہ تمہارا سودائیانہ انداز مشہور ہے۔"[۴]

---

۱ ذکرِ میر ص ۶۵　　۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۳؛

۳ نواب اعتماد الدولہ قمر الدین خاں محمد شاہ بادشاہ کے وزیر اعظم تھے جب احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان پر حملہ کرکے سرہند کو لوٹا تو محمد شاہ نے اپنے لڑکے احمد شاہ، صفدر جنگ اور اعتماد الدولہ وغیرہ کو مقابلے کے لیے بھیجا اعتماد الدولہ خیمے میں وظیفہ پڑھنے میں مشغول تھے کہ اچانک دشمن کی طرف سے گولی لگنے سے ہلاک ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۴/۱/۱۱۶۱ھ میں ہوا۔ تاریخ وفات کا مادہ "ہائے قمر الدین خاں" ہے اعتماد الدولہ کا مکان اجمیری دروازہ کے قریب تھا۔ ان کے والد محمد امین خاں نے دوسروں کے مکان خریدے بھی اور زبردستی چھینے بھی اور اس طرح اپنی حویلی کو اتنا بڑا کر لیا کہ اس کے ڈانڈے جامع مسجد اور بھوجلہ پہاڑی سے آملے تھے۔ ان کے مرنے پر نواب قمر الدین خاں نے چھینے ہوئے مکانوں کی یا تو قیمت ادا کی یا مکان واپس کر دیے اور انہی مکانوں کا نام حویلی قمر الدین خاں تھا۔ (وقائع عالم شاہی صفحہ ۱۵ امتیاز علی خاں عرشی)　　۴ ذکرِ میر ص ۶۷

میر کے اس سودائی پن کے بارے میں سعادت خاں ناصر کہتے ہیں کہ :

"میر خود فرماتے تھے کہ عنفوان جوانی میں جوشش وحشت اور استیلائے سودا طبیعت پر غالب ہوا اور کام و زبان ہرزہ گوئی پر راغب، ترک ننگ و نام رسوائے خاص و عام پسند آئی۔ ہر کسی کو دشنام دینا شعار اور سنگ زنی کاروبار رہتا۔ خان آرزو نے کہا کہ اے عزیز دشنام موزوں دعائے ناموزوں سے بہتر اور رخت کے پارہ کرنے سے تقطیع شعر خوشتر ہے چونکہ موزونی طبیعت جوہر ذاتی تھی جو دشنام زبان تک آئی مصرعہ یا بیت ہو گئی بعد اصلاح دماغ و دل کے مزہ شعر گوئی کا طبیعت پر رہا۔" [1]

میر جعفر سے ملاقات اسی زمانے میں میر صاحب ایک دن سر بازار ایک کتاب کے کچھ اجزا ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے اتنے میں میر جعفر نامی ایک جوان وہاں سے گزرے، جونہی میر کو دیکھا تو کہنے لگے :

"اے عزیز دریافتہ می شود کہ ذوق خواندن داری۔ من گشتہ کتابم اما مخاطبے نمی یابم۔ اگر شوق داشتہ باشی چندے می رسیدہ باشم۔" [2]

اس کے بعد اس فرشتہ سیرت سے اکثر ملاقات ہوتی اور میر ان سے کچھ حاصل کرتے۔

سید سعادت علی کی شاگردی کچھ دنوں کے بعد سید سعادت علی[3] امروہی سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے میر کو ریختہ میں شعر کہنے کی ترغیب دی۔ میر نے بڑی محنت کی۔ اور جہد بلیغ سے "مستند"

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی ص ۲۰۴ [2] ذکر میر ص ۶۶ [3] سید سعادت علی نام اور سعادت تخلص۔ امروہہ کے رہنے والے تھے۔ (نکات الشعراء ص ۲۷) شوق ان کے بارے میں کہتے ہیں: "مردے سلیم الطبع، بہ کمال فصاحت و بلاغت آراستہ، نہایت خلیق و متواضع و از حلیۂ فقیر پیراستہ ہر چند کم گو بود۔ اما اشعارش از لطف شاعری خالی نیست۔ (طبقات الشعراء ص ۳۰) نواب قمر الدین خاں وزیر اعتماد الدولہ کے زمانے میں دہلی میں دو عاشق و معشوق سیلی سجنون ہوئے تھے۔ سعادت نے ان کے عشق میں ایک مثنوی لیلیٰ مجنوں کے بجائے سیلی سجنون کہی۔ اہل بیت کی مدح میں ان کے مناقب بھی مشہور ہیں۔ چنانچہ "سواری ہوئی امیر المومنین کی" انہی کی ہے۔ (تذکرہ میر حسن ص ۹۰، گلزار ابراہیم ص ۱۶۱) قائم کہتے ہیں کہ "سعادت در اقران و امثال خود امتیاز تمام داشت"۔ ان کی عمر ۴۰ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ تپ محرقہ کے آزار میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ (مخزن نکات ص ۱۰۸) مصحفی کہتے ہیں کہ روزے در مجلسی در وانہ نام رقاصہ رقص میکرد۔ اتفاقاً کفش وے ایشاں گم شد، ہر گاہ از مجلس بر آمد کفش را نیافت ظرافتاً بدیہتاً از زبانش سرزد ایں شعر است

سعادت شب تماشے میں اگر تیرا نیا جوڑا
گیا تو جانے دے دروانہ کے بھڑووں کے سر صدقے (تذکرہ ہندی ص ۱۱۶)

نثار احمد فاروقی نے دلی کالج میگزین کے میر نمبر میں سعادت کا یہ شعر درج نہیں کیا ہے۔ اس طرح ان کے اشعار کی مقدار جو تذکروں میں دستیاب ہے ۱۹ ہے، ۔ ست

یارب اس یار کا ملنا مجھے مقدور نہیں
تو اگر فضل سے دکھلائے تو کچھ دور نہیں (گلشن سخن ص ۱۵۷)

شعرا میں شمار ہونے لگے اور ان کی شاعری کا طوطی تمام شہر میں بولنے لگا۔[1]

رعایت خاں کی ملازمت

اسی زمانے میں میر نے رعایت خاں[2] کی ملازمت قبول کی۔ نواب نے میر کے اشعار پہلے ہی سنے تھے اور اب وہ ان سے ملنے کا اشتیاق رکھتے تھے۔ میر جب علیم اللہ کے توسل سے ان سے ملے تو وہ بڑی شرافت سے پیش آئے اور میر کو اپنا رفیق بنا لیا اور اس طرح انھوں نے قید تنگدستی سے رہائی پائی۔[3]

۱۱۶۱ھ میں جب احمد شاہ درانی[4] نے لاہور پر پہلی مرتبہ حملہ کیا تو زکریا خاں کا بیٹا شاہ نواز خاں جو وہاں کا صوبہ دار تھا بھاگ گیا۔ وزیر اعظم قمر الدین خاں اعتماد الدولہ صفدر جنگ[5] ایشر سنگھ پسر راجہ جے سنگھ[6] اور رعایت خاں شہزادہ احمد شاہ[7] کو ہمراہ لے کر دلی سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ میر بھی اس سفر میں رعایت خاں کے ساتھ تھے اور ان کی خدمت کرتے تھے۔[8] سرہند میں میر کی ملاقات

---

[1] ذکر میر ص ۶۷

[2] رعایت خاں، ظہیر الدولہ عظیم اللہ خاں (متوفی ۱۱۵۰ھ) صوبہ دار اجین کے بیٹے تھے اور ظہیر الدولہ نواب قمر الدین خاں وزیر اعظم کے چچا زاد بھائی تھے اور بہنوئی بھی۔ ظہیر الدولہ کے باپ کا نام رعایت خاں ظہیر الدولہ تھا جو محمد امین خاں کے سوتیلے بھائی تھے۔ (سفر نامہ ص ۴۴ ملخص)

[3] ذکر میر ص ۶۹

[4] احمد شاہ ابدالی (متوفی ۱۱۸۶ھ) نے لاہور پر حملہ کر کے ۱۳ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ کو سرہند کو تاراج کیا۔ (مفتاح التواریخ ص ۳۲۶ ولیم بیل)

[5] نواب صفدر جنگ مرزا مقیم نام اور منصور علی خاں لقب ہے۔ جعفر علی بیگ کے بیٹے اور نواب برہان الملک سعادت خاں کے حقیقی بھانجے اور داماد تھے۔ ۱۱۵۱ھ میں برہان الملک کے انتقال کے بعد اودھ کے صوبہ دار ہوئے تھے۔ نظام الملک آصف جاہ کے انتقال کے بعد ۵ رجب ۱۱۶۱ ہجری کو احمد شاہ نے خلعت وزارت عطا کیا۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۱۶۷ھ کو انتقال کیا۔ دلی میں دفن ہیں۔ صفدر جنگ کا ہوائی اڈہ ان ہی کے نام سے مشہور ہے۔ (خزانہ عامرہ ص ۸۶-۷۶)

[6] راجہ جے سنگھ، کچھواہا قوم کے راجپوت تھے۔ انہوں نے اپنے راج میں جے پور شہر کی بنیاد ڈالی اس لیے راجہ جے پور کے نام سے مشہور تھے ان کا انتقال ۹ شعبان ۱۱۵۶ھ کو ہوا۔ تین رانیاں چھوڑی تھیں جنہوں نے مع اپنی خواصوں کے ان کی چتا پر جان دے دی۔ ایشر سنگھ انہی کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ کے بعد جانشین ہوئے تھے۔ ۱۷۵۰ء میں انتقال کیا۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۱۹۳ ولیم بیل)

[7] احمد شاہ شہنشاہِ ہندوستان محمد شاہ کے صاحبزادے تھے۔ ۲۷ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ کو محمد شاہ کے انتقال کے بعد جانشین ہوئے والدہ کا نام ادہم بائی تھا۔ لال قلعہ میں، ۱۷ ربیع الثانی ۱۱۳۸ھ کو پیدا ہوئے۔ عماد الملک غازی الدین خاں نے ۱۰ شعبان ۱۱۶۷ھ کو انہیں قید کیا اور ایک ہفتہ کے بعد والدہ سمیت اندھا کر دیا۔ آخرکار ۱۱۸۸ھ میں انتقال کیا۔ قدم شریف کی مسجد کے سامنے مریم مکانی کے مقبرہ میں دفن ہیں۔

(سیر المتاخرین جلد ۲ ص ۲۰، خزانہ عامرہ ص ۵۲ بیوگرافکل ڈکشنری ص ۴۲ بیل)

[8] ذکر میر ص ۶۸

انعام اللہ یقین[1] کے واداسے ہوئی تھی[2]

احمد شاہ ابدالی کی شکست (فتح خدا ساز) کے بعد میر ۱۱۶۱ ہجری میں رعایت خاں کی رفاقت ترک کر کے صفدر جنگ کے ہمراہ دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ جب اسی سال احمد شاہ بادشاہ نے نواب صفدر جنگ کو خلعت وزارت بخشا اور سادات خان ذوالفقار جنگ[3] کو بخشی گری کے عہدے پر ممتاز کیا تو ذوالفقار جنگ نے راجہ بخت سنگھ[4] کو صوبۂ اجمیر کی نیابت پر مامور کیا۔ راجہ مذکور رعایت خاں کو سردار فوج بنا کر اپنے ساتھ راجپوتانہ لے گئے۔ میر بھی ساتھ تھے اور انہیں اس سفر میں خواجہ اجمیری کی زیارت نصیب ہوئی[5]۔ دریں اثنا کسی بات پر راجہ بخت سنگھ اور رعایت خاں کے درمیان بدمزگی ہوگئی۔ مختار قلی خاں کشمیری نے انہیں گالیاں دیں اور نوبت لڑائی تک پہنچ گئی۔ رعایت خاں نے انہیں اس بدکلامی کی معذرت خواہی کے لئے میر کو بھیجا۔ میر نے راجہ کے پاس جا کر قسمیں کھائیں کہ آیندہ ایسا نہ ہوگا لیکن راجہ نے معذرت قبول نہ کی اور رسالے کے لوگوں کی تنخواہ کا حساب بے باق کر کے رعایت خاں کو رخصت کیا۔ میر بھی ان کے ساتھ دہلی واپس آ گئے[6]۔

---

[1] انعام اللہ نام یقین تخلص شاگرد مظہر جانِ جاناں، والد کا نام اظہر الدین خاں تھا۔ سرہند میں یقین کے دادا میر کے ساتھ بڑے سلوک سے پیش آئے تھے اور ان کی دعوت بھی قبول کی تھی۔ یقین کے بارے میں میر کی اچھی رائے نہیں تھی۔ اور کہتے ہیں: "رعونت فرعون بیش او لیشت وست برزبان می گزارد بعد از ملاقات ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق نہ دارد"۔ (نکات الشعراء ص ۸۲) یقین کو اپنے باپ نے بے گناہ قتل کر کے دریا بُرد کیا۔ (تذکرۂ میر حسن ص ۲۰۱) شفیق نے تاریخ وفات ۱۱۶۹ھ لکھی ہے۔ مادۂ تاریخ "یقین رفت بسوئے ارم"۔
(چمنستان شعراء ص ۱۶۴)

[2] نکات الشعراء ص ۸۲

[3] ذوالفقار جنگ، باپ کا نام سادات خاں عرف سید حسین، شاہی توپ خانے کے داروغہ تھے۔ ان کی بیٹی گوہر نسا، فرخ سیر کے عقد میں تھی ذوالفقار جنگ کی بیٹی محمد شاہ کے عقد میں آئی ویسے بھی یہ ملکہ زمانی بادشاہ بیگم کے خالو تھے۔ اعتماد الدولہ وغیرہ کے ہمراہ احمد شاہ ابدالی کے مقابلے پر گئے۔ جب محمد شاہ کے دربار میں وقار میں کچھ فرق آیا تو ترک وطن کر کے صفدر جنگ کے ساتھ چلے گئے۔ احمد شاہ نے امیر الامراء کا خطاب ہشت ہزاری ہشت ہزار سوار کا منصب عطا کیا۔ (مآثر الامراء جلد دوم ص ۲۷-۲۴-۵ نواب صمصام الدولہ، تاریخ مظفری قلمی، سیر المتاخرین جلد دوم)

[4] راجہ بخت سنگھ، راجہ اجیت سنگھ کے بیٹے اور راجہ ابھے سنگھ کے بھائی تھے۔ ۱۷۵۲ء میں انھیں زہر دے دیا گیا تھا۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۱۶ بیل)

[5] خواجہ معین الدین چشتی ۵۲۷ھ میں سیستان میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی خواجہ حسن کے انتقال کے بعد خراسان آئے اور پہر راۓ پتھورا کے عہد میں اجمیر آئے اور یہیں ۶۳۳ھ میں انتقال کیا۔ مادۂ تاریخ "آفتاب ملک ہند" ہے۔
(مفتاح التواریخ ص ۵۰ بیل)

[6] ذکر میر ص ۷۰-۶۹

کچھ عرصہ کے لیے میرؔ نواب بہادر[1] کے یہاں ملازم ہوئے۔ اسد یار خاں[2] ان کی فوج کے بخشی تھے۔ انھوں نے میرؔ کا حال نواب بہادر کو سنایا اور ان سے گھوڑا اور "تکلیف نوکری" معاف کرادی یعنی برائے نام سپاہی تھے۔ نواب بہادر میرؔ کا بڑا لحاظ کرتے تھے اور ان کی مدد کرتے تھے[3]۔

فرخ آباد کا سفر ۱۷۴۸ء/۱۱۶۲ھ میں روہیلوں کی جنگ میں جب نواب قایم خاں بنگش (پسر نواب محمد خاں بنگش متوفی ۱۱۵۶ھ) مارے گئے تو نواب صفدر جنگ ان کی املاک ضبط کرنے کے لیے دلی سے روانہ ہوگئے۔ اس موقعہ پر اسحاق خاں نجم الدولہ[4] اور میر بھی نواب کے ہمراہ ہوئے۔ یہاں صفدر جنگ کی لڑائی قایم خاں کے چھوٹے بھائی احمد خاں بنگش (متوفی ۱۷۷۱ء/۱۱۸۵ھ) سے ہوئی جس میں صفدر جنگ کی فوج کو شکست ہوئی اور اسحاق خاں بھی مارے گئے۔ میرؔ پھر شکست خوردہ لشکر کے ساتھ بیحد تکلیفیں اٹھا کر دہلی واپس آئے[5]۔

جب ذوالفقار جنگ میر بخشی کے عہدے سے معزول کردیئے گئے اور ان کی جگہ پر نواب غازی الدین[6] خاں فیروز جنگ پسر

---

[1] جاوید خاں نام، نواب بہادر خطاب، نواب بائی والدۂ احمد شاہ کے خواجہ سرا تھے۔ محمد شاہ بادشاہ کی وفات کے بعد وہ نواب بائی کے مشورہ سے تمام سلطنت کے مالک بننا چاہتے تھے۔ اسی واسطے نواب صفدر جنگ نے انہیں ۱۱۶۵ھ میں دغا سے ہلاک کرادیا اور ان کی لاش ویاہیں پھنکوادی۔ "فساد عظیم" تاریخ وفات ہے۔ (مفتاح التواریخ ص ۳۲۲)

[2] اسد یار خاں نام، اسد اللہ خطاب اور انسانؔ تخلص، محمد شاہ بادشاہ نے انہیں منصب شش ہزاری اور ماہی مراتب بخشا۔ ۱۱۵۰ھ میں انتقال کیا۔ تاریخ وفات یہ ہے: ؎

چوں بصد خوبی و نکو نامی ۔ اسد الدولہ بہادر مرد
یافت تاریخ رحلتش بیدارؔ ۔ خنک آنکس کہ گوئے نیکی برد (مفتاح التواریخ ص ۳۲۲)

[3] ذکرِ میر ص ۱،

[4] نجم الدولہ۔ میرزا محمد نام، پہلے اسحاق خاں خطاب تھا پھر نجم الدولہ ہوا۔ اسحاق خاں مؤتمن الدولہ کے بیٹے تھے۔ باپ کی طرح عربی اور فارسی میں صاحب کمال تھے۔ احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں بخشی گری کے عہدہ پر ممتاز تھے۔ (خزانۂ عامرہ ص ۱۲۲) خان آرزوؔ کے پاس تیرہ سال تک بڑی خوش حالی اور فارغ البالی سے رہے تھے۔ (مجمع النفائس قلمی) نجم الدولہ ۲۲ شوال ۱۱۶۳ھ مطابق ۵ فروری ۱۷۵۰ء کو سہاور سے سات میل مشرق اور پٹیالی سے پانچ میل مغرب میں ایک مقام پر صفدر جنگ کی طرف سے لڑتے ہوئے بنگش افغانوں کی مہم میں کام آئے۔ ان کی لاش دلی میں دفن کردی گئی۔ (خزانۂ عامرہ ص ۱۲۲)

[5] ذکرِ میر ص ۱،

[6] عماد الملک نواب غازی الدین فیروز جنگ تخلص نظامؔ۔ ان کی شہرت محتاجِ بیان نہیں ہے۔ (مخزنِ نکات ص ۴۵) پہلے آصفؔ تخلص کرتے تھے (تذکرۂ ہندی ص ۲۵۸) شعر فہمی اور شعر گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے۔ (عقدِ ثریا ص ۸۰) عربی، فارسی، ترکی اور اردو کے قادر الکلام شاعر تھے۔ (عمدۂ منتخبہ ص ۵۴۷) احمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں بخشی الملک اور عالمگیر ثانی کے عہد میں وزیر الممالک تھے۔ (گلشن ہند ص ۲۴۲) انھوں نے ہی احمد شاہ بادشاہ اور ان کی والدہ کو اندھا کردیا تھا۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۱۴۳)

آصف جاہ کا تقرر ہوا تو میر دل برداشتہ ہو کر خانہ نشین ہوئے اور مطول پڑھنے میں مصروف رہے۔[1]

کچھ عرصہ کے بعد نواب صفدر جنگ نے جب نواب بہادر کو دغا سے ہلاک کر دیا تو میر بیکار ہو ئے۔ پھر وزیر کے دیوان مہانرائن[2] نے اپنے داروغہ میر نجم الدین سلام[3] ابن میر شرف الدین پیام[4] کے ہاتھ میر کو کچھ نقد بھیجا اور انھیں بڑے اشتیاق سے بلایا۔ اور اس طرح ان کی رفاقت میں میر کچھ مہینے کے بے فراغت سے رہے[5]

اسی زمانے میں "ناسا عدت ایام" سے تنگ آ کر میر نے خان آرزو کی ہمسائگی چھوڑ دی اور امیر خاں[6] انجام کی حویلی میں رہنے لگے۔[7]

---

[1] ذکر میر ص ۲،

[2] مہانرائن۔ رام نرائن کے بیٹے اور آتما رام دیوان نواب برہان الملک کے پوتے تھے۔ پہلے نواب صفدر جنگ کے دیوان تھے۔ ان کے انتقال کے بعد اور جنگ بکسر ۱۱۷۸ھ سے پہلے نواب شجاع الدولہ کے بھی دیوان تھے۔ (عماد السعادت ص ۵۹ سید غلام علی خاں)

[3] میر نجم الدین نام اور سلام تخلص، اکبر آباد کے تھے۔ میر ایک اور جگہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: "چوں یار باش و مخاطب صحیح، حقیقت، جمعیت، لیاقت، شخصیت، آدمیت، حرمت ہمہ دارد، فقیر را با او از تہ دل اخلاص است"۔ (نکات الشعراء ص ۱۳۲)

[4] پیام تخلص، نام میر شرف الدین۔ میر کہتے ہیں کہ "شاعر قرار دادِ شاعرانِ فارسی عہد خود بود و صاحب دیوان ریختہ نیز از خاک پاک اکبر آباد است۔ (نکات الشعراء ص ۲۶) پیام کا انتقال ۲ محرم الحرام، ۱۱۵۰ھ کو ہوا۔ دلّی میں شاہ مردان کے قریب دفن ہیں۔ آنند رام مخلص نے مرآۃ الاصطلاحات میں حشمت کے حوالے سے تاریخ لکھی ہے:

شرف الدین پیام گنج معنی — رفت سوئے ارم چو از دنیا
بہر تاریخ سال رحلت او — بود اندیشہ ام برسم دعا
گفت حشمت کہ یا رسول اللہ — باد حشر پیام روز جزا (۱۱۵۰ھ)

[5] ذکرِ میر ص ۲،

[6] امیر خاں نام، انجام تخلص، عمدۃ الملک خطاب۔ امیر خاں یزدی ناظم کابل کے بیٹے تھے۔ فہم و فراست، نکتہ دانی اور لطیفہ گوئی میں بے مثل اور فنِ ظرافت میں یگانۂ روزگار تھے (تذکرہ گل رعنا قلمی وغیر مطبوعہ) علم موسیقی میں وہ مہارت پیدا کی کہ اس فن کے استاد ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتے تھے۔ فارسی اور ریختہ میں شعر کہتے تھے۔ ۱۱۵۹ھ میں ان کے کسی ملازم نے بادشاہ کے دولت خانے میں کٹار سے شہید کر دیا۔ "غم عمدہ" تاریخ ہے۔ نور بائی طوائف نے اس طرز کی تاریخ کہی "اوہ لوگو امیر خاں موا" (تذکرہ مسرت افزا ص ۲۰) تذکرہ گل رعنا میں شفیق کی یہ تاریخ ملتی ہے:

آں عمدۂ معنی آفریناں — در خلد بریں نمود آرام
رفت آں یکتا و گشت "تاریخ" — جان داد امیر خاں انجام ($\frac{۱۱۵۹ھ}{۱۷۴۶ء}$)

[7] تذکرۂ میر ص ۳،

جن دنوں میر بیکار تھے تو ۱۱۷۵/۱۷۶۱ء میں راجہ جگل کشور[1] نے انہیں اپنے گھر بلایا اور اپنے اشعار کی اصلاح چاہی۔ مگر میر نے ان کی سخن گوئی کے متعلق بہت بری رائے ظاہر کی۔ کہتے ہیں:

"قابلیت اصلاح ندیدم بر اکثر تصنیفات او خط کشیدم"[2]

ایک دن میر بحالت مجبوری راجہ جگل کشور کے پاس گئے اور ان سے شکایت روزگار کی۔ راجہ شرم کے مارے پیلے پڑ گئے اور کہا کہ میرے پاس صرف ایک پرانی شال ہے اگر کچھ اور ہوتا تو اس سے دریغ نہ کرتا۔ ایک دن راجہ مذکور راجہ ناگرمل کے یہاں گئے اور میر کا تعارف کرایا۔ میر جب گئے تو ناگرمل ان سے بڑے لطف و عنایت سے پیش آئے اور کہا:

"ضیافت شیراز حاضر است۔ یعنی حصۂ شما ہم خواہد رسید"

میر کو ان سے مل کر بڑا اطمینان ہوا اور واپس آئے۔ دوسرے دن میر ان کے پاس گئے۔ شعر و شاعری کی محفل گرم ہوئی اور راجہ ناگرمل[3] کہنے لگے:

"ہر بیت میر ما نا بعقد گہر است، طرز ایں جوان مرا بسیار خوش می آید"[4]

میر ان کے پاس اسی طرح جاتے رہے لیکن بے سود۔ جب مفلسی کی انتہا نہ رہی اور اضطراب و سراسیگی میں روز بروز اضافہ ہونے لگا تو ایک دن صبح کی نماز کے بعد ناگرمل کے دروازے پر گئے، جے سنگھ نامی (میردہ چوبداران) نے آگے نہیں بڑھنے دیا اور کہا:

"ایں کدام وقت دربار است"

میر نے کہا:

"حالت اضطرار است"۔

اس پر جے سنگھ نے کہا:

---

[1] جگل کشور نام ثروت تخلص، قوم کے بھاٹ تھے اپنی فطری استعداد اور ذاتی لیاقت کی بدولت نواب مہابت جنگ صوبہ دار بنگال (متوفی ۱۱۶۹ھ) کے یہاں رسوخ پیدا کیا اور کئی برس تک محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں ان کے وکیل کی حیثیت سے مامور ہوئے۔ (سفر نامہ مخلص ص ۸۳) نواب صفدر جنگ سے خصوصی تعلقات تھے اور ان کے معتمد بھی تھے۔ (تاریخ فرخ آباد جلد ۲ ص ۹۶) دلی اجڑنے کے بعد نواب شجاع الدولہ کے نوکر ہو گئے۔ (سفینۂ ہندی ص ۴۷) عہد عالمگیر ثانی (۱۱۶۷-۱۱۷۳ھ) میں ہاتھی نے حملہ کر کے مار ڈالا۔ (وقائع عالم شاہی ص ۱۲، عبرت شی)

[2] ذکر میر ص ۸۰

[3] راجہ ناگرمل۔ محمد شاہ فردوس آرامگاہ کے عہد میں دیوان خالصہ و تن پر فائز تھے۔ بعد میں نیابت وزارت پر سرفراز ہوئے۔ مہاراجگی اور عمدۃ الملکی کا خطاب پایا۔ بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ (ذکر میر ص ۷۵)

[4] ذکر میر ص ۸۰

"شما را مرداں درویشیں می گویند، مگر گوش زو نشدہ است کہ "لا تتحرک ذرۃ الا باذن اللہ" ایں جا از علو مرتبت پروائے کسے نیست، صابر دشاکر باید بود، ہمہ چیز در گرو وقت است دیدن پسر کلاں ضرور است۔[1]

یہ سن کر میر شرمندہ ہوئے اور واپس آ گئے۔[1]

پھر ایک دن میر جے سنگھ افسر دربان کی ہدایت پر راجہ ناگر مل کے بیٹے راجہ بہادر سنگھ کے پاس گئے۔ وہاں بھی دربان نے آگے بڑھنے سے روکا اور کہا کہ اس وقت ملنے کا کون سا تک ہے۔ میر با دلِ نخواستہ واپس آئے۔ پھر ایک دن نماز عشاء کے بعد دوبارہ گئے، دیکھا کہ ڈیوڑھی پر کوئی دربان نہیں ہے۔ کسی سے پوچھا کہ دربان کہاں گیا ہے؟ جواب ملا کہ وہ آج درد سر کی شدت سے یہاں نہ بیٹھ سکا۔ میر نے وقفہ غنیمت سمجھا اور دیوان خانے میں داخل ہوئے۔ راجہ بہادر سنگھ سے ملاقات کی اور شعر دسخن کی محفل بھی گرمائی۔ خواجہ غالب نے جو میر کے واقف کار تھے۔ کچھ مقرر کرایا جو میر ایک سال تک لیتے رہے۔ ایک رات میر راجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے ایک سال کی تنخواہ دے کر کہا "اکثر مجھ سے ملتے رہیے۔" اس دن سے عشاء کی نماز کے بعد ملازموں کی طرح ان سے ملتے تھے اور دوپہر تک وہاں رہتے تھے۔ اس خدمت کا یہ حاصل تھا کہ چین سکو سے بسر اوقات ہو رہی تھی۔[2]

۱۱۷۰ھ مطابق ۱۷۵۷ء میں احمد شاہ درانی نے دلی پر دوسرا بھرپور حملہ کیا۔ حملہ کیا تھا گویا قیامت نازل ہوئی تھی اور نادر شاہ کے ہاتھوں دلی کی رہی سہی ساکھ بھی خاک میں مل گئی۔ درانیوں نے مغلیہ سلطنت کی بنیادیں ہلا دیں اور دلی کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہزاروں بندگانِ خدا کو بے دریغ تہ تیغ کیا۔ میر جو پہلے فقیر تھے اس حملے سے فقیر تر ہو گئے۔ درانیوں کے ہاتھوں دلی کی تباہی کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:

"راجہ (ناگر مل) شام از شہر برآمدہ قصد قلعہ جات سورج مل کرد و سلامت رفت۔ بندہ برائے حفظ ناموس خود بشہر ماندم۔ بعد از شام منادی شد کہ شاہ اماں دادہ است باید کہ رعایا پریشان دل نگردد چوں لختے از شب گزشت غارت گراں دست تطاول دراز نمودہ شہر را آتش دادہ، خانہا سوختند و بردند، صبح کہ صبح قیامت بود، تمام فوج شاہی و روہیلہ ہا تاختند و بہ قتل و غارت پرداختند، دروازہ ہا شکستند، مرداں را بستند، اکثری را سوختند و سر بریدند، عالمے را بخاک و خون کشیدند، تا سہ شبانہ روز دست ستم برنہ داشتند از خوردنی و پوشیدنی، ہیچ نگذاشتند، سقفہا شگافتند، دیوارہا شکستند، جگر ہا سوختند، سینہ ہا خستند آں زشت سیرتان بر در و بام، اکابران بہ بے سیرتی تمام شیخان شہر بحال خراب، بزرگان محتاج دم آب، گوشہ نشیناں بے جا شدند، اعیان ہمہ گدا شدند، وضیع و شریف عریاں کہ خدایان بے خان و مان، اکثرے بہ بلا گرفتار، رسوائی کوچہ و بازار، بسیارے خدا گیر، زن و بچہ

[1] ذکر میر ص ۸۰

[2] ذکر میر ص ۹۰

اسیر، بر سر شہرے ہجوم، قتل و غارت علی العموم، حال عزیزاں بہ ابتری کشید، جان بے لب رسید، زخم می زدند وزباں بہ تیغ می کشودند، زر را می گرفتند و سلاخی می نمودند، بامر کہ بر می خوردند تا ستر پوشش می بردند۔ جہانے ازجہان ناشاد رفت ناموس عالمی بر باد رفت، شہر نو بخاک برابر شد، روز سوم نسق مقرر شد، ازالاغان نام نستی باشی رسید کلاہ دنیم تن مردم اوکشید باب قدغن چیاں غارتگراں را ازشہر برآوردہ باحتیاط پرداختند و آں بے رحم مردمان بشہر کہنہ چسپیدہ، جہانے را ہلاک ساختند، ہفت ہشت روز ایں ہنگام گرم بود، اسباب پوشش و قوت یک روزہ درخانہ کسے نماند، سر مردان بے کلاہ، زنان بے وال سیاہ ...... شور و غارت زدگان تا آسمان ہفت می رسید۔ اما شاہ (ابدالی) خود را فقیر می گرفت لسبب استغراق نمی شنید، ہزاراں خانہ سیاہ، در عین آں آتش تیز باد اغ دل جلائے وطن کردہ سر بصحرا زدند۔"[1]

ابدالی حملے کی دار و گیر میں میر کا مکان بھی خاک کے برابر ہوگیا۔ چنانچہ کہتے ہیں:

"منکہ فقیر بودم، فقیر تر شدم عالم از بے اسبابی و تہی دستی ابتر شد تکیہ کہ بر سر شاہ راہ داشتم بخاک برابر شد غرضیکہ آن بے مروتان تمام شہر را بار کردہ بردند، عزیزاں ہمہ ذلیل شدہ، جانہا سپردند۔"[2]

میر کمبھیر میں

احمد شاہ ابدالی کے لوٹ مار اور وسیع پیمانے پر قتل عام کے باعث میر کی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ ہوگیا۔ اور نتیجہ میں تلاش معاش کے سلسلے میں دلی کو خیرباد کہنے پر آمادہ ہوئے۔ دریں اثنا، راجہ ناگر مل کے پاس گئے اور عرض کی کہ میں زمانہ کے ہاتھوں سخت پریشان ہوں اور چاہتا ہوں کہ:

"ازیں شہر برآئم و جائے دیگر بروم شاید کہ آسودہ شوم۔"[3]

انھوں نے میر پر ترس کھایا اور کچھ رعایت کی اور پھر انہیں رخصت کیا۔ پس میر اپنے لواحقان کے ہمراہ خدا پر بھروسہ کر کے دلی سے رخصت ہوئے۔ کوئی منزلِ مقصود پیش نظر نہ تھی۔ دن بھر آٹھ یا نو کوس کی منزل طے کی۔ رات کسی سرائے میں ایک درخت کے نیچے گزاری۔ صبح کو راجہ جگل کشور کی بیوی سے ملاقات ہوئی اور میر کو اپنے ساتھ برسانہ، جو ہندوؤں کی متبرک جگہ ہے، لے گئیں اور طرح طرح کے سلوک سے دلجوئی کی۔ آخر ذی الحجہ کو وہ کاماں گئیں۔ میر بھی ساتھ تھے یہاں انھوں نے عاشورہ گزارا اور فردائے عاشورہ یہاں سے کمبھیر پہنچے۔ یہاں صفدر جنگ کے سابق خزانچی لالہ رادھا کشن کے بیٹے جوان دونوں راجہ ناگر مل کے ساتھ تھے۔ میر کو بلا کرلے گئے۔ انھوں نے میر کی امداد و اعانت کی اور میر نے شکریہ ادا کیا۔

"احسان مند او یم کہ غیر از دوست رشتہ حتی بر نہ داشتم چندے بفراغت ماندم و روز و شب گزراندم۔"

ایک دن میر پراگندہ روزی کے سبب بڑے دل گرفتہ تھے۔ دل میں خیال آیا کہ اعظم خان کلاں (جو عہد فردوس آرامگاہ میں شش ہزاری

---

[1] ذکر میر ص ۸۶۔۸۵ [2] ایضاً ص ۸۸

[3] ایضاً ص ۹۰

امیر اور بڑے کریم النفس تھے)، کے بیٹے اعظم خاں سے جا ملوں شاید وُہ کچھ امداد کریں تاکہ کچھ دن آرام سے گزر جائیں ان سے سورج مل[1] کے طویلے میں جو دہلی کے اجڑے ہُوئے لوگوں کی نئی جائے پناہ تھی ملے۔ خیر و خبر پوچھنے کے بعد میر نے انھیں اپنا دُکھڑا سنایا وہ بے حد متاثر ہوئے۔ جب حقہ پانی آیا تو میر کی زبان پر عرفی[2] کا یہ شعر بے ساختہ آیا: ؎

امروز کہ چشم من و عرفی بہم افتاد
باہم نگریستیم و گریستیم و گزشتیم

میر نے اسی قسم کے دو چار شعر سنائے اور ان کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ تھوڑی دیر کے بعد خان مذکور کو جو متفکر دیکھا تو سبب پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ جب تم دلّی میں آئے تھے تو انواع و اقسام کی شیرینی اور حلوے منگاتے اور دونوں کھاتے تھے۔ آج عجب اتفاق ہے کہ گھر پر خام شکر بھی مہیا نہیں ہے تاکہ تمہارے لیے شربت کا ایک پیالہ بنا سکوں۔ میر نے کہا: یہ تو گردشِ زمانہ ہے۔ وہ شربت و شیرینی کے دن تھے اور یہ تلخیاں جھیلنے کا موسم ہے۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتنے میں ایک خاتون سر پر خوان دھرے کمرے میں داخل ہوگئی اور کہا کہ سعید الدین خان خانساماں کی بہن دعائیں دیتی ہیں اور کچھ "حلوے نزاکت و شیرینی" بھیجی ہے خان نے جب خوان پوش اٹھایا تو ان کی نگاہ حلوا پر پڑی اور باغ باغ ہُوئے۔ اور میر نے کہا:

"ایں روسیاہ قدر خود خوب می داند، عمر لیست کہ بہ فاقہ کشی می گزراند۔ گاہے از جائے دم آبے لب ناسنے

---

[1] سورج مل جاٹ، بھرت پور کے راجہ تھے۔ ان کے باپ کا نام بدن سنگھ تھا۔ ۱۷۵۰ء مطابق ۱۱۶۳ھ سے کچھ سال قبل باپ کی گدی پر بیٹھے۔ ہندوستان سے احمد شاہ کی روانگی کے بعد سورج مل نے سلطنت مغلیہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان تمام مقبوضات پر جو آگرے کے ماتحت تھے قبضہ کر لیا یہاں تک کہ خاص آگرہ بھی لے لیا۔ آخر کار نجیب الدولہ روہیلہ سردار کے ہاتھ سے ۱۱۷۷ھ میں روہیلوں کی لڑائی میں مارے گئے۔ ان کا بیٹا جواہر سنگھ گدی نشین ہُوا۔

(مفتاح التواریخ ص ۳۴۵)

[2] جمال الدین نام عرفی تخلص شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ فارسی کے زبردست غیور، خود دار اور ممتاز ترین شاعر تھے۔ شیراز سے پہلے دکن آئے اور پھر یہاں سے آگرہ آکر حکیم ابو الفتح گیلانی کے مصاحب رہے۔ ۱۵۸۹ء/۹۹۷ھ میں ابو الفتح کے انتقال کے بعد عبد الرحیم خان خاناں (متوفی ۱۶۲۶ء/۱۰۳۶ھ) نے ان کو اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ بادشاہ نے شہزادہ سلیم کی اتالیقی سپرد کی۔ آخر کار حاسدوں نے انہیں ۹۹۹ھ میں عالم جوانی میں زہر دے کر ہلاک کیا۔ مادہ تاریخ "ہادی کلام عرفی شیرازی" ہے اور لاہور میں دفن کیے گئے۔ بعد میں اٹھارہ سال کے بعد ان کی پیش گوئی کے مطابق: ؎

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہ ہند ہلاکم کنند ور بہ تتار

میر صاحب اصفہانی نے ان کی ہڈیاں نجف میں منتقل کیں (مفتاح التواریخ ص ۱۵۹) کلیات عرفی کے کئی نادر اور پرانے نسخے راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں محفوظ ہیں۔

زر سیدہ "تا بجلوا و شیرینی چہ رسد، شما مہمان عزیز ید، ایں اقامت شماست حقۂ مرا بدہید و بخانہ خود فرستید،"
گفتم بسیار است من چہ خواہم کرد۔ گفت بکار میر فیض علی[1] پسر شما خواہد آمد"[2]
غرضیکہ خان نے وہ حلوا اور شیرینی میر کے گھر بھیجی۔ میر نے دو دن تک اس شیرینی پر گزارا کیا۔ تیسرے دن راجہ کے چھوٹے لڑکے
لشن سنگھ نے میر کو بلایا اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد کہا کہ:

"راجہ صاحب کے آنے تک میرے پاس رہو"

میر نے جواب دیا:

"اسباب معیشت مفقود است"

وہ بولے:

"تم مطمئن رہو، یہاں سب کچھ مہیا ہے"

اور بالآخر میر کی ضروریات پوری کیں[3]

۱۷۶۰ / ۱۱۷۴ھ کی پانی پت کی تیسری لڑائی (جو درانیوں اور دکنیوں کے مابین ہوئی تھی) کے بعد راجہ ناگرمل جب
کمبھیر میں آئے تو میر وہیں مقیم تھے۔ انہوں نے راجہ سے کہا:

"از چندے انتظار قدوم فرحت لزوم داشتم، اکنوں اجازت شود، بطرفے بروم کہ با روزگار ناساز گار
طرف نمی توانم شد"

راجہ جو میر پر مہربان تھے کہنے لگے:

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں "بیابان مرگ" میں جانے کا ارادہ ہے۔ لیکن میں کب چھوڑوں گا؟"

پھر راجہ نے اسی دن میر کو خرچ کے طور پر کچھ بھیجا اور ان کا وظیفہ بدستور سابق دستخط کر کے عنایت کیا۔ اس زمانے میں
دلی ویران ہو گئی تھی۔ میر اسی لیے راجہ جی کی رفاقت میں کمبھیر میں رہتے تھے[4]

جب ناگرمل میر کو ساتھ لے کر دہلی گئے تو وہاں احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان نے ان سے کہا کہ شجاع الدولہ[5]

---

[1] میر فیض علی نام فیض تخلص خلف الصدق میر محمد تقی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ، بسیار جوان، خوش رو خوش فکر است و فن شعر ارث دارد غرض بر جمیع صفت موصوف است و از فقیر نہایت دوستی دارد۔ حق تعالیٰ سلامت دارد۔ (مجمع الانتخاب ورق ۱۵۶ مولفہ شاہ محمد کمال) فیض اپنے والد میر کے شاگرد تھے۔ ۱۱۹۶ھ میں لکھنؤ میں تھے۔ (گلزار ابراہیم ص ۱۹۱) [2] ذکر میر ص ۹۲ [3] ایضاً ص ۹۳
[4] ایضاً ص ۹۵ [5] نواب شجاع الدولہ بہادر۔ مرزا جلال الدین حیدر نام، شجاع الدولہ خطاب، ۱۱۴۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد نواب صفدر جنگ کے انتقال کے بعد ۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۴ء میں تخت وزارت پر جلوس فرمایا۔ احمد شاہ درانی اور بادشاہ دہلی

(باقی بر صفحہ آئندہ)

کے والد تمہارے دوست تھے۔ یہ شخص ابھی بچہ ہے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ یہ (احمد شاہ) بادشاہ ہیں۔ اگر ان کے مزاج میں ذرا سی بات کھٹک جائے تو دنیا کو ہلا دیں گے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اور نجیب الدولہ[1] جا کر شجاع الدولہ کو سمجھا دیں ورنہ اگر کل کوئی بات ہو گی تو ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ گئے اور نواب کو وزیر درانی کے پاس لائے اور اس طرح ان کی اور وزیر شاہ ولی خاں کی کدورت صفائی میں بدل گئی۔ میر بھی اس سفر میں راجہ ناگرمل کے ساتھ تھے[2]۔

اور پھر جب میر راجہ ناگرمل کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لوٹ مار کے بعد واپس دلی آئے تو یہاں کا نقشہ کچھ اور ہی دیکھا۔ اس شہر آرزو کا ماتم اس طرح کرتے ہیں:

"روزے پرست زدم راہم بر ویرانہ، تازہ شہر افتاد، بر ہر قدمی گریستم و عبرت گرفتم و چوں بیشتر رفتم حیران تر شدم، مکانہا را نشناختم، دیاری نیافتم، از عمارت آثار ندیدم، از ساکنان خبر نشنیدم۔ ؎

از ہر کہ سخن کردم گفتند کہ ایں جا نیست
از ہر کہ نشاں جستم گفتند کہ پیدا نیست

خانہا نشستہ، دیوارہا شکستہ، خانقاہ بے صوفی، خرابات بے مست خرابہ بود، ازیں دست "تا آں دست۔ ؎

ہر کجا افتادہ دیدم خشت در ویرانہ
بود فرد دفتر احوال صاحب خانہ

بازارہا کجا کہ گویم، طفلان نہ بازار کجا، حسن کو کہ بپرسم، یاران زرد رخسار کو، جوانان رعنا رفتند، پیران پارسا گزشتند محلہا خراب، کوچہا نایاب، وحشت ہویدا، انس ناپیدا، رباعی استادے بیاد آمد، ؎

افتاد گذارم چو بویرانۂ طوس
دیدم چغدے نشستہ بر جائے خروس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کی مدد سے مرہٹوں کو شکست دی۔ (تواریخ نوادر العصر ص۶۱ منشی نولکشور) انھوں نے ۱۱۶۹ھ میں اپنا دار السلطنت فیض آباد میں مستقل طور پر قایم کیا۔ (تاریخ اودھ جلد دوم ص ۳۲ نجم الغنی) ان کے زمانے میں فیض آباد بڑا خوشحال تھا۔ اہل کمال و فضلا ڈھاکہ، بنگال، گجرات، حیدر آباد، کشمیر، کابل، دلی، لاہور سے یہاں آ رہے۔ ۲۴ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ / ۹ جنوری ۱۷۷۵ء کو بمقام فیض آباد انتقال کیا۔

(مفتاح التواریخ ص ۳۵۴)

[1] نجیب الدولہ۔ نجیب خاں نام، نجیب الدولہ خطاب، قوم عمر خیل یوسف زئی۔ اتر پردیش میں نجیب آباد ان ہی کے نام سے موسوم ہے۔ یہ پہلے روہیل کھنڈ آ کر نواب علی محمد خاں بہادر کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ ایک سال کے اندر جمعدار ہوئے۔ نواب صفدر جنگ نے مرہٹوں سے مل کر جب روہیلوں پر حملہ کیا تو اس معرکے میں بہادری اور سپاہیانہ تدبر دکھا کر ایک ہزار سواروں کے رسالدار مقرر کیے گئے۔ آخر کار بدھ کے دن ۱۱ رجب ۱۱۸۴ھ کو انتقال کیا۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۲۸۹)

[2] ذکر میر ص ۹۹

گفتم چہ خبر داری ازیں ویرانہ
گفتا خبر ایں است کہ افسوس افسوس

ناگاہ در محلہ رسیدم کہ آنجا می ماندم، صحبت می داشتم، شعر می خواندم، عاشقانہ می زیستم، شبہا می گریستم، عشق با خوش قداں می باختم، ایشاں را بلند می انداختم، با سلسلۂ مویاں می بودم، پرستش بکویاں می نمودم اگر دمے بے ایشاں می نشستم، تمنائے تماشا می شکستم، بزم می آراستم، خوباں را می خواستم، مہمانی می کردم، زندگانی می کردم۔ دوستے رسیدے نیامد کہ با و نفس خوش برآرم، مخاطب صحیح نیافتم کہ صحبت دارم، بازار وحشت گاہی گرچہ بصحرا راہی استادم و بہ حیرت دیدم، اگر دہ بسیار سے کشیدم، عہد کردم کہ باز نیایم تا باشم قصد شہر نہ نمایم۔[1]

میر آگرہ میں

انہی دنوں سورج مل مسلمان امرا کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر باغی ہُوئے اور آگرہ پر اپنا قبضہ جمایا۔ شاہ عالم (متوفی ۱۸۰۶ء/۱۲۲۱ھ) نے شجاع الدولہ کی تحریک پر بھاری لشکر کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کیا۔ یہ خبر زبان زد خلائق تھی کہ بادشاہ سورج مل کے اخراج کے لیے آ رہا ہے۔ سورج مل نے راجہ ناگر مل کو لکھا کہ:

"آمدن شما مناسب تر است۔"

راجہ ناگر مل آگرہ گئے تو میر بھی ساتھ ہُوئے۔ اس سلسلے میں میر کہتے ہیں کہ:

"من بہ ایں تقریب بعد سی سال باکبرآباد رفتم۔"

آگرہ پہنچ کر میر نے اپنے والد اور عم بزرگوار میر امان اللہ کے مزاروں کی زیارت کی۔ وہاں کے شعراء استاد کامل کی حیثیت سے ان سے ملے۔ آگرہ میں ایک عالم کی شہرت سن کر اس کے پاس گئے وہ بے مغز نکلا۔ میر نے ابھی دم بھی نہ سنبھالا تھا کہ اس نے پوچھا کہ اس زمانے کے اکثر جوان "رافضی" ہوتے ہیں اور بزرگوں کے حق میں بہتان تراشی سے کام لیتے ہیں۔ تم تو "رافضی" لگ رہے ہو۔ اگر واقعی ایسا ہی ہے تو مجھے اپنے ہی حال پر چھوڑ دو۔ میر نے جواب دیا:

"مرا نیز ہمیں تردد بود، الحمد للہ کہ صاحب سنی برآمدند۔"

اس کے بعد میر کہتے ہیں کہ:

"مغز خر خوردہ کنایہ نہ فہمید و بسیار خوش گردید، چوں ما موافق یافت پر دپوچ چندے یافت بے مزہ تر شدم و برخاستہ آمدم۔"[2]

تباہی کے بعد میر جب آگرہ گئے تو انہیں اس عروس البلاد کے اجڑ جانے اور ویرانی پر بے پناہ صدمہ ہُوا اور جب یہاں کی محفلوں کی یاد آتی تھی تو کلیجہ مُنہ کو آتا تھا۔ غرضیکہ یہاں چار ماہ قیام کرنے کے بعد پھر کمبھیر چلے گئے۔ کہتے ہیں:

"صبح و شام بر لب دریا کہ بسیار بخوبی واقع است، آں طرف، باغات و ایں طرف قلعہ و حویلی ہائے امرائے

---

[1] ذکر میر ص ۱۰۰-۹۹
[2] ایضاً ص ۱۰۳

عظام، گوئی کہ نہر بہشتی است۔ می رفتم و چشم آب می دادم، شور بگر نزاشی من آفاق را گرفتہ بود، بگر نگاہان، مژگان سیاہان، خوش ترکیبان جامہ زیبان، پاکیزہ طینتان، موزون طبعتان مرا نمی گزاشتند، و بعزت می داشتند دو سہ بار سراسر شہر رفتم، علماء، فقراء، شعرائے آنجا را دیدم، مخاطبے کہ ازو دل بیتاب تسلی شود، نیافتم، گفتم، سبحان اللہ این آن شہر نیست کہ ہر برزن او عارفے، کاملے، فاضلے، شاعرے، منشئے، دانشمندے، فقیہے، متکلمے، حکیمے، صوفئے، محدثے، مدرسے، درویشے، متوکلے، شیخے، ملائے، حافظے، قاریئے، امامے، مؤذنے، مدرسہ، مسجدے، خانقاہے، تکیۂ مہمان سرائے، مکانے، باغے داشت، اکنون جائے نمی بینم کہ در و شاد کام نشینم، آدمی بہم نمی رسد کہ با و صحبت گزینم، خرابۂ وحشت ناکی دیدم، رنج کشیدم، دبر گردیدم، مدت چار ماہ ازیں قرار در وطن مالوف گزرانیدہ۔ وقت رفتن آب حسرت بچشم گردانیدم و بقلعہ جات سورج مل رسیدم۔[1]

میر کی عماد الملک کے ساتھ غالباً کمبھیر میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ میر سے اچھا سلوک کیا کرتے تھے، میر ان کے بارے میں کہتے ہیں:

"نواب عماد الملک اس سن و سال کے باوصف یگانۂ روزگار ہیں۔ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں۔ چنانچہ پانچ چھ طرز کے خط بہت خوبی سے لکھتے ہیں۔ فارسی اور ریختہ دونوں میں بامزہ شعر کہتے ہیں اور فقیر کے حال پر بہت عنایت فرماتے ہیں۔ میں جب بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں تو بہت محظوظ ہو کر آتا ہوں"[2]

۱۱۸۰ھ میں جب راجہ ناگرمل دوسری مرتبہ آگرہ گئے تو میر بھی ان کے ہمراہ تھے اور انہیں اس مرتبہ بھی اپنے والد بزرگوار و عم بزرگوار کے مزاروں کی زیارت نصیب ہوئی۔ وہاں پندرہ دن قیام کرنے کے بعد پھر کمبھیر واپس گئے۔[3]

میر کاماں میں ۱۱۸۴ھ/ ۱۷۷۰ء میں سوروج مل (متوفی ۱۱۷۷ھ/ ۱۷۶۳ء) اور جواہر سنگھ[4] کے مارے جانے کے بعد جب جاٹوں کی شورش اور فتنہ انگیزی حد سے زیادہ بڑھنے لگی تو راجہ ناگرمل نے ان سے (جاٹوں سے) کہیں اور جانے کی اجازت چاہی۔ جب دیکھا کہ یہ لوگ اجازت نہیں دیتے ہیں تو بڑی جرأت سے اپنے دو بیٹوں کے ساتھ قلعہ سے باہر آئے اور دو تین دن میں اس "قافلہ گراں" کے ہمراہ شہر کاماں (جے پور) میں داخل ہوئے، جو

---

[1] ذکر میر ص ۱۰۴ [2] ایضاً ص ۱۱۳

[3] ایضاً ص ۱۱۵

[4] جواہر سنگھ جاٹ راجہ ڈیگ و بھرت پور، سورج مل کے بیٹے تھے۔ اپنے باپ کی وفات کے بعد دسمبر ۱۷۶۳ء مطابق ۱۱۷۷ھ میں جانشین ہوئے اور ۱۷۶۸ء مطابق ۱۱۸۲ھ میں پُراسرار طور پر قتل کر دیے گئے۔ ان کے جانشین ان کے بھائی راؤ رتن سنگھ ہوئے۔ وہ بھی دس ماہ تیرہ دن حکومت کرنے کے بعد مارے گئے۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۲۰۰ ولیم بیل)

راجہ پرتھی سنگھ[۱] پسر راجا مادھو سنگھ کی سرحد پہ واقع ہے۔ میر بھی اسی قافلے میں تھے، کہتے ہیں،

"ما تنگ کاماں نیز بہ سبب علاقۂ نوکری وابستگی دریں اقامت گزیدہ ایم و می بینم کہ آسمان چند ے اینجا نگاہ می دارد یا جائے دیگر می برد۔"[۲]

میر کی ایلچی گری

اسی زمانے میں یہ بات مشہور ہوئی تھی کہ بادشاہ شاہ عالم فرخ آباد میں جلوہ افروز تھے۔ راجہ ناگر مل نے میر کو حسام الدین خاں[۳] کے پاس جو بادشاہ کے مزاج میں کافی دخل رکھتے تھے عہد و پیماں کرنے کے لیے بطور سفیر بھیجا۔ لیکن یہاں راجہ کے چھوٹے صاحبزادے میر سے خوش نہ تھے اس لیے کہ میر اور ان کے بڑے بیٹے میں اخلاص تھا۔ چھوٹے نے باپ کو سمجھایا کہ مرہٹوں کے پاس جانا بہتر ہے۔ چنانچہ وہ لوگ بادشاہ کے لشکر میں نہیں گئے۔ ناچار میر بھی اپنے متعلقین کے ساتھ بڑی بے آبروئی کے ساتھ ان کے ہمراہ ہوئے۔ جب دلی پہونچے تو "زن و فرزند" کو "سرائے عرب" میں چھوڑ کر راجہ سے الگ ہوئے۔ دو تین دن کے بعد رائے بہادر سنگھ (پسر راجہ ناگر مل) سے ملے اور انہیں حقیقت حال سے آگاہ کیا۔

انہی دنوں سندھیا جو دکنی سرداروں میں سے ایک بڑا سردار تھا وہ بادشاہ شاہ عالم کو اپنے ہمراہ لے کر شہر میں داخل ہوا۔ اس بات کو ابھی چند ہی دن گزرے تھے کہ مرہٹوں نے باہم یہ طے کیا کہ بادشاہ کو اپنے ساتھ لے کر نجیب الدولہ مرحوم کے لڑکے ضابطہ خاں[۴] پر سکرتال میں چڑھائی کرنی چاہیے۔ ہر چند بادشاہ نے بیماری کا بہانہ پیش کیا لیکن بے سود۔ اس تقریب سے میر بھی شاہی لشکر کے ہمراہ بہادر سنگھ کے ساتھ اس طرف روانہ ہوئے ان لوگوں نے ضابطہ خاں کو بغیر جنگ ہی شکست دی اور اس کے مال و اسباب اور جائداد پر قبضہ جمالیا۔ بادشاہ کو سوائے دو سو مریل گھوڑوں اور چند پھٹے پرانے خیموں کے کچھ نہ دیا۔ بادشاہ مرہٹوں کے اس رویہ سے بددل ہوا، مرہٹوں کے پاس طاقت تھی اور نہ یہاں زر تھا اور نہ زور رہی۔ جب ان مرہٹوں پر

---

[۱] پرتھی سنگھ راجہ مادھو سنگھ (متوفی ۱۷۷۰ء) کے نابالغ لڑکے تھے بہت جلد جانشینی کے بعد معزول کر دیے گئے تھے اور پھر ان کے بھائی پرتاپ سنگھ (متوفی ۱۸۰۳ء) راجا ہوئے تھے۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۲۸۸)

[۲] ذکر میر ص ۱۲۰ [۳] حسام الدولہ خطاب اور حسام الدین خان نام، وجیہہ الدین خان کشمیری کے بھائی اور محمد علی متین مولف تذکرہ حیات الشعراء کے والد تھے بے پڑھے معمولی آدمی تھے۔ مگر بادشاہ شاہ عالم کی بعض نجی خدمات انجام دینے پر معمولی درجہ سے ترقی کر کے مختار امور سلطنت بن گئے تھے۔ ذہانت نہ ہونے کے برابر اور تکبر و غرور حد سے زیادہ رکھتے تھے۔ تمام امرائے دربار ان سے تنگ تھے۔

(تاریخ مظفری ص ۱۸۵، سیر المتاخرین جلد ۲ ص ۸۱)

[۴] ذکر میر ص ۱۲۱ [۵] ضابطہ خان، نجیب الدولہ ابوالامراء کے لڑکے تھے۔ بادشاہ دلی کو ان کے خاندان پر بڑا اعتماد تھا۔ جب بادشاہ شاہ عالم عرصہ تک دلی سے الہ آباد میں تھے شاہی خاندان اور بیگمات کی حفاظت کا کام نجیب الدولہ کے سپرد رہا۔ ۱۷۷۰ء میں نجیب الدولہ کا انتقال ہو گیا اور یہ خدمت ضابطہ خان کے سپرد ہوئی۔ ان کا انتقال ۱۷۸۵ء میں ہوا۔ غلام قادر روہیلہ جس نے بادشاہ شاہ عالم کی آنکھیں نکلوائی تھیں انہی کا لڑکا تھا۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ۴۴۳)

زور نہ چل سکا تو فتنہ گردوں نے یہاں لوگوں کی جاگیریں ضبط کیں اور بہت سے لوگوں کو ذلیل وخوار کیا۔ ان ہی وجوہات کی بناء پر راجے بہادر سنگھ میں اتنی استطاعت نہ رہی کہ وہ میر کی دیکھ بھال کرتے۔ اب میر کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہونے لگا۔ کہتے ہیں :

"من بگدائی برخاستہ بر در ہر سرگردہ لشکر شاہی رفتم، چوں بہ سبب شعر شہرت من بسیار بود، مردمان رعایت گونہ بحال من مبذول داشتند بارے بحال سگ وگربہ زندہ ماندم و با وجیہہ الدین خاں برادر خورد حسام الدولہ ملاقات نمودم۔ آں مرد نظر بہ شہرت من و اہلیت خود، قدرے قلیلے معین کرد و دلدہی بسیار نمود۔" [1]

پھر کچھ عرصہ کے بعد کہتے ہیں :

"فقیر در آں ایام خانہ نشین بود، بادشاہ اکثر تکلیف کرد، نرفتم، ابوالقاسم خاں پسر ابوالبرکات خاں کہ صوبہ دار کشمیر بود بنی عم عبدالاحد خاں مختار است، مرعات گونہ بکار می برد، گاہ گاہ باو ملاقات می شد، گاہے بادشاہ ہم چیزے می فرستاد۔" [2]

اور پھر جب حسام الدین خان کی بادشاہ کے ہاتھوں گرفتاری ہوئی تو میر کے افلاس میں اور بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ کہتے ہیں :

"احوال فقیر از سہ سال آنکہ چوں قدر دانی درمیان نیست و عرصۂ روزگار بسیار تنگ است، توکل بخدائے کریم کہ او رزاق ذی القوۃ المتین است کردہ بخانہ نشستہ ام، ظاہر اسباب با عزہ چند مثل ابوالقاسم خاں برادر خورد عبدالاحد خاں مجدالدولہ و وجیہہ الدین خاں برادر حسام الدین خاں و بیرم خاں صاحب خلف الصدق بہرام خاں کلاں کہ در آدمی روشی یکتائے روزگار خود اند، قطب الدین خاں پسر سعد الدین خاں خانساماں اگرچہ سنش کم است اما فہم و دوستی دارد و خالی از سعادت مندی نیست و قاضی لطف علی خاں کہ آدمیانہ می زید، گاہ گاہ ملاقات کردہ می آید، خواہ از دست الیشاں انتفاعی برسد یا نرسد۔ ما بہ توکل ہمیں صاحبانند وگاہی ایں چنیں ہم اتفاق مے شود کہ کسی فقیر و شاعر و متوکل دانستہ بطریق نذر چیزی می فرستند محل شکر است اکثر قرضدار می باشم و بہ عسرت تمام بسر می کنم۔" [3]

ننگ کا سفر [4] ننگ کے سفر کے بارے میں میر ذکر میر میں خاموش ہیں۔ البتہ کلیات میں انھوں نے "مثنوی ننگ نامہ" کے تحت اس سفر کا حال تفصیل سے نظم کیا ہے۔ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ سفر ۱۱۸۶ھ/۱۷۷۲ء میں کیا ہوگا۔ ننگ کا سفر انھوں نے محبوبہ کی فرمایش پر کیا تھا، جسے بعد میں "صاحبوں" کی فرمایش پر مثنوی میں نظم کیا۔ ؎

ہو چکی صاحبوں کی فرمایش
چپ رہو اب ہے زمان آسایش

---

[1] ذکر میر ص ۱۲۲ [2] ایضاً ص ۱۲۵ [3] ذکر میر ورق ۱۵ ب، ۱۶ الف مشمولہ کلیات میر قلمی رامپور بحوالہ عرشی۔
[4] میرٹھ سے ننگ تک ۶۵ میل کا سفر ہے۔

لنسنگ کے سفر میں میر ایک امیر کی مصاحبت میں بیوی بچے، گھر کا ساز و سامان اور بلّی کو ساتھ لے کر چل دیے تھے۔ برسات کا موسم تھا، راستہ کٹھن اور پرخطر اور بیچ میں ندی حائل جس میں طغیانی آئی ہوئی تھی دلّی سے کشتی میں سوار ہو کر شاہ درا گنج پہنچے۔ یہاں چند روز قیام کر کے غازی آباد کے لیے روانہ ہوئے، جہاں میر کو ایک سرائے میں اترنا پڑا یہیں پر ان کی پالو بلّی موہنی گم ہو گئی اور اس کے کھو جانے پر انہیں بڑا صدمہ ہوا۔ غازی آباد سے کوچ کر کے پہلے بیگم آباد اور پھر میرٹھ پہنچے، ادھر سے لنسنگ کے لیے روانہ ہوتے۔ یہاں ایک گڑھی تھی، جو بہت ہی ابتر اور خستہ حالت میں تھی۔ لوگ حد درجہ کے بے ایمان، لفنگے اور اچکّے تھے۔ ان تمام خرابیوں کے سوا سب سے بڑی خرابی یہ تھی کہ یہ علاقہ سکھوں کی آبادی کا تھا۔ یہ حال دیکھ کر میر کی پریشانیوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور وہ بیمار پڑ گئے۔ کھانسی نے شدت اختیار کی۔ بخار بھی آ گیا لیکن خدا خدا کر کے بچ نکلے۔ درج ذیل اشعار میں اس سفرِ پُرخطر کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں :ے

پاؤ توفیق ٹک تو سر کو دھنو	یہ بھی اک سانحہ ہے میر سنو
ہم کو در پیش جب سفر آیا	جبکہ برسات سر ہی پہ آیا
ابر ہونے لگے سپید و سیاہ	پانی رستوں میں کیچ ساری راہ
کیچ پانی میں کپڑے خوار ہوئے	دو ہیں گاڑی میں جا سوار ہوئے
شب کہ دریا پہ ہو کے راہ پڑی	پانی کے سطح پر نگاہ پڑی
پانی پانی تھا شور سے طوفان	دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان
ناؤ میں پاؤں ہم نے بارے رکھا	خوف کو جان کے کنارے رکھا
ریلا پانی کا جب کہ آتا تھا	خوف سے جی بھی ڈوبا جاتا تھا
اس طرف اترے آب سے جا کر	میر اور میر صاحب و چاکر
پار کا گنج تھا جو شاہ درا	سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا
فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ	راہ یاں سے تھی واں تلک سب کیچ
تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز	پہونچے واں شام کھینچ رنج دراز
سو نہ جاگہ تھی نہ مکان مُبیت	چار دو کانیں ایک ٹوٹی مسیت
گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ	جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ
بیٹھنے دیں نہ جبکہ صاحب کو	کون پوچھے نفر مصاحب کو
بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام	صبح کو صاحبوں کا ٹھہرا مقام
یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوچ	غازی آباد کو گئے سب پوچ
لوگ جس دم سوار ہونے لگے	اور اسباب بار ہونے لگے

سو ہنی اس رواروی میں گئی　　لوگ تھے مضطرب جگہ تھی نئی
ایسی بیگم مزاج بتی کھو　　بیگم آباد ہم گئے یارو
واں سے میرٹھ سبھوں نے کی منزل　　بیچ پانی اگرچہ تھا حائل
واں سے لارڈ لسنگ پھر واں سے　　جا کے واں تنگ آ گئے جاں سے
ایک گڑھی بود و باش کو پائی　　کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی
کار پردازوں کو تقید ہے　　شور ہے گالی ہے تشدد ہے
گھاس ہی گھاس اس مکاں میں تمام　　تس میں لساع جانور اقسام
پشہ و کیک اور کتی تھی　　جن کے کاٹے اچھلتی پتی تھی
کتوں کے چاروں اور رستے تھے　　کتے ہی واں کے تو بستے تھے
دو کہیں تھے کھڑے کہیں بیٹھے　　چار لوگوں کے گھر میں ہیں بیٹھے
ایک نے آ کے دیکھا چاٹا　　ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا　　پھر پیا آ کے تیل اگر چھوڑا
آدمی کی معاشں ہو کیونکر　　کتوں میں بود و باش ہو کیونکر
لوگ اپنے مکان سب ایسے　　ایسی جاگہ سے اچٹیں دل کیسے
صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے　　سارے کنگال اور بھوکے سے
اور آگے گئے تو تھا بازار　　اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار
ایک کے پاس دال کچھ آٹا　　تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا
ایک کنجڑے کے چار گنٹھی پیاز　　تس پر اس کو ہزار فخر و ناز
اور دس بیس گھر گنواروں کے　　اور دو چار فاقہ ماروں کے
چھوٹی مسجد خطیب تھا نہ اذاں　　یہی خانہ خطیب کا تھا واں
نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم　　اس پہ سید امام واں کی قوم
رلو و رسم و طریق سب بے ڈھب　　پہلے گالی تھی پیچھے حرف بہ لب
آس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل　　گم تھے برسات میں طریق و سبیل
ایدھر اودھر اتر کے پانی جاؤ　　تھرہے پھر جو تنک بھی اٹھے چڑھاؤ
اس سے واں کی ہوا بہت مرطوب　　ہوئے نزلہ زکام بے اسلوب
کتنے روزوں میں ہوتی ہے کھانسی　　ایسی جیسے گلے میں دیں پھانسی

پھر وہ درجہ ہے جس میں ہوئے دِق — یہ کوئی نکلی ایک شالث شق
پڑی آفت خلعہ تھا سکھوں کا — کیونکہ وہ ملک گھر تھا سکھوں کا
اس میں آجاتے تو قیامت تھی — مال و جان غرض سب کی رخصت تھی
نہ کوئی دادرس نہ وقت داد — مفت ہی ہم گئے تھے سب برباد
کیا گذشب چرخ کج نے پھینکا تھا — پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا
جس نے قدرت نمائی کی اپنی — اس بلا سے رہائی کی اپنی

ہو چکی صاحبوں کی فرمایش
چپ رہ اب ہے زمانِ آسایش

لکھنؤ کی روانگی میر کی زندگی سرتاپا ٹریجڈی ہے۔ دس سال کے تھے کہ منہ بولے چچا میر امان اللہ کا انتقال ہوا۔ اسی سال والد کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ ان کی وفات کے بعد آگرہ سے رخصت ہو کر تلاش روزگار کے لیے دلی گئے۔ یہاں صمصام الدولہ نے ایک روپیہ کا روزینہ مقرر کیا۔ ہنگامۂ نادری کے بعد روزینہ کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ پھر احمد شاہ ابدالی، مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں اور سکھوں نے دلی پر ایسا تھپڑ مارا جس سے وہ دوبارہ نہ سنبھلی۔ اس ہنگامۂ رستخیز میں اس "قافلۂ غم" کے سالارِ اعظم کے پیر بھی اکھڑ گئے پہلے وہ رعایت خاں، نواب بہادر، مہا نرائن، راجہ جگل کشور ثروت، راجہ ناگرمل، رائے بہادر سنگھ، رائے لشن سنگھ اور وجیہہ الدین وغیرہ کی رفاقت میں رہے۔ اس کے بعد عرصہ تک خانہ نشین رہے ان دنوں لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ[1] کی فیاضی و سخاوت کا طوطی بول رہا تھا اور "جس کو نہ دے مولا اس کو دے آصف الدولہ" کی کہاوت زبان زد خلائق تھی۔ میر نے دلی میں ہی آصف الدولہ کی سخاوت کا چرچا سنا تھا اور وہ بھی لکھنؤ جانے کے متمنی تھے لیکن زادِ راہ موجود نہ تھا۔ اتنے میں ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء میں سودا کا انتقال ہوا۔ نواب نے ان کے انتقال کے بعد میر کو لکھنؤ سے زادِ راہ بھیج کر فخر کے ساتھ دلی سے طلب کیا[2]۔ مرزا علی لطف نے میر کے لکھنؤ پہنچنے کی تاریخ ۱۱۹۷ھ/۱۷۸۲ء لکھی ہے۔[3] آزاد کا یہ کہنا غلط ہے کہ میر نے ۱۱۹۱ھ میں دلی چھوڑی تھی۔[4]

میر لکھنؤ جانے کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

---

[1] محمد یحییٰ خاں نام، مرزا امانی عرف آصف الدولہ خطاب ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے تھے اور لکھنؤ میں ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں انتقال کیا۔ ناسخ نے تاریخ کہی: ؎

رفت از رُوئے زمین زیر زمیں — آصف رشکِ سلیمان صد حیف
گفت تاریخ وفاتش ناسخ — مژدہ ایں حاتمِ دوراں صد حیف (دیوان غیر مطبوعہ)
۱۲۱۲ھ

[2] دستور الفصاحت ص ۲۵ احد علی یکتا لکھنوی [3] گلشن ہند ص ۲۰۹ [4] آب حیات ص ۲۰۵

"ان ایام میں فقیر خانہ نشین تھا اور چاہتا تھا کہ شہر سے نکل جائے لیکن زادِ راہ سے مجبور تھا۔ میری عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر آصف الملک کے دل میں خیال آیا کہ میر پاس آئے تو اچھا۔ چنانچہ میر طلبی کے لیے نواب سالار جنگ خلف اسحاق خان موتمن الدولہ نواب اسحاق خان نجم الدولہ کے چھوٹے بھائی (متوفی ١٢٠١ھ) سے جو وزیر اعظم کے خالو ہوتے ہیں۔ ان قدیم تعلقات کی بنا پر جو میرے ماموں (سراج الدین علی خاں آرزو) سے تھے کہا کہ اگر نواب صاحب ازراہِ عنایت کچھ نقد زادِ راہ کے طور پر بھیج دیں تو البتہ میر آئیں گے۔ انھوں نے حکم دیا اور پھر نواب سالار جنگ نے سرکار سے سفر خرچ لے کر مجھے خط لکھا کہ نواب والاجناب آپ کو یاد فرماتے ہیں اور جس طرح سے بھی ہوسکے آپ یہاں آجائیے۔ میں پہلے ہی سے دل برداشتہ بیٹھا تھا۔ خط پاتے ہی لکھنؤ کی طرف روانہ ہوگیا۔ چونکہ خدا کی یہی مرضی تھی میں "بے یار و یاور بغیر قافلہ و رہبر" فرخ آباد کے راستے سے گزرا۔ مظفر جنگ[1] رئیس فرخ آباد نے چاہا کہ میں کچھ دن وہاں ٹھہروں مگر میں نے قبول نہ کیا۔ ایک دو دن کے بعد روانہ ہوکر منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اول سالار جنگ کے یہاں گیا، خدا ان کو سلامت رکھے۔ انھوں نے میری بڑی عزت کی اور جو کچھ مناسب تھا میرے بارے میں بندگانِ عالی کی جناب میں کہلا بھیجا۔"[2]

نواب آصف الدولہ سے ملاقات

پھر چار پانچ دن کے بعد اتفاق سے عالی جناب (نواب آصف الدولہ) مرغ بازی کے لیے تشریف لائے میں بھی وہاں موجود تھا۔ فراست سے دریافت فرمایا اور کہا کہ:

"میر محمد تقی است"

اور نہایت لطف و عنایت سے بغلگیر ہوئے اور اپنے ساتھ نشست گاہ پر لے گئے۔ اپنا کلام مجھے مخاطب ہوکر سنایا۔ میں نے کہا: "سبحان اللہ بادشاہوں کا کلام کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے۔" فرطِ مہربانی سے مجھے بھی اپنا کلام سنانے کا موقع دیا۔ اس دن میں نے غزل کے شعر کہے۔ جب نواب موصوف اٹھنے لگے تو سالار جنگ نے کہا کہ:

"میر آپ کے بلانے پر یہاں آئے ہیں۔ بندگانِ عالی مختار ہیں، انہیں کوئی جگہ عنایت کی جائے اور جب مرضی مبارک ہو یاد فرماویں۔"

---

[1] مظفر جنگ۔ مظفر حسین بھی کہلاتے ہیں۔ اصل نام دلیر ہمت خاں تھا۔ فرخ آباد کے نواب تھے۔ اپنے والد احمد خان بنگش کی جگہ شعبان ١١٨٥ھ / نومبر دسمبر ١٧٧١ء میں مسند نشین ہوئے اور شاہ عالم بادشاہ نے مظفر جنگ کا خطاب دیا۔ انھوں نے اپنی جاگیر ۴ جون ١٨٠٢ء کو انگریزوں کے حوالے کردی جس کے معاوضے میں ایک لاکھ آٹھ ہزار سالانہ پنشن پاتے تھے ان کی وفات کے بعد یہ پنشن ان کے پوتے تفضل حسین خاں کو ملنے لگی۔ (بیوگرافکل ڈکشنری ص ٢٠٧) [2] ذکرِ میر ص ١٣٩

فرمایا کہ:

"میں کچھ مقرر کر کے آپ کو اطلاع دوں گا۔"

پھر دو تین روز بعد مجھے بلایا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور جو قصیدہ ان کی تعریف میں کہا تھا پڑھا۔ انھوں نے سماعت فرمایا اور کمال لطف کے ساتھ مجھے اپنے ملازموں میں شامل کیا اور برابر میرے حال پر عنایت اور مہربانی فرماتے رہے۔[1]

مرزا علی لطف کہتے ہیں کہ:

"نواب آصف الدولہ مرحوم نے روز ملازمت خلعتِ فاخرہ دیا اور تین سو روپے مشاہرہ مقرر کر کے تحسین علی خاں ناظر[2] کے سپرد کیا۔ اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت نواب سے بگڑتی گئی لیکن تنخواہ میں کبھی قصور نہ ہوا اور نواب سعادت علی خان بہادر[3] کے عہدِ وزارت میں آج کے دن تک ۱۸۰۰ء/۱۲۱۵ھ (بارہ سو پندرہ ہجری) میں وہی حال ہے جو اوپر مذکور ہوا۔"[4]

میر پر نواب آصف الدولہ کی مہربانیوں کا ذکر مصحفی[5] اور شوق رامپوری[6] نے بھی کیا ہے۔ شاہ کمال کے بیان کے مطابق میر کی یہ تنخواہ نواب سعادت علی خان نے اپنے عہدِ وزارت میں موقوف کر دی تھی۔ وہ کہتے ہیں:

"بعد از وفات آصف الدولہ بعہد سعادت علی خان سر رشتۂ روزگار از سرکار وزیر موقوف شدہ۔"[7]

محمد حسین آزاد میر کے سفر لکھنؤ کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

---

[1] ذکرِ میر ص ۱۴۰ [2] محمد تحسین علی خاں نام نواب ناظر خطاب۔ آصف الدولہ کے مشہور و معروف خواجہ سرا تھے۔ آصفی دربار میں بڑا اقتدار و امتیاز حاصل تھا۔ چوک اکبری دروازے سے متصل ان کا ایک امام باڑہ اور عالی شان مسجد موسوم بہ "مسجد تحسین" اب تک یادگار ہے۔ یہ مسجد ۱۲۰۵ھ میں تعمیر کی گئی تھی۔ تاریخ بنیاد یہ ہے: "مسجد تحسین علی ست" ۱۷۹۰ء/۱۲۰۵ھ۔ تحسین کا انتقال شعبان ۱۲۲۷ھ/اکتوبر ۱۸۱۲ء میں ہوا۔ ناسخ نے تاریخ کہی: ؎

جہاں را بہ فقدان تحسین علی خان — شدہ بر زبان ہائے نواب ناظر
چو رفتم در فکر سالِ وفاتش — بگفتا خرد وا ستے نواب ناظر (غیر مطبوعہ)

[3] نواب سعادت علی خان۔ نواب آصف الدولہ کے سوتیلے بھائی (بہو بیگم کے بطن سے نہیں تھے) ۱۲۱۲ھ میں تخت اودھ پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ ۲۲ رجب ۱۲۲۹ھ/ ۱۱ر جولائی ۱۸۱۴ء کو انتقال کیا۔ ناسخ نے تاریخ کہی: ؎

بست و سوم رجب سہ شنبہ — بسوئے جنت شتافت نواب
تاریخ وفات گشت مرقوم — صد حیف وفات یافت نواب (غیر مطبوعہ)

[4] گلشنِ ہند ص ۲۱۰ [5] تذکرۂ ہندی ص ۲۰۴ [6] تکملۃ الشعراء (قلمی) ورق ۲۸۸ ب

[7] مجمع الانتخاب (قلمی)

"جب لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے اور دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے بات کی۔ یہ اس کی طرف منہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اس نے بات کی۔ میر صاحب چیں بر جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ! آپ نے کرایہ دیا ہے بیشک گاڑی میں بیٹھئے۔ مگر باتوں سے کیا تعلق! اس نے کہا حضرت کیا مضائقہ ہے راہ کا شغل ہے۔ باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے کہ خیر آپ کا شغل ہے۔ میری زبان خراب ہوتی ہے۔"[1]

آزاد کے اس بیان کی تصدیق سعادت خاں ناصر سے بھی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"جب میر صاحب اکبر آباد (صحیح دہلی) سے پورب چلے، حسبِ اتفاق ایک بنئے کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوئے مگر سوار ہونے کے کچھ رات باقی تھی۔ جب روز روشن ہوا اور صورت اس کی دیکھی منہ ادھر سے پھیر لیا اور لکھنؤ تک اس کی طرف منہ کر کے نہ بیٹھے۔ سبحان اللہ! کیا عالی دماغ لوگ تھے ضرورت میں ناگوار کو گوارا نہ کرتے تھے۔"[2]

آزاد نے اس شخص کا نام نہیں بتایا ہے۔ البتہ بقول ناصر وہ کوئی بنیا تھا۔ ڈاکٹر عبدالحق کی دریافت کے مطابق وہ اردو کے مشہور شاعر میر ضیاء الدین ضیاؔ[3] تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے کہنے کے مطابق خواجہ امیر اسراری قادری لکھنؤ کے امرا میں سے تھے۔ ان کے والد خواجہ بادشاہ خان نواب سعادت علی خان کے مدار المہام تھے۔ خواجہ امر نے ایک کتاب "معدن الجواہر" ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۹ء میں تالیف کی اور یہ ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء میں حیدر آباد دکن کے مطبع گلزار احمدی میں طبع ہوئی۔ کتاب کے جوہر دہم اور بیان صفات بد و بخت زبوں ہر کس میں یہ واقعہ لکھا ہے:

"تقی تخلص میر کہ سرآمد شعرائے ہند بود و عمرش قریب بصد سال رسیدہ در عہد وزارت نواب سعادت علی خان بہادر اکثر اوقات در خانۂ نامی آمد۔ غزلہائے آبدار خود خواندہ مستمعان را محظوظ ساخت۔ والد بزرگوارِ راقم آثم

---

[1] آزاد کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔ (آب حیات ص ۲۰۵)

[2] خوش معرکۂ زیبا (قلمی) ورق ۴۲

[3] میر ضیاء الدین نام، ضیاؔ تخلص۔ میر کہتے ہیں، "متوطن دہلی، جوانے است موزوں، مہذب، متواضع، با فقیر ربطے بسیار دارد۔" (نکات الشعرا ص ۱۲۲) میر حسن (متوفی ۱۲۰۱ھ) کے استاد تھے اور میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ان کی بے حد تعریفیں کی ہیں۔ (تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۰۰) شوق رامپوری (طبقات الشعرائے اردو ص ۲۲۰) اور مصحفی (تذکرہ ہندی ص ۱۴۴) نے انھیں میر تقی میر کا شاگرد لکھا ہے لیکن میر اس بارے میں خاموش ہیں۔ شاہ کمال (مجمع الانتخاب قلمی) نے بھی ضیاؔ کو میر کا شاگرد بتایا ہے۔ ضیاؔ کا انتقال عظیم آباد میں ۱۷۸۱ء/۱۱۹۶ھ میں ہوا۔ نساخ نے تاریخ کہی:

سال نقل ضیاؔ ز روئے حساب
"طور معنی ضیا" بگفت خرد
۱۱۹۶ھ

(گنج تواریخ ص ۲۵)

باوسے سلوک ہائے نمایاں می کرد۔ زبانی چندکس معتمد بفرح سمع گردید کہ یک بار میر تقی و میر ضیاء الدین کہ او ہم شاعرِ زبردستے بود، ہردو بیک عرابہ نشستہ عازم سفر بودند و قریب یک ماہ ہمسفر بودند، اما ہر دو کس مذکورہ شدہ بغرورِ شاعری خودشاں دریں مدت ہم کلام نشدند۔ یکے بہ پہلوئے عرابہ و رفتے دو یمی بہ پہلوئے دیگر عرابہ بود۔ ولپشت ہائے بردو ملاصق ہمدیگر۔ ایں بدخلقیہا را لحاظ باید کرد کہ چہ قدر تنگ خو بودند، چنانچہ مولوی معنوی جلال الدین رومی ہم دریں معنی فرمایدہ [1]

اے لبا ہندو و ترک ہم زباں
اے لبا دو ترک چوں بیگانگاں [2]

آزاد یہ بھی کہتے ہیں کہ میر جب لکھنؤ پہنچے تو ایک سرائے میں مسافروں کے دستور کے مطابق اترے۔ وہاں معلوم ہوا کہ مشاعرہ ہے تو انھوں نے بھی اسی وقت غزل لکھی ان کی وضع قطع دیکھ کر لکھنؤ کے بانکے ٹیڑھے سب ہنسنے لگے اور ان سے پوچھا کہ وطن کہاں ہے میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزل طرحی میں داخل کیا۔

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو | ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب | رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا | ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

مولانا ابو الکلام آزاد [3]، علی سردار جعفری [4] اور دوسرے ناقدین نے آزاد کے اس بیان کو من گھڑت قرار دیا ہے۔ ان کی رائے میں یہ محض افسانہ ہے اور اس میں ذرہ بھر حقیقت نہیں ہے۔ شعیب محمدیہ کالج آگرہ کے کتب خانے میں ایک بیاض قدیم مہ ۸ نمبر ۱ کے تحت بطور کشکول مرتب کی گئی ہے [5]۔ اس میں مثنوی "خواب و خیال" بھی درج ہے۔ یہ بیاض میر کی زندگی میں ترتیب دی گئی ہے۔ مثنوی کے آخر میں اول رجب ۱۲۱۶ھ روز چہارشنبہ لکھا ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا قطعہ کے اشعار میر کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ "قطعہ" میر کی تصنیف سے ہے۔ دوسرے شعر کا پہلا مصرع بیاض میں یوں ہے: ع

دلی جو ایک شہر تھا رشک نعیم آہ

---

[1] میر کا سفر لکھنؤ ص ۶۴ بحوالہ دلی کالج میگزین میر نمبر　　[2] آب حیات ص ۲۰۵

[3] مثنویات میر بخط میر مرتبہ ڈاکٹر رام بابو سکسینہ

[4] دیوان میر مرتبہ علی سردار جعفری ص ۷ ج ۲

[5] راقم نے ۹ رجنوری ۱۹۷۳ء کو یہ "بیاضِ قدیم" آگرہ میں دیکھی۔ اس میں میر کے کچھ غیر مطبوعہ اشعار بھی درج ہیں۔ کالج کے پرنسپل ابو محمد صاحب کا شکریہ جنھوں نے یہ بیاض دکھائی۔ (اکبر حیدری)

بہرائچ کی سیر لکھنؤ میں نواب آصف الدولہ میر پر بڑے مہربان تھے اور بقول شاہ کمال "بخوبی اوقاتش بسر شدہ" جب نواب بہرائچ شکار کھیلنے گئے تو میر بھی ان کے ہمرکاب تھے اور میر نے اس موقعہ پر شکار نامہ بھی نظم کیا۔ دوسری دفعہ نواب کوہ شمالی تک گئے۔ اس دفعہ بھی میر ان کے ساتھ تھے اور پھر تین مہینے کے بعد جب لکھنؤ آئے تو دوسرا شکار نامہ نظم کر کے ان کے سامنے پڑھا۔ نواب نے دوسرے شکار نامے کی دُو غزلوں کو مخمس[1] کیا۔ اس واقعہ کو میر یُوں بیان کرتے ہیں:

"این جا فقیر با نواب عالی منزلت است۔ در دعا گوئی الیشاں بسری کند۔ بندگان عالی برائے شکار تا بہرائچ رفتند، من در رکاب بودم، شکار نامۂ موزوں نمودم۔ بارے دیگر باز برائے شکار سوار شدند، تا دامن

---

[1] مطبوعہ و قلمی کلیاتِ میر کے نسخوں میں شکار نامہ کے ساتھ یہ غزلیں بھی شامل ہیں ان کا پہلا اور آخری شعر درج ذیل ہے۔ پہلی غزل میں ۱۰ شعر ہیں:

مطلع: ؎ نہیں خوں بستگی سے چشم تر بند
جراحت نے کیے ہیں چشم پر بند

مقطع: ؎ غزل کا قافیہ تغیر کر میر
ہنر کچھ اس زمیں میں میر کر بند

غزل دوم میں ۹ شعر ہیں: ؎

مطلع: ؎ جگر خوں کن ہیں خوبانِ حنا بند
دل ان کے دست رنگیں کا ہے پابند

مقطع: ؎ یہی انداز باندھے ہیں یہی ناز
قیامت میر صاحب ہیں ادا بند

اس طرح میر کی دونوں غزلوں میں ۱۹ شعر ہیں۔ کلیات آصف الدولہ مخطوطۂ لندن اور آصفیہ حیدر آباد میں ان دونوں غزلوں کو ۱۹ بندوں میں مخمس کیا گیا ہے۔ پہلی غزل کے مخمس کا آخری بند یہ ہے: ؎

سخن آصف کا سن تشہیر کریئے — دلوں میں خلق کی تاثیر کریئے
ہنر کچھ اس زمیں میں میر کریئے — غزل کا قافیہ تغیر کریئے
وسلے ہر بیت میں ہوئے اثر بند

اور دُوسری غزل کا مقطع یہ ہے: ؎

کہے ہے آصف رنگیں سخن ساز — نیا ہم اس غزل کا پایا انداز
نرالا سب سے ہے انجام و آغاز — یہی انداز باندھے ہے یہی ناز
قیامت میر صاحب ہیں ادا بند

کوہ شمالی تشریف بردند۔ اگرچہ مرد ماں از نشیب و فراز ایں سفر دور و دراز سخت خوردند لیکن شکار چنیں و فضائی چنیں و ہوائی چنیں نہ دیدہ بودند، لبعد از سہ ماہ بدار القرار خود آمدند فقیرے شکار نامہ دیگر گفتہ بحضور خواند، دو غزل از غزلہائے شکار نامہ انتخاب زدہ، خود بدولت مخمس کردند۔ بخوبی کہ می بایست دو در زمین غزل پسند افتادہ، غزل دیگر فرمایش نمودند۔ آنہم از فضلِ الٰہی گفتہ شد، زبان مبارک بر تحسین کشادند و داد سخنوری دادند"[1]

شکار نامہ کے آخر میں جہاں میرؔ، نواب آصف الدولہ کی دادگستری اور سخن نوازی کی تعریف میں رطب اللسان ہیں وہاں اپنی ناقدردانی کی شکایت بھی بڑے خلوص کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ آخری دو شعر قابلِ غور ہیں۔ لکھنؤ میں نواب کے فیض و سخاوت کی گنگا بہہ رہی تھی لیکن میرؔ مطمئن نہ تھے اور انہیں زمرۂ شعراء میں شاید وہ قدر و منزلت حاصل نہ تھی جس کے وہ متمنی تھے۔ اسی لیے دلّی کی بار بار یاد آتی تھی۔ کہتے ہیں: ؎

زمانے میں ہے رسم کہنے کی کچھ　　امید اس سے ہے نام رہنے کی کچھ
کسو سے ہوئی شاہنامے کی فکر　　کہ محمودؔ[1] کا لوگ کرتے ہیں ذکر
گیا شہ جہاں نامہ کہہ کر کلیمؔ[2]　　دل شاعراں رشک سے ہے دو نیم
کنھوں نے کہی عشق کی داستاں　　ہوا کوئی کھانے سے ہم داستاں
پئے آصف الدولہ میں نے بھی میرؔ　　کہے صید نامے بہت بے نظیر

---

[1] ذکرِ میرؔ ص ۱۴۰-۱۴۱ [1] سلطان محمود غزنوی پہلی بار ۸ محرم ۳۹۲ھ مطابق ۲۷ نومبر ۱۰۰۱ء کو ہندوستان پر حملہ آور ہوئے اور پشاور میں راجہ جے پال کو شکست دی۔ اس کے بعد ہندوستان پر ۱۲ مرتبہ حملہ کیا اور فتوحات عظیم حاصل کیں۔ بالآخر ۳۴ سال بادشاہی کر کے مرض دق میں مبتلا ہو کر ۲۳۔ ربیع الآخر روز پنجشنبہ ۴۲۰ھ مطابق ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء کو انتقال کیا اور یہی تاریخ بخط کوفی قبر پر کندہ تھی۔ مادۂ تاریخ "شاہباز جناں" ہے۔ محمود نے فردوسی (متوفی ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء) سے شاہنامہ لکھنے کی فرمایش کی تھی اور ساٹھ ہزار دینار طلا دینے کا وعدہ کیا تھا۔ فردوسی نے ۳۰ سال کی محنت کے بعد شاہنامہ مکمل کیا اور اس کی ابتدا میں اپنے تشیعی عقیدے کی بنا پر اہل بیت رسول کی تعریف کی جس کے چند شعر یہ ہیں: ؎

بداں زادم و ہم بدیں بگزرم　　ثنا گوئے پیغمبرؐ و حیدرمؑ
اگر چشم داری بدیگر سرائے　　بہ نزد علیؑ و نبیؐ جوئے جائے

ان اشعار سے محمود ناراض ہو گئے اور فردوسی کی حق تلفی کی۔ (چہار مقالہ نظامی عروضی و مفتاح ص ۳۱)

[2] ابو طالب کلیم، شاہجہاں کے ملک الشعرا تھے، ۱۰۶۱ھ/۱۶۵۰ء میں کشمیر میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہیں۔ غنی کاشمیری نے تاریخ کہی۔ مادۂ تاریخ "طور معنی بود روشن از کلیم"۔ (مفتاح ص ۲۵۸)

نہ ہے آصف الدولہ داد گر ۔۔۔ سخنور نواز اور عاشق ہنر
دہش سے جہاں اسکے رونق پذیر ۔۔۔ وزیر ابن دستور ابن وزیر
کریمی کرے تو جہاں در جہاں ۔۔۔ کف جود خورشید سا زر فشاں
سراپائے احساں تمامی ہمم ۔۔۔ ہمہ تن مروت سراسر کرم
بہت کچھ کہا ہے کرو میرؔ بس ۔۔۔ کہ اللہ بس اور باقی ہوس
جواہر تو کیا کیا دکھایا گیا ۔۔۔ خریدار لیکن نہ پایا گیا

متاع ہنر پھیر لے کر چلو
بہت لکھنؤ میں رہے گھر چلو

میرؔ کی نازک مزاجی

میر تقی میرؔ بڑے نازک دماغ تھے۔ میر حسن کہتے ہیں کہ "بسیار صاحب دماغ است و دماغ اوراہمی زیبد[1] وہ بڑے قانع، متوکل، غیور اور سنجیدہ مزاج تھے۔ ایام زندگی گوناگوں تلخیوں اور افلاس میں کاٹے۔ مصحفی کہتے ہیں کہ:

"باوجو عیال داری توکل اختیار کردہ، روئے نیاز بر ایں تو کیسہا ئے چند نمی آرد و از بسکہ از ابنائے زمانہ کسے را محا طلب صحیح نمی پندارد۔ سخن بہر کس و ناکس نمی کند، ازیں جہت اعزہ او را کج خلق و بر خود غلط و انصاف دشمن قرار دہند۔"[2]

جن دنوں رعایت خاں کے ہاں نوکر تھے یہ نازک دماغی اس زمانہ میں بھی قایم تھی۔ ایک دن خاں مذکور نے میرؔ سے فرمائش کی کہ وُہ اپنے چند اشعار ایک قوال بچے کو سکھا دیں تاکہ وہ ساز پر گائے۔ میرؔ نے پہلے انکار کیا پھر جب خان نے اصرار کیا تو پانچ چھ شعر ریختہ کے اسے یاد کرائے۔ یہ بات ان کی طبع نازک پر گراں گذری اور اس کا اثر ایسا ہوا کہ دو تین دن کے بعد گھر میں بیٹھ رہے اور خان کی ملازمت چھوڑ دی۔ خاں نے ان کی رفاقت کا خیال کر کے ان کے بھائی محمد رضی کو اپنے پاس سے گھوڑا عنایت کیا اور ملازم رکھا۔ ایک مدت کے بعد جب میرؔ ان سے ملے تو خاں نے بہت عذر خواہی کی۔[3]

گردشِ زمانہ اور پراگندہ روزی نے میرؔ کی نازک مزاجی، بد دماغی میں تبدیل کی۔ اس بات کا احساس انھیں بھی تھا۔ چنانچہ "مخمس شہر کا حسب حال خود" میں اپنی بد دماغی کے بارے میں صاف کہتے ہیں: ؎

قابل ہے میری سیر کے اطوار روزگار ۔۔۔ چالیں عجب طرح کی چلے ہیں عجب شعار
کرتا ہے بدسلوکی سبھوں سے یہ بدمدار ۔۔۔ لاتا ہے روز فتنۂ تازہ بروئے کار
دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر فگار

---

[1] تذکرہ میر حسن ص ۱۵۲ ۔۔۔ [2] عقد ثریا ص ۵۹ ۔۔۔ [3] ذکر میرؔ ص ۷۰

کاما سے تنگ کام اٹھایا میرے تئیں   دلی میں بید لانہ پھرایا میرے تئیں
ہم چشموں کی نظر سے گرایا میرے تئیں   حاصل کہ پیس سرمہ بنایا میرے تئیں
میں مشت خاک مجھ سے اسے اس قدر غبار

لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پئے تلاش   یاں آ کے گزری میری عجب طور سے معاش
پانی کسو سے مانگ پیا میں کسو سے آش   اس واقعہ سے آگے اجل پہونچی ہوتی کاش
ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

مدت رہا تھا ساتھ جنھوں کے خراب حال   وانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال
آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال   یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال
اس جمع میں کسو کو میں پایا نہ دستیار

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہو کے نیم جاں   پوچھا نہ مجھ کو یک لب ناں سے کھنوں نے یاں
کم پانی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں   آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں
برسوں کا راز مجھ سے ہوا آ کے آشکار

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ   دل سوزش درونی سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ   ہے نام مجلسوں میں میرا میرؔ بد دماغ
از بسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

میرؔ کی یہ نازک دماغی دُور دور تک پھیلی تھی۔ چنانچہ اس بات کا ذکر معاصر اور بعد کے تذکروں میں بھی کیا گیا ہے۔ لطف لکھتے ہیں؛

"اگرچہ گرفتہ مزاجی سے ان کی روز بروز صحبت نواب مرحوم (آصف الدولہ) سے بگڑتی گئی لیکن تنخواہ میں کبھی نہ قصور ہوا۔" [1]

نواب ان کی نازک دماغی سے بخوبی واقف تھے۔ پھر بھی ان کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ چنانچہ احمد علی یکتا لکھتے ہیں؛

"نواب آصف الدولہ از خاطر داری و پاس مشارٌ الیہ ہیچ دقیقہ فرو نمی گزاشت۔ حالانکہ جناب میرؔ بغرور کمال و استغنائے تصوف کہ مضمر بخاطرش بودہ، اکثر کم التفاتی و بے اعتنائی بحال مردم می نمود، بلکہ گاہ گاہ با اُمراہم، چنانچہ باید راہ التفات و مبالغت نمی پیمود۔ چنانچہ نقل است کہ روزے میرؔ صاحب

---

[1] گلشن ہند ص ۲۱۰

قصیدۂ تازہ گفتہ، بدربار آوردند، نواب وزیر کہ از چاشت فراغت کردہ، متوجہ شنیدن شد، میر صاحب شروع بخواندن کردند و طول دادند۔ اتفاقاً آں روز ملا محمد، مغل راکہ تازہ از ولایت آمدہ و شاعر ہم بودہ، برائے ملازمت آوردہ، می خواست کہ آنہم چیزے در مدح حضور بخواند، و تطویل قصیدۂ میر وقت نگذاشت ملا محمد تنگ آمدہ گفت کہ "میر صاحب، قصیدہ خوب است، اما طولانی اگر دماغ نواب صاحب وفائی کرد کہ مے شنید؟" میر بمجرد استماع بیاض از دست انداختہ و منغص شدہ گفت کہ ..... اگر دماغ نواب وفائی کرد دماغ من کجا وفا می نماید؟ مطلق پاس حضور نہ نمود، نواب کہ خود خلق مجسم بودہ، استمالۂ مزاج میر بکمال مہربانی و منتہا نمودہ، بقیہ قصیدہ ہم تمام شنید و خاطر لا ہیچ نہ کرد۔ باوصف اینکہ او با نواب صیغۂ اخوت داشت[1]

حکیم قدرت اللہ قاسم کہتے ہیں کہ:

"ایک دن میرزا محمد تقی خان ترقی[2] کے گھر پہ محفلِ مشاعرہ منعقد ہوئی۔ جرأت[3] اپنے شاگردوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ آئے اور غزلیں پڑھیں۔ انھیں اتنی داد دی گئی کہ تعریفوں کے شور و غل سے شعر تک نہیں سنائی دیے۔ اتفاق سے میر تقی میر بھی مشاعرہ میں حاضر تھے۔ قلندر بخش جرأت نے جرأت کی اور اپنے کو ان کے پہلو تک پہنچا دیا اور اپنے اشعار کے داد خواہ ہوئے۔ پہلے تو میر خاموش رہے۔ جب جرأت نے اصرار کیا تو میر نے کہا کہ جب تم "بدیں جد و کد" پوچھتے ہو تو مجبوراً کہتا ہوں کہ "کیفیت اس کی یہ ہے کہ تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو۔ اپنی چوما چاٹی کہہ لیا کرو۔"[4]

---

[1] دستور الفصاحت ص ۲۶-۲۵

[2] ترقی۔ میرزا محمد تقی نام، اسد الدولہ رستم الملک خان بہادر خطاب عرف آغا صاحب، والد کا نام میرزا محمد امین نیشاپوری تھا۔ ترقی کی سخاوت شرح و بیان سے باہر ہے اہل کمال اور شعرا کے قدر دان تھے۔ دریاض الفصحا ص ۵۵) نواب شجاع الدولہ کے عزیز تھے۔ بڑے خوشحال اور صاحبِ ثروت تھے۔ (عمدۂ منتخبہ ص ۱۶۸) میر سوز کے شاگرد تھے۔ ۱۲۴۶ھ/۳۰-۱۸۲۹ء میں انتقال کیا۔ مرزا نظر علی نظر شاگرد مصحفی نے تاریخ کہی، ؎

محمد تقی خاں بہادر کہ بود	بجود و شجاعت عدیم المثال
بحکم خدا زیں سرائے سپنج	سوئے باغِ فردوس کرد انتقال
پے سال تاریخ آں ذی شکوہ	چو کردم نظر از دل خود سوال
بہ ماندم تحیر و از سرِ حلم گفت	برفت از زماں قدر دانِ کمال (دیوانِ نظر غیر مطبوعہ)

[3] جرأت نے ۱۲۲۴ھ میں انتقال کیا۔ مصحفی نے تاریخ کہی، ؎

مصحفی نے یہ کہا سالِ وفات	ہو گئے کیا بلبل نالاں خموش (دیوان مصحفی مخطوطہ)

[4] مجموعہ نغز حصہ اول ص ۱۵۵

سعادت خان ناصرؔ نے میرؔ کی نازک مزاجی پر زرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ کہتے ہیں:

"مرزا مغل سبقتؔ[1] کہتے تھے جب میرؔ صاحب لکھنؤ میں تشریف لاتے بندہ ان کے شرفِ ملازمت کو گیا۔ خبر ہونے کے بعد دیر میں تشریف لاتے۔ میں نے دست بوسی حاصل کی اور بعد میں قیل وقال کے ملتمس ہوا کہ کچھ اپنے کلام سے مستفید فرمایئے۔ بے تامل فرمایا کہ تمہارے بشرہ سے شعر فہمی معلوم نہیں ہوتی۔ سخن کے ضایع کرنے سے حاصل انسان کو اپنی خود پسندی زیبا نہیں کہ مثل من دیگرے نیست،" فضلنا بعضکم علیٰ بعض" مرزا مغل اچھے شاعر تھے بلکہ اوروں پر سبقت رکھتے تھے۔

ایک دن شاہ قدرت اللہ اور میرؔ صاحب کشتی پر سوار تھے۔ قدرت اللہ نے چند غزلیں اپنے دیوان کی میرؔ صاحب کے آگے پڑھیں۔ میرؔ صاحب نے کچھ نہ کہا۔ وہ ملتمس ہُوا کہ آپ نے کچھ نہ فرمایا۔ میرؔ صاحب نے کہا صواب دید یہ ہے کہ دیوان کو اپنے دریا میں ڈال دو۔ نقل ہے کہ عماد الملک نواب غازی الدین خان لبِ دریا بیٹھے ہُوئے تھے اور مُرغابیاں، آبی بطا اور سرخاب واسطے سیر و تماشا کے دریا میں چھوٹے ہوئے تھے۔ اتفاقاً میرؔ صاحب بھی ادھر آنکلے۔ نواب چند قصیدے اپنے ان کو پڑھ کر داد طلب ہوئے۔ میرؔ صاحب نے فرمایا میری تعریف کی کیا احتیاج ہے۔ ہر بطا کو صاحب کے اشعار پہ حالتِ وجد و سماع ہے۔ نواب پر یہ سخن نہایت ناگوار گزرا اور دُوسرے روز میرؔ صاحب کو پھر طلب کیا۔ آپ کرسی پر بیٹھے زمین پر سوائے خاک کچھ نہ بچھوایا۔ میرؔ صاحب نے لحمہ کے لحمہ انتظار مونڈھے چوکی کا کیا۔ بعدازاں دوپٹہ اپنا دوتا کر کے بچھایا اور بیٹھ گئے۔ نواب صاحب نے فرمایا کچھ ارشاد کیجیے۔ میرؔ صاحب نے یہ قطعہ پڑھا: ؎

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا — یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا
تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ — سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

جب سرکار نواب آصف الدولہ میں میرؔ صاحب صیغۂ شاعری میں نوکر ہُوئے ایک دن وہ آصف جاہ کتاب خانے میں جلوہ گر تھا اور دواوین زیر و بالا رکھتے تھے ایک جلد نواب نامدار کے ہاتھ سے دور اور میرؔ صاحب کے نزدیک تھی، فرمایا مجھے اٹھا دیجئے۔ میرؔ صاحب نے ایک خادم سے کہا سنو تمہارے آقا کیا فرماتے ہیں

---

[1] مرزا مغل بیگ نام سبقتؔ تخلص شاگرد جرأتؔ (تذکرۂ ہندی ص ۱۳۲، عمدۂ منتخبہ ص ۲۵۶) ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء میں انتقال کیا۔ ناسخؔ نے تاریخ کہی: ؎

ولا مرزا مغل سبقتؔ صد افسوس — ز دنیا سوئے جنت کرد رحلت
نوشتم سال تاریخِ رحلِش — کہ مرد افسوس ہے افسوس سبقتؔ (دیوان ناسخ قلمی)

نواب نے راست ہو کر اٹھایا۔ مگر یہ مزاجی نہایت ناگوار گزری۔ بعد لمحہ کے فرمایا " میر صاحب مرزا رفیع سودا کیسا شاعر مسلم الثبوت تھا۔ میر صاحب نے کہا۔ بجا خوب۔ مصرعہ:

ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است

حضور پُر نور نے کہا کہ ہم عیب پسند ہیں؟ یک نہ شد دو شد۔ اتنے میں میر سوز[1] کہ استاد حضرت عالی کے تھے واسطے مجرے کے حاضر ہوئے۔ حضور نے فرمایا کچھ پڑھو، حسب الحکم میر سوز نے دو تین غزلیں پڑھیں۔ نواب فلک جناب نے تعریف میں ان کی مبالغہ فرمایا۔ میر صاحب کو دلیری میر سوز کی اور تعریف نواب صاحب کی بہت ناگوار گزری۔ میر سوز سے کہا تمہیں اس دلیری پر شرم نہیں آتی۔ میر سوز نے کہا " صاحب بندہ کیا ہے میں شاہجہان آباد میں بھاڑ جھونکتا تھا " کہا " بزرگی اور شرافت میں تمہاری کیا تامل ہے مگر شعر میر سے کیا کسی کو ہمسری؟ موقعہ اور محل تمہاری شعر خوانی کا وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈکلیاں پکتی ہوں نہ کہ میر کے سامنے۔ میر سوز[2] نے تو یہ کہا اور وہ شقہ کہ میر کی طلب کو حضور پُر نور نے لکھا تھا جیب سے نکال کر حضور کے آگے رکھ دیا اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ خانہ آباد، دولت زیاد، نواب نے فرمایا: خدا حافظ۔

دو تین مہینے کے بعد تحسین علی خان خواجہ سرا نے ذکر اس کی عسرت اور غریب الوطنی کا تقریباً حضور میں گزارش کیا۔ اس حاتم زماں نے اول شکایت اس کی بے اعتنائی کی بہت سی کی۔ بعدہٗ شفاعت خواجہ سرا قبول فرمائی۔ خواجہ صاحب خوش خوش میر صاحب کے پاس آیا اور وہ ذکر سنایا میر صاحب نے دربار میں خواجہ صاحب کی معرفت جانا ننگ مردی سمجھ کر انکار کیا۔

ایک دن وہ جوہر شناس ہنرمندان عتیق اللہ کے امام باڑے کی طرف آیا اور تحسین کو اشارے سے کہا کہ میر صاحب کو لے آ۔ خواجہ سرا نے میر صاحب سے کہا " چلو تمہارے لینے کو حضور آئے ہیں " سبحان اللہ! کیا قدر شناس تھے کہ اپنے نوکر کی رئیسوں کی یہ خاطر تھی۔"[3]

آزاد کہتے ہیں:

" عظمت و اعزاز جوہر کمال کے خادم ہیں۔ اگرچہ انھوں نے لکھنؤ میں بھی میر صاحب کا ساتھ نہیں چھوڑا مگر انھوں نے بھی بد دماغی اور نازک مزاجی کو جوان کے ذاتی مصاحب تھے اپنے دم کے ساتھ ہی رکھا

---

[1] میر سوز کا انتقال ۱۲۱۳ھ/۱۷۹۸ء میں ہوا۔ ناسخ نے تاریخ کہی: ؎

اٹھ گیا میر سوز دنیا سے ہائے صاحب کمال واویلاہ
سال تاریخ ہے یہی ناسخ شاعر بے مثال واویلاہ

[2] بقول آزاد میر سوز کو میر ایک چوتھائی شاعر سمجھتے تھے۔ (آب حیات) [3] خوش معرکہ زیبا ص ۲۱۲ ۲۰۴ ورق الف (قلمی)

چنانچہ کبھی کبھی نواب کی ملازمت میں جاتے تھے۔

ایک دن نواب مرحوم نے ایک غزل کی فرمائش کی۔ دوسرے تیسرے دن جو پھر گئے تو پوچھا کہ میر صاحب ہماری غزل لائے؟ میر صاحب نے تیوری بدل کر کہا:

جناب عالی! مضمون غلام کی جیب میں تو بھرے ہی نہیں کہ آپ نے فرمائش کی آج غزل حاضر کر دے۔ اس فرشتہ خصال نے کہا خیر میر صاحب طبیعت حاضر ہو گی کہہ دیجئے گا۔

ایک دن نواب نے بلا بھیجا۔ جب پہنچے تو دیکھا کہ نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں چھڑی ہے پانی میں لال سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں آپ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میر صاحب کچھ فرمائیے۔ میر صاحب نے غزل سنانی شروع کی۔ نواب سنتے جاتے تھے اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں سے بھی کھیلتے جاتے تھے۔ میر صاحب چیں بجبیں ہوتے اور ہر شعر پر ٹھہر جاتے تھے۔ نواب کہے جاتے تھے کہ ہاں پڑھیے۔ آخر چار شعر پڑھ کر میر صاحب ٹھہر گئے اور بولے کہ پڑھوں کیا آپ مچھلیوں سے کھیلتے ہیں، متوجہ ہوں تو پڑھوں۔ نواب نے کہا جو شعر ہو گا آپ متوجہ کرلے گا۔ میر صاحب کو یہ بات زیادہ تر ناگوار گذری۔ غزل جیب میں ڈال کر گھر کو چلے آئے اور پھر جانا چھوڑ دیا۔ چند روز کے بعد ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے نواب کی سواری سامنے سے آگئی۔ دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے کہ میر صاحب آپ نے ہمیں بالکل چھوڑ دیا، کبھی تشریف بھی نہیں لاتے۔ میر صاحب نے کہا بازار میں باتیں کرنا آداب شرفا نہیں۔ یہ کیا گفتگو کا موقع ہے![1]

آزاد مجموعہ نغز کے حوالے سے آگے چل کر کہتے ہیں کہ اگر یہ غرور اور بد دماغی فقط امراء کے ساتھ ہوتی تو معیوب نہ تھی لیکن آگے چل کر یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے دماغیاں ان کے جوہر کمال پر زیور معلوم ہوتی ہیں۔[2]

شاگردی سے انکار جب قمر الدین منت[3] ان کے پاس اصلاح کے لیے اردو غزل لے گئے تو میر صاحب نے وطن پوچھا انہوں نے سونی پت علاقہ پانی پت بتلایا۔ آپ نے فرمایا اردوئے معلّٰی خاص دلی کی زبان ہے۔ آپ اس میں تکلیف نہ کیجیے۔ اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجئے۔[4]

---

[1] آب حیات ص ۲۰۶-۲۰۷ [2] آب حیات ص ۲۰۷ [3] منت تخلص، میر قمر الدین نام متوطن سونی پت، فارسی کے شاعر مسلم الثبوت تھے پہلے قائم کے اور بعد میں میر شمس الدین فقیر کے شاگرد ہوئے۔ کلکتہ میں ۱۲۰۷ھ/ ۱۷۹۲ء میں انتقال کیا۔ مصحفی نے تاریخ کہی ہے

واحسرتا کہ سال وفاتش نوشتہ شد

منت کجا و زمزمۂ شاعری او (تذکرۂ ہندی ص ۲۳۰)

۱۲۰۷ھ

[4] آب حیات ص ۲۱۷

آزاد یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سعادت یار خاں نگین (متوفی ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۵ء) میر کی خدمت میں گئے اور ایک غزل اصلاح کے لیے پیش کی تو میر نے فرمایا کہ آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں خواہ مخواہ میری اور اپنی اوقات ضایع کرنی کیا ضرورت ہے۔ یہی معاملہ شیخ ناسخ[1] (متوفی ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء) کے ساتھ گزرا[2]

بقول ناصر:

"میر حسن اپنے بیٹے میر مستحسن خلیق[3] کو میر تقی میر کی خدمت میں شاگردی کے طور پر لے گئے۔ میر نے کہا اپنی ہی اولاد کی تربیت نہیں ہوتی۔ غیر کی اصلاح کا کسے دماغ ہے"[4]

اور جب راجہ جگل کشور کے کلام پر اصلاح دینے لگے تو میر نے ان کی سخن گوئی کے لیے بہت بری رائے ظاہر کی۔ کہتے ہیں:

"تکلیف اصلاح شعر خود کرد۔ قابلیت اصلاح ندیدم۔ بر اکثر تصنیفات او خط کشیدم"[5]

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ میر اپنے سوا کسی اور شاعر کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اسی لیے اکثر تذکرہ نویسوں نے ان کے "طرزِ عمل" پر شک و شبہ کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ دلی کے ایک مشاعرے میں انھوں نے "اژدر نامہ" کے نام سے ایک مثنوی کہی۔ اس میں اپنے آپ کو "اژدہا" قرار دیا اور دیگر شعرا میں سے کسی کو سانپ، کسی کو بچھو، کسی کو کنکھجورا وغیرہ قرار دیا اور آخر کار جب اژدہا کا اس "انبوہ بیاباں" سے مقابلہ ہوا تو اس نے ایسا دم بھرا کہ سب ڈھیر ہو گئے۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے: ؎

یہ موذی کٹے ناخبردار فن	نٹی ناگنیں جن کے ٹیکوں میں پھن
نفس ہے مرا افعی پیچدار	گیا جس سے خصم قوی من کو مار
سن اسے ماجرے کو سبھوں نے کہا	کہاں کنکھجورے یہ کہاں اژدہا
حکایت بعینہٖ یہ دل سے ہے میر	سرِ راہ کہتا تھا جو اک فقیر
کہ تھا دشت میں ایک اژدر مقیم	درندوں کے بھی دل تھے اسکے دو نیم
پھر ایک دم ان نے وا کر دہاں	کہ پایا اس انبوہ کو نیم جاں

---

[1] ناسخ کا ایک قدیم دیوان متن میں لکھا ہوا راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔ یہ قلمی ہے اور اس میں ناسخ کا بہت سا کلام غیر مطبوعہ ہے۔

[2] آبِ حیات ص ۲۱۷

[3] میر خلیق کا انتقال ۱۸۴۴ء/۱۲۶۰ھ میں ہوا۔ رشک نے تاریخ کہی: ؎

میر مستحسن خلیق افسوس	بس عطوف و شفیق بود استاد	
رشک نالید و گفت تاریخش	ہائے اسے بے خلیق بود استاد	(دیوان رشک ص ۲۴۱)

[4] خوش معرکہ زیبا ص ۱۲۷ الف [5] ذکرِ میر ص ۵۷

کسھوں نے کبھی منہ نہ ادھر کیا　　نہ پھر نام اس اژدہے کا لیا
میری قدر کیا ان کے کچھ ہاتھ ہے　　جو رتبہ ہے میرا میرے ساتھ ہے
کہاں پہونچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

اہلِ مشاعرہ نے میرؔ صاحب کے طریقۂ کار کو پسند نہیں کیا۔ انھی میں سے محمد امان المتخلص بہ نثارؔ[1] نے ایک غزل کہی اور جب مقطع کا شعر پڑھا تو ہنگامہ برپا ہُوا اس کو قاسمؔ نے یوں بیان کیا ہے:

میرؔ، در مجلسے کہ اژدر نامہ انشا کرد، اتفاقاً قبل ازیں بہ سمع میاں محمد امان اللہ نثارؔ قصہ اژدر نامہ گفتن رسید۔ وے بگوشہ نشستہ، در ہماں مجلس غزلے موزوں نمود، و بعد خواندن اژدر نامہ بدورۂ خود آں غزل را بہزار شدّ ومد انشا فرمود و در مجلس غوغائے عجیب وغریب برخاست و بہ محمد تقی میرؔ رسید آنچہ رسید مقطع آں غزل بنا بر تفریح یاراں دریں جا مرقوم گردید۔ ؎

حیدر کرارؑ نے وہ زور بخشا ہے نثارؔ
ایک پل میں دو کروں اژدر کے کلّے چیر کر

دریں مقطع اہل مجلس ہزاراں ہزار آفریں کردند کہ فی الحقیقت بر اژدر نامہ بلکہ بر قائلش صد ہزار نفریں بود۔[2]

میرؔ کا عشق

میرؔ کو اپنے والد گرامی نے عشق کرنے کی تلقین کی تھی اور کہا تھا:

"اے پسر عشق بورز، عشق است کہ دریں کارخانہ متصرف است، اگر عشق نمی بود، نظم کل صورت نمی بست، عشق لبساز، در عالم ہر چہ ہست ظہور عشق است . . . ."

اس عشق کی تشریح شعلۂ عشق، دریائے عشق، جوشِ عشق اور مور نامہ وغیرہ میں بھی کی گئی ہے۔ کہتے ہیں: ؎

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور　　نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب　　محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی　　محبت سے خالی نہ پایا کوئی

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال　　ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

---

[1] میاں امان اللہ نام، نثارؔ تخلص، خاندانی معمار تھے۔ ان کے بزرگوں میں سے کسی ایک نے دلی میں جامع مسجد کی بنیاد بھی ڈالی تھی۔ حاتمؔ کے شاگرد تھے۔ دلی اجڑنے کے بعد لکھنؤ گئے اور راجہ ٹکیت رائے (متوفی ۱۷۹۹ء/۱۲۱۴ھ) کی رفاقت میں رہتے تھے۔ شاہ کمال کے ساتھ بڑا ربط و اتحاد تھا۔ ۱۸۰۳ء/۱۲۱۸ھ تک زندہ تھے، ایک ضخیم دیوان ترتیب دیا تھا۔ (تذکرۂ ہندی ص ۲۵۵، مجمع الانتخاب قلمی، [2] مجموعۂ نغز

دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا — کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خوں ہو کے بہا — کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا — کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا

نظم کل کا ڈول ڈالا عشق نے — انس سے انساں نکالا عشق نے
وہ حقیقت سب میں یاں ساری ہوئی — ہے گی ہر شے عشق کی ماری ہوئی
چار سو ہنگامہ آرا عشق ہے — عشق کیا کہیے کہ کیا کیا عشق ہے
عشق سے کیا میرؔ اتنی گفتگو — خاک اڑا دی عشق نے ہر چار سو

باپ کی تلقین عشق کا میرؔ پر یہ اثر پڑا کہ ابتدائے عمر سے ہی ان کے دل میں شعلۂ عشق بھڑکنے لگا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ دلی سے واپسی کے بعد آگرہ میں ایک پری تمثال سے جو ان کی عزیزہ بھی تھیں در پردہ تعلق خاطر اور تعشق کیا۔ میرؔ کی اس داستان محبت کو سب سے پہلے منشی احمد حسین سحرؔ نے یوں آشکار کیا ہے؛

"مشہور است کہ بشہر خویش با پری تمثالے کہ از عزیزانش بود در پردہ تعشق طبع و میل خاطر داشتہ۔ آخر عشق او خاصیت مشک پیدا کردہ می خواست کہ بجیہ بچار سوئے رسوائی بہ کند و حسن بے پردہ بہ جلوہ گری در آید۔ از ننگ افشائے راز و طعن اقربا بادلے در بغل پرورد حسرت و با خاطر ناشاد دست و گریبان قطع رشتۂ حب وطن ساختہ۔ از اکبر آباد بعد از خانہ بر اندازیہا بہ شہر لکھنؤ رسید و سنگ شکیبائی بر سینہ زد و از آوارہ گردی ہا آرمید و ہمیں جا بصد حسرت جانکاہ جلا وطنی و حرماں نصیبی از دیدار یار جان بہ جہاں آفریں داد تا بقید رشتۂ حیات بود طوق محبت بہ گردن و سلسلۂ دیوانگی بپا داشت۔ از کلام عاشقانہ و درد انگیزش پیدا است کہ صد آرزو بخاک برد۔"[1]

میرؔ کے معاشقہ کی شہادت ان کی بعض مثنویوں سے بھی ملتی ہے۔ چنانچہ مثنوی معاملاتِ عشق میں کہتے ہیں؛ ؎

ایک صاحب سے جی لگا میرا — ان کے عشووں نے دل ٹھگا میرا
ابتدا میں تو یہ رہی صحبت — نام سے ان کے تھی مجھے الفت
چپکے سے مونہہ ان کا دیکھو رہتا ہیں — جی میں کیا کیا یہ کچھ نہ کہتا ہیں
وے تو ہر چند اپنے طور کے تھے — پر تصرف میں ایک اور کے تھے
بات کی طرز میری ہی بھاتی — میری آزردگی نہ خوش آتی

---

[1] تذکرہ بہار بے خزاں (سال تالیف ۱۲۶۱ھ) مخطوطہ ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیار چتون سے پھر نکلنے لگا　　دیکھنا دل کو میرے سلنے لگا
کچھ کچھ آزار مجھ کو دینے لگے　　قسم اقسام مجھ سے لینے لگے
دیکھ کر روتے آپ بھی رُتے　　دل وہی کرتے جب تک سوتے
کیا کہوں کیسا قد بالا ہے　　قالب آرزو میں ڈھالا ہے
ایک دن فرش پر تھا میرا ہاتھ　　باتیں کرتے تھے مجھ سے بھی میرے ساتھ
پاؤں سے ایک انگلی مل ڈالی　　لطف سے درد وہ نہ تھا خالی
درد سے کی جو میں نے بے تابی　　دست نازک سے دیر تک داہی
دوستی رابطہ وفا اخلاص　　ساتھ میرے تھا ان کو رابطہ خاص
برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں　　روز و شب دونو تھے مجھے یکساں
گئی برباد عزت ان کے لیے　　جلت لوگوں نے مونہہ پہ طعنے دیے

میرؔ نے مثنوی جوشِ عشق میں بھی دل کے رازِ نہاں کی کہانی بیان کی ہے۔ چند شعر قابلِ ذکر ہیں : ؎

ضبط کروں میں کب تک آہ اب　　چل اے خامہ بسم اللہ اب
کر ٹک دل کا راز نہانی　　ثبت جریدہ میری زبانی
یعنی میرؔ اک خستۂ غم تھا　　سرتاپا اندوہ و الم تھا
آنکھ لڑی اس کی اک جا گہ　　بیخود ہو گئی جان آگہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت　　تاب نے ڈھونڈھی اک دم فرصت
تاب و توان و شکیب و تحمل　　رخصت اس سے ہو گئے بالکل
سینہ فگاری سامنے آئی　　بے تابی نے طاقت پائی
خون جگر ہو بہنے لاگا　　پلکوں ہی پر رہنے لاگا
خواب و خورش کا نام نہ آیا　　ایک گھڑی آرام نہ پایا
چاک جگر سے محبت ٹپکی　　آنسو کی جا گہ حسرت ٹپکی
سوز سے چھاتی تابہ گویا　　اور پلک خوں نابہ گویا
نالے شب کو اس کے سُن کر　　مر گئے کتنے سر کو دُھن کر
آبلہ دل کا جب کوئی پھوٹا　　فوارہ لوہو کا چھوٹا
غم نے تو دل میں کیا ہے چھوڑا　　پر ہیں تھا اک پکا پھوڑا
دشنۂ غم سے سینہ کوچا　　ناخن سے مونہہ سارا نوچا

نے طاقت نے یارا اس کو — ضعفِ دلی نے مارا اس کو
سرتاپا آشفتہ دماغی — داغ جنوں دے جس کو چراغی
وحشت تلک گئی آبلہ پائی — دور کھینچی اُس کی رسوائی
چندے یہ ناشاد رہے گا — پر مدّت تک یاد رہے گا
ہوش و خرد ناشاد کیے سب — دین و دل برباد گئے سب
بارے سفر کا مائل ہو کر — حبِ وطن کو جی سے دھو کر
رخصت کو اس پاس بھی آیا — جلنے کے تئیں اور جلایا
وقت وداع قیامت گزرا — سر سے آب حسرت گزرا
آنکھیں لگیں ناسور ہو بہنے — دیکھ اس گل کو لگا یہ کہنے

ناصر کا بیان ہے کہ "آخر میر صاحب کو ولولۂ عشق پیدا ہوا اور صورت کسی کی آئینہ خورشید میں معائنہ ہوتی تھی۔ پیر و جواں ہمت الیوں کو کہتے ہیں۔ کسی نے پوچھا پیرانہ سالی میں کہ خدا ہونے کا کیا باعث ہوا۔ فرمایا: "اس واسطے کہ سسرال والے کہیں کہ لڑکا آیا۔"[1]

میر صاحب کا حلیہ اور وضع ولباس میر صاحب میانہ قد، لاغر اندام اور گندمی رنگ تھے[2] ان کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ، ایک پورا تھان پستولئے کا کمر سے بندھا، ایک رومال پڑی دار تہ کیا ہوا اس میں آویزاں، مشروع کا پاجامہ جس کے عرض کے پائنچے ناگ پھنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار، دوسری کٹار، ہاتھ میں جریب[3]

آخری ایام میر کی زندگی ایک مکمل المیہ داستان ہے۔ اوائل عمر سے اخیر تک گوناں گوں آلام و مصائب کا نشانہ بنے رہے۔ ۶۰ سال کی عمر میں مختلف امراض نے آن گھیرا تھا اور ضعف قویٰ، ضعفِ بصارت، بے دماغی ناتوانی اور درد دنداں کی وجہ سے زندگی سے عاجز آچکے تھے۔ ذکر میر میں "عبرت و خاتمہ" کے تحت زمانے کے نشیب و فراز اور اپنی ناتوانی کے بارے میں کہتے ہیں،

"جہاں عجب حادثہ گاہیست۔ چہ مکانہا خراب گشتند وچہ جواناں ازہم گزشتند، چہ باغہا ویرانہ شدند، چہ بزم ہا افسانہ شدند، چہ گلہا افسردند، چہ جوانان مردند، چہ مجلسہا برشکستند، چہ قافلہا رخت بستند، چہ عزیزاں ذلت کشیدند، چہ مردماں بجان رسیدند، ایں چشم عبرت چہا دید و ایں گوش شنوا چہا شنید۔

---

[1] خوش معرکہ زیبا قلمی ص ۲۴ الف
[2] آب حیات ص ۲۱۵
[3] آب حیات ص ۲۰۵

دریں مدت کم، این یک قطرۂ خون کہ دلش می نامند، انواع ستم کشید، و ہم خون گردید، مزاج ناسازے داشتم، ملاقات ہمہ کس گذاشتم، اکنوں کہ پیری رسید یعنی عمر عزیز بشصت سالگی کشید، اکثر اوقات بیمار می باشم چندے درد چشم کشیدم، ضعف بصر بچشم خود دیدم، عینک خواستم و دست بہم سودم، نظر برایں شعر ترک نظربازی نمودم :ـ

دیدہ چوں محتاج عینک گشت، فکر خویش کن
بر نفس دارند روز واپسیں آئینہ را

از وجع اسنان خود، چہ گویم، حیران بودم کہ چارہ تا کجا جویم، آخر دل برکندم و یک یک را از بیخ برکندم۔ ـ

روزی خود را برنج از درد دنداں می خورم
نان بخون تر می شود تا پارۂ نان می خورم

غرض از ضعف قوٰی و بے دماغی و ناتوانی و دل شکستگی و آزردہ خاطری معلوم می شود کہ دیر نخواہم ماند، زمانہ ہم قابل ماندن نماندہ است۔ دامن باید افشاند، اگر خاتمہ بخیر شود آرزو ست وگرنہ اختیار در دست اوست۔“ [1]

مرزا علی لطف ۱۸۰۰ء/۱۲۱۵ھ میں کہتے ہیں کہ:

”جس ایام میں کہ درخواست صاحبان عالی شان کی زبان دانان ریختہ کے مقدمے میں کلکتہ سے لکھنؤ کو گئی تو پہلے کرنل اسکاٹ صاحب کے روبرو تقریب میر کی ہوئی لیکن علت پیری سے یہ بیچارے مجہول کے محمول ہوئے اور جوانان نومشق مربی گری سے قوت بدنی کے مقبول ہوئے۔“ [2]

نوادر الکلام میں میر کے آخری ایام کا حال یوں لکھا گیا ہے،

”چونکہ گردون بے مدار فتنہ اساس و زمانۂ غدار ناسپاس است۔ کسے را نبیند کہ بیارامد۔ جگر منیر را بحوادث گوناں گوں فگار ساخت و آسودہ آشکار افگار کرد۔ در سالے ناز پروردۂ آغوش ناز دخترے و در سال دیگر مرہم جگر افگار خلف کامگار و در سالے دیگر اہلیہ عفت شعار بکنج عافیت مزار آسودند، قیامت آشکار و محشر پدیدار شد۔ در مزاج و حواس اختلال کلی راہ نیافت۔ بر داشتگی خاطر از دنیائے ناپائدار از حد افزوں و شوق جاں سپردگی از اندازہ بیرون رفت۔ دامان عزلت مستحکم گرفتند و مجالس و محافل را وداع نمودند، مدتے ہمیں نوع گزشت۔ آخر در شہر ربیع الثانی عوارض مزمنہ رو بہ

---

[1] ذکر میر ص ۱۵۲-۱۵۱ [2] گلشن ہند ص ۲۰۹

ترقی آوروند و درد قولنج کہ جلیس قدیم و ہمراز وندیم بود، ساعتے نگزاشت و جع مفاصل قوائے جسمانی را معطل پزشکان شاہی کہ شناسائے قدیم بودند ہجوم آوروند۔ رائے ہمگنان برآں قرار یافت کہ چارۂ کار واقعی باید نمود و دار وئے باید استعمال آورد کہ قبض طبیعت برطرف شود۔ تلیّنے دادند، اسہال بود کہ پیغام مرگ جستہ، نحیف ومضغۂ ضعیف واستہال یک روزہ یک صد و پنجاہ، واویلا واویلا، آہ آہ دو سہ روز ہمیں نوبت بود، آزار برگ انجامید فرشتہ موت جام ہلاہل "کل من علیہا فان" پیش نمود و بیا شامید انا للہ و انا الیہ راجعون ثم انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم مردے بود متوکل، سپاہی پیشہ، رقیق القلب، پابند وضع، جہاں دیدہ سرد و گرم زمانہ چشیدہ، سر آمد سخنوران ماضی و حال، و در سخن سنجی بے مثال، کم اختلاط، و با دوستان سراپا ارتباط، سنجیدہ از حرص و ہوائے دنیا آزاد۔ کسے بنا راض شدے ہرگز جملہ بر آں نیا ورد ے۔ کسے را بد نمی گفت و بد نمی شنفت، استغنائے بیش از بیش و بہ تعظیم ہرکہ و مہ پیشا پیش، مراختہ و مطارحہ را ترک نمودہ بود تاہم سخن گوئی را مدار حیات خویش کردہ۔ تا دم واپسیں گرفتار دام سخن بود۔ حرفہا زدہ کلاہہا می گفت و آفرینش ہمیں مطلع غزل کہ گفتہ او بود، بود۔ ؎

سازِ پسیج آمادہ ہے سب قافلے کی تیاری ہے
مجنوں ہم سے پہلے گیا ہے اب کی ہماری باری ہے

قریب چہار صد کس ہمراہ جنازہ اش بودند و لبعد از اں شنوندگان و عقیدت مندگان جوق در جوق نماز غائبانہ گزاروند۔" [1]

ناصر کا بیان ہے کہ:

"مرض موت سے میر صاحب بیمار ہوئے۔ وصیت کی میرے جنازے کے اٹھانے میں تعجیل نہ کرنا جو سنے گا میر نے انتقال کیا ہے خواہ مخواہ نقد اور سامان بھیجے گا۔ بموجب وصیت کے صبح سے شام ہوئی کہیں سے کچھ نہ آیا۔" [2]

انتقال میر کا انتقال ۲۰ شعبان بروز جمعہ ۱۲۲۵ھ [3] مطابق ۲۰ ستمبر ۱۸۱۰ء کو بوقت شام لکھنؤ میں ۹۰ برس کی عمر میں ہوا۔ میر کے دیوان چہارم (قلمی) مملوکہ راجہ صاحب محمود آباد کے پہلے صفحہ پر آغاز دیوان سے قبل

---

[1] نوادر الکلم (مشمولہ دیوان چہارم ص ۱۰۱ کتب خانہ راجہ محمود آباد) [2] خوش معرکہ زیبا (قلمی)

[3] ڈاکٹر اسپرنگر نے اودھ کیٹلاگ ص ۵۰۷ میں میر کی تاریخ وفات ۱۲۱۰ھ اور ۱۲۲۱ھ کے درمیان لکھی ہے جو غلط ہے اسی طرح مولوی کریم الدین کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ میر کا انتقال ۱۷۹۳ء میں ہوا۔ (طبقات شعرائے ہند ص ۱۱۶)

میر محمد محسن برادر زادہ میر محمد تقی میر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ دو تاریخیں درج ہیں:ـ

(۱)

محمد تقی میر شاعر کہ بود　　مسلم ور اتخت و تاج سخن
باقلیم معنی ز ارباب شعر　　ستانندہ اوبود باج سخن
زمرگش چوبے نور شد شعر سال　　نوشتم بردہ سراج سخن

۱۲۲۵ھ

(۲)

میر تقی استاد فن شعر　　مرو وز دنیا سوئے عدم شد
گشت چو اشعارش ہمہ بےسر　　میر تقی استاد رقم شد

۱۲۲۵ھ

بارہ سو چھبیس میں پہلے مصرعہ کے اشارے "گشت چو اشعارش ہمہ بے سر" کے مطابق "اشعار" کا الف نکالنے سے ۱۲۲۵ھ رہ جاتے ہیں۔

مصحفی نے یہ تاریخ کہی ہے:ـ

وہ محمد تقی میر کہ تھا　　ریختہ ہیں ہر ایک کا سرتاج
ہند جنت نشاں میں رکھتی تھی　　غزل عاشقانہ اوس سے رواج
خرمن عمر اوس کا برق اجل　　کرگئی جب دم آن کر تاراج
از سر درد مصحفی نے کہا
حق میں اوس کے "موا نظیری آج"[1]

۴ + ۱۲۲۱ = ۱۲۲۵ ہجری

مرزا مغل غافل کی تاریخ:ـ

جب دل احباب پر، موجب رنج و الم　　واقعۂ جاں گداز میر تقی کا ہوا
مادہ تاریخ کا، پیر خرد نے دہیں　　درد کے رُوسے کہا "آج نظیری مُوا"[2]

۴ + ۱۲۲۱ = ۱۲۲۵ ہجری

---

[1] دیوان مصحفی قلمی، لکھنؤ یونیورسٹی
[2] دستور الفصاحت ص ۲۶

ناسخ :-

شد ز جہاں میر تقی میر — داغ زبے مہری اہل جہاں
ناسخ تاریخ وفاتش نوشت — واویلا مردشہ شاعراں [1]

۱۲۲۵ھ

لالہ ہرگوپال ختہ :-

چہ بلا ہا کہ نیامد بسر اہل سخن — چوں سوئے ملک عدم گشت رواں میر تقی
خستہ بنوشت سن او ز حروف منقوط — چوں نہ نالیم برفتہ ز جہاں میر تقی [2]

۱۲۲۵ھ

نساخ :-

کہا میں نے یوں سال ترحیل میر
مقیم گلستان جنت ہوئے [3]

۱۲۲۵ھ

نواب حسام الدین[4] حیدر المتخلص بہ نامی نے میر کی تاریخ وفات ۱۲۲۴ھ کہی ہے۔ -

چو مضموں ز خاطر رود رفت میر — بملک بقا زیں سپنج سرائے
بگفتم پے سال تاریخ وے — کہ از او ستاد سخن وائے وائے [5]

۱۲۲۴ھ

میر کا مدفن میر کا انتقال لکھنؤ کے پرانے محلے سٹھٹی[6] میں ہوا اور بھیم کے اکھاڑے میں جو اس زمانے میں مشہور قبرستان تھا دفن کیے گئے۔ کہتے ہیں کہ یہ قبرستان سٹی اسٹیشن آغا میر کی ڈیوڑھی کے قریب ریلوے لائن کے نیچے

---

[1] دیوان ناسخ (مخطوطہ) [2] تذکرہ شعرائے اردو (قلمی) عکسی ملوکہ مالک رام [3] گنج تواریخ ص ۲۶ [4] مبارز الدولہ ممتاز الملک نواب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ دلی کے ایک بڑے امیر تھے۔ قاسم نامی کے بارے میں کہتے ہیں کہ "وے جوانے است رعنا زیبا منظر نیکو محضر شگفتہ جبیں ظرافت آگیں سخن سنج بذلہ گو نکتہ پیرا کشادہ رو گرم جوش، خوش مزاج یکسر مسرور سر بسر ابتہاج نہایت صاحب شعور و ہوشیار بغایت نیک طینت و الاتبار۔ (مجموعہ نغز ص ۲۵۹ حصہ دوم) نامی بلی ماروں کے محلہ میں دلی میں رہتے تھے آج بھی ان کی عظیم الشان حویلی دلی میں مشہور ہے۔ مرزا غالب کے بچپن کے بزرگ دوست تھے اور بقول حالی انھوں نے ہی مرزا غالب کا کلام میر تقی میر کو دکھایا تھا۔ (یادگار حالی ص ۹۸) مولوی کریم الدین نے طبقات الشعرائے ہند میں نامی کی تاریخ وفات ۱۲۴۶ھ لکھی ہے۔ میر خلیق کے شاگرد تھے۔ (گلشن بیخار ص ۲۲۱ مطبوعہ ۱۸۷۵ء) اور اردو میں صاحب دیوان ہیں۔ راقم الحروف کے پاس ان کا قلمی دیوان ہے جسے وہ ترتیب دے رہا ہے۔ یہ دیوان حسین میرزا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ [5] دیوان نامی قلمی [6] سٹھٹی۔ لکھنؤ میں گومتی کے جنوبی کنارے پر ایک محلہ تھا۔ غدر سے پہلے میر انیس اسی محلے میں رہتے تھے بقول دولہا صاحب عروج یہاں ان کا امام باڑہ بھی تھا جس میں میر خلیق کی قبر تھی۔ غدر کے زمانے میں انگریزوں نے محلہ سٹھٹی کو تباہ کر دیا۔

آگیا ہے۔ اس بیان کی مزید تصدیق میر مہدی حسن احسن صاحب واقعات انیس اور سید خورشید حسن عرف دولہا صاحب عروج صاحب "عروجِ اردو" سے بھی ہوتی ہے۔ عروج کہتے ہیں:

> "میر مرحوم کی قبر آغا میر کی ڈیوڑھی والے اسٹیشن کے پہلو میں رفاہ عام کی عمارت کے سامنے والے قبرستان میں موجود ہے۔ میں نے میر مرحوم کی قبر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے بلکہ جوان کی قبر بتائی جاتی ہے اس پر اکثر پنجشنبہ کو چراغ روشن ہوتا ہے اور پھول چڑھائے جاتے ہیں۔ اور یہ واقعہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ اکثر پنجشنبہ کو میرا اس راہ سے گزرنے کا اتفاق ہوا اور میں نے ان کی قبر پر روشنی دیکھی۔"

افسوس ہے کہ میر کی قبر کا اب کہیں بھی نام ونشان نہیں ملتا ہے۔ انھوں نے تو بہت پہلے اپنی تربت کے مٹ جانے کا ماتم کیا تھا: ؎

مت تربتِ میر کو مٹاؤ
رہنے دو غریب کا نشاں تو

میر تذکرہ نویسوں کی نظر میں

۱۔ سراج الدین علی خان آرزو

میر محمد تقی المتخلص بہ میر..... دراول بہ مشق اشعار ریختہ کہ بزبان اردو شعریست بطرز شعر فارسی توغل بسیار نمودہ، چنانچہ شہرۂ آفاقست وبعد آں بگفتن اشعارِ فارسی بطرزِ خاص گردیدہ، قبول خاطر ارباب سخن و دانایان ایں فن گشت، طبعش بہ مضامین تازہ وغیر مبتذل معنی پرداز است واشعار بلطافت ادا و انداز۔ از بسکہ ذہن مناسب وطبع ثاقب یافتہ، درابتدائی مشق شعر رتبۂ سخن را بپایہ انتہا رسانیدہ.. ہرچند میر دیوان مختصر[1] دارد اما غزلہائے دردمندانہ وعاشقانہ می گوید[2]

۲۔ شیخ محمد قیام الدین قائم

شمع انجمن عشق بازاں، فروغ محفل سخن پردازاں، جامع آیات سخندانی، مجمع کمالات انسانی، معجز طراز کرامت تحریر، محمد تقی المتخلص بہ میر[3]

---

[1] خان آرزو نے یہاں میر کی فارسی شاعری کے بارے میں کہا ہے۔ [2] مجمع النفائس (قلمی وغیر مطبوعہ) ورق ۴۰۴ الف
[3] مخزن نکات ص ۴۱-۴۰

۳۔ سید فتح علی حسینی گردیزی

سخن سنج بے نظیر میر محمد تقی میر..... طبعش معنی ایجاد شمع استعدادش برکردہ شعلہ ادراک سراج الدین علی خان آرزو است، فقیر سیر اشعارش نمودہ وچشمے آب دادہ۔ حقا کہ دراں تلاش معنی بیگانہ کردہ است وحرف آشنا را برو ئے کار آوردہ۔ [۱]

۴۔ قیام الدین حیرت

میر محمد تقی میر تخلص ..... اکثر اشعار ریختہ می گوید و تذکرہ متضمن احوال شعرائے ریختہ گو نیز تالیف نمودہ۔ وہر ہفتہ روزے بخانہ اش اجتماع ریختہ گویاں ومشاعرات در ایشاں می شود۔ در شعر فارسی ہم مہارتی پیدا کردہ۔ چند شعر خود را بخط خود نگاشتہ برائے صاحب خداوند دادہ بود کہ داخل تذکرہ نماید۔ [۲]

۵۔ میر حسن

میر شعرائے ہندوستان، وافصح فصحائے زماں، شاعر دل پذیر وسخن سنج بے نظیر...... رفعت رواقِ کاخ بیانش از طاق سپہر برتر وگوہر کان ضمیرش از جوہر مہر عالی گوہر، فکر عالیش در عین خوش آبی، وطبع روانش بہ نہایت شادابی، چراغ نثرش روش وساحت نظمش گلشن، شعرش چوں در خوش آب انداز سخنش بے حساب، صیقل ذکائے اوزنگ زدائے آئینۂ خورشید، پیش ضیائے او روئے رخشانِ ماہ سفید، از استادان صاحب قدرت است، طرز ش ما نانہ طرز شفائی ..... تذکرہ متقدمین ومعاصرین از تالیف او بہ یادگار ماندہ است، رباعی وغزل وقصیدہ وہجو ومدح ہمہ می گوید لیکن آنچہ گوید از غزلیات کہ بسیار بہ انداز وطرز از دمی تراود، بلکہ گرم بازاری او از ہمیں است، بسیار صاحب دماغ ست ودماغ او رامی زیبد، خدایش سلامت باکرامت دارد۔ [۳]

۶۔ شفیق اورنگ آبادی

میرِ میدان سخنوری وشہنشاہ اقلیم معنی پروری است اشعۂ آفتاب کمالش در منیع الفاظ بہ نہایت درخشانی

---

[۱] تذکرہ ریختہ گویاں ص ۳۸-۱۲۷

[۲] مقالات الشعراء (قلمی) ورق ۷۲ ب

[۳] تذکرہ شعرائے اردو ص ۱۵۲

پیدا و لمعۂ ماہتاب معنیش لشب عبارت بجمال تابانی ہویدا۔ شہپر کلکش بہ تسخیر ..... می پرداذد و شہباز طبعش بچنگ فکر رسا بہ نخچیر ..... مضامین رنگین می سازو۔ ہزاران معنی بیگانہ غلام جنابش (.....) پرفرحت می دہد، کیمیا لبش نقطۂ طبع زادش چوں در رخ عزیزو محترم، و حرف رقم زد قلمش مثال زرسفید رائج عالم۔ حقا کہ (.....) و نازک خیالی، سرتاج شاعران ایں عصر و گل سرسبد ..... حرف گیراں می نہد و برین کمال غریب او تذکرۂ نکات الشعراء من تصنیف گواہی می دہد [1]

۷۔ قدرت اللہ شوق

میر ..... مصنف تذکرۂ شعرائے ہندوستان صاحب دیوان مربوط و کلام، از اعاظم مستعدان، و اکابر عالی فطرتان زبان خواست، شاعر پر مغز و ہمہ دان، استاد ہم چشمان، اکثر سخن طرازاں و معنی یاباں محاورات و روزمرات ایں فن از ایشاں اخذ نمودہ اند، از مغتنمات زمانہ و استاد یگانہ، شہ سوار سمند عرصۂ فصاحت فارس مضمار بلاغت، مجمع قابلیت و ہنر صاحب طبع دخوش فکر، سر آمد مستعدان عصر، محاورہ دان، و متین متلاشی مضامین رنگین، متجسس الفاظ چرب و شیریں۔ ہر چند سادہ گو است اما در سادہ گوئی تہہ داری و پرکاری او ظاہر و نمودار است، از مدتے بسبب افراط و تفریط روزگار ناہنجار ہمراہ ناگر مل کہ دیوان تن و دخیل بادشاہی بود در قلعۂ ڈیگ شنیدہ می شود، حق تعالیٰ زندہ دارد [2]

۸۔ ابوالحسن امیر الدین احمد امر اللہ الٰہ آبادی

محمد تقی، میر تخلص ببر میدان سخن و شیر بیشۂ ایں فن است، گوہر وجودش از معدن اکبر آباد برآمدہ، اما قدر و قیمتش در بازار دہلی افزود و مشق سخن بخدمت سراج الدین علی خان آرزو کردہ، شاید بادے قرابت خواہر زادگی دارد۔ بسبب رعونت و گردن کشی کہ خلق اوست، زبان زد زبان آوراں شدہ و باعث عیب جوئی سخنوراں در زبان شان افتاد، بقول شخصے: ؎

عیب مردم فاش کردن بد ترین عیب ہا
عیب جو اول کند بے پردہ عیب خویش را

ہر یکے را حوصلۂ عیب جوئی او بہم رسید۔ مرزا رفیع گوید: ؎

---

[1] چمنستان شعرا، ص ۲۶۲

[2] طبقات الشعرا، ص ۲۰۶ مرتبہ نثار احمد فاروقی مطبوعہ لاہور

ہر ورق پر ہے میر کی اصلاح
لوگ کہتے ہیں سہو کاتب ہے

تذکرۂ نکات الشعرا تالیفِ اوست۔ دراں عجب نکتہ چینی درکلام شعرائے ریختہ نمودہ، بہ تحقیر و بے ادائی آوردہ اشعار ایشاں را بے رتبہ و ناپسندیدہ چیدہ ذکر کردہ اگر راست بگویم، سبب تالیف ایں تذکرہ مسرت افزا ہمیں بود کہ من بزعم حاسدانِ عیب بین وخردہ گیرانِ نکتہ چیں حالات ہر یکے کما ہی در سلکِ تحریر کشیدم، لیکن چوں دریں غربت دیوان احدے باخود نبود کہ اتفاقِ انتخاب شعرا ہم می شدہ از اشعار ایشاں آنچہ یاد بود، نوشتم، طرفہ تر کہ میر چوں ہمت خود بہ انتخاب اشعار ناپسندیدۂ شعرا گماشتہ بود، طبعش بہ ہمیں مرغوب گشتہ لہٰذا جہت از اشعار خود ہم ہرچہ دراں تذکرہ نوشتہ، اکثرے ازآں بے رتبہ و ناپسندیدہ است در دیوانش بہتر ازیں اشعار بہ نظر فقیر در آمدہ۔ شنیدم کہ محمد تقی میر سید نیست، میر ناصر مرحوم والد میر درد بمشاہدۂ جودت طبعش در عنفوان جوانی و آغاز حالش می گفت کہ محمد تقی میر میدان سخنوری خواہد شد۔ ازآں روز خود را ملقب بمیر ساختہ، دریں جا لطیفہ بخاطر رسیدہ کہ حضرت مصیب قدس سرہٗ می فرمود کہ شخصے در ہمسایۂ من بود کہ خود را شیخ می گفت، بعد چندے جہت سعی معاش سفر کردہ، چوں از آنجا بخانہ رسید، خود را میر مشہور ساخت۔ روزے بطریق استہزا از و پرسیدم کہ در شیخی چہ خلل بود کہ میر شدی، گفت پیر من مرا میر خطاب دادہ۔[1]

۹۔ مردان علی خاں مبتلا لکھنوی

میر محمد تقی متخلص بہ میر شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو موطنش اکبر آباد و نشو و نما در دارالخلافت شاہجہان آباد یافتہ۔ ذکا، ذہن و علو فطرت و درستی نظم و صفائے فکرت از کلام دل نشیں مبرہن و ہویدا است۔ الحق دریں زمان سرآمدہ ریختہ گویاں می تواں شمرد۔ از اقسام فنون سخن گستری در غزل گوئی بے مثل واحدے را مجال نیست کہ دم از ہمسری او تواند زد۔ ہر فرد غزلش کہ در شوخی و رعنائی برجستہ تر از غزالان ختن است صحرائے دلہائے شکاریاں نخچیر معانی را چراگاہ خود ساختہ۔ مسموع شد کہ در شاہ جہان آباد تا حالت تحریر ایں گلشن سخن کہ سنہ یک ہزار و یک صد و نود و چہار ہجریست بسلامت استقامت دارد۔ تذکرۂ مختصرے مشتمل بر احوال و انتخاب اشعار ریختہ گویاں تالیف نمودہ۔ دیوان فصاحت بیانش چہار پنج ہزار بیت۔[2]

---

[1] تذکرہ مسرت افزا ص ۲۰۰ - ۱۹۹ مرتبہ قاضی عبدالودود　　[2] گلشن سخن ص ۲۰۵

۱۰- میر غلام حسین شورش شاعر بے نظیر محمد تقی میر تخلص، شاگرد خان آرزو متوطن اکبر آباد۔ الحال در شاہجہان آباد تشریف می دارند۔ فخر شاعران دہلی خود را می دانند۔ چنانچہ در تذکرۂ خود شعر شاعران ہندوستان غلط تلاش نمودہ مرقوم ساختہ۔ اگر غلط بدست نیامدہ تاہم اعتراض بیجا و اصلاح خود جاری نمودہ و زندہ و مردہ کسے را سلامت نہ گزاشتہ مگر بعضے اعزہ کہ از و مربوط بودند آں را محفوظ داشتہ۔ غرض عجب کسے است و در تذکرۂ خود را سید نوشتہ اند۔ مردماں می گویند کہ شیخ است چنانچہ کسے گفتہ "شیخ تقی نام ہو اور میر کہاوے۔" دیگرے می گوید" دلی میں شیخ زادہ گنجفہ کا میر ہے۔"

سوائے ازیں فتح علی گردیزی در تذکرۂ خود تقی میر را سید نوشتہ است۔ پس ایشاں را برائے استحکام سیادت کاذبہ خود میر تخلص نمودہ اند۔ [1]

۱۱- میر علاؤ الدولہ اشرف علی خاں

میر تقی میر از ریختہ گویان مشہور و ہمشیر زادۂ سراج الدین علی خان آرزو است [2]

۱۲- قدرت اللہ خاں شوق رام پوری

میر محمد تقی نام، میر تخلص، ہمشیر زادۂ سراج الدین علی خان آرزو است۔ در فنون شاعری و قواعد دانی فارسی یگانۂ آفاق۔ خصوصاً در ریختہ گوئی وحید زمانہ و نہایت طاقت از اشہر شعرائے ہندوستان است۔ از چند سال در بلدۂ لکھنؤ بطلب وزیر الممالک آصف الدولہ رفتہ است و نواب موصوف با و بر عایت پیش آمد۔ تاحال کوس سخنوری در لکھنؤ می نوازد۔ پنج دیوان ریختہ و مثنویہائے متعددہ دارد و در زبان ہندی۔ گاہی در فارسی ہم تلاش معنئ تازہ می کند۔ [3]

۱۳- شیخ غلام ہمدانی مصحفی

میر محمد تقی میر ہمشیر زادۂ سراج الدین علی خاں آرزو۔ در فن شعر ریختہ مرد صاحب کمال است کہ مثل او خاک ہند دیگرے سر بر نیاوردہ۔ چرخ پیر را سالہائے دراز چرخ باید زد کہ ہم چو شخصے را بروئے کار آرد۔ شعر ہندی را نسبت بدیگر شعرائے ریختہ گویاں بر پاکیزگی و صفا گفتہ کہ فارسی گویاں را از رشک ریختہ اش خون در دل افتادہ بلکہ اکثر اشخاص موزوں طبع کہ ریختہ اش شنیدہ و مزۂ ایں زبان از زبان او دریافت کردہ فارسی

---

[1] تذکرہ شورش۔ ص۔ ۱۹۰ (دو تذکرے۔ جلد ۲ مرتبہ کلیم الدین احمد)
[2] تذکرۃ الشعراء (قلمی)، ورق ۲۶۶ ب
[3] تکملۃ الشعراء ورق ۲۰۰ (قلمی)

گوئی را بر طاق بلند گزاشتند و توجہ بریختہ ریختہ اند۔ در عہد فردوس آرام گاہ اکثر ارکان پایۂ تخت و کسانی کہ نسبت بسخن داشتند اور التعظیم و توقیر بمراتب بہتر از دگراں می کردند۔ اکنوں کہ بایں خرابہ کسے درمیان نیست و زمانہ از قدرداناں بکلی خالی شدہ باوجود عیالداری توکل اختیار کردہ نیاز بایں تو کیسہ ہائے چند نمی آرد و از بسکہ ابنائے زمانہ کسے را مخاطب صحیح نمی پندارد۔ سخن بہر کس و ناکس نمی کند ازیں جہت اعزہ او را کج خلق و بر خود غلط و انصاف دشمن قرار می دہند۔ صیت سخنوریش تمام اطراف ہندوستان را فراگرفتہ، شعر ریختہ اش از کہہ تا مہہ بر زبان دارند و صادر و وارد از دیارے بدیارے بطریق ارمغان برند و از بسکہ از ابتدائے سخن گفتن تام بریختہ گوئی برآوردہ دعوائے شعر فارسی کم از ریختہ نمی گوید۔ می گفت کہ دو سال شغل ریختہ موقوف کردہ بود دراں ایام قریب دو ہزار بیت فارسی صورت تدوین یافتہ۔ [1]

۱۴۔ مصحفی ہم می گوید

میر محمد تقی میرؔ تخلص از مفصل احوال ایشاں نیز در تذکرۂ فارسی سمت تحریر یافتہ شخص صاحب کمال است اکثر در فن ریختہ او را در پلۂ مرزا رفیع سوداؔ گرفتہ اند۔ و اکثر در غزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس می کنند و مرزا را در ہجو و قصیدہ برو فضیلت می دہند۔ غرض ہرچہ ہست استادیٔ ریختہ برو مسلم است۔ اگرچہ دیوان فارسی ہم دارد اما در فارسی گویاں شمردہ نمی شود۔ ہمہ ریختہ گویان ہند سند از کلامش می آرند و او را دریں فن مستثنیٰ می دانند و الحق کہ چنیں است از چند سال از شاہ جہاں آباد بہ پورب رسیدہ۔ در سرکار نواب آصف الدولہ اعتبار و امتیازِ تمام دارد۔ چہار دیوان ریختہ از خامۂ فکرش ریختہ و مثنویہائے متعددہ و شکار نامہ ہا سے بے نظیر نگاشتہ کلک ندرت طراز او بر صفحۂ زیادگار است۔ بر فقیر بسیار مہربانی می فرماید عمرش تخمیناً قریب ہشتاد است۔ [2]

۱۵۔ خوب چند ذکاؔ

میر محمد تقی سلمہ اللہ تعالیٰ المتخلص بہ میرؔ۔ شاعریست عز ازاد بومش خطۂ اکبر آباد۔ وے سرآمد شعرائے ہند است۔ غلغلہ سخن در چار وانگ ہندوستانِ جنت نشان انداختہ و کلامش مدارجے بہم رسانیدہ۔ چند دیوان و مثنویات و یک نسخۂ تذکرۂ مختصر و قصاید و رباعیات و مخمس و مسدس و ہجو و مدح و دیگر تصانیف

---

[1] عقد ثریا ص ۵۴ - ۵۳

[2] تذکرہ ہندی ص ۲۰۴ - ۲۰۳

بیشمار از برشتے کار آمد۔ در لکھنؤ بصیغۂ استادی در سرکار فیض آثار نواب وزیر الممالک آصف الدولہ یحییٰ خان بہادر ہژبر جنگ بمواجب دو صد روپیہ شرف اختصاص دارد۔ الیوم در نواح لکھنؤ، بعقل ناقص ایں بندہ ہم چو او عدیل شاعر زبردست و میر مشق و لبسیار گو و خوش شیریں بیاں، خوش زباں برنہ خاستہ غرض کہ در تالیف فارسی و علی الخصوص در ریختہ گوئی بالکل لاثانی است۔ بندہ چشم آشنا نیست الا سخن آشنا۔[1]

۱۶۔ شیخ وجیہہ الدین عشقی

میرؔ۔ طلسم کشائے گنجینۂ نکتہ دانی، مخزن وقابل علم معانی، غازہ پیراستے چہرہ مقال، صورت نمائے آئینہ خیال، تیز درخشاں برج فصاحت فروزاں گوہر درج بلاغت۔ اسوۂ معنی آفریناں، دقیقہ گزیں، زبدۂ دقیقہ گزیناں، معنی آفریں، رونق بزم خرد وری، میر مجلس سخن پروری میر محمد تقی میرؔ تخلص ہمشیر زادہ و تربیت کردہ سراج الدین علی خاں آرزو، از خوش گویان و متوطنان خطہ اکبر آباد است۔ "تاحال در قلمرو ہندوستان چنین غزل سرائے اوا بند زبان دان برنخواستہ، شہرۂ حسن اوصاف آں سخن گستر قاف تا قاف رسیدہ و آوازہ روشن بیان والا گہر آویزہ گوش ماگردیدہ۔ فروغ رائے مہر انجلائے اش ہازار سخندانی سخنوران معاصر را یک قلم سرد نمودہ و عذوبت کلام سحر نظامش طوطیان شکر خارا داغ حسرت بر دل افزودہ، جمیع مستعدان فن ریختہ او را باستادی قبول می دارند و کلامش را دلیل و سند می پندارند۔ معہذا میرؔ موصوف مدتے در سواد شاہجہاں آباد کہ مجمع ذی جوہران ہفت اقلیم است۔ طرح استقامت انداختہ و ہنگامہ افروزی بزم قیل و قال پرداختہ۔ در آخر باستدعائے نواب آصف الدولہ بہادر دار دشہر لکھنؤ گردیدہ باعزاز و اکرام می گزارند۔[2]

۱۷۔ سید حیدر بخش حیدری

میرؔ تخلص، نام میر محمد تقی، اکبر آباد کے رہنے والے، فخر شاعران ہند نظم خوب کہتے تھے۔[3]

۱۸۔ مرزا علی لطفؔ

میرؔ تخلص، نام نامی اس نگین خاتم سخن آفرینی کا میر محمد تقی ہے۔ متوطن اکبر آبا، سراج الدین علی خاں آرزو

---

[1] عیار الشعراء (قلمی)
[2] تذکرۂ عشقی ص ۱۹۱
[3] گلشن ہند ص ۲۰۴

تخلص، آپ کے کچھ رشتہ دار دلی میں دور کے تھے۔ ابتدائے سن شعور سے پرورش انھوں نے دارالخلافہ شاہجہان آباد میں پائی ہے اور خاندان مذکور کے فیض صحبت سے نظم ریختہ کی کیفیت باریکیوں کے ساتھ انتہائی ہے تازگی مضمون اور علو معانی کا بیان سے ان کے ظاہر ہے۔ فی الحقیقت کہ شاعر مذکور لطافتوں سے ریختہ کی بخوبی ماہر ہے، جو شخص کہ نظارہ گاہ سخن میں چشم خوردہ بین رکھتا ہے اور چاشنی خرد سے امتیاز ذائقہ تلخ و شیرین رکھتا ہے تو وہ اس بات کو جانتا ہے اور اس کے رمز کو پہچانتا ہے کہ میر شیریں مقال میں اور ریختہ گویان سابق و حال میں نسبت خورشید و ماہ ہے اور فرق سفید و سیاہ ہے بلکہ حجاب اگر مانع نہ ہو، بیان کا تو تفاوت ہے زمین و آسمان کا۔ غرض اس تردد سے زبان قلم کی اور اس خراش سے عارض رقم کی مراد یہ ہے کہ ناقدر دانی سے اغنیاء کی اور ناسمجھی سے اہل دنیا کی، اب بازار سخن سازی اس درجہ کاسد ہے اور ہوائے شہرستان ماضی طرازی اس مرتبہ فاسد کہ میر سا شاعر جو کہ سحر کاری سخن میں طلسم ساز ہے خیال کا اور جادو طرازی بیان میں معنی پرداز ہے مقال کا، وہ نان شبینہ کا محتاج ہے اور بات کوئی نہیں پوچھتا اس کی آج ہے۔۔۔ بہر تقدیر جب مرزا محمد رفیع سودا بلدۂ لکھنؤ میں اس دار فانی سے عالم باقی کو سدھارے، تو میر مذکور شاہجہاں آباد میں تھے۔ سن ۱۱۹۷ھ (گیارہ سو ستانوے ہجری) میں روایات عزم اس صاحب لشکر مضامین تازہ کے حرکت میں آئے اور خود بدولت لکھنؤ میں تشریف لائے ...... اقسام نظم میں صدر نشین بارگاہ سخندانی ہر قسم چکیدۂ خامۂ معجز نما رکھتا ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ نظم غزل میں ید بیضا رکھتا ہے۔ قصیدہ تو ختم مرزا محمد رفیع سودا پر ہوا۔ ہاں طرز مثنوی کی بھی ان کی بہت خوب ہے۔ خصوصاً دریائے عشق، جو ان کی مثنوی ہے اک جہاں کے مرغوب ہے۔ یہ رہنما قوم سخن سرمایگاں کا مالک چار کتاب پر دلیل و برہان ہے یعنی صاحب چہار دیوان ہے۔ خوش بندش و خوش بیان ہے۔ مثنویاں بھی متعدد ان سے ثبت جریدۂ روزگار ہیں[1]

۱۹۔ شاہ محمد کمال

میر محمد تقی صاحب میر تخلص ہم عصر و ہم طرز مرزا رفیع السودا مرحوم و مغفور مرد صاحب کمال و مغتنم روزگار والحق است کہ ایں ہر دو صاحبان موجد زبان ریختہ و استاد مسلم الثبوت اند۔ بعد انتقال مرزا رفیع السودا نواب آصف الدولہ مرحوم میر صاحب مذکور را از شاہجہان آباد باعزاز طلبیدہ بصیغۂ شاعری بجائے مرزا ممتاز و سرفراز ساختہ و بخوبی اوقاتش بسر شدہ۔ فقیر از ہماں ایام ربط و اتحاد دارد و میر صاحب بحال فقیر بسیار عنایت و اشفاق دلی می فرمودند بایں حد کہ نقل پنج دیوان ہندی و یک دیوان فارسی بفقیر

---

[1] گلشن ہند ص ۵۳ - ۱۵۲

دادہ بودند موجود ہستند بعد از وفات آصف الدولہ بعہد سعادت علی خاں سررشتۂ روزگار از سرکار وزیر موقوف شدہ مگر فقیر میر صاحب معزالیہ را ہنوز بخیر و خوبی بہ لکھنؤ گذاشتہ آمدہ است۔ حق تعالیٰ سلامت دارد، عمرش از ہشتاد متجاوز خواہد بود۔ و ایں چند غزلہائے از ہمہ دیوانہائے مذکورہ بانتخاب در آوردہ:

۱- مثنوی موسوم بہ جذب عشق (دریائے عشق درج کی ہے نام غلط لکھا ہے)

۲- انتخاب دیوان پنجم میر صاحب موصوف کہ نام دیوان زادہ نہادہ اند۔[1]

۲۰- بھگوان داس ہندی

میر محمد تقی میر تخلص ہمشیرزادہ خان آرزو مغفور است۔ مولدش شاہجہان آباد است بعد تحصیل علوم رسمی رغبت ریختہ گوئی پیدا کردہ، تذکرہ متضمن احوال شعرائے ریختہ گو تالیف نمودہ، در ہر ہفتہ روزی بخانۂ او مجمع ریختہ گویاں مشاعرات ایشاں می شد۔ او آخر در شعر فارسی ہم مہارتی بہم رسانیدہ گاہی می گفت، در ریختہ گوئی باستادی نام برآوردہ۔ در عہد نواب آصف الدولہ بہادر مرحوم وارد لکھنؤ شدہ بہ دو صد روپیہ در ماہہ ممتاز شد راقم او را یک دو مرتبہ دیدہ ام، لبسیار آرمیدہ مزاج و پسندیدہ اطوار است و دریں ذات او از معتدان روزگار است۔[2]

۲۱- نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر سرور

میر تخلص، میر محمد تقی ہمشیرزادہ سراج الدین علی خان آرزو، اصلش از اکبرآباد، مدتے در دارالخلافہ استقامت ورزیدہ، آخرہا کساد بازاری ایں جا دیدہ رخت اقامت بہ لکھنو برد، و در سرکار نواب وزیر الممالک۔۔۔ مرحوم بہ علاقۂ دو صد روپیہ ماہواری ملازم شد، تعریف اشعارش محتاج بہ شرح و لبسط نیست۔ مہارتے تمام در فصیح گوئی و فنون شاعری دارد بلند تلاشاں ایں فن شاعر مسلم الثبوت می شمارند، و بہ استادی او قائل اند، وضع درد بہ شعر گوئی بہ نہجے دارد کہ کسے را میسر نہ شدہ است۔ بسیار عزیزاں تلاش تتبع زبان او کردند لیکن بہ آں نہ رسیدند، فی الواقع مرتبہ شاعری او دریں زمانہ بسا بلند است و پایۂ او دریں فن کم از رفیع السودا نیست بلکہ در غزل گوئی رجحان دارد۔ تصانیفش

---

[1] مجمع الانتخاب قلمی

[2] سفینۂ ہندی ص ۲۰۵

بسیار، چنانچہ پنج دیوان ریختہ و یک دیوان فارسی و تالیف تذکرۂ ریختہ گویاں و اکثر مثنویات و مدحیات و ہجویات و مخمسات و واسوخت و مسدسات و ترجیع بند و مناقب و مرثیہ وغیرہ تصنیف نمودہ۔[1]

۲۲۔ شیخ احمد علی سندیلوی

میر تقی، میرؔ تخلص، ہم در ہندی و ہم در فارسی، وے ہمشیرزادۂ سراج الدین علی خاں آرزوؔ ست۔ اصل وطنش اکبر آباد لیکن در دہلی نشو و نما یافتہ، در شیخوخیت بہ بلدہ لکھنو در آمدہ مردے بسیار درومند اہل است، تمام عمرش در شعر و شاعری گذشتہ حالا ہم دریں کار است۔ اشعار ریختہ اش وردِ زبانِ خاص و عام است، مردم ہند در ریختہ گوئی او را باستادی قبول دارند، فی الواقع در ریختہ گوئی او داد فصاحت دادہ و دیوان فارسی ہم ترتیب دادہ۔[2]

۲۳۔ خیراتی لال بےجگر

در فن سخن امیر، میر محمد تقی المتخلص بہ میرؔ، شاعرے است کہ در رنگین خیالی طبیعتے دارد، سرمشق بہار کشمیر، و در شعر فارسی و ہندی دست قدرتے کشیدہ آئینۂ آب اگر معیوب بحباب نبودے در آئینہ شفافی مشابہت کلامش بو یک روئی نمودے و چشمۂ آفتاب اگر در چشمہ تشنگی تلاش او، ہر سحر چہرۂ خود نشو یدے موج صفائیش سے سر بفلک کشیدے، شعرے کہ در اضطرابی عاشق مہجور از جوشان طبع زخار وے بر آمدے ہر حرف ازاں چون ماہی بے آب جدا جدا ہم آغوش طپیدن بر فزودے کہ بذکر وصال معشوق از خیالِ امواج بر آوردے۔ مصرعہ اش با مصرعہ دیگر چوں جنت سرخاب در انداز بہم گردیدن۔ اگر ہم سر آن روے محبوبان دلربا را بر شان توصیف گذاشتے عاشقان را دل دو پارہ ساختے و اگر تیر مژگان ترکان خطا بر کمان تعریف داشتے، رخنہ در جگر دل دادگان بے چارہ انداختے ..... انتہیٰ، خامۂ ندرت نگار فکرش سوائے چہار دیوان ریختہ، مثنویات متعددہ از بس دلپذیر و شکار نامہ ہائے بسیار یک قلم بے نظیر بر صفائح روزگار ریختہ۔ عاقبت بعد بقطع مراحل نود و شش از سنین عمر در سال یک ہزار و دو صد و بست و پنج ہجری بہ وصل جانان حقیقی پیوست۔[3]

۲۴۔ حکیم سید احمد علی خاں یکتاؔ لکھنوی

متکلم سحر کار، شاعر جادو کردار، سلطان اقلیم فصاحت، فرمان فرمائے کشور بلاغت مونس و غمخوار

---

[1] عمدۂ منتخبہ ص ۵۴۲-۵۵۳ [2] مخزن الغرائب (قلمی) ص ۱۰۱، کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد (ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام سے اب اسے پنجاب یونیورسٹی نے شائع کر دیا ہے) ادارہ نقوش [3] تذکرہ شعرائے اردو (قلمی)

جماعۂ عشاق نام برآوردہ، باوستادی درتمام آفاق، سلطان الظرفا، سید الشعراء، مملکت سخن را امیر، سید محمد تقی المتخلص بہ میر نور اللہ مضجعہٗ شاعری بود پر قوت بر جمیع اقسام سخن قادر بہ ہمہ دقایق سخنوری عالم و ماہر، غزل را بطرزی گفتہ، کہ ہیچ کس نمی تواند، بلکہ دریں باب بملک الشعرا ہم حرف است، چوں کلامش بسبب وسعت، جامع اکثر کلمات محاورہ افتادہ، افادۂ سنداز آں نسبت بکلام مرزا زیادہ تر است، اما تقلید و پیروئ او نہایت دشوار۔ اگرچہ کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاہر آسان نظر مے آید و لے ممتنع است، بیشتر شعر امقلد او ہستند و مطلق طرزش نمی یابند۔ بخلاف مرزا محمد رفیع کہ باوجود کمال پختگی کہ دارد تقلیدش ہر صاحب فہمی را ممکن و برشتگئ کلام و نزاکت معانئ میر را چہ گویم؟ یا استادی و معلومات ایں مسلم الثبوت را چہ نویسیم؟ سلمائے اعتبار میر دریں فن بالیلائے شہرت مرزا دریک محمل سوار، و آفتاب شہرۂ ایں ہردو بے عدیل بچرخ علو دریک درجہ گرم اشتہار۔ لہذا نواب آصف الدولہ، مغفور مرحوم، ہم بعد رحلت مرزا، میر را از شاہجہاں آباد، فخریہ طلب داشتہ، بہ منصب عالی ملازم ساخت..... ششش "دیوان" و یک "دیوانچہ" و چند مثنوی۔ شکار نامہ و "طیاری ہولی" وغیرہ کہ باشارہ وزیر مرحوم نوشتہ بود، ہمہ در زبان ریختہ و چند جزو نثر و نظم فارسی، در دہر یادگار گزاشتہ است۔[1]

۲۵۔ مولوی عبدالقادر خاں غمگین رامپوری

تقی میر، الفاظ زبان دیگر، چہ فارسی وچہ عربی، غلط نمی آرد۔ حرکت ہر جا کہ بنظم اوست بحرکت دوم (؟) است و تعقید ہم در کلامش کم است و در نشست کلمات بموقع و چستئ ترکیب بزمرۂ معاصران ممتاز بود، لیکن مضمون تازہ بدیوانش کم توان یافت و بعینہٖ ترجمہ اشعار فارسی در ابیاتش بسیار، غالباً عمداً برائے تعلیم ترجمۂ نظم بنظم بدیگراں گفتہ باشد۔ می فرماید، ؎

تیرے قدم کا ہو گا جس جا نشاں زمیں پر
رکھیں گے سر کو اس جا صاحبدلاں زمیں پر

حافظ گوید: ؎

بر زمینی کہ نشان کف پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

و نیز میر حروف صلہ بموقع آرد، مانند "سے" و "پر" و "کو" و میدانم کہ در ریختہ برائے شہرت استاد ہمچناں

---

[1] دستور الفصاحت ص ۲۲

باید کہ در استعمال مفردات ہندی ہر دو برابر اند۔ مگر الفاظ زبان دیگر و ترکیب چست و سست و مواقع حروف روابط چہ در گفتار عامہ و خاصۂ یک شہر کہ مفردات کلام ہمہ یکی باشند، بدیں چیزہا تفاوت در مراتب حسن و قبح کلام بسیار باشد و الفاظ مفردہ جناب میر مطبوع فی، چہ گاہی بکسر ہندی دیہہ می آرد و گاہی لغت قاموس[1]

۲۶۔ نواب عنایت حسین خان بہادر مہجور

اسم سامی و نام نامی آں شاعر یگانہ، وحید زمانہ، کشاف اسرار مالاینجلی، میر محمد تقی علیہ الرحمۃ مولد و موطن آن صاحب سخن اولا شہر اکبر آباد و بعدہ در شاہ جہان آباد دہلی است[2]

۲۷۔ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ

میر تخلص افصح فصحا، اشعر شعرا، سخنور عالی مقام محمد تقی نام ..... لطافت بر طبعش ہمزاد است و با کلامش حرف غیر زمزمہ بلبل و فغاں خار طوطی ناطقۂ شکر بارش رونق بازار عنادل شکستہ و صفیر خامۂ گلستان نگارش نالہ بر لب مرغ بستانی لبتہ صفوۂ خیالش بجلوہ ریزی لالہ عذاران افکار دلآویز چوں اندیشۂ عاشق قطعۂ گلزار است ورشحۂ قلمش در شگفانیدن گلہائے مضامین تازہ ہمرنگ ابر نو بہار، صد آہ درد ناک بتاثیر یک مصراع او نیست و ہزار عزائم تسخیر ہم فسون نیم بیتش گو، حلاوت سخنش بکام مشتاقان گوارا تر از شہد لعل شکر بار است و نمک گفتارش بمذاق شوریدہ طبعان بامزہ تر از پستۂ تبسم دلدار نمکش، اگر سحر است سحر حلال است و فکرش اگر از قوت کمتبی است از چہ اعجاز مثال، با فنون نظمیہ ربط تمام دارد۔ لاسیما در غزل سرائی و مثنوی گوئی گوئے سبقت می رباید[3]

۲۸۔ حکیم میر قطب الدین باطن

میر تخلص مرشد شعراء ورۃ التاج اساتذۂ فلک احتشام، درغر بجراو ستادان رفیع احترام، لؤلوئے شاہوار فصیحان ارفع التزام، جناب میر محمد تقی نام والا دودمان عالی خاندان، ملک مالوف ابر فیساں بار، فخر دہلی، در کمون ..... استاد اساتذۂ جدید و قدیم جن کے سب شاعر معتقد ہیں، جو جاہل ان کی نسبت الفاظ اہانت لکھے اوس سے گفتگو فصاحت خادمۂ کلک جادو نگار، بلاغت کنیز خامہ طوبیٰ اطوار، محاورات

---

[1] روزنامچہ قلمی ورق ۴۳، ب و ۴۴، الف

[2] مدائح الشعراء قلمی ورق ۲۶ الف

[3] مخطوطہ گلشن بیخار سالِ کتابت ۱۸۴۵ء/۱۲۶۱ھ

روزمرہ غاشیہ بردار، طبع شوخ، گوہر بار، مضمون عاشقانہ سحاب فکر سے ترشح کرتے ہیں۔ نباتات کیمیا خصلت مرزبوم شعر میں نشو و نما اترتے ہیں۔ اہتزاز نسیم طبع سے وہ گلہائے بوقلموں کھلائے جن کی نکہت سے مشام سیاران عنبر سر ہو جاتے، عنادل طبع سخن سنجان عصر شاخ مضارع رنگین پر پروانہ دار نثار، طوطی نواسنج زبان خوش گویان کلام کے روبرو صورت آئینہ بصد شکل حیران و پر اضطرار زبان گویا کا کام نہیں کہ ان کے لب و لہجہ کے روبرو گفتگو کرے۔ ناطقہ کو تاب کہاں کہ یارا بات کہنے کا ہو روبرو اف یا تو کرے۔ صفیر خامہ چمنستان دیوان میں رشک صدائے بلبل ہزار داستاں، نوائے کلک دوزباں بوستانِ نظم میں روکش نغمۂ طوطی خوش زبان، جس مرتبہ صفت لکھئے مناسب اور بجا لاریب فیہ۔ جس قدر تعریف کیجئے زیبا..... مرشد شعرائے چھ دیوان فکر شائستہ سے آمادہ کیے کہ شش جہت میں جواب نہیں۔ ان کے برابر نظم اردو میں کسی شاعر کی کتاب نہیں..... گرمیِ کلام سے عدو کباب ہے۔ آتشِ حسرت میں خاک وہ خانہ خراب ہے کلام میر اہی افسر بر خوردہ کبیر ہے[1]

۲۹۔ حکیم قدرت اللہ قاسم

محمد تقی میر شاعرے است بے نظیر و سخن سنجے است خوش تقریر عندلیب خوش نوائے باغِ فصاحت، بلبل ہزار داستان، گلزار بلاغت، شیر بیشۂ سخنوری مرز صحرائے ہنر گستری شہسواری عرصۂ سخن طرازی، فارس مضمار نکتہ پردازی، جادو کلام معانی آفریں سحر بیاں، صنائع بدائع آگیں، میر اقلیم، شیریں زبانی، دبیر قلمرو، عذب البیانی، طرزِ گفتارش بے بدل انداز اشعارش ضرب المثل۔ زعم بعضے آں کہ سر آمد شعرائے فصاحت، اما مرزا محمد رفیع در غزل گوئی بوے نہ رسانیدہ۔ اما حق آنست کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"۔ مرزا دریائے است بیکراں و میر نہرے است عظیم الشان، در معلومات قواعد فن میر را بمرزا برتری است و در قوت شاعری مرزا را بر میر سروری، ملخص کلام دواوین متعددہ مملو ہر گونہ سخن و مثنویات متوفرہ مضمون، چندیں صنائع بدائع فن بر صفحہ روزگار ثبت فرمودہ[2]

۳۰۔ منشی احمد حسین سحر

میر تخلص، محمد تقی نام، از اہل اکبر آباد، خواہر زادۂ سراج الدین علی خاں آرزو ہمدوش مہوشاں، پری جلوۂ نکتہ دانی و ہم آغوش دوشیزگاں شوخ ادائے معنی است، دیوانہ طرز دلکش و دلآویز، آشفتۂ مضمون عاشقانہ

---

[1] گلستان بے خزاں [2] مجموعہ نغز، ص ۲۳۰ حصہ دوم

و دردانگیز، مجنون بہار حسن لیلائے دل فریبی، فرہاد تیغ شیریں ادایان محبوبی، پروانہ برشتہ جگر بزم شمع رویاں ہم بستر ناکامی و ہمدم یاس وحرماں بودہ۔ کلام شورانگیزش تحت دل وپارہ جگر تفتہ درونان معنی آشنا در آتش انداختہ و روزمرہ گفتگو سے بے ساختہ او لطف حسن بندشی دیگراں از دل ہا برداشتہ.... ازکلام عاشقانہ و دردانگیزش پیداست کہ صد آرزو بخاک برد، ہر چند مثنوی ہا وشش دیوان ریختہ دارد و بفارسی ہم سلیقہ درست داشتہ۔ القصہ کلام قیامت زائیش تاثیرے دارد کہ ہمچو خدنگ خاراشگاف از سینہ بروں مے جہد۔ [1]

۳۱۔ منشی کریم الدین

میرؔ تخلص افصح فصحا اور ابلغ بلغا اور اشعر شعرائے ہند اور سخنور عالی مقام محمد تقی نام ہے۔ یہ شاعر خواہر زادہ سراج الدین علی خاں آرزوؔ کا ہے۔ چھ دیوان ریختہ باصناف سخن منظوم کیے ہوئے اس کے ہیں اور واسوخت اس شاعر کا بہت مشہور اور معروف ہے۔ ہر چند اقسام شاعری سے سب اصناف پر قادر تھا لیکن جس قدر قصائد نے پختگی رتبہ حاصل کی۔ دارالخلافہ شاہجہاں میں اوّلاً ابتدائے حال میں آیا لیکن بہ سبب برگشتگیِ طالع کے ناکام و مایوس گیا۔ آخر ایام زلیست لکھنو میں جا کر بسر کیے اور ما یحتاج سرکار نواب وزیر الممالک بہادر سے پایا کیا۔ المختصر لکھنو ہی میں راہی عدم داعیِ اجل کو لبیک اور سعدیک کہتا ہوا دوڑا اور مدح اس شاعر کی جتنی لکھئے کم ہے کیونکہ یہ شاعر ایسے ہی پایہ کا گزرا ہے۔ [2]

۳۲۔ منشی کریم الدین ہم می گوید

میرؔ افصح فصحائے محمد تقی نام ..... یہ وہی شاعر ہے جو کہ بنام میرؔ مشہور ہے۔ شعر اس کا تمام شعرا شائقین اور متاخرین سے بے شک بہت اچھا ہے۔ تمام فنون نظمیہ وہ جانتا تھا خصوصاً غزل اور مثنوی اس کی سب سے بہتر ہے۔ آج کے زمانے تک تمام شعرا اس کے اچھے ہونے میں شک نہیں کرتے۔ یہ شاعر واقع میں ایسا ہی ہے کہ اگر اس کو بادشاہ شعرا کا کہیں تو بجا ہے۔ [3]

۳۳۔ ابن امین اللہ طوفاںؔ

میر تقی میرؔ وجود پاکش از دہلی است و بعضے اصلش از اکبر آبادمی گویند آخر بہ لکھنو وطن گزیدہ۔ بالآخر

---

[1] تذکرہ بہار بے خزاں (قلمی) [2] گلدستۂ نازنیناں ص ۳۰ [3] طبقات شعرائے ہند ص ۱۱۶-۱۱۵

بشاعری برگزیدۂ ہندوستان گردیدہ۔ [1]

۳۴۔ نصر اللہ خان خویشگی

میر تخلص، سرخیل بلغائے عظام، افصح فصحائے کرام شاعر والا مقام در نظم و نثر ذوالاحترام میر محمد تقی نام مروے ترانہ سنج لطیفہ گو ہمشیر زادۂ سراج الدین علی خان آرزو ست۔ اولاً بشاہ جہاں آباد دماغ فارغ البال می بود۔ نوبتے ازاں جا بسوئے لکھنو نمود۔ اگرچہ بخرج مایحتاج محتاج نہ بودہ مگر روزی از خوان احسان وزیر می یافت و ہم در آنجا بسر ملک عدم شتافت . . . . . آں سر آمد سخنوراں است۔ [2]

۳۵۔ سید علی حسن

میر۔ محمد تقی خلف میر عبد اللہ (میر عبد اللہ غلط ہے) خواہر زادہ و تلمیذ سراج الدین علی خاں آرزو باشندۂ اکبر آباد بود۔ بالآخر بتقرر وظیفہ کہ از سرکاری لکھنومی یافت بہ لکھنو سکونت ورزید، استاد مسلم الثبوت بودہ است کسے را از وے انحرافی نیست، خسرو اقلیم سخنوری و سخندانی ست و موجد الفاظ و معانی چمن آرائے گلشن سخن است و بہار افزائے گلبن فن در جمیع اصناف سخن جز بہ قصیدہ قادر بود، علی الخصوص در مثنویات و غزلیات نظیرے نداشت المختصر در ۱۲۲۵ھ آنجہانی شد، کلیات مشتمل بر مثنویات و دیوان و تذکرہ شعراو قصاید از وے یادگار ماندہ۔ [3]

۳۶۔ مولوی عبد الغفور خاں نساخ

میر تخلص۔ میر محمد تقی اکبر آبادی ولد میر عبد اللہ (صحیح میر محمد علی ہے) ہمشیر زادہ و شاگرد سراج الدین علی خاں آرزو، عنفوانِ شباب میں دہلی میں گئے تھے۔ وہاں سے لکھنؤ میں جا کر سکونت اختیار کی۔ نواب آصف الدولہ بہادر کی سرکار سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔ ۱۲۲۵ھ میں فوت کی۔ سوائے قصیدہ کے جمیع اصناف سخن پر قادر تھے اشعار ان کے بغایت مرتبہ بلند رکھتے ہیں۔ فرطِ اشتہار سے حاجت بیان نہیں۔ مثنوی و غزل گوئی میں استاد مسلم الثبوت گزرے ان کی استادی سے کسی کو انکار نہیں جو درد کہ ان کے کلام میں ہے کسی شاعر ریختہ گو کے کلام میں نہیں۔ ان کے چھ دیوان ریختہ مع قصاید و مثنوی نظر سے گزری۔ ایک دیوان فارسی اور ایک

---

[1] تذکرہ شعراء، ص ۱
[2] گلشن ہمیشہ بہار، ص ۲۰۶
[3] بزم سخن ص ۱۰۹

تذکرۂ شعرا اور ایک رسالہ فیض میر بھی ان سے یادگار ہیں۔ [1]

۳۷۔ میرزا کلب حسین خان نادر

مستند شعرائے ماضی وحال استاد عدیم المثال سید محمد تقی اکبرآبادی شاگرد و خواہر زادۂ سراج الدین علی خان آرزو۔ [2]

۳۸۔ نواب صدیق حسن خاں

محمد تقی خاں آرزو کے بھانجے۔ ریختہ گوئی میں اپنے زمانے میں یکتا تھے۔ لکھنؤ میں آصف الدولہ کی سرکار میں منسلک تھے۔ فارسی کا بھی ایک دیوان [3] دو ہزار اشعار کا ہے۔ تیرھویں صدی کے اوائل میں انتقال کیا [4]

میر کے بارے میں اساتذہ کی رائے

اساتذہ نے میر کو خدائے سخن اور سرتاج الشعرائے اردو تسلیم کیا ہے اور ان کے ایک ایک لفظ کو سند مانتے ہیں ذیل میں چند اساتذہ کی رائے درج کی جاتی ہے:

سودا :-

سودا تو اس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

مصحفی :-

اے مصحفی تو اور کہاں شعر کا دعویٰ پھبتا ہے یہ انداز سخن میر کے مونھ پر
غزل اے مصحفی یہ میر کی ہے تمہاری میرزائی ہو چکی بس

نامی :-

سدا پاس رہتا ہے دیوانِ میر یہ نامی کو ہے شوق اشعار کا
شعر یا سحر ہے یا معجزہ ہے اے نامی میں سدا قائل طرز سخن میر رہا

راسخ :-

راسخ کو ہے میر سے تلمذ یہ فیض ہے ان کی تربیت کا

---

[1] سخن شعرا ص ۹،۴ [2] تذکرۂ نادر ص ۱۵۴ [3] جناب مسعود حسن رضوی کے کتب خانے میں میر کے دیوان فارسی کا ایک قلمی نسخہ ہے۔ [4] شمع انجمن کتب خانہ ندوۃ العلوم لکھنؤ (ترجمہ)

ناسخ :—

جانتے ہیں خوب اردوئے معلّٰی کی زباں — مدتوں صحبت رہی ہے ہم کو ناسخ میر سے
شبہ ناسخ نہیں کچھ میر کی استادی میں — خود وہ بے بہرہ ہیں جو معتقد میر نہیں
میں ہی اسے ناسخ نہیں کچھ طالب دیوان میر — کون ہے جس کو کلامِ میر کی حاجت نہیں

ذوق :—

نہ ہوا پر نہ ہوا میر کا انداز نصیب — ذوق یاروں نے بہت زور غزل میں مارا

غالب :—

غالب اپنا بھی عقیدہ ہے بقول ناسخ — آپ بے بہرہ ہیں جو معتقد میر نہیں
ریختے کے تمہیں استاد نہیں ہو غالب — کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی میر بھی تھا
میر کے شعر کا احوال کہوں کیا غالب — جس کا دیوان کم از گلشن کشمیر نہیں

حالی :—

حالی سخن میں شیفتہ سے مستفید ہے — شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا

جلال :—

کہنے کو جلال آپ بھی کہتے ہیں وہی طرز — لیکن سخن میر تقی میر کی کیا بات

آتش :—

آتش بقول حضرت سودا شفیق من — ہونا ہے تجھ کو میر سے استاد کی طرف

اکبر :—

ہم ہیں کیا چیز جو اس طرز پہ جائیں اکبر — ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ

حسرت موہانی :—

شعر میرے بھی ہیں پُر درد لیکن حسرت — میر کا شیوۂ گفتار کہاں سے لاؤں

شیفتہ :—

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن — کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

مجروح :—

یوں تو ہیں مجروح شاعر سب فصیح — میر کی پر خوش بیانی اور ہے

رند :—

تیرا کلام کتنا مشابہ ہے میر سے — عاشق ہیں رند ہم تو اسی بول چال کے

صفیؔ: ؎

حافظ کا جو فارسی میں رتبہ ہے صفیؔ	اُردو میں وہی ہے رتبۂ میرؔ بھی

رسوا: ؎

میرؔ کا نام تو روشن ہے جہاں میں رسواؔ	اک چراغ سر راہ جلاتے جاؤ

یگانہ: ؎

میرؔ کے آگے زور چل نہ سکا	تھے بڑے میرزا یگانہ دبنگ

الحاقی کلام

کلیاتِ میرؔ سب سے پہلے فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ۱۸۱۱ء میں شایع ہوا تھا اس نسخہ میں میرؔ کا پورا کلام شامل نہیں کیا گیا تھا۔ البتہ نسخہ کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں کوئی الحاقی شعر نہیں ملتا ہے۔ کچھ انتخابات اور تذکرے ضرور ہیں، جن میں بہت سے اشعار میرؔ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں حالانکہ اس کی کوئی سند نہیں ہے کہ وُہ میرؔ ہی کے کلام سے ہیں اور میرؔ جیسے اولی العزم شاعر کی طرف اس قسم کے اشعار، محض سمعی شہادت پر منسوب کرنا، ایک گمراہ کن غلطی اور غیر ذمہ دارانہ فعل ہے خصوصاً جبکہ ان میں سے اکثر اشعار دوسرے شعراُ کے دواوین میں موجود ہیں تو وہ قطعی میرؔ کے نہیں ہو سکتے۔ ذیل میں ہم اس قسم کے اشعار درج کرتے ہیں: ؎

غم ایک پردہ نشیں کا جو پردہ دار رہا	تو استخوانوں میں پنہاں مے بخار رہا[1]

میں خوف سے تمے بولا نہیں تھا کچھ شبِ وصل	ستارۂ سحری گرچہ آنکھ مار رہا[2]

میرؔ کا ہجر میں وصال ہوا	لوجی قصہ ہی انفصال ہوا[3]

---

[1] پہلے آٹھ شعر تذکرہ بہارِ بے خزاں میں میرؔ کے ترجمے میں درج کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ میرؔ کے نہیں ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی بھی شعر میرؔ کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتا ہے۔ یہ شعر جرأتؔ کا ہے۔ (عمدۂ منتخبہ ص ۱۹۴)

[2] یہ شعر مصحفیؔ کا ہے۔ (تذکرۂ ہندی ص ۵۳) مصحفیؔ نے مصرعۂ اول یوں لکھا ہے: ؏

میں تیرے ڈر سے نہ دیکھا اُدھر بہت شبِ وصل

[3] یہ عمدۂ منتخبہ ص ۵۱۹ میں مرزا امجد علی بیگ عرف دارا بیگ تخلص قیس متوطن لکھنؤ کی طرف منسوب ہے اور اس طرح ہے: ؎

خواہش وصل میں وصال ہوا	لو یہ جھگڑا ہی انفصال ہوا

ایک اور جگہ ص ۵۰۵ میں یہ میرؔ کے ترجمہ میں درج کیا گیا ہے اور مصرعہ ثانی یوں ہے: ؏

لو یہ جھگڑا ہی انفصال ہوا

حسن اس کا عدم تلک پہنچا
خط بھی اس کی رسید کا آیا

مصحف رو کی تلاوت کے میں قابل نہ ہوا
ہاتھ میرا کسی گردن کے حمائل نہ ہوا

یوں پھر اٹھا نہ جائیگا اے ابر دشت سے
گر کوئی رونے بیٹھ گیا دل جلا ہوا

لے کے جواب نامہ نہ قاصد پھرا کبھی
کیا جانے سرنوشت میں کیا ہے لکھا ہوا

کیا کیا ہوائیں دیدۂ تر سے نظر پڑیں
جب رونے بیٹھ جاتے تھے تب برشگال تھا

دیوانہ پن ہمارا آخر کو رنگ لایا
جو دیکھنے کو آیا مٹھی میں سنگ لایا[1]

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر
مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا[2]

دیکھ لیتا ہے وُہ پہلے چار سو اچھی طرح
چپکے سے پھر پوچھتا ہے میرؔ تو اچھی طرح[3]

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد
نہ رہی دشت میں خالی کوئی جا میرے بعد[4]

تیز رکھیو سرِ ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد[5]

منہ پہ رکھ دامنِ گل روئیں گے مرغانِ چمن
ہر روش خاک اڑائے گی صبا میرے بعد[6]

وہ ہوا خواہ چمن ہوں کہ چمن میں ہر صبح
پہلے میں جاتا تھا اور بادِ صبا میرے بعد[7]

روشن ہے اس طرح دلِ ویراں میں داغ ایک
اجڑے نگر میں جیسے جلے ہے چراغ ایک[8]

قفس میں برگِ گل رکھنے سے اے صیاد کیا حاصل
اسیروں کو دلاتی پھر چمن کی یاد کیا حاصل[9]

---

[1] یہ شعر مجھے مہاراجکمار صاحب محمود آباد نے میر کے نام سے سنایا تھا لیکن میر کے دواوین میں نہیں ہے۔

[2] بزم سخن ص ۱۰۹، انتخاب کلام میر صفحہ ۲۸ حامد احسن، میر تقی میر حیات اور شاعری ص ۲۴۲ مصنفہ خواجہ احمد فاروقی میں میر کے نام نقل کیا گیا ہے۔ یہ شعر میر کا نہیں ہے بلکہ ٹانڈہ کے مشہور و معروف رئیس نواب محمد یار خاں امیر کا ہے قائم، فدوی لاہوری اور مصحفی وغیرہ ان کی رفاقت میں رہتے تھے۔ طبقات الشعراء صفحہ ۲۲۴ شوق رامپوری میں مصرعہ اول یوں ہے: ؎

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن

علی سردار جعفری نے دیوانِ میر صفحہ ۴۹ میں امیر کو لکھنؤ کا ایک شاعر قرار دیا ہے جو درست نہیں ہے۔

[3] آثر لکھنوی بار بار فرماتے تھے کہ یہ میر کا شعر ہے لیکن کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتا ہے۔

[4] یہ شعر ڈاکٹر یوسف حسین نے اپنی کتاب "اردو غزل" میں ایک جگہ میر کے نام اور دوسری جگہ غافل لکھنوی کے نام منسوب کیا ہے۔ ناصر کاظمی نے اپنے ایک مضمون مطبوعہ سویرا لاہور نمبر ۱۹، ۲۰ اور ۲۱ میں یہ میر کے نام لکھا ہے دراصل یہ غافل کا ہی ہے اور ان کے دیوان میں موجود ہے۔

[5] ناصر کاظمی نے اس شعر کو بھی میر کا بتایا ہے یہ ہوس لکھنوی کا ہے۔ [6] و [7] یہ شعر بھی غافل لکھنوی کے ہیں۔ [8] آثر لکھنوی (مزامیر ص ۷) اور ڈاکٹر سید عبد اللہ (نقد میر ص ۴۷) نے اس شعر کو میر کے نام درج کیا ہے۔ لیکن میر کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتا ہے۔

[9] تذکرہ بہارِ بے خزاں ص ۱۰۷ میں میر کے نام لکھا گیا ہے لیکن میر کا نہیں ہے۔

شمع ساں شب کے آشنا ہیں ہم ۔۔۔ صبح کے ہوتے پھر کہاں ہیں ہم[1]
باغباں ٹک تو بیٹھنے دے ہمیں ۔۔۔ آہ گم کردہ آشیاں ہیں ہم[2]
ضعف ہے باعث حیات اپنا ۔۔۔ کیا اجل کو خبر کہاں ہیں ہم[3]
اس زلف پہ محو ہو گئے ہم ۔۔۔ یعنی سر شام سو گئے ہم[4]
یہ جو چشم پر آب ہیں دونوں ۔۔۔ ایک خانہ خراب ہے دونوں[5]

اب آیا دھیاں اے آرام جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم اسباب شادی میں[6]

تو وصی ہے تو ولی ہے تو علی ہے تو ہی ۔۔۔ جس سے بالاتر تصور کیجئے تو کچھ نہیں[7]
جو کوئی آئے ہے وہ پاس ہی بیٹھے ہے تیرے ۔۔۔ ہم کہاں تک ترے پہلو سے سرکتے جائیں[8]
بدنام ہو گے جانے بھی دو امتحان کو ۔۔۔ رکھے گا کون تم سے عزیز اپنی جان کو[9]
کیا رخصت کیا جوانی کو ۔۔۔ کوسوں کس منہ سے ناتوانی کو[10]
زلف کو کہنا پریشاں عقل کی دوری ہے یہ ۔۔۔ ہر گرہ میں دل ہے اس کی گانٹھ کی پوری ہے یہ[11]
خواہی پیالہ خواہ سبو کر ہمیں کلال ۔۔۔ ہم اپنی خاک پر تجھے مختار کر چلے[12]

---

[1] و [2] و [3] یہ تینوں شعر بہار بے خزاں ص ۱۰۲ میں میر کے ترجمے میں مندرج ہیں۔ مگر میر کے کسی نسخے میں نہیں ملتے ہیں۔ پہلے دو شعر دیوان میر حسن (قلمی) مملوکہ راجہ محمود آباد میں ہیں۔

[4] نظامی بدایونی نے مراثی انیس جلد اول ص ۱۲ میں اسے میر کے نام نقل کیا ہے۔ لیکن میر کا نہیں ہے۔

[5] ڈاکٹر عبد الحق (انتخاب کلام میر صفحہ ۱۳۸) اور آسی (مقدمہ کلیات میر ص ۴۲) نے اسے میر کے نام منسوب کیا ہے۔ یہ در اصل بال مکند تخلص حضور شاگرد میر درد کا ہے۔ (عمدۂ منتخبہ ص ۲۳۸)

[6] یہ شعر امیر اللغات ص ۱۰۸ مصنفہ امیر مینائی (مطبوعہ ۱۸۹۱ء مطبع مفید عام آگرہ) میں نادر کے نام درج ہے اور مصرعۂ اول میں "دھیان" کے بدلے "یاد" ہے۔

[7] یہ شعر مہاراجکمار محمود آباد کو بے حد پسند ہے اور وہ اسے میر کا بتاتے ہیں۔ لیکن میر کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملتا ہے۔

[8] مخطوطہ بہار بے خزاں میں یہ میر کے ترجمہ میں درج ہے۔ لیکن میر کا نہیں ہے۔

[9] اس شعر کو مرزا غالب نے اردوئے معلیٰ میں میر کے نام سے نقل کیا ہے۔ لیکن میر کے کسی بھی نسخہ میں نہیں ملتا ہے۔

[10] تذکرہ بہار بے خزاں میں درج ہے لیکن میر کا نہیں ہے۔

[11] عمدۂ منتخبہ ص ۵۵۴ میں میر کے نام ہے مگر میر کا نہیں ہے۔

[12] آبحیات ص ۲۱۳ میں میر کے نام درج ہے۔ اصل میں یہ گنا بیگم المتخلص بہ گنا ملقب بہ "نوسیری" دختر والہ داغستانی کا ہے۔ (طبقات الشعرا ص ۵۰۴ شوق)

وہ آئے بزم میں اتنا تو میرؔ نے دیکھا — پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی[1]

کرتیک جو زلف چلیپا گئی — میاں وہ کمر لاکھوں بل کھا گئی[2]

تصور نہ تھا گر کسی سنگ دل کا — تو کیوں آنکھ نرگس پتھرا گئی[3]

نرگسی آنکھیں شرم آلودہ خاک میں ہم کو ملائیں گی — کیا یہ نگاہیں نیچی نیچی اوپر اوپر جب اٹھیں گی[4]

رت ہے برسات کی بہت پیاری — موجزن جھیلیں ندیاں ساری[5]

کھیت دھانوں کے لہلہے شاداب — کر رہے ہیں نظر کی دلداری

کیا ہری دوب جنگلوں میں ہے — سبز مخمل سے ہے سوا پیاری

ہر طرف کھل رہے ہیں گل بوٹے — جن سے شرمندہ باغ کی کیاری

ننھی ننھی برستی ہیں بوندیں — روح پر ہوتی ہے خوشی طاری

سوندی سوندی زمین کی مٹی — بھینی بھینی چمن کی بو پیاری

کوکلہ بگلہ ہکوٹلیں طاؤس — اپنی تانیں سناتے ہیں پیاری

قازیں مرغابیاں بطیں سرخاب — جھیلوں کے ساتھ کرتی ہیں یاری

شفق سرخ رنگ لائی ہے — لالہ گوں ہے سپہر انگاری

بدلیاں چھا رہی ہیں گردوں پر — زرد، اودی، سنہر زنگاری

سیر مچھی بھون کی چل کر دیکھ — کیا نمایاں ہے قدرت باری

مچھلیوں کی چمک ہیں ہے چل بل — جیسے رقصاں بتان فرخاری

فصل گل آتی ہے زنجیروں کی تیاری ہے — پھر جنوں سلسلہ جنبان گرفتاری ہے[6]

قتل کرتا ہے کھلی آنکھوں کا سونا اس کا — خواب میں بھی اثر فتنۂ بیداری ہے

دل ہوا زخمی ہمارا نرگس مخمور سے — مے ٹپکتی ہے ہمارے زخم کے انگور سے[7]

---

[1] اثر صاحب اسے میر کا بتلاتے ہیں لیکن میر کا نہیں ہے۔

[2] و [3] و [4] یہ تینوں شعر بہارِ بے خزاں میں میر کے نام درج ہیں مگر میر کے نہیں ہیں۔

[5] یہ بارہ اشعار میلا رام وفا اور تاجور نجیب آبادی نے انتخاب "روح نظم" میں "برسات" عنوان کے تحت میر کے نام منسوب کیے ہیں۔ حامدی کشمیری لکچرر شعبۂ اردو کشمیر یونیورسٹی نے اپنی کتاب "جدید اردو نظم اور یورپی اثرات" میں ص ۹۳ میں ان اشعار پر میر کی منظر نگاری کی بنیاد رکھ دی ہے حالانکہ یہ ہرگز میر کے نہیں ہیں۔

[6] یہ دونوں شعر بہارِ بے خزاں ص ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں میر کے نام درج ہیں میر کے نہیں ہیں۔

[7] بہارِ بے خزاں میں میر کے نام درج ہے اصل میں یہ ناسخ کا ہے اور ان کے مطبوعہ و قلمی نسخوں میں موجود ہے۔

گو دل کو یہ بے چینی تجھ بن تو قیامت ہے — پر جیتے کہ جیتے ہیں یہ کیسی ندامت ہے[1]
سر دھری کا تیری دھیان جو یار آتا ہے — گور میں بھی مجھے لرزے سے بخار آتا ہے[2]

تجھے چھیڑ چھاڑ ہے کیا صبا مری آہ مشت غبار سے[3]
جو پھول کسی نے چڑھاتے بھی تو اڑا لے میر مزار سے (کذا)

نہ میری آہ یہ ہم دوش اثر ہوتی ہے — نے شب ہجر ہی کم بخت سحر ہوتی ہے[4]
ہر شب ہجر میں میں فرط قلق کے مارے — دل کو دیتا ہوں تسلی کہ سحر ہوتی ہے
نہ تو نامہ ہے نہ قاصد نہ خبر آتی ہے[5] — بات بگڑی ہوئی کچھ ہم کو نظر آتی ہے
چوٹ جو دل میں محبت کی لگی تھی میرے — موسم گل میں وہ ہر سال ابھر آتی ہے
بتوں کے تئیں اس قدر مانتا ہے — یہ کافر مرا دل خدا جانتا ہے
دیکھی نہیں بھربھری طبیعت ایسی — واللہ ولا بڑی طبیعت ایسی[6]
چٹ پٹ گئی جس کی اچھی صورت دیکھی — اور کیا کہوں بس تھوڑی طبیعت ایسی

---

[1] و [2] دونوں شعر بہار بے خزاں میں میر کے ترجمہ میں درج ہیں۔ لیکن میر کے نہیں ہیں۔ [3] یہ بھی میر کا نہیں ہے۔ البتہ بہار بے خزاں میں میر کے نام سے منسوب ہے۔ یہ شعر بہار بے خزاں میں اسی طرح ناموزوں ہے۔ [4] یہ اشعار بھی بہار بے خزاں میں میر کے نام درج ہیں۔ لیکن میر کے نہیں ہیں۔ [5] یہ شعر عمدہ منتخبہ ص۲۱۱ پر مصحفی کے نام منسوب ہے۔ مصرع اول یوں ہے : ع

"نامہ آتا ہے ، نہ قاصد ، نہ خبر آتی ہے"

[6] بہار بے خزاں میں یہ رباعی میر کے نام منسوب ہے لیکن کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں نہیں ملتی ہے۔

ذیل میں دواوینِ میر کے قلمی نسخوں کی فہرست درج کی جاتی ہے جو مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں

کتب خانہ ادبیات اردو حیدر آباد

۱۔ دیوانِ میر

سائز ۹ × ۵ ½ ، صفحات ۳۵۰ ، فی صفحہ ۱۵ سطریں

ابتدائی ۵۵ اوراق میں غزلیں ہیں۔ یہ میر محمد علی نے نقل کی ہیں۔ اس کے بعد رباعیات، مخمس، فردیات، تضمین، مثلث، ترکیب بند، مسدس، واسوخت اور مثنویاں ہیں۔

۱۔ تنبیہ الجہال
۲۔ زبان زدِ عالم ہجو بے ادبی
۳۔ ہجو آئینہ دار
۴۔ ننگ نامہ
۵۔ مثنوی گربہ
۶۔ جوشِ باراں
۷۔ ہجو اکول
۸۔ دم الفضول
۹۔ مرثیہ مرغ
۱۰۔ ہجو خانۂ خود

اس کے بعد کچھ قطعات ہیں اور پھر یہ مثنویاں ہیں؛

۱۔ تعریف آغا رشید
۲۔ بسار کباد کد خدائی لچھمن سنگھ
۳۔ ساقی نامہ
۴۔ جوشِ عشق
۵۔ دریائے عشق
۶۔ اعجازِ عشق
۷۔ خواب و خیال
۸۔ شعلۂ عشق
۹۔ ہجو نامہ
۱۰۔ تعریف بچہ کتی
۱۱۔ تعریف گربہ موہنی

مثنویوں کے بعد یہ قصیدے ہیں؛

۱۔ قصیدہ لامیہ
۲۔ در تعریف امام رضا
۳۔ در منقبت حضرت علی
۴۔ ایضاً
۵۔ در مدح بادشاہ ہندوستان
۶۔ در مدح وزیر الممالک
۷۔ قصیدہ در شکایت نفاق یاراں

آغاز : ؎ ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا / نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا
بکھرے ہے زلف اس رخ عالم فروز پر / ورنہ بناؤ ہووے نہ دن اور رات کا

خاتمہ : ؎ اگر یہ عذر ہو مقبول تو تو خیر اب نہ / حریف ہونے کا میرے نتیجہ خفت ہے
کہاں تک میں کروں اس نفاق کا شکوہ / خموشی اب تو ہے اولیٰ کہ اس میں راحت ہے

ترقیمہ : تمت تمام شد بتاریخ دویم روز یکشنبہ شہر ذیقعدہ ۱۱۹۲ھ نبوی بحسب فرمائش شیخ محمد شاکر جیو سلمہ ربہ بدست میر محمد علی تحریر پذیرفت سنہ ۲۰ جلوس عالم بادشاہ۔

غزلیات کے بعد کا حصہ دوسرے کاتب رادھاکشن نے لکھا ہے۔

ترقیمہ یہ ہے :

"تمام شد دیوان میر تقی بتاریخ بست نہم شہر شوال روز پنجشنبہ سنہ ۲۰ جلوس شاہ عالم مطابق ۱۱۹۲ھ بحسب فرمائش میاں محمد شکر اللہ بمقام دار الخلافہ شاہ جہاں آباد بخط احقر العباد بندہ رادھاکشن کاتب تحریر یافت۔"

دیوان میں جو آخری قصیدہ "در شکایت نفاق یاران" موجود ہے وہ کسی مطبوعہ کلیات میں شامل نہیں ہے اس لیے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے :

قصیدہ در شکایت نفاق یارانِ زماں

جہاں میں کون ہے جس کو کسی سے الفت ہے / خراب کوچہ و بازاریاں محبت ہے
نفاق خانہ ہر انداز بسکہ ہے رائج / دل آفاق کا زیر غبار کلفت ہے
باتفاق اگر دو عزیز مل بیٹھیں / زبان مردم بد سے انھوں پہ آفت ہے
کروں میں ہجو اگر روز ایسے عالم کی / بجا ہے ان سے کہ میرے تئیں شکایت ہے
دروغ گوئی سے دو آشنا لڑا دینا / کہاں کی رسم ہے یہ گر یہی مروت ہے
تو چھوڑ شہر کی یہ تنگنا نکل جاویں / کہ گوشہ ہائے بیاباں میں بسکہ وسعت ہے
نہ دیکھوں مونہہ میں انھوں کا اگر ہوں آئینہ / اسی لیے تو میرے دل نشین عزلت ہے
کہوں میں مطلع ثانی کہ طور یاراں سے / دل شکستہ میرا تنگ اب نہایت ہے
منھوں پہ صاف ہیں لیکن نہ حفظ غیبت ہے / مثال آئینہ دیکھے ہی کی یہ ملت ہے
اگر سخن کی مرے رشک ان کی ہے جان سوز / وگر دلوں میں انھوں کے غرور و دولت ہے
حریف میرے یہ ان باتوں سے نہیں ہوتے / کہ راہ راست پہ ہوں میں انھیں ضلالت ہے
سخن کی خوبی کے میدان کا ہوں میں رستم / مقابلے کو مرے ان میں کس کی طاقت ہے

رہا غرور زر و مال ان کا اب باقی　　سو اس کا ہونے کو رد کش مری شرافت ہے
بخالقیکہ زمین اور آسمان کی بنا　　نظر میں سب کی اسی کا ظہور قدرت ہے
با حمدیکہ بلا میم اس کو کہتے ہیں　　اسی کی شرق سے لے تا بغرب اُمت ہے
بمرتضیٰ کہ پیمبر سے اس کو ہے خویشی　　بفاطمہؑ کہ کنیز اس کی ایک عصمت ہے
بآں امام کہ قسمت میں اس کی زہر ہوا　　بآں حسینؑ کہ وہ بیکس شہادت ہے
بذوالفقار کہ وقت نبرد غازی کے　　زباں میں نام سے اسکے ہوئی یہ حالت ہے
کہ گرہ بات کے صف میں کافروں کی جا　　تو سر کو تن پہ خوارج کے کب فرصت ہے
کہ ایک دم میں نہ پیوند ہو جدا اس کا　　ملے نہ خاک میں جب تک کہاں فراغت ہے
کہوں میں مطلع ثالث کہ ہے یہ ہاتف غیب　　کہ تیرے تصدق کی شاہد تری ہی ہمت ہے
بزلف یار کہ مجھ پر اسی سے شامت ہے　　بزہر مار جو جینے میں کچھ حلاوت ہے
بذوق وصل کہ اک دم نہیں ہے مجھ کو قرار　　باضطراب کہ وہ خانہ زاد فرقت ہے
بسوز شمع کہ جلتی ہے وہ بھی میری طرح　　بانجمن کہ وہ کثرت میں رشک خلوت ہے
بانتظار کہ آنکھیں سفید اس میں ہوئیں　　بنور شمع کہ وہ پائمال حیرت ہے
بطوف کعبہ کہ بے سعی واں نہیں ہے گزار　　بعشق دیر کہ واں برہمن سعادت ہے
بعزتیکہ ہے دوری رہ اس میں رفیق　　بمنزلیکہ پہنچنا وہاں قیامت ہے
بطاقتیکہ اسے ضعف سے ہے ربط قدیم　　بخاطریکہ وہ منت کش مصیبت ہے
بمشہدیکہ چراغ اس کا چشم آہو ہو　　بجشکے کہ وہ خونریز اہل حسرت ہے
بہمتیکہ نہ دیکھا ہو ان نے خست کو　　بخستیکہ سراپا عدوئے ہمت ہے
بزورقیکہ جو وہ نوح کی پناہ ہوئی　　بملتیکہ وہ طوفاں سے غرق خجلت ہے
بمحنتیکہ وہ آزردہ ہوتے راحت سے　　براحتیکہ حقیقت میں رنج و محنت ہے
بعزتیکہ جو سنتی ہو نام ذلت کا　　بذلتیکہ وہ کہتی ہو کیسی عزت ہے (کذا)
قسم ہے میرے تئیں ان تمام قسموں کی　　جو میں نے کچھ بھی کہا ہو یہ مجھ پہ تہمت ہے
جو کچھ کہا ہے کنھوں نے غلط کہا ہے گا　　کسو سے رنجش بیجا نہ میری طینت ہے
اگر یہ عذر ہو مقبول تو تو خیر ارنہ　　حریف ہونے کا میرے نتیجہ خفت ہے

کہاں تلک میں کروں اس نفاق کا شکوہ
خموشی اب تو ہے اُولیٰ کہ اس میں راحت ہے

۲۔ **دیوان میر** (ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد)

سائز ۹½×۶"، صفحات ۱۸۰، سالِ کتابت ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء

آغاز:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا

اختتام:

اچنبھا ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے
وگر قصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے
بھرا ہے دل مرا جامِ لبالب کی طرح ساقی
گلے لگ خوب روؤں میں جو مینا سے شراب آوے

ترقیمہ:

"دیوان حضرت میر صاحب سلمہ الرحمان بتاریخ بست و چہارم شہر صفر المظفر ملازم سرکار نواب صاحب شمشیر بہادر بوقت یک پاس گھڑی روز بر آمدہ با نصرام رسید تمام شد۔"

○

کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد

۳۔ **دیوان میر**

نمبر ۵۲۹، سائز ۸½×۵"، صفحہ ۲۰۶، سطر ۱۵، خط نستعلیق مائل شکستہ، ناقص الاول۔

یہ میر کا دیوان اول ہے۔

ابتدا:

کیا میں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا	آنکھیں تو کہیں تھیں دلِ غمدیدہ کہیں تھا
کس رات نظر کی ہے سوئے چشمک انجم	آنکھوں کے تلے اپنے تو وہ ماہ جبیں تھا

دیوان کی ابتدا میں ردیف وار غزلیں ہیں۔ اس کے بعد قطعات، تضمین، مخمس، ترجیع بند، واسوخت، رباعیات، اشعار، مثنوی، تنبیہ الجہال۔ آخر میں تین قصیدے جن میں ایک امام زین العابدین علیہ السلام کی تعریف میں ہے۔ دراصل یہ میر کا قصیدہ نہیں ہے بلکہ اسد علی خاں تمنا مولف گل عجائب کا ہے جو ان کے دیوان کے مخطوطہ میں موجود ہے۔ دیوان اسی پر ختم ہوتا ہے۔

خاتمہ:

درود بھیج کے کرتا ہوں قصر طول کلام	سر راہ ہو بہ محمد و آلہ الامجاد
سبھوں نے ورد کیا یہ قصیدہ اس خاطر	رکھا ہے نام کو میں نے خلاصۃ الاوراد

۴۔ دیوانِ میرؔ (کتب خانہ سالار جنگ)

نمبر ۵۴۳، سائز ۹ × ۵½، صفحہ ۲۰۰، سطر ۱۴، خط نستعلیق

یہ میرؔ کا دیوان دوم ہے۔

آغاز:۔ ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

خاتمہ:۔ کہاں تک میں کروں اس نفاق کا شکوہ
خموشی اب تو ہے اولیٰ کہ اس میں راحت ہے

دیوان کی ابتدا میں ردیف وار غزلوں کے بعد رباعیات، فردیات، قطعات، مثلث، مخمس، ہجو اور مخمس منقبت اس کے بعد چند مسدس اور پھر ترکیب بند، گھوڑے کی تعریف کا قطعہ، مثنوی اژدر نامہ، مثنوی در ہجو آئینہ دار، مثنوی ننگ نامہ، مثنوی ہجو خانہ خود، مثنوی جوشش باراں، مثنوی ہجو اکول، مثنوی در مذمت الفضول، مرثیہ مرغ، مثنوی جوشِ عشق، مثنوی کدخدائی بشن سنگھ، مثنوی کپی بچہ وغیرہ ہیں۔ مثنویوں کے بعد سات قصیدے ہیں اور اس طرح دیوان ساتویں قصیدہ "قصیدہ در شکایت نفاق یارانِ زماں" پر ختم ہوتا ہے۔

دیوان میں دو مہریں نمایاں ہیں۔ ایک نواب سالار جنگ کی اور دوسری سید محمد علی خاں بہادر کی جو سالار جنگ کے پردادا یعنی مختار الملک کے والد تھے۔

ترقیمہ:۔ تمام شد دیوان میر محمد تقی میرؔ تخلص بتاریخ شانزدہم ربیع الثانی ۱۲۱۴ھ

○

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد

۵۔ کلیاتِ میرؔ (نسخۂ آصفیہ)

نمبر ۹۶، سائز ۱۸ × ۸، صفحہ ۱۳۰،

آغاز:۔ تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا — خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا
ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا — پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا

کلیات میں اولاً ردیف وار غزلیں ہیں۔ پھر تین مخمس، دو مسدس منقبت اور بعد میں مخمس در حال لشکر ہے۔ اس کے بعد رباعیات، فردیات اور مثنویات ہیں۔ کلیات کے آخر میں مرثیے اور سلام درج ہیں۔

خاتمہ:۔ آیت حجاب کی تھی شانوں میں جس کی نازل
سر ننگے پا برہنہ لائے انھوں کو جاہل

ترقیمہ:۔ "تمت بالخیر بعون الملک الوہاب بدستخط ذوالفقار علی باتمام رسید۔ دیوان کلیات میرؔ سلمہ اللہ تعالیٰ۔"

نسخۂ آصفیہ میرؔ کی حیات کا مکتوبہ ہے۔ جیسا کہ ترقیمہ میں "سلمہ اللہ تعالیٰ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ سنہ کتابت درج نہیں ہے۔ اس نسخے میں غیر مطبوعہ اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یہ اشعار زیر ترتیب دیوان میں بھی درج ہیں بہت سے اشعار ایسے ہیں جو نسخۂ آصفیہ یا اور کسی قلمی نسخے میں نہیں ملتے ہیں۔ نسخۂ آصفیہ میں بعض ایسی غزلیں ہیں جن کے اشعار کی تعداد زیر ترتیب نسخے کے برابر ہے۔ مثال کے طور پر تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں پہلی غزل میں دس شعر ہیں۔ نسخۂ آصفیہ اور نسخۂ محمود آباد (زیر ترتیب دیوان) میں اس کے گیارہ شعر ہیں۔ ذیل کا شعر غیر مطبوعہ ہے :-

اس فصل میں کہ گل کا گریباں بھی ہے ہوا
دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا

دونوں نسخوں میں غزل کا آغاز درج ذیل شعر سے ہوتا ہے :-

ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا
پیدا ہر ایک نالہ سے شورِ نشور تھا

نسخۂ کلکتہ ص ۲۰ اور دیگر قلمی نسخوں میں ایک غزل کے ۹ شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے :-

نکلے ہے چشمہ جو کوئی جوشِ زنان پانی کا
یاد وہ ہے وہ کسو چشم کی گریانی کا

یہ غزل زیر ترتیب دیوان میں نہیں ہے نسخۂ آصفیہ میں موجود ہے۔ اس کے بعد نسخۂ آصفیہ میں جو غزل درج ہے اس میں سات شعر ہیں۔ مطلع یہ ہے :-

لطف اگر یہ ہے بتان صندل پیشانی کا
حسن کیا صبح کے پھر چہرۂ نورانی کا

یہ مطلع نسخۂ کلکتہ کی غزل کا دوسرا شعر ہے۔ ذیل کے تین شعر صرف نسخۂ آصفیہ میں درج ہیں اور کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں راقم کی نظر سے نہیں گزرے ہیں :-

دل کے ڈھنے کا تمھیں تو نہیں کچھ غم لیکن — سب کو افسوس ہے اس قصر کی ویرانی کا
ذکر اس بت کا زباں پر ہے سبھوں کی اب تو — کہیں مذکور نہیں سننے خدائی کا (کذا)
دل بے رحم کبھی پھر رحم پہ آ جاوے گا — نہیں دیکھا ہے تڑپنا کسو قربانی کا

نسخۂ آصفیہ میں درج ذیل اشعار غیر مطبوعہ ہیں :-

اس فصل میں کہ گل کا گریباں بھی ہے ہوا — دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا

ہم جانتے ہیں یا جگر خستہ ہمارا — ہلنا تھا پلک کا کہ کوئی خنجر کیں تھا

کل خال و خط یار کو ہم دیکھ کے کانپے　　ایک خصم تھا ایماں کا ایک رہزن دیں تھا

یوں خاک میں ملایا اس بن کہ کچھ نہ پوچھو　　اس ظلم دیدہ دل کا ہم اضطراب دیکھا

لاشہ مرا تسلی تہ زیر زمیں ہوا　　جب تک کہ آن کر وہ سر گور ہو گیا

جو نہ کہنا تھا سو بھی میں نے کہا　　دل کی بے طاقتی سے خوار ہوا
پھر گیا ہے زمانہ کیا کہ مجھے　　ہوتے خوار ایک روزگار ہوا

وہ کچھ جانتا ہو گا زلفوں کا پھنسنا　　جو کوئی اسیر تہ دام ہو گا
اس میں حیراں ہوں کہ کس کس کا گلہ تجھ سے کروں　　بدگمانی کا تغافل کا تیرے کینے کا

گہ تمام تو اس کی خدا نہ دکھلاوے　　کرے ہے قتل اثر جس کی کم نگاہی کا

شیخ کے شکوے سے کیا نفع ہے آ اوباشاں　　وہ تو حیواں ہے مذکور کرو انساں کا

محراب میں سر مارنے کا کچھ بھی نہ دیکھا　　اب ہم نے دعا مانگنے سے ہاتھ اٹھایا

کوری چشم کی نہ زیارت کو اس کی آتے　　یوسف سا جس کو تہ نظر نور دیدہ تھا

شب زخم سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کو　　ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا

مجھے تو نور نظر نے ٹک بھی تن نہ دیا　　بہار جاتی رہی دیکھنے چمن نہ دیا
لباس دیکھ لیے میں نے تیری اے پوشش　　کہ بعد مرگ کنھیں نے مجھے کفن نہ دیا
کھلی نہ بات گئی صرف تھی گرہ دل میں　　اجل نے اُسے مجھے کہنے ایک سخن نہ دیا

طفل مطرب جو میرے ہاتھ آیا چٹکیوں میں رقیب اڑ جاتا
خواب میں بھی رہا تو آنے سے دیکھنے ہی کا تھا یہ سب ناتا
الفت اس تیغ سے تھی بیحد میرؔ
قتل کرنا تو لوہو جم جاتا

ہو تار تار سیتے ہی سیتے وہ اڑ گیا اب تک عبث میں اپنا گریباں سیا کیا
سُن سُن کے میری بات کو کیا کیا نہ کہہ سنا کیا کیا کہوں میں کہ کیا کیا کیا کیا
کاکل میں ہی نہ خط میں نہیں زلف میں نہیں روز سیہ کے ساتھ میرا دل کدھر گیا

نہیں ایسا کوئی میرا جو ماتم دار ہوئے گا مگر ایک غم ترا اے شوخ بیکس ہو کے روئے گا
اگر اُگتے رہے اپنے نا امیدی داغ ایسے ہی تو کاہے کو کوئی تخم تمنا دل میں بووے گا
جو ایسے شور سے روتا رہے گا میرؔ تو شب کو نہ سونے دے گا ہمسایوں کو ٹک نے آپ سووے گا

ناسور پھونک پھونک کے بھیجو خبر ہے شرط ہے آپ داغ کو چہ زخم کہن میں آب

رہ گیا دیکھ کے تجھ چشم پہ یہ سطر مژہ ساقیا یوں کو پڑھے تھے ہیں خط جام بہت

سیر گر کثرت عالم کی میری جاں کہ پھر تن تنہا ہے تو اور کنج مزار آخر کار
ابتدا ہی میں محبت کی ہوئے ہم تو تمام ہوتا ہو گا ابھی کچھ عشق میں یار آخر کار

ہجراں کی شب ہے مجھ کو گلہ نہیں کہ ان نے بھی دیکھی نہیں ہے خواب میں آنکھوں کبھی سحر

گزری نہ پار عرش کی تسکیں ہو مجھے افسوس میری آہ رہی نارسا ہنوز

خاک میں تھے وہ طفلِ اشک اس بن چشم ہے جس کا گاہوارہ ہنوز

دست و پا کتنے میں رہتے ہی نہیں ہیں شب میں   راہرو ماندے بہت ہو جاتے ہیں منزل کے پاس

ایک دم بھر برسوں یک کینہ   یوں ہی گزری ہے اپنی اس کی ہمیش

دُور والوں کو بھی نہ پہنچے ہم   یہی نہ تم سے ہیں مگر نزدیک

گئے دن گرچہ رونے کے پر اب بھی   بکا کرتے ہیں ہم دو دو پہر تک

جب جا پھنسا کہیں تو ہمیں یہاں ہوتی خبر   رکھتا ہے کون دل تری اتنی خبر کہ ہم

جس پہ کرتے ہو سدا جور و جفا میں ہی ہوں   پھر بھی جس کو ہے گماں تم سے وفا میں ہی ہوں

جنوں جیب سے ہے اس کا دشمن ہلا ناصح   تو کب سے ہوا دوستدار گریباں

بحث کرتا ہوں ہو کے ابجد خواں   کس قدر بے حساب کرتا ہوں

گئے وے دن کہ آنسو آتے تھے میرؔ   جھمکتا ہے لہو اب چشم نم میں

خواب خوش سحر سے شوخ تجھ کو صبا جگا گئی   مجھ کو عبث ہے بے دماغ میں نے تو کچھ کہا نہیں

خوب پہچانتا ہوں اس کے تئیں   اتنا بھی تو میں بے شعور نہیں

رات سے آنسو جو کچھ آتے تھے سو گلگوں نہیں   غالباً دل میں جگر مطلقاً اب خوں نہیں
گاہ گاہے دردمند عشق کرتے ہیں نمود   خاک اگر اب سر میں ڈالے دشت تو مجنوں نہیں

ذلیں حرف جنوں میری ہوا آئیں عجب مت کر   نہ ہو گر حلقۂ در خانۂ زنجیر سازاں کو

گل وسیرو چمن گڑ جانے کی مت سیر گلشن کر   ملامت خاک میں ان باغ کی رعنا جواناں کو

تب ٹھکانے لگی ہماری خاک   جب تیرے آستاں پر آتے

نہیں سُوجھتا کچھ اب اُس بن ہمیں   بغیر اس کے رہتے ہیں ہم گور سے

دیکھتے پھرتے ہیں مونہہ سب کے سحر آئینے   جلوہ گر ہو کہ یہ تجھ شوق میں حیران ہوتے

اٹھایا ہاتھ سب اسباب سے یہ تہمت کے   فقیر ہونے پہ ہم نے بھی خرچ دولت کی

کس مشکل سے احوال کہوں جا کے الٰہی   صورت سے مری جی ہیں وہ بیزار نہ ہوتے

کچھ تو کہے گا ہم کو خاموش دیکھ کر وہ   اس بات کے لیے اب چپ ہی رہا کریں گے

. . . . . . گر روزِ محشر پہنچا   ہر سمت تجھ گلی کی محشر ہوا کریں گے

ہر چند کہ ان ترکوں میں ہو جلد مرا جی   ہر کام میں ملنے کی یہ تاخیر کریں گے

کیا فکر ملک گیری میں تھی جو پیش ازیں   ان میں سے تو ہی دیکھ جہاندار کون ہے
عرض وفا ہے میر عبث شوق دہر میں   یاں ایسی جنس بد کا خریدار کون ہے

ذوق اس کے وصال کا میرے   ننگے سر تا بہ گور آیا ہے
بوجھ اٹھاتا ہوں ضعف کا شاید   ہاتھ پاؤں میں زور آیا ہے

داغ فراق و حسرت وصل آرزوئے دید   کیا کیا لیے گئے ترے عاشق جہان سے
کینہ کے مرے کوئی نہ چاہے گا تجھ سے داد   میں کہہ مروں گا اپنے ہر اک مہربان سے

قیامت میں میں رہیں جان پر محبت سے — لگی تھی آگ مرے دل کی کیسے ساعت سے
چڑھا ہے مونھ پہ نیر سے مہ تو تیرو طالع تھا — ہُوا ہے چہرہ اگر آفتاب شامت سے
گدھے پہ چڑھ کے پھرا ہو گا کعبہ میں سچ ہے — بعید کچھ نہیں ہے شیخ کی حماقت سے

نسخۂ آصفیہ مثنوی در بیان کدخدائی نواب آصف الدولہ کے اختتام میں نو شعر کی ایک غزل ہے جو ذیل کے شعر سے شروع ہوتی ہے :-

موسم ابر ہے سبو بھی ہو
گل ہو گلشن ہو ایک تو بھی ہو

نسخۂ کلکتہ ص ۹۷۶ میں اس غزل کے صرف سات شعر ہیں۔ مقطع یوں ہے :-

دل تمنا کدہ تو ہے پر میرؔ
ہو تو اس کی ہی آرزو بھی ہو

نسخۂ آصفیہ میں یہ شعر اس طرح درج ہے :-

دل تمنا کدہ تو ہیں پر یاں
ہو تو تیری ہی آرزو بھی ہو

ذیل کے یہ دو شعر غیر مطبوعہ ہیں :-

پا سکے اس کمر کو دست شوق — جو نمودار ایک مو بھی ہو
مُردِ کشِ تیر ہوں پہ نا شاعر — جب انھیں دل سے آبرو بھی ہو

قصیدہ در مدح حضرت علی علیہ السلام

کب تلک نوش کروں جام لہو کا ہر صبح — تا کھنچوں ہر ایک شام بے اندوہ و گسل

در مدح بادشاہ ہندوستان

ہے بس شاہد حال رنگ شکستہ — جو دل میں ہے سو میرے مونھ پر عیاں ہے

انڈیا آفس لائبریری لندن[1]

۶- **دیوان میر** - سال کتابت ۱۲۴۳ھ (مطابق ۱۸۲۷ء)
نمبر مخطوطہ ۷، سائز ۶×۸، اوراق ۲۲۰، سطر ۱۲، خط نستعلیق

آغاز: ؎
تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

دیوان کا پہلا ورق غائب ہے۔ ابتدا میں قصائد اور رباعیات، ۳۰ اوراق کو محیط ہیں۔

ترقیمہ: "تمام شد دیوان اوّل میر تقی در ساعت مسعود زمان محمود روز سہ شنبہ بتاریخ سیزدہم شہر محرم ۱۲۴۳ھ بدستخط احمد علی خاں برائے خود۔"

○

برٹش میوزیم لندن[2]

۷- **دیوان میر**
نمبر مخطوطہ ۶۲، اوراق ۲۲۶، سائز ۶½×۱۰، سطر ۱۹، خط نستعلیق، حاشیہ پر جدول کھنچی ہے۔

آغاز: ؎
تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

غزلیات کے علاوہ دیوان میں مطلعات، رباعیات اور پھر کچھ فارسی غزلیں ہیں۔ اس کے بعد مخمسات، ترکیب بند، ترجیع بند، مسدسات اور آخر میں ورق ۱۶۹ سے مثنویاں ہیں۔

۱- مثنوی اژدر نامہ ورق ۱۶۹ الف

ابتدا: ؎
یہ موذی کئی تا خبر دار فن
نئی ناگنیں جن کے ٹیکوں پہ پھن

۲- مثنوی جوشش عشق

ابتدا: ؎
ضبط کروں میں کب تک آہ اب
چل اے خامہ بسم اللہ اب

---

[1] ہندوستانی مخطوطات کی فہرست ص ۸۵ بلوم ہارٹ [2] فہرست مخطوطات ص ۳۲ بلوم ہارٹ مطبوعہ ۱۸۹۹ء

۳۔ مثنوی دریائے عشق[1]

ابتدا :۔ عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال
ہر جگہ اس کی ایک نئی ہے چال

مثنوی کے ساتھ یہ عبارت بھی درج ہے:

"عشق یعنی محبت مفرط در بیان ایں ملکۂ فاضلہ"

۴۔ اعجاز عشق (مخطوطہ میں یہ بغیر عنوان کے ہے)

ابتدا :۔ ثنائے جہاں آفریں ہے محال
زباں اس میں جنبش کرے کیا مجال

۵۔ شعلۂ عشق[2]

ابتدا :۔ محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور
نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

دیوان کے ورق ۲ الف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے اسے دلّی میں ۱۲ اپریل ۱۸۶۳ء کو کرنل ہملٹن اسپیشل کمشنر دلی کے لیے نقل کیا تھا۔

کاتب سید زین الدین ساکن امروہہ ضلع مراد آباد

○

---

[1] اس مثنوی کو ڈبلیو کارمیکل سمتھ نے لندن سے ۱۸۲۰ء میں غلطی سے شعلۂ عشق کے نام سے رومن زبان میں شائع کیا تھا۔ بعد میں گارساں دتاسی نے اس کا ترجمہ اسی غلط عنوان سے فرانسیسی زبان میں ۱۸۲۶ء میں پیرس میں کیا تھا۔ دریائے عشق کے چار نسخے کتب خانہ سالار جنگ میں ہیں۔ ان میں سے ایک کی کتابت ۱۲۱۵ھ کی ہے۔ [2] شعلۂ عشق، دریائے عشق اور اعجاز عشق لکھنؤ اور کانپور میں بالترتیب ۱۲۶۲ھ اور ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی ہیں۔ راقم الحروف کو مثنوی شعلۂ عشق کا ایک مطبوعہ نسخہ ۱۲۵۹ھ کا کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد میں دستیاب ہوا جو مصطفائی پریس میں چھپا تھا۔ اس کے آخری صفحے پر ترقیمہ کی یہ عبارت مندرج ہے:

"ترقیمہ۔ الحمد للہ کہ مثنوی شعلۂ شوق (کذا) من تصنیف میر تقی مرحوم بتاریخ غرۂ شعبان ۱۲۵۹ ہجری باتمام محمد مصطفیٰ خاں ولد حاجی محمد روشن خاں ... در مطبع مصطفائی واقع بیت السلطنت، لکھنؤ زیر اکبری دروازہ محلہ محمود نگر حلیۂ طبع پوشیدہ"

مثنوی کے آخری صفحہ پر مسجد آصف الدولہ، آصفی امام باڑہ، رومی دروازہ، مسجد ٹیلہ شاہ پیر محمد مرحوم، امام باڑہ بھوانی مہرا، مسجد جانب پیر بخارا وغیرہ عمارتوں کا نقشہ ہے۔ رومی دروازہ سے چوک کا راستہ بھی دکھایا گیا ہے۔ جانب شمال دریائے گومتی ہے جس میں کشتیاں بھی ہیں۔ نقشہ پر یہ عبارت ہے:

"نقشہ نوشتہ مرزا علی بخش نقاش در مطبع میر حسن رضوی طبع شد در ۱۲۵۹ ہجری (نبوی صلعم) مطابق ۱۸۴۳ء"

۸۔ دیوانِ میر (مخطوطہ برٹش میوزیم)

نمبر مخطوطہ ۹۲ ، اوراق ۴۰۴ ، سائز ½۷ × ۱۲ ، سطر ۱۱ ، خط نستعلیق

سالِ کتابت ۲۶ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ مطابق یکم مئی ۱۸۱۰ء و ۲۲ محرم ۱۲۲۷ھ مطابق ۶ فروری ۱۸۱۲ء کلیات میں میر کے صرف پانچ دیوان ہیں۔ یعنی دیوان دوم ، دیوان سوم ، دیوان چہارم ، دیوان پنجم ، دیوان ششم ، تفصیل درج ذیل ہے :

۱۔ یہ نسخۂ کلکتہ کا دیوان دوم ہے اور اس کی ابتدا نسخۂ کلکتہ میں ۲۵۵ سے ہوتی ہے۔

آغاز : ؎
ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی سے اس کے لیے کائنات کا

اس کے بعد ورق ۵۰ سے رباعیات ، ورق ۸۰ الف سے ہفت بند ، مخمسات اور ترجیع بند ، ورق ۹۲ الف سے مثنویات ، ۹۰ الف سے مسدسات اور پھر مخمسات ورق ۱۲۴ الف سے ورق ۱۳۲ الف تک ہیں۔

۲۔ یہ نسخۂ کلکتہ ص ۳۲۰ کا دیوان سوم ہے۔

ابتدا : ؎
میرے مالک نے میرے حق میں تو احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

اس کے بعد ورق ۱۹۲ ب پر کچھ رباعیات ہیں اور پھر ورق ۱۹۳ الف سے کچھ مثنویاں اور مرثیے شروع ہوتے ہیں۔ اس دیوان کے آخر میں تاریخ کتابت ۲۶ ربیع الاول ۱۲۲۵ھ مرقوم ہے۔

۳۔ اس کا آغاز ورق ۲۲۳ ب سے ہوتا ہے اور یہ نسخۂ کلکتہ کا دیوانِ چہارم ہے جو ص ۴۱۱ سے شروع ہوتا ہے۔

ابتدا : ؎
دل رفتۂ کمال ہے اس ذوالجلال کا
مستجمع جمیع صفات و کمال کا

اس کے بعد ورق ۲۰۸ ب سے چند رباعیات ، پھر قطعات ، ترکیب بند اور ایک قصیدہ ہے۔ ورق ۲۸۲ ب سے ۲۹۵ الف تک مثنویاں ہیں۔

۴۔ یہ دیوان ورق ۲۹۵ ب سے شروع ہوتا ہے اور نسخۂ کلکتہ کا دیوان ششم ہے جو صفحہ ۸۰۰ سے شروع ہوتا ہے۔

آغاز : ؎
فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا

اس کے بعد چند رباعیات ، قطعات اور ایک مثنوی ہے۔

۵۔ یہ ورق ۳۴۵ ب سے شروع ہوتا ہے اور نسخۂ کلکتہ کا دیوان چہارم ہے جو صفحہ ۵۲۸ سے شروع ہوتا ہے۔

ابتدا : ؎
کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یہاں نام ہے خدا کا

غزلوں کے بعد ورق ۳۹۱ ب سے رباعیاں اور مثنویاں شروع ہوتی ہیں۔ اس دیوان کے آخر میں تاریخ کتابت ۲۲ محرم ۱۲۲۷ ہجری (۶ فروری ۱۸۱۲ء) درج ہے۔

O

کتب خانہ دار العلوم ندوہ لکھنؤ

۹۔ کلیاتِ میرؔ

سائز ۸ × ۱۲، سطر ۱۵

یہ کلیات میرؔ کے دیوان دوم اور دیوان ششم پر مشتمل ہے۔ دیوان دوم میں ردیف وار غزلیں، رباعیاں اور حسب ذیل مثنویاں ہیں:

۱۔ مثنوی دروغ نامہ	۲۔ مثنوی در بیان شدائد سفر
۳۔ مثنوی در ذکر میمون	۴۔ مثنوی گربہ
۵۔ مثنوی در ہجو خانہ خود	۶۔ مثنوی مسمّٰی بہ معاملات عشق

مثنویوں کے بعد واسوخت، مخمسات، مخمس در ہجو بلاس رائے اور پھر قصیدہ در مدح نواب آصف الدولہ، مثنوی در ہجو شخص ہیچ مداں کہ دعوٰی ہمہ دانی داشت، ہفت بند فی المنقبت، مخمس در مدح حضرت علی، مسدس در منقبت حضرت علی، مخمس در منقبت حضرت علی، منقبت مخمس در مدح حضرت علی، مسدس در نعت، منقبت مخمس، ترجیع بند در منقبت۔

دیوان دوم کی ابتدا ذیل کے شعر سے ہوتی ہے:

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

خاتمہ:

شان سے کہتے ہیں محیط کل　　قدرے سے قادر و خدائے قدیر
تو موالی علی پرست نصیر　　چاہے سو ہم کو کہہ لے اپنے تیر

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

دیوان دوم کے بعد دیوان ششم ہے اس میں صرف ردیف وار غزلیں ہیں۔

ابتدا:

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا　　نظر میں اس کو تو بھی میں نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے　　قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا

خاتمہ :-

سہل وہ آشنا نہیں ہوتا   دیر میں اس کو کوئی یار کرے
کنج میں دام کے ہوں شاید   صید لاغر کو بھی شکار کرے
کبھو سچے بھی ہو کوئی کب تک   جھوٹے وعدوں کو اعتبار کرے

پھول کیا میرؔ جس کو وہ محبوب
سر چڑھاوے گلے کا ہار کرے

ترقیمہ : "دیوان میر تقی صاحب بتاریخ بستم شہر ذی الحجہ ۱۲۴۵ ہجری (مطابق ۲ مئی ۱۸۲۹ء) وقت .... اتمام پذیرفت بخطِ بدخط بندہ جانکی پرشاد عرف کپو لعل قوم کالیستھ اشرف آباد۔"

O

۱۰۔ کلیاتِ میرؔ (مُدوّہ)

مخطوطہ نمبر ۵۸۹ ، سائز ۶″×۱۰½″ ، سطر ۲۰ ، سالِ کتابت ۱۲۲۸ھ

ابتدا میں قصائد و نعت وغیرہ ہیں۔

آغاز :-

جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل   رنگ گل جھمکے ہے ہر پات ہرے کے اوجل
وقت وہ ہے کہ زبس شوق سے چشم بلبل   خوبی دلکش گل دیکھنے کو ہو احول

یہ قصیدے ۸ اوراق پر مشتمل ہیں اور حضرت علیؓ ، امام حسینؑ اور نواب آصف الدولہ کی تعریف میں ہیں۔ قصائد کے بعد دواوین شروع ہوتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے :

<u>دیوان اوّل</u>

آغاز :-

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا   خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا
ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا   پیدا ہر ایک نالے سے شور نشور تھا

یہ دیوان ۱۲۱ ب ورق پر ختم ہوتا ہے۔

خاتمہ :-

کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں رہی   لکھتا ہوں تو چھپے ہے کتابت بھی بھی
سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے   چلا ہے یار کے کوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے

اس کے بعد ترقیمہ کی یہ عبارت ہے :

"تمام شد دیوان اول میر تقی عفی اللہ عنہ ۱۳ جمادی الاول ۱۲۳۸ھ مطابق ۲۶ جنوری ۱۸۲۳ء یوم یک شنبہ"

دیوان دوم ۹۱ اوراق پر مشتمل ہے۔

ابتدا:۔

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

خاتمہ:۔

ویسا بجا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے
چلتا پھرتا کبھو اس پاس بھی جا نکلے ہے

ترقیمہ:

تمت دیوان دوم بعونہ تعالیٰ بتاریخ ۱۹ جمادی الاول

دیوان سوم

ابتدا:۔

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

خاتمہ:۔

مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں
لوگ وے پل مارتے کیدھر گئے

تمام شد، تمت دیوان سیوم میر تقی صاحب

دیوان چہارم

ابتدا:۔ کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یہاں نام ہے خدا کا

خاتمہ:۔

خالی ہاتھ رہیۓ ایسے کاہے کو تھے گریہ کناں — جن روزوں درویش ہوئے تھے پاس ہمارے دولت تھی
جو اٹھتا ہے یہاں سے بگولا ہم سا ہے آوارہ کوئی — اس وادی میں میر مگر سرگشتہ کسو کی تربت ہے

تمت بعون تعالیٰ دیوان چہارم میر تقی میر

دیوان پنجم

ابتدا: دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا — مستجمع جمیع صفات و کمال کا
ادراک کو ہے ذاتِ مقدس میں دخل کیا — اودھر نہیں گزرا گمان و خیال کا

خاتمہ: یہی عشق ہے جی کھپا جاتا ہے — کہ جاناں سے جی بھی بلا جاتا ہے
بدی میں بھی کچھ خوبی ہووے گی تب تو — برا کرنے کو وہ بھلا جاتا ہے

ترقیمہ: "تمام شد دیوان پنجم من تصنیف میر تقی عفی اللہ عنہ بتاریخ ہیجدہم جمادی الاول ۱۲۳۸ھ
مطابق ۳۰ جنوری ۱۸۲۳ء یوم جمعہ"

دیوان ششم

ابتدا: –

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا — نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا
زمانے میں مرے شور جنوں نے — قیامت کا سا ہنگامہ اٹھایا

خاتمہ: –

صوم و صلوٰۃ یکسو میخانے میں جو تھے ہم — آواز بھی نہ آتی کانوں میں یاں اذاں کی
جب سامنے گئے ہم، ہم نے لیے تمادی — شکل ان نے دیکھتے ہی غصہ کیا زباں کی

دیکھیں تو میر کیوں کر ہجراں میں ہم جئے ہیں
ہے اضطراب دل کا بے طاقتی ہے جاں کی

ترقیمہ: "تمت دیوان ششم میر تقی علیہ الرحمۃ بتاریخ بیست و دوم جمادی الآخر ۱۲۳۸ھ"

دیوان ششم کے بعد ۵ اوراق میں مثنویاں ہیں۔ ان کے بعد مزید ۵۵ اوراق میں فردیات، رباعیات، ترکیب بند، مخمسات، مناقب اور قصیدہ در مدح آصف الدولہ ہے۔ کلیات کا خاتمہ "در ہجو خواجہ سرائے" پر ہوتا ہے۔

خاتمہ: –

نسبت پا مرے سے ہے کیا پوچھ مت — اپنی طرف دیکھ تو ٹک تیرہ فام[1]
خوجے کے اپنے ہی سے کرلے قیاس — ریش کجا خایہ کجا اے غلام

---

[1] نسخے کے ورق ۵۵ ب میں شعر یوں ہے: –

اپنی طرف دیکھ تو ٹک تیرہ فام
ریش کجا خایہ کجا اے غلام

سمجھے نہ سمجھے تو مرے خایہ سے   میں تو نظیر اس کی کہی السلام

○

کتب خانہ سید مسعود حسن رضوی ادیب

۱۱ - دیوان میر

یہ میر کا دیوان اول ہے - ابتدا میں سادہ ورق پر ۲۷ رجب ۱۲۴۱ھ مطابق ، مارچ ۱۸۲۵ء کی تاریخ درج ہے - یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ تاریخ کس سلسلہ میں درج ہے - پھر اس کے بعد آغاز دیوان میں یہ مُہر ہے :

صولت جنگ بہادر
الملک احمد علی خان ۱۲۱۳ ہجری
شمس الدولہ نجم

بیچ میں دوسری مہر اس طرح ہے :

شجاعت
جنگ
علیخان بہادر
جلال الدولہ مہد

مُہر کے بعد اس مثنوی کا آغاز ہے : ؎

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
اوس طرح ہم پہ خانہ زنداں ہے

دیوان میں مراثی کی ابتدا میں بھی جلال الدولہ کی مہر ہے - پھر یہ مرثیہ شروع ہوتا ہے : ؎

پھر کیا یہ دھوم ہے کہ جہاں ہے سیہ تمام
پھر کیا یہ ماجرا ہے کہ ہے صبح جیسی شام

ذیل کے سلام کی ابتداء میں شمس الدولہ کی ایک اور مُہر ہے :

السلام اے راز دار داور جاں آفریں
السلام اے لامکاں کے حاکم مسند نشیں

دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے : ؎

تھا مستعار حُسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

اور خاتمۂ دیوان غزلیات کے ان اشعار پر: ؎

نالوں سے میری رات کے غافل نہ رہا کر   اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے
گر دل بھی ہے مضطرب الحال تو اے میر   ہم زیر زمیں بھی بہت آرام کریں گے
میرا خون پختہ خوں ثابت کرے گا   کنارے بیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا

وصیت میر نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

دیوان میں غزلوں کے بعد فردیات، قصیدے اور مثنویاں ہیں بعض غزلوں میں دیگر نسخوں کے مقابلے میں اشعار کی تعداد نسبتاً کچھ کم ہے۔ مثلاً ذیل کی غزل میں نسخۂ کلکتہ اور دوسرے قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد سات ہے۔ ؎

محبت کا جب زور بازار ہو گا
بکیں گے سر اور کم خریدار ہو گا

لیکن اس دیوان میں کل پانچ شعر ہیں۔ ذیل کے دو شعر نہیں ملتے ہیں: ؎

یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا   قیامت کو کس کس سے خوندار ہو گا
عجب شیخ جی کی ہے شکل و شمائل   ملے گا تو صورت سے بیزار ہو گا

دیوان میں بعض مقامات پر کاتب سے تخلص چھوٹ گیا ہے۔ غالباً سرخ روشنائی سے لکھنا بھول گیا ہے۔ دیوان میں متعدد مراثی بھی ہیں۔

○

۱۲۔ دیوان میر مخطوطہ لکھنؤ یونیورسٹی

لکھنؤ یونیورسٹی کے کتب خانے میں میر کے تین دیوان قلمی ہیں۔ کسی دیوان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ دیوان اول کی ابتدا میں قصیدے ہیں اور پھر غزلیں شروع ہوتی ہیں۔

ابتدا: ؎

جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل
رنگ گل جھمکے ہے ہر پات ہرے کے اوجھل

خاتمہ: ؎

کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں ہمیں   رکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت بہی بہی

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج آتا ہے　　　چلا ہے یار گوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے

○

۱۳۔ دیوان دوم

ابتدا: سے

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

خاتمہ: سے

ویسا بجا نہیں دل میرؔ کا جو رہ نہ سکے
چلنا پھرنا کبھو آتے پاس بھی جا نکلے ہے

○

۱۴۔ دیوان سوم

ابتدا: سے

مرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

خاتمہ: سے

دست افشاں پاے کوباں شوق میں
صومعے سے میرؔ بھی باھر گئے

○

کتب خانہ رام پور[1]

۱۵۔ کلیات میرؔ

رامپور کے رضا کتب خانے میں کلیاتِ میرؔ کا ایک نادر مخطوطہ ہے۔ اس میں نکات الشعراؔ کے علاوہ ان کی نظم و نثر کا سارا کام دیوان اردو ۱۔ ۶ تک، دیوان فارسی، فیض میرؔ اور ذکر میرؔ شامل ہے۔

تعداد اوراق ۸۲۴، فی صفحہ ۱۷ سطریں۔

---

[1] کلیاتِ میرؔ کا ایک نادر نسخہ (میرؔ نمبر ص ۳۶۷) امتیاز علی عرشی

دیوان اول کے خاتمے پر ترقیمہ کی یہ عبارت درج ہے:

"دیوان اول من تصنیف میر محمد تقی صاحب بتاریخ بیست و ہفتم شہر رمضان سنہ یک ہزار و دو صد و چہل و پنج ہجری بخط بدربط فقیر پُر تقصیر بندہ شیخ لطف علی حیدری، حسب فرمائش مرزا صاحب کرم گستر مرزا قنبر علی دام اشفاقہ اختتام پذیرفت"

کلیات کے آخری ورق پر لکھا ہے:

"الحمد للہ کہ بفضل ایزد مستعان و عنایات ائمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ کلیات میر محمد تقی صاحب غفر اللہ ذنوبہ بتاریخ سلخ شہر رمضان المبارک سنہ یک ہزار و دو و چہل و شش ہجری بروز دوشنبہ یک پاس روز باقی ماندہ از خط بدربط احقر العباد شیخ لطف علی حیدری بپاس خاطر و فرمائش مرزا قنبر علی صاحب زاد اشفاقہ صورت اختتام پذیرفت۔"

مخطوطہ میں پہلے تین دیوان کے بعض مصرعوں اور شعروں کی تشریح اور متبادل الفاظ مندرج ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں ایک مثنوی بعنوان "مثنوی در ہجو نا اہل مستی بہ زبان زد عالم" درج ہے۔ اس نسخہ میں اس کا عنوان ہے: "مثنوی در ہجو محمد بقا"۔ شارح نے اس کے مقابل لکھا ہے "شاعر بود"۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بقاؔ اللہ بقا کی ہجو میں ہوگی۔

مثنوی در ہجو شاعراں میں یہ شعر زاید ہے:؎

غضب ہے کہ کھینچا ہے ٹڈوں نے سر
نکالے ہیں دو چار چینٹوں نے سر

مثنوی در ہجو آئینہ دار میں یہ شعر زیادہ ہے:؎

چھیڑیں نہ مجھ خاطر افسردہ کو
مردہ بلکا جھانٹ اکھاڑے سے نہ ہو

کلیات میں مثنوی دریائے عشق کی فارسی نثر بھی موجود ہے۔ ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

"عشق، یعنی محبت مفرط، در بیان ایں ملکہ فاضلہ کہ ہیچ موجودی ازاں خالی نیست، زبان دراز قلم قاصر است، اگرچہ ہر فرد کامل انسان دخل مادارد، حالات عشق انواع ست۔"

○

کُتب خانہ راجہ محمود آباد

راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں دیوان میرؔ کے کئی نادر اور نایاب نسخے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۶۔ دیوانِ میرؔ

سائز ۸" × ۱۲"، سطر ۱۳، خطِ نستعلیق، نمبر مخطوطہ ۹۴

اس نسخے میں میرؔ کے قصیدے اور ردیف وار غزلیں ہیں۔ ابتدا کے ۱۴ اوراق میں قصائد اور مناقب ہیں۔

لے علیم (ادارہ)

آغاز قصیدہ در منقبت: ؎

جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل
رنگ گل دیکھے ہے ہر پات ہرے کے اوجل

قصائد کے بعد دیوان کی ابتدا درج ذیل شعر سے ہوتی ہے: ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

خاتمہ: ؎

کیا خط لکھوں میں ہونے سے فرصت نہیں کبھی — لکھتا ہوں تو پھرے ہے کتابت یہی یہی
سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے — چلا ہے یار کے کوچے کو پھر مجھ سے چھپاتا ہے

۱۷۔ دیوانِ میر

مخطوطہ ۵، سائز ۸ × ۱۲، سطریں ۱۷

یہ میر کا دیوان اول ہے۔ تفصیل یہ ہے:

غزلیات	فردیات	رباعیات	مثلث	ترکیب بند	مسدس	مخمس	مثنوی	حکایات	مراثی
۵۶۲	۶۰	۵۹	۲۶	۷	۴	۹	۱۲	۳	۹

ہفت بند	مسدس در منقبت امیر المومنین	مخمس در منقبت	ترجیع بند	قصیدہ
۷	۲	۷	۱	۱

آغاز: ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

دیوان کا خاتمہ "مثنوی در ہجو شخصے ہیچداں کہ دعوئ ہمہ دانی داشت" کے ان اشعار پر ہوتا ہے: ؎

جو جو ہوتے ہیں چرخ سے مجھ پر ستم مدام — جیتا رہا تو میر کروں گا گلے تمام
اپنی تو بد زبانی نہ تھی خامے کا شعار — پر یہ بھی ہے جریدۂ عالم میں یادگار

اس نسخہ میں درج ذیل مرثیہ

"حیدر کا جگر پارہ وہ فاطمہ کا پیارا"

کا یہ آٹھواں بند غیر مطبوعہ ہے: ؎

تھے خیمہ نشیں جتنے بے پردہ سو ہو بیٹھے   پھر سر کی ردائیں بھی اس دشت میں کھو بیٹھے
برباد گئی عزت و ناموس کو رو بیٹھے   اس درد کو وہ پہنچے اس طور سے جو بیٹھے
وارث کے ہوتے کوئی کرتا نہیں بیداری
اس ظلم کے ہوں جا کر کس کے کنے فریادی

○

۱۸۔ دیوان دوم

نمبر مخطوطہ ۵۱، سائز ۸″×۱۲″، سطریں ۱۷

دیوان کی تفصیل یہ ہے:

غزلیات	رباعیات	مذمت کذب	حکایات	مذمت خانۂ خود	عشقنامہ	مخمس	مسدس
۳۸۹	۳۲	۱	۴	۱	۱	۲	۱

ہجو لالہ بلاس رائے

ابتدا: ؎

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

خاتمہ: ؎

بد زبانی نہیں ہے اپنی خوب   بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب
گنگنا اس طرح کی ہے معیوب   مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب
بس قلم اب زباں اپنی سنبھال

دیوان میں ذیل کی رباعی غیر مطبوعہ ہے: ؎

کھوتے گئے ہیں بسکہ تیرے غم میں ہم   اب پاتے نہیں جاتے کبھو ہم میں ہم
سب عالم آپ میں ہیں دل خوش تجھ سے   بدنام ہوتے ایک سو عالم میں ہم

○

۱۹۔ دیوان سوم

سائز ۱۲″×۸″، سطریں ۱۷، خط نستعلیق، نمبر مخطوطہ ۵۲

غزلیات	رباعیات	مثنوی	مرثیہ مربع
۲۴۹	۴	۴	۱

ابتدا: ؎

مرے مالک نے میرے حق میں تو احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

خاتمہ: ؎

سر شہ سناں پر رکھا جائیگا ثاتا قافلہ بھی چلا جائے گا
بس اب مت لکھے کیا لکھا جائے گا زمانہ ہی اسے تیر دیگر ہے کل

○

۲۰- دیوان چہارم

مخطوطہ نمبر ۳۵، سائز ۱۲" × ۸" ، سطریں ۱۷، خط نستعلیق

غزلیات	رباعیات	ہولی (مثنوی)	بکری نامہ (مثنوی)	ساقی نامہ ہولی	مثنوی
۲۰۰	۸	۱	۱	۱	۲

ابتدا: ؎

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یہاں نانو ہے خدا کا

دیوان چہارم

مخطوطہ نمبر ۴۸۵، سائز ۶" × ۹" ، سطریں ۱۲، خط شکستہ
کتب خانے میں یہ میر کے دیوان چہارم کا دوسرا نسخہ ہے۔

ابتدا: ؎

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا
سرمایۂ توکل یہاں ناؤں ہے خدا کا

غزلیں ص ۲ سے ص ۱۳۹ تک ہیں۔ صفحہ ۱۴۰ پر "سوانح محمد تقی میر" درج ہیں پھر اس کے بعد صفحہ ۱۴۱ سے صفحہ ۱۴۳ تک رباعیاں ہیں ان کی تعداد ۹ ہے۔ صفحہ ۱۴۴ پر ہولی نامہ، صفحہ ۱۴۰ پر مثنوی بز نامہ، صفحہ ۱۵۱ پر مثنوی جگر سوز، صفحہ ۱۶۵ پر ساقی نامہ، اور اس کے بعد جنگ نامہ آصف الدولہ ہے جس میں آصف الدولہ کے فتح رامپور کی تاریخ بھی درج ہے۔ ؎

لیکہ اب ملک و مال سب نواب رہ لیتے ہیں لکھنؤ کی شتاب
سال تاریخ کا تھا مجھ کو خیال لطف کے رو سے کی ملک نے مقال
کاتب سخن گستر و جہاں استاد فتح نواب سے کر اب دل شاد
۳۰ + ۱۱۷۹ = ۱۲۰۹ ہجری

مثنوی جنگ نامہ مطبوعہ نسخۂ کلکتہ میں شامل نہیں ہے۔

یہ نسخہ مستند اور غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی ابتدا میں سادہ ورق پر میر تقی میرؔ کے جائے مدفن اور تاریخ وفات کے بارے میں مرزا محمد محسن المخاطب بہ زین الدین احمد خاں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر بھی درج ہے۔ دیوان، میرؔ کے داماد میر حسن علی تخلص تجلّی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اور یہ دیوان انھوں نے اپنی وفات (۱۷۹۹ء / ۱۲۱۴ ہجری) سے بہت پہلے نقل کیا تھا کیونکہ مصحفی نے تذکرۂ ہندی (سال تصنیف ۱۲۰۹ھ / ۱۲۰۱ھ) میں میرؔ کے چار دیوانوں کا ذکر کیا تھا اور مرزا محسن کی اس عبارت "این دیوان چہارم از آں جملہ است" سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

مرزا محمد محسن کی تحریر کے اوپر امجد علی شاہ بادشاہ (۱۲۵۸ - ۶۳ھ) کی مُہر ہے اور نیچے نصیر الدین حیدر بادشاہ اور جانِ عالم واجد علی شاہ بادشاہ کی یہ دو مُہریں ثبت ہیں:

خوش است مہر کتب خانہ سلیمان جاہ بہر کتاب مزیّن و نقش بسم اللہ ۱۲۴۴ ہجری	۱۲۶۳ھ واجد علی سلطان عالم

اس صفحے کے داہنے طرف یہ عبارت ہے:

"بتاریخ دہم ربیع الاول ۱۲۹۲ ہجری بمار سیدہ۔"

دیوان کے آخری سادہ صفحے پر بھی یہی تین مُہریں ثبت ہیں۔ امجد علی شاہ بادشاہ کی مُہر اس طرح ہے۔ بیچ میں گول دائرہ کے اندر دو مچھلیوں کے بیچ میں تاج شاہی ہے اور اس کے نیچے مُہر کی عبارت یہ ہے:

۱۲۶۰
تاج ہر مہر چوں شد مزیّن بر کتا
خاتم امجد علی شاہ زمانِ عالیجنا

مرزا محمد محسن کی پوری عبارت ذیل میں من و عن درج کی جاتی ہے:

"بروز جمعہ بستم ماہ شعبان المکرم وقت شام سنہ ۱۲۲۵ یکہزار دو صد بست و پنجم ہجری بودہ، میر محمد تقی صاحب میرؔ تخلص صاحب ایں دیوان چہارم در شہر لکھنؤ در محلہ سٹھٹی بعد سطے نہ عشرۂ عمر بجوار رحمت ایزدی پیوستند در روز شنبہ بست و یکم ماہ مذکور سنہ الیہ وقت دو پہر در اکھاڑہ بھیم کہ قبرستان مشہور است نزد قبور اقربائے خویش مدفون شدند و چہار دیوان خود را کہ ایں دیوان چہارم از آں جملہ است۔ محرر سطور محمد محسن المخاطب بہ زین الدین احمد

تجاوز اللہ عن سیئاتہ در عین حیات خویش بکمال رغبت بحل کردہ بخشیدند ۔ خدا لیش بیامرزاد ۔

حررہ محمد محسن عفی عنہ روز جمعہ بست و ہفتم ماہ شعبان سنہ الیہ

بوقت چہار گھڑی روز باقی ماندہ

ایں دیوان از دستخط میر حسن علی تجلی طاد

میر مغفور است ؎

بحررہ محمد محسن عفی عنہ

محمد تقی میر شاعر کہ بود — سلم در اتخت و تاج سخن

باقلیم معنی ز ارباب شعر — ستانندہ او بود باج سخن

ز مرگش چو بے نور شد شعر سال — نوشتم بردہ سراج سخن

۱۲۲۵ ہجری

دیگر

میر تقی استاد فن شعر

مرد و ز دنیا سوئے عدم شد

گشت چو اشعارش ہمہ بے سر

میر تقی استاد رقم شد

۶ ۲ ۲ ا ھ ۱۲۲۵ھ

دیوان غزلیات ذیل کی غیر مطبوعہ غزل پر ختم ہوتا ہے : ؎

یہ کلول نہیں ٹلتی جی پر سے اس کے — علاقہ ہوا جس کو خنجر سے اُس کے

سکھاتے ہے ہجراں کا غم دلبروں کے — اُگے پھول کانٹے ہو بستر سے اُس کے

وہ بے رحم گھر سے بھی اپنے نہ نکلا — گئیں نعشیں غم کشتوں کے در سے اُس کے

کبھو کھاوے گا آفتاب آفتابا — سحر دیر بڑھتا ہے اب گھر سے اُس کے

کہیں میر کی جلتی آنکھیں ہوں ٹھنڈی

کف پا ملو دیدہ تر سے اُس کے

نسخہ میں یہ شعر بھی غیر مطبوعہ ہے : ؎

بد کرد خوبی سے بقول میر

عیب کرنے کو بھی ہنر ہے شرط

دیوان میں دو شعر ایسے ہیں :-

ان پریوں سے لڑکوں کے جھپیٹے میں ڈل گئے　　بے ہوش و خرد جیسے پری دار ہیں ہم لوگ
در پر کسو کے جا کے کھڑے ہوں تو کھڑے ہیں　　حیرت زدۂ عشق ہیں دیوار ہیں ہم لوگ

مطبوعہ نسخوں میں یہ دونوں شعر ذیل کے شعر کی صورت میں ہے :-

ان پریوں سے لڑکوں کے جھپیٹے میں ڈل آتے
حیرت زدۂ عشق ہیں دیوار ہیں ہم لوگ

جیسا کہ اُوپر کہا جا چکا ہے کہ اس نسخہ کے بیچ میں غزلیات کے بعد "سوانح محمد تقی میر" کے عنوان سے ایک اہم تاریخی دستاویز شامل ہے ۔ یہ میر کے حالات زندگی کے بارے میں ہے ۔ اس عنوان کے تحت میر کا سنِ ولادت درج ہے اور ان کے مرض الموت اور آخری ایام اور سیرت پر اچھی خاصی روشنی پڑتی ہے ۔ راقم نے پورے صفحے کی تحریر کا فوٹو لیا ہے جو شامل کتاب ہے ۔

خاتمہ :-

سر کا جانا ہی ہر قدم ہے میر
کیا کوئی اس کی راہ پر گزرے

○

۲۱ ۔ دیوان پنجم

مخطوطہ ۵۵ ، سائز ۸" × ۱۲" ، سطریں ۱۷

دیوان کی تفصیل یہ ہے :

غزلیات	رباعیات	فردیات	ترجیع بند	قصیدہ	مثنوی
۲۵۳	۱۲	۴	۱	۱	۱

ابتدا :-

دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا　　مستجمع جمیع صفات و کمال کا
ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا　　اودھر نہیں گزرا گمان و خیال کا

دیوان کا خاتمہ مثنوی مور نامہ کے حسب ذیل اشعار پر ہوتا ہے :-

عشق سے کیا میر اتنی گفتگو　　خاک اڑادی عشق نے ہر چار سُو
درمیاں نہ کوہ نہ انبوہ ہے　　رانی کا راجہ کا اب اندوہ ہے
طائر و طاؤس و حیواں اژدہے　　سب کے کیا عشق کی کوئی کہے
یہ فسانہ تازہ کیا عالم کے بیچ　　باز ماندہ ان کے ہیں سب غم کے بیچ

اس نسخہ میں بہت سے اشعار غیر مطبوعہ ہیں جو درج ذیل ہیں :-

میرے درد دل کا تو یہ جوشش ہے   کہ عالم جوان سیہ پوش ہے
کیا رو برو اس کے کیوں آئینہ   کہ بے ہوشی اس کا دم و ہوش ہے

O

ہجر میں جان امیدوار گئی   حسرت وصل ہائے مار گئی
رنگ و بُو پر نہ بھولنا تھا تجھے   آخر اے گل تری بہار گئی

O

کیا گل کے موہنہ لگی سی شگفتہ دماغ ہے   پھولا پھرے ہے مرغ چمن باغ باغ ہے
یارب رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں   سوز دروں کی ہنسلی بدن داغ داغ ہے

O

ستم نہ کم کرو گو ہم میں دم رہے نہ رہے   بہت تم ہی رہو دنیا میں ہم رہے نہ رہے
سانجھ سے بدحالی سی کچھ ہے رات ادھر کنڈ دیکھو   قرار ہوئے اسے تو کچھ ہو نہیں ٹھہرتا مزاج اپنا (کذا)

O

حاجت بیاں کروں پر پیر و جواں کہاں   جاتی ہے آہ فکر پریشاں کہاں کہاں

O

گل گئے پھر سے آتے ہوئے نے   میرؔ صد حیف ہم گئے سو گئے

O

اڑا برگ گل کو دکھاتی ہے وادی   صبا کس طرح سے نہیں چور بادی

O

اب کی چمن میں اور ہی لاتی بہار رنگ   ایک معنیِ شگفتہ کو باندھا ہزار رنگ

رباعیات

کیا کہیے کہ فرط شوق سے جی مارے   دکھ اگلے بھلا دیے ہمارے سارے
اے میرؔ شمار دم کے کس کو ہیں حواس   اب یاد نہیں اپنے ہیں ہم پیارے

O

اے میرؔ محبت میں اذیت ہی رہی   پر ہم نے کسو سے اپنے دل کی نہ کہی

کٹ کٹ کے موا کبھے ہیں اس پر اب تک　　طور اپنا رہا یہی طرح ان کی وہی

○

کب حالت زار پر تلطف نہ کیا　　کب دیکھ میرے مونھ کو تاسف نہ کیا
مونھ کھول دیا موتے جو میں آ نکلا　　بارے میں کبھو ان نے "تکلف نہ کیا

○

آ ئے ملے عاقل و کامل سے بھی　　سائل ہوتے عالم اور جاہل سے بھی
کیا ہی نہ کہا کنھوں نے اس کا اسرار　　پوچھا خلوت میں دیر تک دل سے بھی

○

مسجد کے موذن سے گئی خواب پگاہ　　بد منظر و بد تجر تھا وہ بے راہ
مونھ دیکھ کر کراہت سے سحر میں نے کہا　　لاحول ولا قوۃ الا با للہ

○

اے میر بہت صبر کیا ہجراں میں　　اب تاب نہیں ظلم رسیدہ جاں میں
کڑھتے کڑھتے ہی ہم کہیں گے اس بن　　عشق کی کھپت کہاں انساں میں

○

اے میر محبت نہ کسو سے کہتے　　یہ روگ ہے وہ کہ جس میں جیتے مرتے
کہتے ہیں لگی آنکھ تو آرام کیا　　اس آنکھ لگی چونکتے سوتے ڈرتے

○

ہم رفتہ کسو کے جو ہوتے سر پاتے　　کیا میر کہیں سانگ بہت لاتے
حرمت عزت کی بھی نداں اپنی گئی　　رسوا ہوتے بازار میں رقصاں آتے

○

قصیدہ در منقبت (غیر مطبوعہ)

نہ ہو دیں حرف و سخن کیوں سزائے صلّ علیٰ　　مری زباں پہ ہیں وصف امیر کارکش
علو مرتبہ اس کا جہاں میں کیو نکے ہو　　بلند اس کے لیے سیکڑوں ہیں دست دعا
شکار شیر کو نکلا تو دشت خالی ہوئے　　چلے بنوں سے نکل فیل و شیر و بس کپڑا
رئیس لطف شعار و کریم مردم دار　　سخن شناس و وفا شیوہ و تمام حیا

عزیز و مقتدر و بردبار و عالم دوست　　غریب پرور و انساں انیس و خصم جفا
زباں ہوں موئے بدن تو بھی وصف کر نہ سکوں　　تمام لطف و عنایت ہے جملہ مہر و وفا
کمال یار و سراسر وقار و عزت دار　　کرم شعار و مروت مدار و دل بر جا
فراخ دامن و طالع بلند و دست کشاد　　سخا میں بہن ہے اب نام اس کا نام خدا
خراب دیر سپہری در بدر رہی آخر　　اسی کے در پہ ہوئی سیر آ کے حرص گدا
ہم کو کیا لکھوں اس کی کہ درج لعل و گہر　　گدا کو ایک صدا ہی میں سپے لطف کیا
لگا تھا ہاتھ کہیں اس کے گنج بے پایاں　　خبر ہو جب تئیں لوگوں کو ان نے بخش دیا
بیاں کیا ہے زر و سیم و سکہ کا اکثر　　کہ آگے ہمت عالی کے اس کی مال ہے کیا
سخن میں لطف کے جاں بخش عاجزاں یعنی　　زبان نرم سے لوگوں کے درد کی ہے دوا
نگاہِ مہر و عنایت شفائے رنج دلی　　حدیث مکرمت و لطف رفع درد و بلا
سلوک خلق بکو سے ہے عام کر لیکن (کذا)　　چل ہی جاتے ہے ہر دم رعایت غربا
سوار کوہ سے ہاتھی پہ ہو تو شوکت دیکھ　　شکوہ و شان بلندی رتبہ سب کا بڑا
ہوا وغا میں جو تیرہ ہو تو نشانِ برق　　چمک ہو تیغ کی اس کی فروغ جو تسما
نہ سر اٹھانے کی فرصت ہو پائمالی سے　　ہزار ہوئے حریف اس کے پیش جو دریا
سبھوں سے ربط ہے اس ہمگرہ سے بیے سلوک　　کہ ملک داروں سے اسکے تئیں ہے صلح و صفا
سوائے لطف و عنایت اسیر حسن الخلق　　رہے جو طفلی سے پیری تلک نہ ہوئے رہا
صفت حلیمی کی ہے اس رئیس میں ایسی　　کہ سن کے حرف درشت ایک فی سے کچھ نہ کہا
یہیں سے کہتے ہیں خوباں کریں ہیں سب سے خوب　　بڑوں سے بھی ہے بھلا آپ جو ہے وہ اچھا
سخن کے طول سے آزردہ ہوتے ہیں سامع　　یہ کہہ کر مطلع ثانی رہوں گا میں چپ کا

مطلع ثانی

لبوں پہ ایسے جوانمرد کی ہے مدح و ثنا　　کہ جس نے مانگا ہے جو کچھ وہی کچھ اس کو ملا
اسی کے جود سے انباں بھرے فقیروں نے　　اسی کی دولت وافر سے ہے گدا کو غنا
کھڑے ہیں قصر و محل شہر کے محلوں میں　　بنی ہے جن کی کچھ اس سے انھوں کی بیخ بنا
خدا نخواستہ بگڑے کسو سے وہ سردار　　. . . . . گرم وغا
طرف ہوتی پہ نہ معلوم ہو کر جم غفیر　　چھپاتے مونہہ کے تئیں اپنے کس طرف کو گیا

کہ قصد فتنہ و فساد اس کو تھا بیاباں سے — غبار سا جو ہوا تھا بلند محو ہوا
صفت سمند و سرنگ و کمیت کی اُس کے — نہ ہو سکے کہ یہ ہیں اپنی جنس میں یکتا
کوئی تو ان میں ہے سے خوش راہ و خوش جلو الیا — کہا ہے راکب اسے دوہیں رکھ لے دو ہیں رہا (کذا)
کسو کے چلنے میں صرصر سے تیز تر رفتار — سبک روی سے سواری ہیں کوئی جیسے صبا
کسو کی باگ جو اچکی تو پھر وہی محبوب — پری سا پیش نظر اس جگہ تھا یا اس جا
کوئی تو گرم ہوتے پر ہے نعل در آتش — نگی چلی گئیں آنکھیں گیا جو نعل نما
کوئی سواری میں رانفس کے گرم جستن تھا — زمیں تک آیا نہ سایہ پھرا میاں ہوا
قدم قدم کوئی پھرتے ہوا تھا ایسا گرم — کہ یک خیال میں آتش سے وہم جا کے لگا
الٰہی ابتق ایام وہ نہ پاوے کبھو — کہ پائمال ہی کرنا رویہ ہے اس کا
جہاں کہ خالی ہو اس جنس خانہ پرور سے — رہے عراقی و تازی سے وہ طویلہ بھرا

الٰہی اُس کے مجاں سوار اسپ و فیل
جہاں میں خصم نہ ہو دفعتاً ہو دفع بلا

O

مثنوی "ہجو عقل نام ناکسے کہ لبگان انسے تمام داشت" میں یہ ۲۵ واں شعر غیر مطبوعہ ہے، ؎

شتلب کیا کرسے ہے یہ گیتا کی چوت سے
داڑھی منڈانے بیٹھے تو کتے کی موت سے

O

۲۲۔ دیوانِ میر

مخطوطہ نمبر ۹۵، سائز "۵×"۹، صفحات ۲۷۹، سطر ۱۲، خط شکستہ

ابتداء ؎

گل و بلبل بہار میں دیکھا
ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا

خاتمہ ؎

کعبہ و بتخانہ را بیگانہ مے دانیم ما
یا درِ دل یا در میخانہ می دانیم ما

یہ میر کا دیوان اوّل ہے اور اس میں میر کا بہت سا کلام ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔ غالباً یہ نسخہ زیرِ ترتیب دیوان کی

نقل ہے۔ بعض غزلوں میں اس میں اشعار کی تعداد نسبتاً کم ہے۔ مثال کے طور پر صفحہ ۲۵۹ پر یہ غزل ہے: ؎

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
کہ میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے

اس نسخے میں غزل کے صرف ۵ شعر درج ہیں جبکہ زیرِ ترتیب دیوان میں ۱۴ شعر ہیں۔ غزلوں کے بعد ۲۴ رباعیاں ہیں۔ پھر ترکیب بند ہے جس میں صرف چار بند ہیں۔ اس کے بعد اشعار مثلث اور تضمین افراد فارسی کے بھی چند شعر ہیں۔

دیوان ناقص الآخر معلوم ہوتا ہے۔

ترقیمہ: "باتمام پیوست۔ فقط تاریخ بست و چہارم شہر رجب ۱۲۵۳ ہجری مطابق ۲۴ اکتوبر، ۱۸۳۷ء"

O

۲۳- دیوانِ میر

نمبر مخطوطہ، ۵، سائز ۸" × ۱۲"، سطر ۱۵، خط نستعلیق

یہ بہت ہی پرانا نسخہ لگتا ہے۔ تاریخِ کتابت کہیں درج نہیں ہے۔ لیکن ہاتھ لگانے سے کاغذ سُرمہ ہو جاتا ہے۔ نسخہ میرؔ کے ۶ دواوین کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں یہ عبارت ہے:

"منتخب شش دیوان میر محمد تقی دہلوی المتخلص بہ میرؔ"

ابتدا: ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

خاتمہ: ؎

آگ سی اک دل میں سلگی ہے کبھو بھڑکے تو میرؔ
دے گی میری ہڈیوں کا ڈھیر جوں ایندھن جلا

انتخاب ناقص الآخر ہے۔

O

۲۴- کلیاتِ میرؔ (نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

نمبر مخطوطہ ۴۵۲ (اردو) یونیورسٹی کلکشن

سائز ۸ × ۱۲½"، سائز متن در جدول ۵ × ۱۰"، سطر ۱۷، اوراق ۳۹۵

سالِ کتابت ۱۲۲۳ھ مطابق ۱۸۰۸ء، کاغذ دیسی چکنا، بادامی

یہ میرؔ کے پانچ دواوین کا مجموعہ ہے۔ مجموعی اوراق مکتوب ۳۹۵ ہیں، آخر میں ۹ اوراق غائب ہیں۔ جلد ساز نے اس جگہ پر

جہاں سے اوراق ساقط ہوئے بیاض الاصل سادہ ورق لگا دیا ہے۔ اگر اصل ورق ہوتے تو ۲۰۴ ورق ہوتے۔ تفصیل دواوین یہ ہے،

(الف) دیوان میرؔ۔ یہ تحریر نہیں کہ کون سا دیوان ہے۔ دراصل یہ دیوان دوم ہے۔ پہلا شعر بعد بسم اللہ یہ ہے: ؎

ہر ذی حیات کا ہے جو سبب حیات کا
نکلے ہے جی بھی اس کے لیے کائنات کا

دیوان کے آخر میں ایک ہجویہ مخمس ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے: ؎

سنیو یارو بلاس رائے کا حال
ایک لچا ہے وہ عجائب مال

آخری بند: ؎

بدزبانی نہیں ہے اتنی خوب   بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہے معیوب   مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب
بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

اس کے بعد یہ ترقیمہ درج ہے:۔

"تمام شد نسخہ دیوان میر تقی صاحب بتاریخ بست و چہارم ربیع الاول ۱۲۲۳ھ"

یہ دیوان ورق ۱۴۳ پر ختم ہوتا ہے۔ ورق ۱۴۴ الف بیاض الاصل ہے۔ صرف پیشانی پر اسی کاتب کے قلم سے تحریر ہے۔

(ب) دیوان سوم

اس کی ابتدا ورق ۱۴۴ سے ہوتی ہے۔ بعد بسم اللہ پہلا شعر یہ ہے:

میرے مالک نے میرے حق میں تو احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

دیوان ورق ۲۲۱ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے آخر میں حضرت سید الشہدا کا ایک مربع مرثیہ ہے جس کا آخری بند ذیل میں درج کیا جاتا ہے: ؎

سر شہ سنان پر رکھا جائے گا   لٹ لٹا قافلہ بھی چلا جائے گا
بس اب مت لکھے کیا لکھا جا چکا   زمانہ ہے اے میرؔ دیگر ہے کل

(ج) دیوان چہارم

ورق ۲۲۲ الف بیاض الاصل ہے۔ صرف پیشانی پر کاتب نے دیوان چہارم لکھا ہے۔ دیوان کا پہلا شعر بعد بسم اللہ یہ ہے: ؎

کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا   سرمایۂ توکل یہاں نانو ہے خدا کا

ورق ۲۹۲ الف پر یہ دیوان ختم ہوتا ہے۔ آخری غزل کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے:۔

اب کی بہار کیا گیا دریا پہ رنگ لائی　　　　یک شہر نکلے لالہ پھر اس میں ہوئی آئی
گزری جو کچھ سو گزری یاری میں دلبروں کی　　　　میر اب کسو سے تم تو کریو نہ آشنائی

(۵) دیوان پنجم

ورق ۲۹۲ ب اور ورق ۲۹۳ الف و ب بیاض الاصل ہے۔ ورق ۲۹۴ الف بھی بیاض الاصل ہے۔ لیکن اس ورق کی پیشانی پر دیوان پنجم لکھا ہے۔ دیوان کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے: ؎

دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مستجمع جمیع صفات کمال کا

ورق ۳۲۶ ساقط ہو گیا ہے۔ دیوان کا آخری ورق بھی ساقط ہو گیا ہے۔ اس لیے ناقص ہے۔ آخری شعر یہ ہے: ؎

کبھی زیر برقع کبھی گیسوؤں میں
غرض خوب وہ منہ چھپا جانتا ہے

(۶) دیوان ششم

ورق ۳۶۲ الف بیاض الاصل ہے۔ لیکن اس کی پیشانی پر کچھ نہیں تحریر کہ کون سا دیوان ہے۔ لیکن ہے تو یہ دیوان ششم ہی۔ بعد بسم اللہ دیوان کا آغاز ذیل کے شعر سے ہوتا ہے: ؎

فلک نے پیس کر سرمہ بنایا
نظر میں اس کے تو بھی میں نہ آیا

دیوان کے ورق ۳۸۵ کے بعد ۸ ورق ساقط ہو گئے ہیں یعنی ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳۔ دیوان ششم ۴۰۳ الف ورق پر ختم ہوتا ہے۔ آخر میں دو مثنویاں ہیں جن پر کوئی عنوان درج نہیں ہے۔ دونوں مثنویوں کی ابتدا اشعار ذیل سے ہوتی ہے: ؎

(۱) خدا ایک فرقے نے مانا ہے عشق　　　　کہ لفظ کل ان سب نے جانا ہے عشق
(۲) ہے غبار وادی وحدت جہاں　　　　کثرت اعیان ہو گی اب عیاں

اس کا آخری شعر یہ ہے: ؎

یہ فسانہ رہ گیا عالم کے بیچ
باز ماندہ ان کے ہیں سب غم کے بیچ

کلیات پر متعدد مُہریں اس نام کی موجود ہیں:
"جلال الدولہ مہدی علی خاں بہادر شجاعت جنگ ۱۲۱۳ ہجری"[۱]۔

---

[۱] نواب مہدی علی خاں نام، مہدی تخلص، نواب سعادت علی خاں کے بیٹے تھے۔ مفصل حالات کے لیے ریاض الفصحا صفحہ ۲۸۲ کی طرف رجوع کیجیے۔

۲۵ - دیوان میر (مخطوطہ دوم نسخہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

نمبر مخطوطہ ۱۰/۴۸۴ عبدالسلام کلکشن

سائز ۸" × ۱۲" ، متن ۵" × ۸" ، سطر ۱۰ ، اوراق ۱۴۲ ، کاغذ دیسی بادامی ، ورق اوّل پر ایک گوشہ میں یہ تحریر درج ہے :

"دیوان میر تقی"

عــــــہ

اور اسی ورق کی پیشانی پر "کات" تحریر ہے جس کے نیچے ایک مہر "خاتم" کا نشان ہے جس کو کسی نے بری طرح مٹایا ہے کہ کچھ پڑھا نہیں جاسکتا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری مُہر نہیں ہے۔ پہلا شعر بعد بسم اللہ یہ ہے : ؎

تھا مستعار حسن سے اُس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

یہ دیوان اوّل ہے۔ غزلیات کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن بھی دیوان میں ہیں۔ شروع سے آخر تک کوئی عنوان نہیں ہے۔

آخر میں ایک قطعہ ۱۲ اشعار کا ہے جس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے : ؎

ایک جو خوجہ سے ملا اک حکیم دونوں وہ آپس میں ہوئے ہمکلام
سمجھے نہ مجھے تو میرے خایہ سے میں تو نظیر اُس کی کہی و السلام

ترقیمہ : تاریخ کتابت و کاتب کا نام کہیں نہیں درج ہے۔ آخر میں صرف یہ تحریر ہے :

"تمت تمام شد ، دیوان میر تقی صاحب"

مخطوطہ سوم (نسخہ مسلم یونیورسٹی علیگڈھ)

نمبر $\frac{891655 11}{9}$ اردو احسن کلکشن

ورق ۸۲ ، سائز ۶" × ۸" ، متن ½۴" × ½۶" ، سطر ۱۴ ، ۱۵ علی الاختلاف

ترقیمہ : "تمام شد کار من نظام شد" نسخہ کلیات میر تقی کاتبہ غلط نویس غلام عیسٰی طالب علم ساکن موضع چتلہ پرگنہ جوموہا سرکار سلیم آباد متصل بہادر چکلہ بردوان ضلع ہوگلی۔ ؎

من نوشتم صرف کردم روزگار
من نمانم خط بماند یادگار"

تاریخ کتابت درج نہیں ہے۔

شعر اوّل بعد بسم اللہ : ؎

راہ عشق جور میں روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا

آخر میں ایک مثنوی بھی ہے جس کا پہلا اور آخری شعر یہ ہے :-

عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال — ہر جگہ اس کی ایک نئی ہے چال
لب پہ اب مہر خاموشی بہتر — یاں سخن کی فراموشی بہتر

یہ دیوان میر کا انتخاب معلوم ہوتا ہے اس میں کوئی مُہر ثبت نہیں ہے۔

○

۲۶ - کلیاتِ میر (نسخۂ گوالیار)

میر سید علی غمگین شاہ جہاں آبادی رنگین کے شاگرد اور میر فتح علی گردیزی مولف "تذکرہ ریختہ گویاں" کے بھتیجے تھے۔ "مکاشفات الاسرار" ان کی رباعیات کا مجموعہ ہے جو انھوں نے ساٹھ سال کی عمر میں مرتب کیا تھا۔ "مکاشفات الاسرار" کتاب کا تاریخی نام ہے جو خود مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

سائز ۸×۵ ، اوراق ۱۳۲ ، خط شکستہ

یہ کتاب راجہ صاحب محمود آباد کے کتب خانے میں اچھی حالت میں محفوظ ہے۔

دامن کوہ میں قلعہ گوالیار کے نیچے غمگین کے مزار کے قریب غمگین کا کتب خانہ ہے۔ اس میں اور کتابوں کے علاوہ کلیاتِ میر کا ایک مخطوطہ بھی ہے۔ تفصیل یہ ہے :

سائز ۸×۱۳ ، صفحات ۱۳۰۰ ، کاغذ بانس کا عمدہ زردی و سرخی مائل ، خط نستعلیق اور خوشنما ، جدول زرد و سرخ ، سالِ کتابت درج نہیں ہے۔ لیکن غمگین کی مُہر آخر میں موجود ہے۔ جس پر یہ عبارت مرقوم ہے :

"سید علی قادر القدوسی ۱۲۲۴ھ"

مخطوطے میں میر کے پانچ اور فارسی کا ایک مکمل دیوان شامل ہے۔ نثری حصے میں "ذکر میر" اور "حکایات خمسہ" شامل ہیں۔

کلیاتِ میر کے مطبوعہ نسخے

۱۔ کلیاتِ میر مطبوعہ کلکتہ ۱۸۱۱ء (نسخۂ کلکتہ)
سائز ۸×۱۱، صفحات ۱۰۰۵، سطریں ۲۱

کلیاتِ میر سب سے پہلے کلکتہ میں ۱۸۱۱ء مطابق ۱۲۲۶ ہجری میں شائع ہوا جو ۱۰۰۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نسخہ اب نایاب ہے۔ مشکل سے کسی بڑے اور پرانے کتب خانے میں ایک آدھ نسخہ موجود ہوگا۔ دارالعلوم ندوہ لکھنؤ کے کتب خانے میں ایک مکمل نسخہ موجود ہے۔ راقم الحروف نے اسی سے استفادہ کیا ہے۔ کلیات کے سرورق پر جو عبارت ہے وہ اس انداز کی ہے:

"کلیات میر تقی مدرسۂ عالیہ کے لیے نوازش تفضلات سے صاحبان عالیشان
کالج کونسل کے عہد حکومت میں زبدۂ نوئینان عظیم الشان مشیر
خاص شاہ کیواں بارگاہ انگلستان لارڈ منٹو گورنر جنرل
بہادر دام ظلہ کے حسب الارشاد کپتان ٹیلر صاحب
مدرس ہندی دام اقبالہ اور اعانت
و پرورش سے ڈاکٹر
ولیم ہنٹر صاحب
دام حشمتہ
اور عنایت و کرم سے کپتان گالوے صاحب دام ثروتہ اور مرحمت
و امداد سے کپتان تامس روبک صاحب
دام افضالہ کی بتصحیح مرزا کاظم علی جوان
اور مرزا جان طپش و مولوی محمد اسلم
و تارنی چرن متر و منشی غلام اکبر
سنہ ۱۸۱۱ عیسوی میں مطابق
سنہ ۱۲۲۶ ہجری ہندوستانی
چھاپے خانے میں چھاپا
گیا ہوا منشی

مدار بخش
کا

کلیات کی تفصیل درج ذیل ہے:
"قصائدات (کذا) در منقبت وغیرہ" صفحہ ۱ (قصیدہ در مدح حضرت علی)

ابتدا: ؎
جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل
رنگ گل چمکے ہے ہر پات ہرے کے اوجل

دوسرا قصیدہ صفحہ ۵ پر "در مدح حضرت مرتضیٰ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام"

ابتدا: ؎
اک شب کیا تھا یار تیری زلف کا خیال
اب تک ہے دشمنی میں مری مرا بال بال

تیسرا قصیدہ صفحہ ۸ "در مدح حضرت مرتضیٰ علی علیہ الصلوٰۃ والسلام"

ابتدا: ؎
غنچے ہو دل پہ آتے ہیں اندوہ اب مدام
پہنچے ہے مجھ کو داغ گل جنگ صبح و شام

چوتھا قصیدہ صفحہ ۱۰ "در مدح امام حسین علیہ الصلوٰۃ والسلام"

ابتدا: ؎
فلک کے جور و جفا نے کیا ہے مجھ کو شکار
ہزار کوس پہ ہے جائے یک تپیدن وار

اس کے بعد شاہ وقت اور نواب آصف الدولہ کی تعریف میں کچھ قصیدے ہیں جو صفحہ ۱۹ سے ۸۰ تک ہیں۔ دیوان اول صفحہ ۹۱ سے شروع ہوتا ہے۔

ابتدا: ؎
تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

دیوان دوم صفحہ ۲۵۵

ابتدا: ؎
ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اس کے لیے کائنات کا

دیوان سوم صفحہ ۴۰۴

ابتدا: ؎
میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاک ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا

دیوان چہارم صفحہ ۵۲۸

ابتدا: ؎ کرتا ہوں اللہ اللہ درویش ہوں سدا کا ——— سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا

دیوان پنجم صفحہ ۶۱۱

ابتدا: ؎ دل رفتۂ جمال ہے اس ذوالجلال کا ——— مستجمع جمیع صفات و کمال کا

دیوان ششم صفحہ ۷۰۰

ابتدا: ؎ فلک نے پیس کر سرمہ بنایا ——— نظر میں اس کی میں تو بھی نہ آیا

اس طرح یہ چھ دیوان صفحہ ۱۹ سے شروع ہو کر صفحہ ۷۶۰ پر ختم ہوتے ہیں۔ غزلیات کے بعد فردیات صفحہ ۷۶۹، تضمین مطلع خود با مطلع استاد صفحہ ۷۷۹-۷۷۶، رباعیات صفحہ ۷۸۰، مستزاد صفحہ ۷۹۵، قطع بند در منقبت امیر المومنین صفحہ ۷۹۶، مخمس در منقبت صفحہ ۷۹۹، ایضاً ترکیب بند صفحہ ۸۱۳ پھر صفحہ ۸۸۲ تک مخمسات، مسدسات، مثلث، ہفت بند وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۸۸۵ سے صفحہ ۱۰۶۹ تک مثنویاں ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

صفحہ ۸۸۵ آغاز مثنوی مسمی بہ شعلۂ عشق

ابتدا: ؎ محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور ——— نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور

صفحہ ۹۰۷، مثنوی دیگر (دریائے عشق)

ابتدا: ؎ عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال ——— ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال

صفحہ ۹۱۰ مثنوی شکار نامہ

ابتدا: ؎ چلا آصف الدولہ بہر شکار ——— نہادِ بیاباں سے اٹھا غبار

صفحہ ۹۴۶ مثنوی در بیان کتخدائی آصف الدولہ

ابتدا: ؎ ہے جہان کہن تماشا گاہ ——— آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ

صفحہ ۹۴۹ مثنوی در بیان مرغ بازاں

ابتدا: ؎ دلی سے ہم جو لکھنؤ آئے ——— گرم پر خاش مرغیاں پائے

صفحہ ۹۵۴ مثنوی دیگر در تعریف ہولی

ابتدا: ؎ ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر ——— رنگ صحبت سے عجب ہیں خرد و پیر

صفحہ ۹۵۸ مثنوی دیگر (دیوان چہارم بخط میر حسن علی تجلی میں اس کا نام مثنوی جگر سوز ہے)

ابتدا: ؎ چمن سے عنایت کے بادام دار ——— الٰہی زباں دے مجھے مغز دار

صفحہ ۹۶۷ مثنوی (دیوان چہارم میں یہ "ساقی نامہ" کے نام سے ہے)

ابتدا: ؎ آؤ ساقی شراب نوش کریں ——— شور سا ہے جہاں میں گوش کریں

صفحہ ۹۷۲ مثنوی دیگر (در بیان کذب)

ابتدا: ـــ اے جو تم آج شہر میں تیرا ہی دور ہے — شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے
صفحہ ۹۸۶ مثنوی دیگر (نسنگ نامہ)

ابتدا: ـــ پاؤ توفیق ٹک تو سر کو دھنو — یہ بھی یک سانحہ ہے تیر سنو
صفحہ ۹۸۶ مثنوی دیگر

ابتدا: ـــ تھا کسی کا بچہ اک درویش پاس — باش و بود اس کی تھی مجھ دلریش پاس
صفحہ ۹۸۷ مثنوی گربہ

ابتدا: ـــ اک بلی سوہنی تھا اس کا نام — ان نے تیر گھر کیا آخر مقام
صفحہ ۹۹۱ مثنوی در ہجو خانہ خود

ابتدا: ـــ کیا لکھوں تیر اپنے گھر کا حال — اس خرابی میں میں ہوا پامال
صفحہ ۹۹۷ مثنوی مسمی بہ معاملات عشق

ابتدا: ـــ کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق — حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق
صفحہ ۱۰۰۹ مثنویات اژدر نامہ

ابتدا: ـــ یہ موذی کئی ناخبردار فن — نئی ناگنیں جن کے ٹیکوں پہ پھن
صفحہ ۱۰۱۱ مثنوی بہ تنبیہ الجہال

ابتدا: ـــ صحبتیں جب تھیں تو یہ فنِ شریف — کسب کرتے جن کی طبیعتیں تھیں لطیف
صفحہ ۱۰۱۵ مثنوی در ہجو نااہل مسمی بزبان زد عالم

ابتدا: ـــ سنیو اے اہل سخن بعد از سلام — چھیڑتا ہے مجھ کو اک تخم حرام
صفحہ ۱۰۲۰ مثنوی در مذمت آئینہ دار

ابتدا: ـــ آج سے مجھ کو نہیں رنج و ملال — جب سے نکلے بال تب سے ہے یہ حال
صفحہ ۱۰۲۳ ہجو عاقل نام کہ بسگان انسے تمام داشت

ابتدا: ـــ اک بولچر کو رزق کی وسعت سی ہو گئی — تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہو گئی
صفحہ ۱۰۲۵ مثنوی در ہجو خانہ خود بسبب شدت باراں خراب شدہ بود

ابتدا: ـــ جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے — اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے
صفحہ ۱۰۲۷ مثنوی در تعریف سگ و گربہ کہ در خانۂ فقیر بودند و باہم ربط داشتند

ابتدا: ـــ سگ و گربہ ہیں دو ہمارے ہاں — دو ہیں قالب اور ان کی اک ہے جاں
صفحہ ۱۰۲۹ مثنوی در تعریف مادۂ سگ

ابتدا: ـــہ   ہے جو وہ مادۂ سگ تماشا ہے   دوڑ پڑنے کے وقت باشا ہے

صفحہ ۱۰۳۲ مثنوی در ہجو اکول

ابتدا: ـــہ   ایک ہے پرخور آشنا بے پیر   سینہ سوراخ جس سے ہے کفگیر

صفحہ ۱۰۳۴ مرثیہ خروس کہ در خانۂ فقیر بود

ابتدا: ـــہ   کئی برس سے ہمارے کنے تھا ایک خروس   خروس عرش کی اولاد سے وسلے افسوس

صفحہ ۱۰۳۵ در تعریف آغا رشید کہ خطاط بود بفرمائش میاں اعزالدین کہ فقیر و خوشنویس بودند

ابتدا: ـــہ   میر خطاط یک قلم دیکھے   لیکن آغا سے لوگ کم دیکھے

صفحہ ۱۰۳۶ مثنوی ساقی نامہ

ابتدا: ـــہ   ہے قابل حمد وہ سر انداز   جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز

صفحہ ۱۰۴۱ مثنوی مسمی بجوشش عشق

ابتدا: ـــہ   ضبط کروں میں کب تک آہ اب   چل اے خامے بسم اللہ اب

صفحہ ۱۰۴۹ مثنوی اعجاز عشق

ابتدا: ـــہ   ثنائے جہاں آفریں ہے محال   زباں اس میں جنبش کرے کیا مجال

صفحہ ۱۰۶۲ مثنوی مسمی بخواب و خیال زبانی درویش کہ ایں بلا برسر آمد

ابتدا: ـــہ   خوشا حال اس کا جو معدوم ہے   کہ احوال اپنا تو معلوم ہے

صفحہ ۱۰۷۰ فہرست کتاب کلیاتِ میرؔ

صفحہ ۱۰۷۴ تا ۱۰۸۵ غلط نامہ

غلط نامہ کے بعد آخری دو سطروں کی عبارت یہ ہے:

"ناظرین پر ظاہر ہو کہ جہاں جہاں مرکز کاف کے اور نقطے ٹوٹ گئے ہوں اور عبارت کے قرینے سے وے الفاظ پڑھے جاویں ان کو غلط نامہ میں داخل نہ کیا۔"

غلط نامہ کے آخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرکاری پریس کی مُہر بھی ہے جس پر یہ حروف جمی ہیں:

"FINIS"

اسی طرح دیوان ششم کے خاتمہ پر صفحہ ۸۰۶ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرکاری مہر ہے جس کے دائیں بائیں یہ حروف انگریزی میں دیے ہیں:

"DIFU ET MONDROIT".

کلیات کا خاتمہ مثنوی خواب و خیال کے ان اشعار پر ہوتا ہے: ـــہ

دکھایا نہ اس مہ نے رو خواب میں   نہ دیکھا پھر اس کو کبھو خواب میں

بہت بے خود و بے خبر ہو چکا　　ہم آغوشِ طالع بہت سو چکا
نہ دیکھا کبھو میرؔ پھر وہ جمال
وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال

اس کے بعد یہ عبارت ہے:

"بعون اللہ تعالیٰ در ساعت مسعود زمان محمود کلیات میرؔ تمام شد"

کلیات نامکمل ہے اور اس میں میرؔ کا کوئی مرثیہ موجود نہیں ہے۔

۲۔ کلیاتِ میرؔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۶۸ء (نسخۂ نولکشوری)

اس کلیات کی بنیاد نسخۂ کلکتہ پر رکھی گئی ہے۔ یہ نولکشور پریس لکھنؤ سے پہلی مرتبہ ۱۸۶۸ء میں چھپا تھا۔ اس کے بعد دوسرا اڈیشن ۱۸۷۴ء میں اور پھر کئی اڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ پہلے اڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت ہے:

کلیاتِ میرؔ

یعنی تمام نتائج افکار ندرت آثار قدوہ شعرائے اردو پیشوائے زبان آوران نغز گو میر کاروان
متاعِ معانی دلپذیر مغفرت مآب جناب میر تقی صاحب متخلص بہ میرؔ

باعانت

والا ہمم بحر کرم قیمت افزائے جواہر ثمینۂ علم و فن قدردان اجناس نفیسۂ شعر و سخن
جناب فیض مآب نواب علی بہادر صاحب سابق والی باندہ حال مقیم اندور ادام اللہ افضالہم
بترتیب تہذیب پسندیدہ کتابت و صحت چیدہ

مطبع منشی نولکشور مقام لکھنؤ میں بہ حسن اہتمام چھاپا گیا

مرتبۂ اوّل ۱۸۶۸ء

کلیات میرؔ کا یہ نسخہ جلی حروف میں ٹمن میں شائع کیا گیا۔

ابتداء ۔ جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل　　رنگ گل جھمکے ہے ہر پات ہرے کے اوجھل

خاتمہ ۔ نہ دیکھا کبھو میرؔ پھر وہ جمال　　وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال

یہ بھی نامکمل ہے اور مراثی میرؔ سے خالی ہے۔

۳۔ **کلیاتِ میر**۔ مرتبہ مولوی عبدالباری آسی۔ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ (نسخۂ آسی)

یہ منشی نولکشور پریس لکھنؤ کا جدید ترین نسخہ ہے جو ۱۹۴۱ء میں آسی کے مقدمہ و فرہنگ کے ساتھ شائع ہوا۔ اس نسخہ کو عمدہ کتابت، طباعت کے لحاظ سے نول کشور پریس کے تمام کلیاتِ میر کے نسخوں پر فوقیت حاصل ہے۔

آسی نے سابق نسخوں کے مقابلے میں اس کی ترتیب بدل دی۔ اس سلسلے میں وہ کہتے ہیں:

"چونکہ قلمی نسخوں کی ترتیب مختلف تھی اور مطبوعہ سب نسخوں کی ترتیب ایک تھی۔ ان میں ایک خاص نقص یہ تھا کہ کوئی چیز ترتیب وار نہ تھی۔ کہیں عشقیہ قصہ مثنوی اور اسی کے ساتھ ہجو اسی کے بعد مدح وغیرہ۔ لہذا ہر چیز کا ایک سلسلہ علٰحدہ قایم کر کے ہر ایک کے پہلے صفحہ میں ٹائیٹل یا لوح کی ایک صورت قایم کر دی گئی۔"

آغاز ہے

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

خاتمہ ہے

قلم رکھ دے کر میرؔ ختم کلام
تمام اپنی صحبت ہوئی والسلام

آسی نے کلیات میں میرؔ کا کچھ غیر مطبوعہ کلام بھی دریافت کر کے شائع کیا۔ یہ کلام نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ نولکشوری میں شامل نہیں ہے۔ تفصیل ذیل میں ہے:

۱۔ مثنوی در ہجو شخصے ہیچمدان کہ دعوٰی ہمہ دانی داشت[ا]	صفحہ ۵۹
۲۔ جنگ نامہ	صفحہ ۶۴
۳۔ ترجیع بند در منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ	صفحہ ۶۰
۴۔ دو غزلیں	صفحہ ۶۷

آسی یہ بھی کہتے ہیں:

"کلیاتِ میر کے ایڈیشن متعدد مرتبہ شائع ہو چکے ہیں اور سب سے پہلا چھپا ہوا وہ نسخہ ہے جو کلکتہ فورٹ ولیم کالج سے کاظم علی جواں وغیرہ کی تصحیح و نظر ثانی کے بعد غالباً میر صاحب کی زندگی ہی میں شائع ہو گیا تھا یا شائع ہونا شروع ہوا تھا۔ یہ نسخہ دُوسرے مطبوعہ نسخوں سے زیادہ صحیح ہے مگر ایسا نہیں کہ اس کو معتمد علیہ سمجھا جائے۔ اس میں اکثر جگہ قبیح غلطیاں رہ گئی ہیں۔ یہ نسخہ تصحیح کے وقت ہمارے پیش نظر تھا۔ اس کے علاوہ دُوسرا وہ نسخہ جو نول کشور پریس ہی سے ۱۸۶۷ء میں بغیر حاشیہ کے چھپا تھا۔ اس کے بعد بھی جو ایڈیشن یہاں سے چھپے وہ بھی موجود تھے۔ اس کے علاوہ دو قلمی قدیم نسخے ۱۲۴۹ ہجری کے لکھے ہوئے تھے۔ تیسرا ایک قلمی نسخہ جس میں صرف اوّل و دوم

[ا] نسخۂ ادبیات اردو حیدرآباد (کتوبہ ۱۱۹۲ھ) میں اس کا نام "مثنوی در مذمت الفضول" ہے۔

دیوان ہے جو لکھنؤ محلہ نوبستہ میں لکھا گیا تھا یہ کہ مطبع ہذا کے محفوظ نسخوں میں موجود ہے۔ وہ بھی پیشِ نظر تھا۔ مثنویات کا انتخاب بلا سر شاہ سلیمان صاحب نے شائع کیا ہے۔ ان سب نسخوں سے مقابلہ اور تصحیح کر کے ان کے علاوہ بھی دوسری جگہوں سے امداد حاصل کی گئی اور اب امید ہے کہ یہ کتاب ان تمام نسخوں سے بہتر ثابت ہوگی جو اب تک کلیات میرؔ کے نام سے شائع ہوئے ہیں۔"

مقدمہ کے بعد صفحہ ۴۰ پر منیجر نول کشور پریس کی یہ عبارت بھی قابل غور ہے:

"میرؔ کا کلیات اب تک عام طریقے سے نہایت لاپروائی کے ساتھ غلطیوں کی نذر ہوتا رہا ہے لیکن اس مرتبہ خصوصیت کے ساتھ متعدد قلمی اور سابقہ نسخوں سے اس کی تصحیح کا پورا اہتمام کیا گیا جس کو مصور درد مولوی عبدالباری آسیؔ اور جناب مولوی سید جعفر علی صاحب فاضل دیوبند نے نہایت غور و امعان نظر کے ساتھ اصل پر نظر ثانی کر کے کئی کئی مرتبہ کاپیوں اور پروفوں کو دیکھ کر صحیح کیا۔"

آسیؔ نے نسخۂ نولکشوری اور اس کے بعد کے مطبوعہ نسخوں سے زیادہ تر استفادہ کیا ہے اور بغیر کسی محنت و کاوش کے کلیات کو محض تجارتی اغراض کے لیے شائع کرایا۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ نسخۂ نولکشوری میں بعض مقامات پر غزلوں کا تکرار ہوا ہے۔ یہ تکرار نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ غزلوں کا یہ تکرار آسیؔ کے ہاں بھی ملتا ہے۔ مثال کے طور پر نسخۂ کلکتہ صفحہ ۲۰۱ دیوان دوم میں یہ تین غزلیں درج ہیں:

(۱) اے تکلی یہ تھی کہاں کی ادا — کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا

(۲) رہا میں تو عزت کا اعزاز کرتا — چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا

(۳) عید آئندہ تک رہے گا گلا — ہو چکی عید تو گلے نہ ملا

یہ غزلیں دوبارہ دیوان پنجم صفحہ ۶۱۷ - ۶۱۶ میں شائع کی گئی ہیں۔ نسخۂ آسیؔ میں یہ پہلے دیوان دوم صفحہ ۲۴۹ - ۲۴۸ میں درج ہیں اور پھر دیوان پنجم صفحہ ۵۳۷ - ۳۸ میں نقل راچہ عقل کے طور پر دوسری مرتبہ شائع کی گئی ہیں۔

راقم کی رائے میں نسخۂ آسیؔ کے مقابلے میں نسخۂ کلکتہ درست، معتبر اور مستند ہے۔ آسیؔ نے بہت سے اشعار غلط لکھے ہیں۔ میں نے زیرِ ترتیب دیوان کے حاشیہ میں اس قسم کے اشعار بھی درج کیے ہیں جو نسخۂ کلکتہ میں تو صحیح ہیں لیکن آسیؔ نے انہیں غلط لکھا ہے۔ ذیل میں چند شعر مثال کے طور پر درج کیے جاتے ہیں:

نسخۂ کلکتہ	نسخۂ آسی
غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا	غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا	دم کے جانے کا نہایت غم رہا
سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ	سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ
اس میں مجنوں کا مگر ماتم رہا	اس میں مجنوں کا وسلے ماتم رہا

یہ نسخہ بھی نامکمل اور مراثیِ میر سے خالی ہے۔

۴۔ کلیاتِ میر۔ مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی (نسخۂ بریلوی)

کلیاتِ میر کا یہ نسخہ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے اردو دنیا کراچی سے ۱۹۵۸ء میں شائع کیا ہے اور یہ لکھنؤ یونیورسٹی میں ڈی لٹ کے لیے پیش ہونے والا تھا۔

ڈاکٹر صاحب نے کلیات کے ساتھ میر کے حالاتِ زندگی اور ان کے کلام کے بارے میں موضوعوں کا ایک مبسوط مقدمہ بھی شامل کیا ہے کتاب ۱۴۵۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

ابتدا :-

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

خاتمہ فردیات کے اس شعر پر ہوتا ہے :-

چلی جاتی ہے جاں ہی اب بھلا تدبیر کیا کریے
تدادی سے مرض گزرا کہو اب میر کیا کریے

کلیات میں ڈاکٹر موصوف نے ذیل کی تین مثنویاں بھی شامل کی ہیں۔ پہلی دو مثنویاں ڈاکٹر گیان چند کی دریافت ہیں اور تیسری غالباً خواجہ احمد فاروقی کی ہے۔

۱۔ مثنوی جوان و عروس
۲۔ مور نامہ
۳۔ مثنوی کتخدائی بشن سنگھ

ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے ایک غزل صفحہ ۱۰۲ پر نقل کی ہے اور اس کے ساتھ "غزل غیر مطبوعہ" بھی لکھا ہے۔ پہلا شعر یہ ہے:

رہے عمر بھر دیکھتے سادگاں کو
یہی جینے نہیں دیتے دلدادگاں کو

ڈاکٹر صاحب کو اس غزل کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ دراصل نسخۂ آسی میں صفحہ ۱۰۹ پر "غزل غیر مطبوعہ" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کلیاتِ میر مرتب کرنے میں کوئی تحقیقی کام نہیں کیا ہے بلکہ یہ نسخۂ آسی کی ہو بہو نقل ہے۔ جو خامیاں آسی کے یہاں رہ گئی ہیں وہ سب کی سب اس میں موجود ہیں۔ مثلاً آسی کے یہاں جن اشعار کا تکرار ہوا ہے وہ تکرار ان کے نسخہ میں بھی پایا جاتا ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۱۰۴ اور صفحہ ۲۶ - ۵۲۴، یعنی دیوان دوم کی یہ غزلیں دیوان پنجم میں بھی ملتی ہیں۔ دراصل نسخۂ کلکتہ کے مرتبین سے یہ غلطی سب سے

پہلے سرزد ہوئی ہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے پیش لفظ میں بلوم ہارٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"کلیاتِ میر سب سے پہلے ۱۸۱۱ء میں فورٹ ولیم کالج نے شائع کیا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے کالج کے فاضل منشی تھے اور یہ کلکتہ کے ہندوستانی پریس میں اے، ایچ ہبرڈ (A. H. HUBBARD) کے زیرِ اہتمام ٹائپ میں چھپا تھا۔"

اس کے بعد آگے چل کر فرماتے ہیں:

"بلوم ہارٹ نے انڈیا آفس کے ہندوستانی مخطوطات کی کیٹلاگ میں کلیاتِ میر کے اسی اڈیشن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میر کا کلیات ان کی وفات کے تھوڑے ہی عرصہ بعد فورٹ ولیم کالج میں ہندوستانی کے پروفیسر کیپٹن جے۔ ڈبلیو۔ ٹیلر کی زیرِ نگرانی ۱۸۱۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کو مرتب کرنے والے منشی ترینی چرن مرزا کاظم علی جوان اور منشی غلام اکبر تھے۔ اس کے بعد لکھنؤ میں ۱۸۶۷ء اور ۱۸۷۴ء (صحیح ۱۸۶۸ء اور ۱۸۷۴ء) میں اس کے اڈیشن لیتھو میں شائع ہوئے۔ غالباً یہ وہی اڈیشن ہیں جن کو نولکشور پریس نے چھاپا تھا۔ نولکشور نے کلیاتِ میر کے متعدد اڈیشن شائع کیے ہیں۔ آخری بار اس کا اڈیشن ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔ اس نسخے کو مولانا عبد الباری آسی مرحوم نے بڑی محنت سے مرتب کیا تھا۔ یہ سب نسخے اپنی اپنی جگہ پر اہم ہیں لیکن ان میں سے کسی کو بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اول تو ان میں میر صاحب کا سارا کلام موجود نہیں ہے۔ دوسرے ان میں غلطیاں بھی بہت ہیں۔ یہ نسخے بھی اب عرصے سے نایاب ہیں اور کسی قیمت پر دستیاب نہیں ہوتے۔ میں نے کلیاتِ میر کے اس نسخے کی ترتیب و تدوین میں ان تمام مطبوعہ نسخوں کو سامنے رکھا ہے اور ان کے علاوہ کلامِ میر کے تقریباً تمام اہم غیر مطبوعہ نسخوں کو بھی دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ کتب خانہ ریاست رام پور، کتب خانہ سالار جنگ، کتب خانہ انجمن ترقی اردو، اور کتب خانہ محمود آباد کے مخطوطے خاص طور پر میرے پیشِ نظر رہے ہیں۔ اسی لیے یہ نسخہ اس سے قبل شائع ہونیوالے نسخوں سے مختلف ہے۔ اس میں میر صاحب کا تقریباً سارا کلام موجود ہے۔ اس سے مکمل صورت میں کلیاتِ میر اس سے قبل شائع نہیں ہوا۔ میں نے کوشش یہی کی ہے کہ میر صاحب کا تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ اردو کلام نئی ترتیب اور صحت کے ساتھ اس میں یکجا ہو جائے۔"

ڈاکٹر عبادت بریلوی کا یہ دعویٰ قطعی غلط اور بے بنیاد ہے کہ ان کے سامنے ترتیبِ کلیات کے وقت تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے موجود تھے اور انھوں نے ان کا مطالعہ کیا تھا۔ ان کا یہ کہنا بھی حقیقت سے بعید ہے کہ ان کے پیشِ نظر رامپور، سالار جنگ اور محمود آباد کے کتب خانوں کے دواوینِ میر کے مخطوطات تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے نسخۂ آسی کے سوا اور کوئی نسخہ دیکھا ہی نہیں۔ اس بات کی تائید خود ان کے اس بیان سے ہوتی ہے کہ:

"کلیاتِ میر ۱۸۱۱ء میں کلکتہ میں شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد لکھنؤ میں ۱۸۶۷ء اور ۱۸۷۶ء میں اس کے اڈیشن

لیتھو میں شائع ہوئے۔ غالباً یہ وہی اڈیشن ہیں جن کو نولکشور پریس نے چھاپا تھا۔"

اگر انھوں نے واقعی نسخۂ کلکتہ کا مطالعہ کیا ہوتا تو پھر بلوم ہارٹ مرتب فہرست مخطوطات انڈیا آفس کا حوالہ کیوں دیتے۔ دُوسرے یہ کہ اگر دیوان میر کے اہم غیر مطبوعہ نسخے اصلیت میں ان کے سامنے ہوتے تو پھر انھیں محمود آباد کے کتب خانے کے دیوان چہارم کی عبارت کے لیے آسی کے حوالہ دینے کی کیا ضرورت پڑتی۔ ہمارے ڈاکٹر نے سالار جنگ کے مخطوطات دیوان میر کے دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہاں میر کے دیوان دوم میں ایک غیر مطبوعہ قصیدہ "قصیدہ در شکایت نفاق یاران زمان" شامل ہے۔ اگر انھوں نے یہ مخطوطہ دیکھ لیا ہوتا تو وہ ضرور اس قصیدہ کو کلیات میر میں شامل کرتے۔ اسی طرح اگر انھوں نے نسخۂ رام پور سے استفادہ کیا ہوتا تو اپنے نسخہ میں فُٹ نوٹ میں ضرور کسی نہ کسی غیر مطبوعہ شعر کا ذکر کرتے۔

ڈاکٹر صاحب کلیات کے مقدمہ کے صفحہ ۴۱ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

"کلیاتِ میر میں غزلوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ اس لیے میر نے جتنی غزلیں کہی ہیں وہ سب کی سب کلیات میں موجود ہیں اور ان کا کلام ضائع نہیں ہوا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب پر یہ واضح ہونا چاہیے کہ میر کا بہت سا کلام ابھی تک لوگوں کی نگاہ سے پوشیدہ ہے اور ان کا پُورا کلام شائع نہیں ہوا ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا کلام دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہ گیا ہو۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ کلیات میں میر کا سارا کلام موجود نہیں ہے۔ ابھی تک ان کا "دیوانچہ"[1] اور "دیوان زادہ"[2] دونوں تصنیفیں دریافت نہ ہو سکیں۔

ڈاکٹر بریلوی صاحب مقدمہ کے صفحہ ۴۲ پر لکھتے ہیں کہ:

"میر کے فارسی دیوان کا ایک اہم نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ اس کی کتابت ۱۲۱۴ ہجری کی ہے اور اللہ رکھا نامی کاتب نے اس کو لکھا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا درست نہیں ہے کہ کتب خانہ آصفیہ میں میر کا دیوان فارسی ہے۔ ان کو یہ غلط فہمی جناب خواجہ احمد فاروقی کی کتاب[3] سے ہُوئی جس میں خواجہ صاحب نے لکھا ہے کہ:

"کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں میر کے فارسی کلیات کا ایک قلمی نشان (۱۲۱۴) ہے۔ اس کے کاتب کا نام اللہ رکھا ابن قاضی جان محمد ہے۔ جس نے روز پنجشنبہ ہنگام بر آمدن آفتاب بقدر نیزہ" اسے اختتام تک پہنچایا۔ حاشیہ پر سرخ روشنائی اور اسی کاتب کے قلم سے لکھا ہے" مقابلہ نمودہ شد با اصل نسخہ کہ بخط مصنف علیہ الرحمۃ بود با حضرت شاہ عبد اللطیف روز چہار شنبہ ہفدہم شہر ربیع الآخر ۱۲۱۴ ہجری۔"

اس کے بعد خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ غزلیات کے بعد "قصیدہ فی مدح شیخ علیہ الرحمۃ" ہے۔ اس میں شیخ کا اشارہ کس کی طرف ہے یہ یقین سے کہنا مشکل ہے لیکن اس حصۂ کلیات میں ایک قطعہ در صفت سے خانہ و بعد ملازمت مرشد کامل ہادی آگاہ دل شیخ

---

[1] دستور الفصاحت ص ۲۶ [2] مجمع الانتخاب (قلمی) [3] میر تقی میر حیات اور شاعری ص ۵۹۴

زمانہ شاہ عنایت اللہ القادری قدس سرہٗ درج ہیں۔

مذکورہ بالا دیوان فارسی کو میرؔ کے نام منسوب کرنا نہ صرف غلطی ہے بلکہ گمراہ کن بھی ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ میر کا انتقال ۱۲۲۵ھ میں ہوا۔ پس ۱۲۹۳ھ/۱۸۹۰ء/۱۰۹۸ء میں ان کے نام کے ساتھ علیہ الرحمۃ لکھنے کا کیا تُک تھا۔ دُوسرے یہ کہ میرؔ غالی شیعہ تھے اور حضرت علی کو وصی رسول اللہ اور امام اولین مانتے تھے۔ پس وہ قادریہ سلسلہ کے کسی شخص کو خواہ مخواہ اپنا مرشد کیوں بناتے اور اس کی مدح کیوں کرتے۔

ڈاکٹر بریلوی صاحب نے ڈاکٹر گیان چند جین کے حوالہ سے کلیات میں میرؔ کی ایک غیر مطبوعہ مثنوی "مور نامہ" بھی شامل کی ہے۔ انہوں نے مثنوی کے بہت سے اشعار غلط لکھے ہیں۔ راجہ محمود آباد کے کتب خانے میں میرؔ کے دیوان پنجم کا ایک قدیم مخطوطہ ہے۔ اس میں مثنوی مورنامہ درج ہے۔ ذیل میں دونوں نسخوں میں سے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ کس نسخہ میں صحیح اشعار درج ہیں۔

ــــ

کلیات میرؔ۔ مرتبہ ڈاکٹر بریلوی	مخطوطہ دیوان پنجم (کتب خانہ محمود آباد)
ص۱۲۸ شعر۹ ہے کہیں بندہ کہیں ہے یہ خدا	ہے کہیں پیدا کہیں ہے بے حجاب
عشق کی ہے ہر جگہ شان جدا	عشق کے لوگوں سے ہیں کیا کیا خطاب
شعر۱۳ عشق کے آغاز دیکھے رنگ برنگ	عشق کے اعجاز دیکھے رنگ برنگ
موم وے دل ہو گئے جو دل تھے سنگ	موم وے دل ہو گئے جو دل تھے سنگ
شعر۱۴ سنگ سے پھر لعل نکلا بے بہا	سنگ سے ہر لعل نکلا بے بہا
یعنی وہ دل جلگی خوں ہو گیا	یعنی وہ دل جلگی خوں ہو گیا
ص۱۲۹ شعر۲ پھر کے آتش عشق کی دونوں چلے	بھڑکی آتش عشق کی دنوں جلے
ڈوبے دریا میں ہوں گو پانی تلے	ڈوبے دریا میں ہوں گو پانی تلے
شعر۵ جل چکے گو ہندی کہتے ہیں ستی	جل چکے ہندی میں کہتے ہیں ستی
ست بمعنی استقامت واقعی	ست بمعنی استقامت واقعی
شعر۱۲ عشق دشمن ہے بلاسے جان و دل	عشق دشمن ہے بلاسے جان و دل
عشق ہے دل شکن ہم جاں گدل	عشق ہے ہم دل شکن ہم جان گسل
شعر۱۶ عشق کا ہے بادیہ مشکل گزر	عشق کا ہے بادیہ مشکل گزر
دیکھے ادھر مرہی جاتی ہے نظر	دیکھے ادھر مرہی جاتے ہیں نمر
شعر۱۹ وڑ کہ ہاتھی کم کرے ہے کوئی میل	ڈر کے ہاتھی کم کرے ہے کوئی میل
بچ کے نکلے ہے ادھر سے تند سیل	بچ کے نکلے ہے ادھر سے تند سیل
ص۱۳۰ شعر۱ یوزیں گے فکر ترک گشت میں	یوز نے کی فکر ترک گشت میں

	کب گیا گفتار ایسے دشت میں	کب گیا گفتار ایسے دشت میں
شعر۱۱	تھی نگہ رخسار پر حیرت کے ساتھ	تھی نگہ رخسار پر حیرت کے ساتھ
	چشم تھی رفتار پر الفت کے ساتھ	چشم تھی رفتار پر حسرت کے ساتھ
شعر۱۲	گر خرام ناز سے جی لے گئی	گو خرام ناز سے جی لے گئی
	خوش نگاہی جان تازہ لے گئی	خوش نگاہی جان تازہ دے گئی
شعر۱۵	دیکھتا تھا سیر میں جلوہ گری	دیکھتا تھا سیر میں جلوہ گری
	جا نشیمن میں جو بیٹھی وہ پری	جا کے بستی میں جو بیٹھی وہ پری
شعر۱۶	رو برو جا کر ہوا وہ بھی کھڑا	رو برو جا کر ہوا یہ بھی کھڑا
	ٹک ٹھہر کر مضطرب ہو کر گرا	ٹک ٹھہر کر مضطرب ہو کر گرا
ص۱۳۱ شعر۹	دل ہی راجہ کا جو بد پر ہو تو پھر	دل ہی راجہ کا جو بد تر ہو تو پھر
	ترک ہی کرنا پڑے دونوں کو سر	ترک ہی کرنا پڑے دونوں کو سر
شعر۱۲	دل اوچٹے شاہ فقیری کر گئے	دل کو روچھے شہ فقیری کر گئے
	جنگلوں میں شہر سے جا مر گئے	جنگلوں میں شہر سے جا مر گئے
شعر۱۸	کھل گئی غماز لوگوں کی زباں	کھل گئی غمازہ لوگوں کی زباں
	سب پر ظاہر ہو گیا راز نہاں	سب پہ ظاہر ہو گیا راز نہاں
شعر۲۰	کار تن بہ کھینچا اک طول کو	کار زن بہ کھینچا اس طول کو
	سمجھا نامعقول وہ معقول کو	سمجھا نا معقول وہ معقول کو
ص۱۳۲ شعر۲	دھوم رسوائی کی ہوتی اقران میں	دھوم رسوائی کی ہے اقران میں
	کسر شان اس کی ہوتی اعیان میں	کسر شان اس کی ہوتی اعیان میں
شعر۹	سر پہ لایا ہے بلا آفت کا ربط	سر پہ لایا ہے بلا آپس کا ربط
	جی نکلے ہیں شوق کا گر ہووے ضبط	جی نکلے ہیں شوق کا گر ہووے ضبط
ص۱۳۳ شعر۱	بے زبانی بھی نہ کچھ کہنا بنا	بے زبانی تھی نہ کچھ کہنا بنا
	چپکے ہی آزردہ دل رہنا پڑا	چپکے ہی آزردہ دل رہنا بنا
شعر۱۲	فرط دل تنگی سے ہو کر دل گرا	فرط دل تنگی سے ہو کر رہ گرا
	اک افشانی میں سر کے بل گرا	ایک پر افشانی میں سر کے گرا
شعر۱۶	چشم وا ہونے لگی اس زار سے	چشم وا ہونے لگی اس زار کی

	کی نظر رانی کے منہ پر پیار سے	کی نظر رانی کے موںہہ پر پیار کی
شعر۶	چھڑچھڑادے پانی چھڑکے بال و پر	جھڑجھڑاتے پانی چھڑکے بال و پر
	اڑ چلا رانی کا کہنا یاد کر	اڑ چلا رانی کا کہنا یاد کر
ص۱۱۳۴ شعر۴	پر گیا ہو پر فشاں دیوار پر	پھر گیا ہو پر فشاں دیوار پر
	بیٹھا لیکن منہ ادھر سے پھیر کر	بیٹھا لیکن موںہہ ادھر سے پھیر کر
شعر۷	یاں کھلی تمام لوگوں کی زباں	یاں کھلی غماز لوگوں کی زباں
	کہتے تھے راجا سے جا کیا بیاں	کہتے تھے راجا سے جا جا کیا نہاں
شعر۹	وہ تو کافر آگے تھا سنگ دل	وہ تو کافر آگے ہی تھا سنگ دل
	اور ان کے کہنے سے ہو تنگ دل	اور ان کے کہنے سے ہو تنگ دل
شعر۱۰	کہہ اٹھا میں فکر میں ہوں آج کل	کہہ اٹھا میں فکر میں ہوں آج کل
	صاف دیتا ہوں مٹا سارا خلل	صاف دیتا ہوں سنا سارا خلل
شعر۲	رانی تھی ناقص خود مائل ہوئی	رانی تھی ناقص خرد مائل ہوئی
	مفت لعن و طعن کے قائل ہوئی	مفت لعن و طعن کے قائل ہوئی
ص۱۱۳۵ شعر۱	آنکھیں اس کی دو گل عنبر عجب	آنکھیں اس کی دو گل عبہر عجب
	سو خبر کی راہ پردا روز و شب	سو خبر کی راہ پردا روز و شب
شعر۲	آوے منہ تک اس کا جو کوئی بہے	آوے جو کوئی موںہہ اس کا تک بہے
	دیکھیں حیرانی اسے کب تک رہے	دیکھیں حیرانی اسے کب تک رہے
ص۱۱۳۶ شعر۱	دل کی حالت ہے وہی اندوہ میں	دل کی وحشت ہے وہی اندوہ میں
	وہم لے جاتا ہے دشت و کوہ میں	وہم لے جاتا ہے دشت و کوہ میں
شعر۲	لے چلے ہے مجھ سے کر رنگ ہوا	لگ چلی ہے مجھ سے گر زنگ ہوا
	گرم ہو کر اس سے میں کیا کیا کیا	گرم ہو کر اس سے میں کیا کیا کیا
شعر۳	صبر ہو سکتا نہیں کیا کروں	صبر ہو سکتا نہیں میں کیا کروں
	کب تک بے طاقتی سے دن بھروں	کب تک بے طاقتی سے دل بھروں
شعر۴	جی تو تک آتے ہی آتے رک گیا	جی تو تنگ آتے ہی آتے رک گیا
	تن بدن آتش سے غم کی پھک گیا	تن بدن آتش سے غم کی پھک گیا
ص۱۱۳۷ شعر۱	حیرتِ عشق واں رہتا رہے	حزن سے عشق واں رہتا رہے

	آتے جاتے باڑ سے کہتا رہے	آتے جاتے باڑ سے کہتا رہے
ص۱۱۳۸ شعر۲۰	کھل گئیں آنکھیں جو دل پر تھا بہت	کھل گئیں آنکھیں جو دل تڑپھا بہت
	کیا کرے ہاتھوں تلے رکھا بہت	کیا کرے ہاتھوں تلے رکھا بہت
ص۱۱۳۹ شعر۱۲	عزت اپنی بھی نہیں ہے مقتضی	غیرت اپنی بھی نہیں ہے مقتضی
	جیتی رہتی عشق کی ہو تہمتی	جیتی رہتی عشق کی ہو تہمتی
شعر۱۵	زندگانی کیا ہے جب عـزت گئی	زندگانی کیا ہے جب غیرت گئی
	مفت ذلت ہو گئی عـزت گئی	مفت ذلت ہو گئی عزت گئی
ص۱۱۴۰ شعر۹	ماریئے پتھر جٹے مشہور ہیں	ماریہ پتھر چٹے مشہور ہیں
	ریزہ دنداں ان کے پتھر چور ہیں	ریزہ دنداں ان کے پتھر چور ہیں
ص۱۱۴۲ شعر۱۱	کیا کرے جو رزق یوں مقسوم ہے	کیا کرے جو رزق یوں مقسوم ہو
	واں ملے مرنا جہاں معـدوم ہے	واں ملے مرنا جہاں معـلوم ہو
ص۱۱۴۳ شعر۱	خرم سے ہوتا ہے جس دم نالہ کش	حزن سے ہوتا ہے جس دم نالہ کش
	پاس ہی کچھ جانور کرتے ہیں غش	پاس کے کچھ جانور کرتے ہیں غش
شعر۵	کچھ اڑا بیتاب کچھ مرنے لگا	کچھ اڑا بیتاب کچھ رکنے لگا
	سنگریزے کنکری چگنے لگا	سنگریزے کنکری چننے لگا
شعر۱۲	وگ میرے گرچہ ہیں حاضر یراق	لوگ میرے گرچہ ہیں حاضر یراق
	پھر رکھو کچھ اور بھی بھر یراق	پھر رکھو کچھ اور بھی بھر سیاق
شعر۱۴	جگ حیوانات سے ہے بیشتر	جنگ حیوانات سے ہے بیشتر
	ہیں طرف اژدر نمر شیران شتر	ہیں طرف اژدر نمر شیران نر
شعر۱۹	ہو گیا یاراہ سدراہ گر	ہو گیا مار آہ سدراہ اگر
	لیویں جا گر نغـرراہ دگر	لیویں کھینچا کر نغـر راہ دگر
ص۱۱۴۴	مست ہاتھی ہو گئے چہـرہ اگر	مست ہاتھی ہو گئے چہـرہ اگر
	مُنہہ چھپالیں گے سپاہی بیشتر	مُونہہ چھپالیں گے سپاہی بیشتر
شعر۱۷	بھڑکی آتش عشق کی جنگل سے جلے	بھڑکی آتش عشق کی جنگل جلے
	دوں لگا دو طائر و اژدر سجلے	دَوں لگا دی طاتر و اژدر جلے

۵۔ دیوانِ میر مرتبہ علی سردار جعفری (نسخۂ جعفری)

یہ دیوان میر کی غزلیات کا انتخاب ہے جسے علی سردار جعفری نے اکتوبر ۱۹۶۰ء میں ہندوستانی بک ٹرسٹ بمبئی سے شائع کیا ہے۔ دیوان دو حصوں پر مشتمل ہے۔ حصہ اول میں ابتدائی ۵ صفحات پر مرتب کا ایک مبسوط دیباچہ شامل ہے۔ اس میں میر کے کلام پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ کتاب میں میر کی ۲۵۲ غزلوں کا انتخاب ۵۰۲ صفحوں میں دیا گیا ہے اور بقول مرتب اس انتخاب نے میر کے چھ دیوانوں کو ایک دیوان میں سمیٹ لیا ہے اس لیے غزلوں کی ترتیب بدل گئی ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے ہر حرف کے تحت تمام دیوانوں کی متعلقہ غزلیں شامل ہیں۔ مختلف دیوانوں کی بعض ہم طرح غزلوں کے اشعار ملا کر ایک غزل بنا دی گئی ہے۔

دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ صفحہ کے ایک طرف میر کی غزلیں ہیں اور دوسری طرف یہ غزلیں دیوناگری رسم الخط میں ہیں۔ دیوان دوم میں میر کے حالاتِ زندگی (افسانہ و حقیقت) اور ان کی شاعری کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد "فرہنگ" اور پھر غزلوں کی نشان دہی ہے۔ یہ حصہ بھی حصہ اول کی طرح اردو اور دیوناگری رسم الخط میں شائع کیا گیا ہے۔

دیوان میر حصہ اول کے صفحات کا رنگ زرد ہے اور ایک طرف حاشیہ کا رنگ سفید ہے۔ اس سلسلے میں جعفری صاحب کہتے ہیں :

"صفحات کا زرد رنگ مغل عہد کی مصوری کے پس منظر سے لیا گیا ہے وہاں یہ رنگ بہت ہلکا ہوتا تھا۔ یہاں ذرا گہرا ہے۔ اس زرد رنگ میں میر کی شاعری کے مزاج کی جھلک ہے۔ یہ دراصل خزاں کا نہیں بلکہ بہار کا رنگ ہے۔ کیونکہ میر کے یہاں بہار سرخ نہیں زرد ہے۔ ؎

سحر ہوا دیں چل زرد پھولی ہے سرسوں
ہوا ہے عشق سے کل زرد کیا بہار ہے آج

چونکہ میر نے "زردی رنگ" کے ساتھ "چشم تر" کی شرط بھی رکھی ہے اس لیے حاشیہ سفید چھوڑ دیا گیا ہے۔"

دیوان کم و بیش پندرہ سو اشعار پر مشتمل ہے اور یہ سب کے سب غزل کے شعر ہیں۔ مرتب نے بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے یہ انتخاب کیا ہے اور اس میں سبھی شعر اچھے اور معیاری ہیں۔ ایسا عمدہ، خوب صورت اور دیدہ زیب انتخاب آج تک شائع نہیں ہوا ہے اس لیے سردار جعفری مبارکبادی کے مستحق ہیں۔

ہمیں اس بات پر بے حد افسوس ہو رہا ہے کہ جعفری صاحب کا یہ نسخہ بھی دیگر مطبوعہ نسخوں کی طرح ناقص اور غیر معتبر ہے۔ اگر وہ اسے دوسرے مطبوعہ اور قلمی نسخوں کی مدد سے ترتیب دیتے تو واقعی یہ بڑا کام ہوتا۔ اس بات پر بھی افسوس ہوتا ہے کہ جعفری صاحب نے نسخۂ کلکتہ سے بھی استفادہ نہیں فرمایا ہے۔

ذیل میں نسخۂ جعفری اور زیر ترتیب دیوان کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں تاکہ اختلاف نسخ معلوم ہو سکے،

	نسخۂ جعفری	مخطوطہ دیوان میر (زیر ترتیب)
ص ۵	کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں داغ دل دیکھے، سو چمن دیکھا	کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں داغِ دل دیکھے، بس چمن دیکھا

	گر کے گھر جلنے سے پڑے ان کے	عاشقوں کا جلا وطن دیکھا
ص۸۹	آتش بلند، دل کی نہ تھی، ورنہ اے کلیم	آتش بلند دل کی نہ ہوئی ورنہ اے کلیم
	یک شعلہ، برق خرمن صد کوہ طور تھا	یک شعلہ برق خرمن صد کوہ طور تھا
ص۹۱	سُنیو جب وہ کبھو سوار ہوا	سنیو وہ جب کبھو سوار ہوا
	تا بہ روح الامین شکار ہوا	تا بہ روح الامین شکار ہوا
ص۱۵۳	مغاں مجو مست بن پھر خندۂ ساغر نہ ہووے گا	مغاں مجو مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہووے گا
	مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا	مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا
ص۲۶۱	خورشید صبح نکلے ہے اس نور سے کہ تو	خورشید سر کو پٹکے ہے یوں ہر سحر کہ ہم
	شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشم تر کہ ہم	شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشم تر کہ ہم
ص۲۶۲	مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو میر	مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو میر
	دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم	دکھلاؤتے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم
ص۳۲۲	صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہے	صدائے آہ جی کے پار ہوتی تیر سی شاید
	کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو	کسو بیدرد نے کھینچا کسی کے دل سے پیکاں کو
ص۳۹۵	مدعی کو شریک ہم کو زہر	مدعی کو شراب و ہم کو زہر
	عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی	عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی
ص۴۳۴	کیا خرابی ہے میکدے کی سہل	نہیں خرابات کی خرابی سہل
	محتسب اک جہان جاتا ہے	محتسب اک جہان جاتا ہے
ص۴۶۱	جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی	جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گھسی
	حق بندگی ہم ادا کر چلے	حق بندگی ہم ادا کر سچلے

۶- کلیاتِ میر مرتبہ ظل عباس عباسی۔ مطبوعہ علمی مجلس دلی (نسخۂ عباسی)،

سرورق پر "مکمل چھ دیوان غزلیات" کی عبارت بھی درج ہے۔

اگر کلیات میر کے بجائے اس کا نام "دواوین میر" ہوتا تو اچھا رہتا کیونکہ یہ میر کے سارے کلام پر حاوی نہیں ہے۔

یہ کلیات بھی دیگر مطبوعہ نسخوں کی طرح نامکمل اور ناقص ہے اس میں بھی بعض مقامات پر اشعار کا تکرار ہوا ہے۔ مثال کے طور پر دیوان دوم کی ذیل کی غزلیں :-

(۱) اے نکلے پر تھی کہاں کی ادا

(۲) سمندر کا میں کیوں احساں سہوں گا

دیوان پنجم میں دوبارہ درج کی گئی ہیں۔

ابتدا میں قاضی عبدالودود، رشید احمد صدیقی، آل احمد سرور اور فراق گورکھپوری کے مطبوعہ مضامین میر سے متعلق شامل کیے گئے ہیں۔ سرورق کے دوسری طرف مرتب نے دعویٰ کیا ہے کہ کلیات کی ترتیب کے وقت نسخۂ کلکتہ اس کے پیش نظر تھا اس دعویٰ میں کوئی صداقت نہیں ہے۔ مرتب نے نسخۂ آسی سے اس کو نقل کر کے شائع کیا ہے۔ ثبوت میں چند شعر پیش کیے جاتے ہیں:

نسخۂ عباسی / نسخۂ آسی	نسخۂ کلکتہ
اس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوے خدا پناہ	اس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوے خدا پناہ
اک مرتبہ جو میر جی کا جامہ لے گیا	ایک مرتبہ جو میر کا جی جامہ لے گیا
ستم کچھ آج گلی میں تیری نہیں مجھ پر	ستم کچھ آج گلی میں تیری نہیں مجھ پر
کب آ کے خون میں یاں نہا نہیں جاتا	کب آ کے خون میں یہاں میں نہا نہیں جاتا
پھرے ہے کھینچے ہی تلوار مجھ پہ ہر دم تو	پھرے ہے کھینچے ہی تلوار مجھ پہ ہر دم تو
کہ صید ہوں میں تری دشمنئ جانی کا	شہید ہوں میں تری دشمنئ جانی کا

۷۔ حدیثِ میر مطبوعہ ۱۹۶۷ء

یہ کتاب میر اکیڈیمی کے صدر مقبول احمد لاری صاحب نے زرکثیر صرف کر کے اردو اور دیوناگری رسم الخط میں شائع کی ہے مرتب نے اس میں کوئی بیس مضامین شائع کیے ہیں۔ لاری صاحب لکھنؤ کے اہل دول اور علم دوست حضرات میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ۳ نومبر ۱۹۶۸ء کو لکھنؤ میں ان کی گولڈن جوبلی بڑے اہتمام سے منائی گئی۔ ۸ فروری ۱۹۷۰ء کو "جشن مقبول" نہایت ہی دھوم دھام سے منایا گیا اور اس تقریب پر ایک شاندار اور ضخیم کتاب "نذر مقبول" شائع کی گئی۔

حدیث میر میں میر سے متعلق کوئی نئی دریافت نہیں ہے۔ جو روپیہ اس پر صرف کیا گیا اگر وہ دواوین میر کی ترتیب پر صرف کیا جاتا تو واقعی بڑا ادبی کارنامہ ہوتا۔ محض رنگین تصویروں سے کتاب کی اہمیت نہیں بڑھ سکتی۔

کتاب کی ابتدا میں حسب ذیل رنگین اور خوب صورت تصویریں ہیں:

۱۔ میر تقی میر ۲۔ شاہ نیپال ۳۔ نواب آصف الدولہ بہادر ۴۔ شہنشاہ ایران

---

۱ نسخۂ عباسی ص ۱۱۸ ، نسخۂ آسی ص ۱۴ ۲ نسخۂ کلکتہ ص ۳۵ ۳ نسخۂ عباسی ص ۱۲۹ ، نسخۂ آسی ص ۲۵ ۴ نسخۂ کلکتہ ص ۴۴
۵ نسخۂ عباسی ص ۱۳۰ ، نسخۂ آسی ص ۲۶ ۶ نسخۂ کلکتہ ص ۴۵

۵۔ مقبول احمد لاری (مرتب کتاب) ۶۔ ڈاکٹر ذاکر حسین ۷۔ راج بہادر سفیر ہند برائے نیپال

تصویروں کے بعد تین حصوں میں درج ذیل مضامین ہیں:

حدیث ذات

○ میر تقی میر، سفر حیات	ڈاکٹر محمد حسن
○ میر اپنے تاریخی پس منظر میں	حسن واصف عثمانی
○ میر کے عہد کا لکھنؤ	نادم سیتاپوری

حدیث کائنات

○ میر دہلوی	ڈاکٹر اختر اورینوی
○ میر کی شاعری	ٹھاکر پرشاد سنگھ
○ میر کی شاعری کا پس منظر	شری رام ناتھ مسن
○ میر کی شاعری کے کچھ پہلو	فراق گورکھپوری
○ میر کی اُپج اور پرکھ	حسن عسکری
○ میر کی صوفیانہ شاعری	رسول احمد
○ میر کی مثنویاں	ڈاکٹر سلام سندیلوی
○ میر کے کلام میں طنز و ہجو	غلام احمد فرقت کاکوروی
○ میر کا فارسی کلام	اختر علی تلہری
○ میر کی زبان	ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی
○ میر اور جذباتی ہم آہنگی کی جستجو	سید احتشام حسین
○ میکدے میں میر	ڈاکٹر سید عبداللہ
○ مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں	سید شبیہ الحسن نونہروی

حدیث فن

○ انتخاب غزلیات میر	سید مسعود حسن رضوی
○ میر کے بعد	مالک رام

مضامین کا یہ سلسلہ صفحہ ۴۲۹ پر ختم ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ تصویریں شامل ہیں:

میر کی ایک تحریر کا عکس۔ یہ دراصل میر کی مثنوی جنگ نامہ کے ایک صفحے کا فوٹو ہے۔ اس مثنوی میں نواب آصف الدولہ کے ہاتھوں فتح رامپور سال ۱۲۰۹ھ کا واقعہ نظم کیا گیا ہے۔ اس کا عکس ڈاکٹر رام بابو سکسینہ نے ۱۹۵۶ء میں "مثنویاتِ میر بخطِ میر" میں شائع کیا تھا۔ بقول ڈاکٹر موصوف مثنوی جنگ نامہ بخطِ میر ہے۔ مرتب حدیثِ میر نے "مثنویاتِ میر بخطِ میر" کے ساتویں ورق کا عکس بغیر کسی حوالہ کے شائع کیا ہے جس کا پہلا اور آخری شعر درج ذیل ہے:

جنگ مغلوبہ تھی گتھتے باہم　　مرتے تھے دونو اور کے رستم
عاقبت اس کو باندھ کر بھیجا　　کہا پلٹن سے لکھنؤ لے جا

اس کے بعد کی یہ تصویریں ہیں:

نواب مرزا جعفر علی خان اثر لکھنوی، قبرستان میر کا اکھاڑہ جہاں میر دفن کیے گئے۔ مزارِ میر پر شام غالب کا ایک منظر ۱۸ ستمبر ۱۹۶۲ء، مسجد تحسین علی خاں، مطبوعہ کلیاتِ میر نسخۂ کلکتہ کا عکس، کلیاتِ میر نسخۂ نولکشوری کے لوح کا عکس، کلیاتِ میر نسخۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا عکس۔

حدیثِ میر کی اجرا کا افتتاح مورخہ ۴ فروری ۱۹۷۰ء کو لکھنؤ میں شری بی گوپال ریڈی گورنر اتر پردیش نے لکھنؤ میں ایک شاندار تقریب پر انجام دیا۔

کتاب کا غذ، طباعت اور گٹ اپ کے لحاظ سے بہترین ہے۔ قیمت ۱۰ روپے

دیباچہ

دیوان میر کا یہ نسخہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ میر کی حیات میں ۱۲۰۲ ہجری میں نقل کیا گیا۔ اور بہت ممکن ہے کہ میر کی نظر سے گزرا ہو۔ کیونکہ کاتب دیوان اور میر دونوں اس زمانے میں نواب آصف الدولہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ دیوان کی کتابت کے ۲۸ سال بعد میر کا انتقال ہوا۔ دیوان میر کے جتنے بھی مخطوطات بڑے بڑے کتب خانوں میں محفوظ ہیں اس کو تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ یہ میر کا قدیم ترین اور مستند دیوان ہے۔ اس میں ۱۷۵۲ء/۱۱۶۵ھ سے پہلے کا کلام شامل ہے۔ میر نے تذکرہ نکات الشعراء ۱۱۶۵ھ میں تالیف کیا تھا۔ دیوان مذکور میں وہ تمام اشعار درج ہیں جو انھوں نے اپنے تذکرے میں بطور انتخاب پیش کیے میری دریافت کے مطابق روانگی لکھنؤ سے قبل دلی میں میر کا یہی دیوان تھا۔ میرے اس بیان کی تائید مردان علی خاں نے بھی کی کہ وہ ۱۷۷۹ء/۱۱۹۴ھ میں میر کے صرف ایک ہی دیوان کا ذکر کرتے ہیں جس میں کل چار پانچ ہزار شعر تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ :

"مسموع شد کہ در شاہ جہان آباد تا حالت تحریر ایں گلشن سخن کہ سن یک ہزار دیک صد و نود و چہار ہجریست بہ سلامت استقامت دارد . . . . . دیوان فصاحت بیانش چہار پنج ہزار بیت" [1]

دیوان زیر ترتیب میں بھی اتنے ہی اشعار ہیں۔ مبتلا سب سے پہلے تذکرہ نویس ہیں جنھوں نے میر کے ایک دیوان کا ذکر کیا ہے۔ مولف گلشن سخن کے علاوہ ابوالحسن امیرالدین امراللہ الہ آبادی نے بھی غالباً اسی دیوان کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

"در دیوانش بہتر ازیں اشعار بنظر فقیر آمدہ" [2]

یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ ۱۲۰۲ھ سے قبل میر کا یہی دیوان لوگوں نے دیکھا ہو۔ تذکرہ نویسوں میں سب سے پہلے مصحفی (متوفی ۱۸۲۴ء/۱۲۴۰ھ) نے میر کے چار دیوان کا ذکر کیا ہے [3]۔ اسی زمانے میں میر محمد محسن (دیوان چہارم قلمی محمود آباد) اور پھر کئی سال بعد مرزا علی لطف نے بھی انھی چار دیوان کا ذکر کیا ہے۔ تذکرہ شاہ کمال کے تالیف کے وقت یعنی ۱۸۰۲ء/۱۲۱۸ھ میں میر کے پانچ دیوان تھے۔ علاوہ ازیں میر نے دیوان پنجم کا نام "دیوان زادہ" رکھا تھا۔ کمال کہتے ہیں :

"فقیر از ہماں ایام ربط و اتحاد دارد و پنج دیوان ہندی و یک دیوان فارسی بفقیر دادہ بودند موجود ہستند . . .

و ایں چند غزلہائے از ہمہ دیوانہائے مذکور بانتخاب در آورد . . . . . انتخاب دیوان پنجم میر صاحب موصوف کہ نام دیوان زادہ نہادہ اند" [4]

---

[1] گلشن سخن ص ۲۰۵ [2] مسرت افزا صفحہ ۱۱۰ (سال تصنیف ۱۷۸۰ء/۱۱۹۴ھ) [3] تذکرہ ہندی صفحہ ۲۰۴-۲۰۳ [4] مجمع الانتخاب قلمی

مولوی قدرت اللہ شوق رامپوری[1] اور نواب اعظم الدولہ[2] نے بھی میر کے پنج دیوان کا ذکر کیا ہے۔ خیراتی لال بے جگر[3] نے میر کے چار دیوان بتائے ہیں اور خوب چند ذکا[4] نے چند دیوان لکھے ہیں۔ سب سے پہلے احد علی یکتا نے میر کے چھ دواوین اور ایک "دیوانچہ" کا ذکر کیا ہے۔

میر کے علاوہ گردیزی، قائم، شفیق اورنگ آبادی اور میر حسن نے انہی غزلیات میں سے اپنے تذکروں میں انتخاب پیش کیا ہے جو مذکورہ دیوان میں درج ہیں۔ دیوان میں میر کی یہ دو غزلیں شامل نہیں ہیں: ؎

(۱) الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

(۲) راہ دورِ عشق میں روتا ہے کیا

پہلی غزل میر نے اپنے مختصر نمونۂ کلام کے ساتھ شوق رام پوری کو ۱۷۵۲ء/ ۱۱۶۵ھ کے بعد اس وقت بھیجی تھی جبکہ وہ راجہ ناگرمل کے پاس ملازم تھے اور یہ غالباً ۱۷۶۶ء/ ۱۱۸۰ھ کا زمانہ تھا۔ دوسری غزل تذکرہ عشقی (سال تصنیف ۱۷۸۲ء/ ۱۱۹۷ھ یا بعد) میں درج ہے۔

اس دیوان میں یہ غزل بھی ہے جس کا مقطع درج ذیل ہے: ؎

داغ ہے تاباں علیہ الرحمہ کا دل اوپر میر

ہو نجات اس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

تاباں کا انتقال ۱۷۴۸ء/ ۱۱۶۱ھ میں ہوا تھا۔ اس شعر سے بھی میرے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ دیوان مذکور ۱۷۵۲ء/ ۱۱۶۵ھ قبل کا ہے۔

اب رہا کتب خانہ ادبیات اردو حیدر آباد کا وہ دیوان جو ۱۷۷۸ء/ ۱۱۹۲ھ کا مکتوبہ ہے۔ یہ دیوان زیر نظر دیوان کے بعد کا ہوگا۔ اس میں جو غزلیں ہیں وہ نسخہ محمود آباد میں نہیں ہیں بلکہ مروجہ دیوان دوم میں ہیں۔

تمام قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں دیوان اول کا آغاز ذیل کے اس شعر سے ہوتا ہے۔ اس غزل میں کل دس شعر ہیں: ؎

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا

خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

یہ غزل نسخۂ محمود آباد میں ۲۰ نمبر پر آتی ہے۔ اس کے گیارہ شعر ہیں۔ ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے: ؎

ہنگامہ گرم کن جو دل ناصبور تھا

پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا

---

[1] تکملۃ الشعرا ورق ۲۸۸ ب سال آغاز ۱۷۸۲ء/ ۱۱۹۷ھ و سال اختتام ۱۷۹۸ء/ ۱۲۱۳ھ [2] عمدۂ منتخبہ ص ۵۵۳-۵۴

[3] تذکرۃ الشعرائے اردو [4] عیار الشعرا ورق ۲۷۰ قلمی

غزل کا چوتھا شعر غیر مطبوعہ ہے اور کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں نہیں ملتا ہے: ؎

اس فصل میں کر گل کا گریباں بھی ہے ہوا
دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا

دیوان کا آغاز ذیل کی غزل سے ہوتا ہے جو نسخۂ کلکتہ اور بعد کے نسخوں میں چوالیسویں غزل ہے۔ ؎

گل و بلبل بہار میں دیکھا
ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا

یہ غزل سبھی قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں صرف پانچ شعر پر مشتمل ہے۔ لیکن نسخۂ محمود آباد میں اس کے سات شعر ہیں۔ تیسرا اور چوتھا شعر کہیں نہیں ملتا ہے اور دونوں غیر مطبوعہ ہیں۔ ؎

جیسا مضطر تھا زندگی میں دل — دو ہیں میں نے مزار میں دیکھا
ذبح کریں کیا تھا مرتا جُوں — دم نہیں مجھ شکار میں دیکھا

اس کے بعد دیوان کی دوسری غزل کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے۔ ؎

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
دل کے جانے کا نہایت غم رہا

نسخۂ کلکتہ اور دیگر نسخوں میں غزل کی ابتدا ذیل کے شعر سے ہوتی ہے: ؎

کیا میں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں دل غمدیدہ کہیں تھا

یہ غزل نسخۂ محمود آباد میں نہیں ہے۔ غالباً اس دیوان کی تصنیف کے بعد کہی گئی ہو۔ یہ نکات الشعراء، تذکرۂ میر حسن اور طبقات الشعراء جیسے قدیم تذکروں میں بھی نہیں ملتی ہے۔

نسخۂ محمود آباد سب سے قدیم مخطوطہ ہے۔ میری رائے میں یہ وہی دیوان ہے جو ۵۲-۱۷۵۱ء/۱۱۶۵ھ تک دلی میں مروج تھا یہ بھی بہت ممکن ہے کہ میر نے لکھنؤ میں ۸۹-۱۷۸۹ء/۱۲۰۳ھ سے قبل اپنے کلام کا انتخاب کیا ہو۔ اس کا ثبوت اس غیر مطبوعہ شعر سے ملتا ہے جو دیوان میں درج ہے۔ ؎

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے
جب میرا انتخاب نکلے گا

دیوان میں کئی ایسی غزلیں ہیں جو اصل میں ۵۲-۱۷۵۱ء/۱۱۶۵ھ سے قبل کی ہیں۔ ان کا انتخاب نکات الشعراء اور دوسرے قدیم تذکروں میں بھی ملتا ہے جو ۸۹-۱۷۸۹ء/۱۲۰۳ھ سے قبل تالیف کیے گئے تھے۔ یہ غزلیں غلطی سے نسخۂ کلکتہ میں دیوان دوم، دیوان پنجم اور دیوان ششم میں شائع کی گئی ہیں۔ کچھ غزلیں پہلے دیوان دوم اور پھر اس کے بعد دیوان پنجم میں دوبارہ شائع ہوئی ہیں۔ ذیل میں

چند ایسی غزلوں کے مطلعے درج کیے جاتے ہیں :

دیوانِ دوم	دیوانِ پنجم
صبح ہے کوئی آہ کر لیجئے	بے تابیوں کے جور سے میں جبکہ مر گیا
دل گیا مفت اور دُکھ پایا	طوف مشہد کے تئیں جو آؤں گا
اے بیچلے یہ تھی کہاں کی ادا	خندہ بجاتے گریہ و اندوہ آہ کر
عید آئندہ تک رہے گا گلا	آنکھیں سفید و جل گیا دل ہجر یار میں
سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے	کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجھ کو
	مجھ کو مارا بھلا کیا تُو نے

دیوانِ ششم

ہم رو رو کے درد دل دیوانہ کہیں گے

دیوان میں میرؔ کی خاص زبان ہے جس کے بارے میں انھوں نے خاص طور پر اشارہ کیا ہے :

"یہ ہماری زبان ہے پیارے"

ذیل میں اس قسم کے چند شعر پیش کیے جاتے ہیں جو لسانی اعتبار سے قابل غور ہیں :

نسخۂ محمود آباد	نسخۂ کلکتہ
کچھ دیر ہی نہ لاگی دل کو تو تیر لگتے	کچھ دیر ہی لگی نا دل کو تیر لگتے
اس صید ناتواں کا کیا جی شتاب نکلا	اس صید ناتواں کا کیا جی شتاب نکلا
مشکل بہت ہے ہم سا پیچاونا بہم پھر	مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا
یوں مار ڈالنا تو آسان ہے ہمارا	یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا
جھاڑو و ٹوکرا لے ہر صبح آونا ہے	لے جھاڑو ٹوکرا ہی آتا ہے صبح ہوتے
جاروب کش مگر ہے خورشید اس کے ہاں کا	جاروب کش مگر ہے خورشید اس کے ہاں کا
اگو تو لعل نوخط خوباں کے دم نہ مار	آگے تو لعل نوخط خوباں کے دم نہ مار
ہر چند اے مسیح وہ باتیں رہیں نہیں	ہر چند اے مسیح وے باتیں رہی نہیں

نسخۂ محمود آباد اور دیگر قلمی و مطبوعہ نسخوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ جہاں اوّل الذکر نسخہ میں غزلوں کی تعداد و شعر زیادہ ہے وہاں اور نسخوں میں نسبتاً کم ہے۔ مثال کے طور پر اس نسخہ کی ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے : ے

محبت کا جب زور بازار ہو گا
بکیں گے سر اور کم خریدار ہو گا

میں ۱۱ اشعار ہیں۔ دیگر تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اس غزل میں صرف ۷ شعر ہیں۔ ذیل کے ۴ شعر غیر مطبوعہ ہیں، ؎

تسلی ہوا صبر سے کچھ میں تجھ بن ۔۔۔ کبھی یہ قیامت طرحدار ہو گا
صبا موئے زلف اس کا ٹوٹے تو ڈر ہے ۔۔۔ کہ اک وقت میں یہ سیہ مار ہو گا
میرا دانت ہے تیرے ہونٹھوں پہ مت پوچھ ۔۔۔ کہوں گا تو لڑنے کو تیار ہو گا
نہ مر کر بھی چھوٹے گا اتنا رُکے گا ۔۔۔ تیرے دام میں جو گرفتار ہو گا

اس طرح سیکڑوں شعر ایسے ہیں جو اور کسی مطبوعہ و قلمی نسخوں میں نہیں ملتے ہیں۔ یہ سب کے سب غیر مطبوعہ ہیں۔ ذیل میں ایک پوری غزل جو غیر مطبوعہ ہے درج کی جاتی ہے: ؎

وہ جو پی کر شراب نکلے گا ۔۔۔ کس طرح آفتاب نکلے گا
محتسب میکدہ سے جاتا نہیں ۔۔۔ یہاں سے ہو کر خراب نکلے گا
یہی چپ ہے تو درد دل کہتے ۔۔۔ مونہہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اُٹھے گا جہاں سے یہ نقاب ۔۔۔ تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کے بھی مونہہ کا بو کیجو ۔۔۔ گر کبھو یہ گلاب نکلے گا
آؤ بالیں تلک نہ ہو کے دیر ۔۔۔ جی ہمارا شتاب نکلے گا
دفتر داغ ہے جگر اس بن ۔۔۔ کسو دن یہ حساب نکلے گا
تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے ۔۔۔ جب میر انتخاب نکلے گا

میر دیکھو گے رنگ نرگس کا
اب جو وہ مست خواب نکلے گا

دیوان میں ۲۰ شعر کی ایک غیر مطبوعہ ہجویہ مثنوی بھی ہے۔ یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ میر نے کس کی ہجو میں کہی تھی۔ مثنوی کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے: ؎

کرتا ہوں معاش دل کے خوں سے
پیدا میں ہوا تھا کس شگوں سے

یہ دیوان آصف الدولہ کے عہد حکومت میں ۱۲۰۲ھ میں موتی لعل[1] ملازم لالہ بھوانی پرشاد دیوان آصف الدولہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔

---

[1] میرے خیال میں یہ وہی موتی لعل المتخلص بہ حیثیت شاگرد میر سوز ہیں جو ۱۱۹۶/۸۱-۱۷۸۰ھ میں لکھنؤ میں تھے اور وہیں سے علی ابراہیم خاں کو گلزار ابراہیم کے لیے نمونہ کلام بھیجا تھا۔ (گلزار ابراہیم ص ۱۲۳، گلشن سخن ص ۱۹۶)

ترقیمہ کی عبارت درج ذیل ہے:

"حق تعالیٰ حسن اخلاق و مروت و وصف جود و سخاوت مرتبہ علم و اقبال و رتبہ فضل و کمال بذات ستودہ صفات لالہ بھوانی پرشاد صاحب کرامت فرمودہ د نظر ہمتش و فیض سخائی ہر کس و قدردانی مردم اہل ہنر و غریب نوازی خاکساران جہاں بغایت معروف است، فقیر حقیر ہیچمدان موتی لعل نیز در زمرۂ خیر اندیشانش جا یافتہ بموجب فرمایش آں والا منش کتاب دیوان بزبان ہندی تصنیف میر تقی صاحب در عہد وزارت نواب فلک اقتدار سکندر منش جم جاہ حاتم عصر نواب آصف الدولہ بہادر دام اقبالہ بخط خود بتاریخ بست و یکم شہر جمادی الاول سنہ یک ہزار و دو صد دہ ہجری باتمام رسانید۔"

کتاب کے مقدمہ کے لیے حسبِ ذیل کتابوں سے

استفادہ

کیا گیا

○ مخطوطات

۱	مجمع النفائس	سراج الدین علی خاں آرزو میکرو فلم ریسرچ لائبریری سری نگر
۲	گلِ رعنا	شفیق اورنگ آبادی
۳	مقالات الشعرا	قیام الدین حیرت
۴	مخزن الغرائب	احمد علی ہاشمی مکتوبہ ۱۲۱۹ھ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۵	نشترِ عشق	حسین قلی خاں مکتوبہ ۱۲۳۳ھ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۶	گلشنِ بیخار	نواب مصطفٰے خاں شیفتہ مکتوبہ ۱۲۹۱ھ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۷	بہارِ بے خزاں	احمد حسین سحر مکتوبہ ۱۲۹۱ھ کتب خانہ ندوہ لکھنؤ
۸	دیوانِ میر حسن	(کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد)
۹	دیوانِ میر	نسخۂ ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد مکتوبہ ۱۱۹۲ھ
۱۰	دیوانِ میر	نسخۂ ادبیات اردو حیدر آباد مکتوبہ ۱۲۲۹ھ
۱۱	دیوانِ میر	نسخۂ سالار جنگ میوزیم حیدر آباد (۲ عدد)
۱۲	دیوانِ میر	نسخۂ آصفیہ (۲ عدد)
۱۳	کلیاتِ میر	نسخۂ ندوہ مکتوبہ ۱۲۳۰ھ
۱۴	دیوانِ میر	نسخۂ ندوہ مکتوبہ ۱۲۴۵ھ
۱۵	دیوانِ میر	نسخۂ انڈیا آفس مکتوبہ ۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء
۱۶	دیوانِ میر	نسخۂ رضوی، مسعود حسن
۱۷	کلیاتِ میر	نسخۂ رامپور مکتوبہ ۱۲۴۵ھ
۱۸	دیوانِ میر	مخطوطہ نمبر ۹۴ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد (نسخۂ محمود آباد)

۱۹ دیوانِ میرؔ نمبر مخطوطہ ۵۰ نسخۂ محمود آباد
۲۰ دیوانِ میرؔ نمبر مخطوطہ ۵۱ نسخۂ محمود آباد دیوانِ دوم
۲۱ دیوانِ میرؔ نمبر مخطوطہ ۵۲ نسخۂ محمود آباد دیوانِ سوم
۲۲ دیوانِ میرؔ بخطِ میر حسن علی تجلّی داماد میر تقی دیوانِ چہارم نسخۂ محمود آباد
۲۳ دیوانِ میرؔ نسخۂ محمود آباد دیوانِ پنجم
۲۴ کلیاتِ میرؔ نسخۂ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مکتوبہ ۱۲۲۳ھ
۲۵ دیوانِ میرؔ نسخۂ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
۲۶ کلیاتِ میرؔ نسخۂ گوالیار
۲۷ دیوانِ مصحفیؔ کتب خانہ لکھنؤ یونیورسٹی
۲۸ دیوانِ مصحفیؔ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۲۹ دیوانِ ناسخؔ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد (۴ عدد)
۳۰ دیوانِ نظیرؔ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۳۱ دیوانِ نامیؔ کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد
۳۲ کلیاتِ جراؔت کتب خانہ لکھنؤ یونیورسٹی
۳۳ مجمع الانتخاب شاہ کمال
۳۴ کلیاتِ انشا کتب خانہ راجہ صاحب محمود آباد مکتوبہ ۱۲۴۴ھ
۳۵ تذکرہ خوش معرکۂ زیبا سعادت خاں ناصرؔ کتب خانہ لکھنؤ یونیورسٹی

○ مطبوعات

۳۶ کلیاتِ میرؔ نسخۂ کلکتہ مطبوعہ ۱۸۱۱ء
۳۷ کلیاتِ میرؔ نسخۂ نولکشوری مطبوعہ ۱۸۶۷ء
۳۸ کلیاتِ میرؔ نسخۂ آسیؔ مطبوعہ نولکشور ۱۹۴۰ء
۳۹ کلیاتِ میرؔ نسخۂ بریلوی مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی
۴۰ دیوانِ میرؔ سردار جعفری نسخۂ جعفری
۴۱ کلیاتِ میرؔ مرتبہ ظل عباس
۴۲ حدیثِ میرؔ مرتبہ مقبول احمد لاری

۴۳ میر تقی میر حیات اور شاعری — خواجہ احمد فاروقی
۴۴ نقدِ میر — سیّد عبداللہ
۴۵ مزامیر — جعفر علی خاں اثر لکھنوی

تذکرے

۴۶ نکات الشعرا — میر تقی میر
۴۷ تذکرۂ ریختہ گویاں — سیّد فتح علی حسینی گردیزی
۴۸ مخزنِ نکات — قائم چاندپوری
۴۹ چمنستانِ شعرا — شفیق اورنگ آبادی
۵۰ طبقات الشعراء — شوق رامپوری
۵۱ مجموعۂ نغز — قدرت اللہ قاسم
۵۲ تذکرۂ شعرائے اردو — میر حسن
۵۳ تذکرۂ شورش — سیّد غلام حسین
۵۴ تذکرۂ مسرت افزا — ابوالحسن امیر الدین امر اللہ الہ آبادی
۵۵ گلشنِ سخن — مردان علی خاں مبتلا
۵۶ گلزارِ ابراہیم — علی ابراہیم خلیل
۵۷ عقدِ ثریا — مصحفی
۵۸ تذکرۂ ہندی — مصحفی
۵۹ گلشنِ ہند — مرزا علی لطف
۶۰ گلشنِ ہند — سیّد حیدر بخش حیدری
۶۱ تذکرۂ عشقی — شیخ محمد وجیہ الدین
۶۲ عمدۂ منتخبہ — میر محمد اعظم سرور
۶۳ دستور الفصاحت — احمد علی یکتا
۶۴ سراپا سخن — محسن علی محسن
۶۵ گلستانِ سخن — مرزا قادر بخش صابر
۶۶ سخنِ شعرا — عبدالغفور خاں نساخ

۶۷ گلشن ہمیشہ بہار نصر اللہ خاں خویشگی

۶۸ طبقات الشعرا مولوی کریم الدین

۶۹ اودھ کیٹلاگ ڈاکٹر اسپرنگر مطبوعہ ۱۸۵۴ء

۷۰ بزمِ سخن سید علی حسن

۷۱ سفینۂ ہندی بھگوان داس ہندی

۷۲ آبحیات مولوی محمد حسین آزاد

۷۳ اورینٹل بیوگرافکل ڈکشنری تھامس ولیم بیل

۷۴ گلدستۂ نازنیناں مولوی کریم الدین مطبوعہ ۱۸۴۵ء

۷۵ سروِ آزاد میر غلام علی بلگرامی

۷۶ ذکرِ میر میر تقی میر (مرتبہ مولوی عبد الحق)

۷۷ وقائع عالم شاہی مرتبہ امتیاز علی عرشی

۷۸ سیر المتاخرین غلام حسین خاں طباطبائی

۷۹ مآثر الامراء نواب صمصام الدولہ

۸۰ عماد السعادت سید غلام علی

۸۱ فہرست مخطوطات انڈیا آفس

۸۲ خزانۂ عامرہ میر غلام علی بلگرامی

۸۳ سفینۂ خوشگو بندرابن خوشگو

۸۴ تاریخ اودھ نجم الغنی

○

تین بڑے شاعر

میر غالب اقبال

ان پر
ادارۂ نقوش نے تین تین جلدیں
چھاپ کر
اُردو ادب کی آبرو میں اضافہ کیا

اور

ابھی میر پہ کام جاری ہے

ادارۂ نقوش، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

(۱)

گل و بلبل بہار میں دیکھا　　ایک تجھ کو ہزار میں دیکھا
جل گیا دل سفید ہیں آنکھیں　　یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جیسا مضطر تھا زندگی میں دل　　وہیں میں نے مزار میں دیکھا[۱]
آبلہ کا بھی ہونا دامنگیر　　ترے کوچے کے خار میں دیکھا
تیرہ عالم ہوا یہ روزِ سیاہ　　اپنے دل کے غبار میں دیکھا
ذبح کر میں کہا تھا مرتا ہوں　　دم نہیں مجھ شکار میں دیکھا[۲]
جن بلاؤں کو میرؔ سنتے تھے
ان کو اس روزگار میں دیکھا

(۲)

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا　　دل کے جانے کا نہایت غم رہا[۳]
حسن تھا تیرا بہت عالم فریب　　خط کے آنے پر بھی اک عالم رہا
دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک　　قطرۂ خوں تھا مژہ پر جم رہا
سنتے ہیں لیلیٰ کے خیمہ کو سیاہ　　اس میں مجنوں کا مگر ماتم رہا[۴]
زلفیں کھولیں تو، تو ٹک آیا نظر　　عمر بھر یاں کام دل برہم رہا

---

[۱] یہ غزل تمام قلمی و مطبوعہ دیوانوں میں پانچ شعر پر مشتمل ہے۔ یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [۲] یہ شعر بھی غیر مطبوعہ ہے۔ [۳] کلیات میرؔ مرتبہ آسی ص ۲۰ اور کلیاتِ میرؔ مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی ص ۱۴۰ میں مصرعہ یوں غلط لکھا ہے: "دم کے جانے کا نہایت غم رہا"۔ گلشن سخن ص ۲۰۷ میں پہلا مصرعہ دوسرا اور دوسرا پہلا لکھا ہے۔ [۴] آسی ص ۲۰ اور عبادت بریلوی ص ۱۴۰ نے مصرعہ میں "مگر" کے بجائے "ولے" لکھا ہے۔ نسخہ کلکتہ ص ۹۲ اور نسخہ ندوہ میں بھی "ولے" کے بجائے "مگر" ہی ہے۔

جامۂ احرام زاہد پر نہ جا   تھا حرم میں لیک نامحرم رہا
اس کے لب سے تلخ ہم سنتے رہے   اپنے حق میں آبِ حیواں سم رہا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی   ایک مدت تک وہ کاغذ نم رہا
صبح پیری شام ہونے آئی میرؔ
تو نہ جیتا اور بہت دن کم رہا[1]

(۳)

چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا   دیکھتے ہی آنکھوں میں گھر کر گیا
دہر میں میں خاک بسر ہی رہا   عمر کو اس طرح بسر کر گیا[2]
دل نہیں ہے منزلِ سینہ میں اب   یاں سے وہ بےچارہ سفر کر گیا
حیف وہ جو نسخۂ دل کے اوپر   سرسری سی ایک نظر کر گیا
کس کو میرے حال سے تھی آگہی   نالۂ دل سب کو خبر کر گیا[3]
گو نہ چلا تا مژہ تیرِ نگاہ   اپنے جگر سے تو گزر کر گیا
مجلس آفاق میں پروانہ ساں
میرؔ بھی شام اپنی سحر کر گیا

(۴)

اس کا خرام دیکھ کے جایا نہ جائے گا   اے کبک پھر بحال بھی آیا نہ جائے گا
پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل   تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
ہم رہروانِ راہ فنا ہیں برنگِ عمر   جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا
گو بےستوں کو ٹال دے آگے سے کوہکن   سنگِ گرانِ عشق اٹھایا نہ جائے گا
ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشم وا[4]   سر سے ہمارے تیغ کا سایا نہ جائے گا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص۹۲ اور نسخۂ ندوہ ورق ۲۲ ب میں مصرع یوں ہے، ع

تو نہ جیتا یہاں بہت دن کم رہا

[2] نسخۂ کلکتہ ص۹۲، نسخۂ ندوہ ورق ۲۲ ب اور نسخۂ آسی ص۱۴۸ میں مصرعِ ثانی میں "طرح" کے بدلے "طور" ہے۔

[3] نسخۂ کلکتہ ص۹۲، نسخۂ ندوہ ورق ۲۲ ب کا مصرعِ ثانی: ع

نالۂ شب سب کو خبر کر گیا

[4] نسخۂ کلکتہ ص۳۹، نسخۂ ندوہ ورق ۱۰ ب: ع

ہم کشتگانِ عشق ہیں ابرو و چشمِ یار

اپنے شہید ناز سے بس ہاتھ اٹھا کہ پھر　　دیوان حشر میں اسے لایا نہ جائے گا
ہم بیخودان محفل تصویر اب گئے　　آئندہ ہم سے آپ میں آیا نہ جائے گا
ہم تو گئے تھے شیخ کو انسان بوجھ کر　　پر اب سے خانقاہ میں جایا نہ جائے گا[1]
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک　　پھر ہم سے دل کا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر باز آ
نادان پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

(۵)

واں وہ تو گھر سے اپنے پی کر شراب نکلا　　یاں شرم سے عرق میں ڈوب آفتاب نکلا
آیا جو واقعہ میں درپیش عالم مرگ　　یہ جاگنا ہمارا دیکھا تو خواب نکلا
دیکھا جو اوس پڑتے گلشن میں ہم تو آخر　　گل کا وہ روئے خنداں چشم پر آب نکلا
پردے ہی میں چلا جائے خورشید تو ہے بہتر　　اک حشر ہے جو گھر سے وہ بے حجاب نکلا
ہر حرف غم نے میرے مجلس کے تئیں رلایا　　گویا غبار دل کا پڑھتا کتاب نکلا
کچھ دیر ہی نہ لاگی دل کو تو تیر لگتے[2]　　اس صید ناتواں کا کیا جی شتاب نکلا
روئے عرق فشاں کو بس پوچھ گرم مت ہو　　پژمردہ ہو بہ وہ گل جس کا گلاب نکلا[3]
مطلق نہ اعتنا کی احوال پر ہمارے　　نامہ کا نامہ ہی میں سب پیچ و تاب نکلا
شان تغافل اپنے تو خط کی کیا لکھیں ہم　　قاصد موا تب اس کے مونہہ[4] سے جواب نکلا
کس کی نگہ کی گردش تھی میر رو بہ مسجد
محراب میں سے زاہد مست و خراب نکلا

(۶)

غم اس کو ساری رات سنایا تو کیا ہوا　　اور[5] روز اٹھ کے سر کو پھرایا تو کیا ہوا

---

[1] غیر مطبوعہ ۔ کسی قلمی یا مطبوعہ دیوان اور تذکرے میں نہیں ملتا ہے ۔

[2] آسی (ص ۱۴۱) : ع　　کچھ دیر ہی لگی نا دل کو تو تیر لگتے
(نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ میں بھی اسی طرح ہے)

[3] مطبوعہ کلیات میر کلکتہ ص ۶۲ میں یوں ہے ؛
اُس گل میں کیا رہے گا جس کا گلاب نکلا

[4] قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں "منہ" ہے ۔　[5] آسی صـ۲۱ ، نسخۂ کلکتہ صـ۶۳ اور نسخۂ ندوہ ورق ۱۱ الف میں "اور" کے بجائے "یا" ہے ۔

اُن نے تو مجھ کو جُھوٹے بھی پُوچھا نہ ایک بار　　میں نے اسے ہزار جتایا تو کیا ہوا
خواہاں نہیں وہ کیوں ہے میں اپنی طرف سے یُوں　　دِل دے کے اس کے ہاتھ بکایا تو کیا ہوا
مت رنجہ کر کسو کو کہ اپنے تو اعتقاد　　دِل ڈھا[1] کر جو کعبہ بنایا تو کیا ہوا
اب سعی کر سپہر کہ میرے موئے گئے　　اس کا مزاج رحم پر آیا تو کیا ہُوا
میں صیدِ ناتواں بھی تجھے کیا کروں گا یاد　　ظالم اک اور تیر لگایا تو کیا ہوا
کیا کیا دعائیں مانگی ہیں خلوت میں شیخ یوں　　ظاہر جہاں سے ہاتھ اٹھایا تو کیا ہوا
وہ فکر کر کہ چاک جگر پاوے التیام　　ناصح جو تُو نے جامہ سلایا تو کیا ہوا

جیتے تو میرؔ ان نے مجھے داغ ہی رکھا
پھر گور پر چراغ جلایا تو کیا ہُوا

(۷)

یاد ایام کہ یاں ترک شکیبائی تھا　　ہر گلی شہر کی ایک کوچۂ رُسوائی تھا[2]
تیرے جلوہ کا مگر رو تھا سحر گلشن کو[3]　　نرگس اب دیدۂ حیران تماشائی تھا
اتنی گزری جو ترے ہجر میں سو اس کے سبب　　صبر مرحوم عجب مونس تنہائی تھا

یہی زلفوں کی تری بات تھی یا کاکل کی
میرؔ کو خوب کیا سیر تو سودائی تھا

(۸)

گرچہ سردار مزوں کا ہے امیری کا مزا　　چھوڑ لذات کو اور لے تو فقیری کا مزا[4]
اے کہ آزاد ہے ٹک چکھ نمک مرغ کباب　　تا تو جانے کہ یہ ہوتا ہے اسیری کا مزا
لوہو پیتے ہی مرا اشک نہ مونہہ کو لاگا　　بوسہ جب لے ہے ترے ہونٹوں کی پپڑی کا مزا[5]

---

[1] آسی ص۹۱۔ نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ میں "ڈھائے" ہے۔ اور نسخوں میں یہ پانچواں شعر ہے۔

[2] نسخۂ کلکتہ ص۱۴۱، نسخۂ ندوہ ورق ۱۱ب : مصرع

ہر گلی شہر کی یاں کوچۂ رسوائی تھا

[3] "گلشن کو" بمعنی گلشن کی طرف۔ نسخۂ کلکتہ میں "گلشن میں" درج ہے۔

[4] نسخۂ کلکتہ مصرع

چھوڑ لذات کے تئیں سلے تو فقیری کا مزا

[5] غیر مطبوعہ

ہم تو گمراہ جوانی کے مزوں پر ہیں میرؔ
حضرت خضر کو ارزانی ہو پیری کا مزا

(۹)

اے دوست کوئی مجھ سا رُسوا نہ ہوا ہوگا   دشمن کے بھی دشمن پر ایسا نہ ہوا ہوگا
اب رشک حنائی سے جو تر نہ کرے مژگاں   وہ تجھ کفِ رنگیں کا مارا نہ ہوا ہوگا
ٹک گورِ غریباں کی کر سیر کہ دنیا میں   ان ظلم رسیدوں پر کیا کیا نہ ہوا ہوگا
بے نالہ و بے زاری بے خستگی و خواری   امروز کبھو اپنا فردا نہ ہوا ہوگا
ہے قاعدۂ کلی یہ کوتے محبت میں   دل گم جو ہوا ہوگا پیدا نہ ہوا ہوگا
اس کہنہ خرابے میں آبادی نہ کر منعم   اک شہر نہیں یاں جو صحرا نہ ہوا ہوگا
آنکھوں سے تری ہم کو ہے چشم کہ اب ہووے   جو فتنہ کہ دنیا میں برپا نہ ہوا ہوگا
جز مرتبۂ کل کو حاصل کرے ہے آخر   اک قطرہ نہ دیکھا جو دریا نہ ہوا ہوگا

صد نشتر مژگاں سے خوباں کے نہ نکلا خوں[2]
آگے تجھے میرؔ ایسا سودا نہ ہوا ہوگا

(۱۰)

کیا مرے آنے پہ تو اے بُتِ مغرور گیا   کبھو اس راہ سے نکلا تو تجھے گھور گیا
لے گئے صبح کے نزدیک مجھے خواب اے وائے   آنکھ اس وقت کھلی قافلہ جب دور گیا
گو رسے نالے نہیں اُٹھتے تو نئے اُگتی ہے   جی گیا پر نہ ہمارا سر پر شور گیا
چشم خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا   ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسور گیا
ہم ہیں اور ضعف ہے اور خاک تیرے کوچے کی[3]   اب تو بے طاقتی سے دل کا بھی مقدور گیا
لے کہیں منہ پہ نقاب اپنے کہ اے غیرت صبح   شمع کے چہرۂ رخشاں سے تو اب نور گیا

نالۂ میرؔ نہیں رات سے سنتے ہم لوگ
کیا ترے کوچہ سے اے شوخ وہ رنجور گیا

---

۱ غیر مطبوعہ
۲ نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ : مصرع   صد نشتر مژگاں کے لگنے سے نہ نکلا خوں
۳ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۴ نسخۂ ندوہ ۱۲ ب : مصرع   ناتواں ہم ہیں کہ ہیں خاک گلی کی اس کے

(۱۱)

خواہ مجھ سے لڑ گیا اب خواہ اس سے مل گیا — کیا کہوں اے ہمنشیں میں تجھ سے حاصل دل گیا
اپنے ہی دل کو نہ ہو واشد تو کیا حاصل نسیم — گو چمن میں غنچۂ پژمردہ تجھ سے کھل گیا
دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے شاید رات کو — کشمکش میں بے قراری کی یہ پھوڑا چھل گیا
قیس کا کیا کیا گیا اُودھر دل و دیں ہوش و صبر — جس طرف صحرا سے لیلیٰ کا چلا محمل گیا

رشک کی جاگہ ہے مرگ اس کشتۂ حسرت کی میر
نعش کے ہمراہ جس کی گور تک قاتل گیا

(۱۲)

دکھ اب فراق کا ہم سے سہا نہیں جاتا — اور اس پہ ظلم یہ ہے کچھ کہا نہیں جاتا
ہوتی ہے آتی تری عکس زلف کی حیراں — کہ موج بحر سے مطلق بہا نہیں جاتا
نہیں گزرتی گھڑی کوئی مجھ خواب پہ آہ — کہ جس میں غم سے ترے جی ڈہا نہیں جاتا
ستم کچھ آج گلی میں تری نہیں مجھ پر — کب آ کے خون میں یاں میں نہا نہیں جاتا[1]

خراب ہم کو کیا اضطراب دل نے میر[2]
کہ ٹک بھی اس کنے اس بن رہا نہیں جاتا

(۱۳)

سمجھے تھے میر ہم کہ یہ ناسور کم ہوا — پھر ان دنوں میں دیدۂ خونبار نم ہوا
آئے برنگ ابر عرق ناک تم ادھر — حیران ہوں کہ آج کدھر کو کرم ہوا
تجھ بن شراب پی کے ہوتے سب ترے خراب — ساقی بغیر تیرے انہیں جام جم ہوا[3]
کافر ہمارے دل کی نہ پوچھ اپنے عشق میں — بیت الحرام تھا سو وہ بیت الصنم ہوا
خانہ خراب کس کا کیا تیری چشم نے (ق) — تھا کون یوں جسے تو نصیب ایک دم ہوا
تلوار کس کے خون میں سر ڈوب ہے تری — یہ کس اجل رسیدہ کے گھر پہ ستم ہوا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۴۴، نسخۂ ندوہ ۱۲ اب اور نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح کا مصرع ہے۔ نسخۂ آسی ص ۲۵ اور نسخۂ عباسی ص ۱۲۹ میں یوں ہے: ع
کب آ کے خون میں میں یاں نہا نہیں جاتا

[2] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ اور نسخۂ آسی میں "ہم کو" کے بجائے "مجھ کو" ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی "ہم کو" ہی درج ہے۔

[3] نسخۂ آصفیہ میں بھی یہ مصرع اسی طرح ہے، نسخۂ کلکتہ ص ۴۴ میں مصرع اول میں "ہوتے" کے بدلے "موئے" اور مصرع ثانی میں "جام سم" درج ہے۔

آئی نظر جو گورِ سلیماں کی ایک روز (ق) کوچہ میں اس مزار کے یہ تھا رقم ہُوا
کاسے سرکشاں جہاں میں کھینچا تھا ہم بھی سر پایانِ کار مور کا خاکِ قدم ہُوا
افسوس کی بھی چشم تھی ان سے خلافِ عقل (ق) بارِ علاقہ سے تو عبث پشت خم ہوا
اہلِ جہاں ہیں سارے ترے جیتے جی تلک پُوچھیں گے بھی نہ بات جہاں تو عدم ہوا
کیا کیا عزیز دوست ملے میرؔ خاک میں
ناداں یاں کسو کو کسو کا بھی غم ہُوا

(۱۴)

شب تھا نالاں عزیز کوئی تھا مرغ خوش خواں عزیز کوئی تھا
شب کو اس کا خیال تھا دل میں گھر میں مہماں عزیز کوئی تھا[1]
تھی تمہارے ستم کی تاب اس تک صبر جویاں عزیز کوئی تھا
چاہِ بے جا نہ تھی زلیخا کی ماہِ کنعاں عزیز کوئی تھا
اب تو اس کی گلی میں خوار ہے لیک
میرؔ یارائی عزیز کوئی تھا[2]

(۱۵)

دل و دماغ ہے اب کس کو زندگانی کا جو کوئی دم ہے سو افسوس ہے جوانی کا
اگرچہ عمر کے دس دن یہ لب رہے خاموش سخن رہے گا سدا میری کم زبانی کا
سبک ہے آ دُوتا[3] مندیل رکھ نماز کو شیخ رہا ہے کونسا اب وقت سرگرانی کا
ہزار جان سے قربان بے پری کے میں خیال بھی کبھو گزرا نہ پر فشانی کا
پھرے ہے کھینچے ہی تلوار مجھ پہ تو ہر دم شہید[4] ہوں میں تری دشمنیِ جانی کا

---

[1] نسخہ کلکتہ ص ۴۴ اور نسخہ ندوہ ۱۳ الف میں یہ تیسرا شعر ہے۔

[2] نسخہ کلکتہ، نسخہ ندوہ اور دیگر قلمی و غیر مطبوعہ نسخوں میں مصرع یُوں ہے، ؎

میرؔ بے جان عزیز کوئی تھا

[3] مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں "آ دُوتا" کے بجائے "آدسے" ہے۔

[4] نسخہ کلکتہ ص ۴۵ اور نسخہ ندوہ ورق ۱۴ الف میں اسی طرح کا مصرع ہے۔ نسخہ آسی ص ۲۶ میں "شہید" کے بجائے "صید" ہے۔

نمود کر کے وہیں بحرِ غم میں بیٹھ گیا
کہے تو میرؔ بھی اک بُلبُلا تھا پانی کا

(۱۶)

موا میں سجدہ میں پر نقش میرا بار رہا — اس آستاں پہ مری خاک سے غبار رہا
جنوں میں اب کی مجھے اپنے دم کا غم ہے حیف — خبر لی جیب میں کہ جامہ میں ایک تار رہا[1]
بشر ہے وُہ پہ کھلا جب سے اس کا دامِ زلف — سرِرہ اس کی فرشتے ہی کا شکار رہا
کبھو نہ آنکھوں میں آیا وُہ شوخ خوب طرح[2] — تمام عمر ہمیں اس کا انتظار رہا
شراب عیش میسر ہُوئی جسے یک شب — پھر اس کو روزِ قیامت تلک خمار رہا
بتاں کے عشق نے بے اختیار کر ڈالا — وُہ دل کہ جس کا خدائی میں اختیار رہا
وہ دل کہ شام سحر جیسے پکا پھوڑا تھا — وُہ دل کہ جس سے ہمیشہ جگر فگار رہا
تمام عمر گئی اس پہ ہاتھ رکھتے ہمیں — وہ دردناک علی الرغم بے قرار رہا
ستم میں غم میں سرانجام اس کا کیا کہیے — ہزاروں حسرتیں تھیں تس پہ جی کو مار رہا
بہا تو خون ہو آنکھوں کی راہ بہہ نکلا — رہے جو سینۂ سوزاں میں داغدار رہا
سو ہم سے اس کو فراموش کاریوں لے گئے — کہ اس سے قطرۂ خوں بھی نہ یادگار رہا

گلی میں اس کی گیا، سو گیا نہ بولا پھر
میں میرؔ میرؔ کر اُس کو بہت پکار رہا

(۱۷)

بیتے جی کُوچہ دلدار سے جایا نہ گیا — اُس کی دیوار کا سر سے میرے سایا نہ گیا
کاوکاوِ مژہ یار و دلِ زار و نزار — گُتھ گئے ایسے شتابی کہ چھڑایا نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا — ہم سے ہی حالِ تباہ اپنا دکھایا نہ گیا
گرم رو راہ فنا کا نہیں ہو سکتا پتنگ — اس سے تو شمع صفت[3] سر بھی کٹایا نہ گیا
خاک تک کوچۂ دلدار کی چھانی حاصل — جستجو کی بھی دلِ گمشدہ پایا نہ گیا

---

[1] نسخۂ کلکتہ: سے

جنوں میں اب کی مجھے اپنے دل کا غم ہے حیف
خبر لی نہ جبکہ جامے میں ایک تار رہا

[2] تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں "خواب کی طرح" ہے۔ — [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۴ "نمط"۔

پاس ناموس محبت تھا کہ فرہاد کے پاس — بے ستوں سامنے سے اپنے اٹھایا نہ گیا
آتشِ تیز جدائی میں یکایک اُس بن — دل جلایوں کہ تنک جی بھی جلایا نہ گیا
مہ نے آ سامنے شب یاد دلایا تھا اُسے — پھر وہ تا صبح مرے جی سے بھلایا نہ گیا
زیرِ شمشیرِ ستم میرؔ تڑپنا[1] کیسا — سر بھی تسلیمِ محبت میں ہلایا نہ گیا

جی میں آتا ہے کہ کچھ اور بھی موزوں کرے
دردِ دل ایک غزل میں سنایا نہ گیا

(۱۸) لہٗ

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا — گھر جلا سامنے اور ہم سے بجھایا نہ گیا[2]
دل میں رہ دل میں کہ معمارِ قضا سے اب تک — ایسا مطبوع مکان کوئی بنایا نہ گیا
کبھو عاشق کے ترے جبہہ سے ناخن کا خراش — خطِ تقدیر کے مانند مٹایا نہ گیا
کیا تنک حوصلہ تھے دیدہ و دل اپنے آہ — ایک دم رازِ محبت کا چھپایا نہ گیا
دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بھوکا تھا — اس ستم کشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا
میں جو تھا صید زبوں صید گہہ عشق کے بیچ — اپنے تئیں خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا[3]
شہرِ دل آہ عجب جائے تھی پر اس کے گئے — ایسا اُجڑا کہ کسو طرح بسایا نہ گیا

آج رہتی نہیں خامہ کی زباں رکھیے معاف
حرف کا طول جو مجھ سے بھی گھٹایا نہ گیا

(۱۹)

گل میں اس کی سی جو بُو آئی تو آیا نہ گیا — ہم کو بن دوش ہوا باغ سے لایا نہ گیا
آہ جو نکلی مرے منہ تو افلاک کے پاس — اس کے آشوب کے عہدے سے بر آیا نہ گیا
گل نے ہر چند کہا باغ میں رہ پر اس بن[4] — جی جو اچٹا تو کسو طرح لگایا نہ گیا

---

[1] نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ آسی ص ۲۷ اور نسخۂ عباسی ص ۱۲۱ میں "تڑپنا" ہے۔

[2] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۳ میں بھی ایسا ہی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۴۶ میں مصرع یوں ہے: ع

گھر جلا سامنے پر ہم سے بجھایا نہ گیا

[3] نسخۂ کلکتہ: ؎

میں تو تھا صید زبوں گہہ عشق کے بیچ
آپ کو خاک میں بھی خوب ملایا نہ گیا

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۴۷ تو شہ اصل مصرع: گل میں ہر چند کہا باغ رہ پر اُس بن

سرنشینِ رہِ میخانہ ہوں میں کیا جانوں — رسم مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا
حیف سے جن کی وہ اس وقت میں پہنچا جس وقت — ان کنے حال اشاروں سے بتایا نہ گیا
منتظر اس کے کرخت ہو گئے بیٹھے بیٹھے — جس کے مرنے کو اٹھایا سو لٹایا نہ گیا[2]
خوف آشوب سے غوغائے قیامت کے تئیں — خُون خوابیدۂ عشاق جگایا نہ گیا
خطرِ راہِ محبت کہیں جوں حرف سے مٹے — جس سے اس طرف کو قاصد بھی چلایا نہ گیا

میرمت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر
زخم دل چاک جگر تھا کہ سِلایا نہ گیا

(۲۰)

غمزے نے اس کے چوری میں دل کی ہنر کیا — اس خانماں خراب نے آنکھوں میں گھر کیا
رنگ اُڑ چلا چمن میں گلوں کا تو کیا نسیم — ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا
نافع تھیں جو مزاج کو اوّل سو عشق میں[3] — آخر اُنہیں دواؤں نے ہم کو ضرر کیا
مرتا ہوں جان دیں ہیں وطن داریوں پہ لوگ — اور سنتے جاتے ہیں کہ ہر اک نے سفر کیا[4]
جس دم کہ تیغ عشق کھنچی بوالہوس کہاں — سُن لیجیو کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا
دل زخمی ہو کے تجھ تئیں پہنچا تو کم نہیں — اس نیم کشتہ نے بھی قیامت جگر کیا
کیا جانوں بزمِ عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ — میں صحبت شراب سے آگے سفر کیا
ہیں چار طرف خیمے کھڑے گرد باد کے — معلوم نہیں جنوں نے ارادہ کِدھر کیا[5]
وہ دشت خوفناک رہا ہے میرا وطن — سُن کر جسے خضر نے سفر سے حذر کیا
کچھ کم نہیں ہیں شعبدہ بازوں سے میگسار — دارو پلا کے شیخ کو آدم سے خر کیا
ہے کون آپ میں جو ملے تجھ سے مست ناز — ذوق خبر ہی نے ہمیں تو بے خبر کیا[6]
لکنت تری زبان کی ہے سحر جس سے شوخ — یک حرف نیم گفتہ نے دل پر اثر کیا

---

[1] غیر مطبوعہ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۴۹ میں "کنے" کی بجائے "سلئے" ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۵۰ : مصرع
نافع جو تھیں مزاج کو اوّل سو عشق میں
[4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ ۱۹ ب میں مصرع یوں ہے : مصرع
کیا جانیے جنوں نے ارادہ کدھر کیا
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۵۰ : مصرع ذوق خبر ہی نے تو ہمیں بے خبر کیا

بے شرم محض ہے وُہ گنہگار جن نے میرؔ
ابرِ کرم کے سامنے دامان تر کیا

(۲۱)

محبت کا جب زورِ بازار ہو گا — بکیں گے سر اور کم خریدار ہو گا
تسلی ہوا صبر سے کچھ میں تجھ بن — کبھو یہ قیامت طرح دار ہو گا[1]
صبا موئے زلف اس کا ٹوٹے تو ڈر ہے — کہ اک وقت میں یہ سیہ مار ہو گا[2]
میرا دانت ہے تیرے ہونٹھوں پہ مت پوچھ — کہوں گا تو لڑنے کو تیار ہو گا[3]
عجب شیخ جی کی ہے شکل و شمائل — ملے گا تو صورت سے بیزار ہو گا[4]
نہ رو عشق میں دشت گردی کو مجنوں — ابھی کیا ہوا ہے بہت خوار ہو گا
نہ خالی رہے گی مری جا گر میں — نہ ہوں گا تو اندوہ بسیار ہو گا
زمیں گیر ہو عجز سے تو کہ اک دن — یہ دیوار کا سایہ دیوار ہو گا
یہ منصور کا خون ناحق کہ حق تھا — قیامت کو کس کس کا خوندار ہو گا
نہ مر کر بھی چھوٹے گا اتنا رُکے گا — تیرے دام میں جو گرفتار ہو گا[5]

نہ پُوچھ اپنی مجلس میں ہے میرؔ بھی یاں
جو ہو گا تو جیسے گنہگار ہو گا

(۲۲)

کب تک تو امتحاں میں مجھ سے جُدا رہے گا — محشر تلک تجھی میں یہ دل لگا رہے گا[6]
درد فراق میں اور ہم میں تو بگڑی صحبت — زخم دل اور نمک میں کب تک مزا رہے گا[7]
تو برسوں میں ملے ہے یاں فکر یہ رہی ہے — جی جاتے گا ہمارا اک دم کو یا رہے گا

---

۱ غیر مطبوعہ ۲ غیر مطبوعہ ۳ غیر مطبوعہ ۴ غیر مطبوعہ ۵ غیر مطبوعہ

۶ نسخۂ کلکتہ ص ۵۲ اور نسخۂ ندوہ ۱۷ الف : ع

جیتا ہُوں تو تجھی میں یہ دل لگا رہے گا

۷ مطبوعہ نسخوں میں یُوں ہے : ـــ

یہاں ہجر اور ہم میں بگڑی ہے کب کی صحبت
زخم دل و نمک میں کب تک مزا رہے گا

میرے نہ ہونے کا تو ہے اضطراب یونہی
آیا ہے جی لبوں پر اب کیا ہے جا رہے گا[1]

غافل نہ رہیو ہرگز نادان داغ دل سے
بھڑکے گا جب یہ شعلہ تب گھر جلا رہے گا

مرنے پر اپنے مت جا سالک طلب میں اس کی
گو سر کو کھو رہے گا پر اس کو پا رہے گا

دیدار کا تو وعدہ محشر پہ دیکھ کے کر[2]
بیمار غم میں تیرے تب تک کو کیا رہے گا

عمر عزیز ساری دل ہی کے غم میں گزری
بیمار عاشقی یہ کس دن بھلا رہے گا

کیا ہے جو اٹھ گیا ہے پر بستۂ وفا ہے
قیدِ حیات میں ہے تو میر آ رہے گا

(۲۳)

جو یہ دل ہے تو کیا سر انجام ہو گا
تہِ خاک بھی خاک آرام ہو گا

مرا جی تو آنکھوں میں آیا یہ سنتے
کہ دیدار بھی ایک دن عام ہو گا

نہ ہو گا وہ دیکھا جسے کبک تو نے
وہ کوئی باغ کا سرو اندام ہو گا[3]

ایک عالم کی ہیں لگ رہی چھت سے آنکھیں[4]
تو اے ماہ کس دن لب بام ہو گا[5]

نہ کر قتل مجھ شہرۂ شہر کے تئیں
بہت اس میں ظالم تو بدنام ہو گا

وہ کچھ جانتا ہو گا زلفوں میں پھنسا
جو کوئی اسیر تہ دام ہو گا[6]

جگر چاکی، ناکامی، دنیا ہے آخر
نہیں آیا جو میر کچھ کام ہو گا[7]

---

[1] غیر مطبوعہ۔ اور کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے میں درج نہیں ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۵۲ میں مصرع یوں ہے: ع

دیدار کا تو وعدہ محشر میں دیکھ کر کر

[3] نسخۂ ندوہ: ع
وہ اک باغ کا سرو اندام ہو گا

[4] نسخۂ کلکتہ مصرع اول: ع
ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں

[5] دیگر قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں مصرعِ اول یوں ہے: ع
"نہ نکلا کر اتنا بھی بے پردہ گھر سے"

[6] غیر مطبوعہ۔ لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

[7] نسخۂ کلکتہ: ع

نہیں آتے جو میر کچھ کام ہو گا

(۲۴)

خواب میں تو نظر جمال پڑا — پر میرے جی ہی کے خیال پڑا
وہ نہانے لگا تو سایۂ زُلف — بحر میں تو کہے کہ جال پڑا
میں نے تو سر دیا پر اے جلّاد — کس کی گردن پہ یہ وبال پڑا
شیخ قلاش ہے جوئے میں نہ لاؤ — یاں ہمارا رہے ہے مال پڑا

گندمی رنگ خُوبرو اب نہیں[1]
میرؔ ہندوستان میں کال پڑا

(۲۵)

نقاش دیکھ تو میں کیا نقش یار کھینچا — اس شوخ کم نما کا نت انتظار کھینچا
رسم قلمروِ عشق مت پُوچھ کچھ کہ ناحق — ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا
تھا بے شراب ساقی کتنا کہ رات مے سے — میں نے جو ہاتھ کھینچا ان نے کنار کھینچا
مستی میں شکل ساری نقاش سے کھنچی پر — آنکھوں کو دیکھ تیری[2] آخر خمار کھینچا
جی کھنچ رہے ہیں اودھر عالم کے ہو گا بلوا — گر شانہ تو نے اس کی زلفوں کا تار کھینچا
تھا شب کسی کسائی تیغ کشیدہ کف میں — پر میں نے بھی بغل میں بے اختیار کھینچا

پھرتا ہے میرؔ تو جو پھاڑے ہُوئے گریباں
کس کس ستم زدہ نے دامانِ یار کھینچا

(۲۶)

وہ جو پی کر شراب نکلے گا — کس طرح آفتاب نکلے گا[3]
محتسب میکدے سے جاتا نہیں — یاں سے ہو کر خراب نکلے گا

---

[1] کلیاتِ میرؔ کے مختلف مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یہ مصرع اس طرح ہے: ع

خوبرو اب نہیں ہیں گندم لوگ

[2] نسخۂ کلکتہ ۵۳، نسخۂ ندوہ ۱۰ الف: ع — آنکھوں کو دیکھ اس کی آخر خمار کھینچا

[3] یہ پوری غزل غیر مطبوعہ ہے اور کسی قلمی دیوان یا تذکرہ میں نہیں ملتی ہے۔ ایک اور جگہ ساقی نامہ میں ایسے ہی مضمون کا شعر ملتا ہے، سہ

شب وہ جو پیے شراب نکلا
جانا یہ کہ آفتاب نکلا

یہی چپ ہے تو درد دل کہیے — مُونہہ سے کیونکر جواب نکلے گا
جب اٹھے گا جہاں سے یہ نقاب — تب ہی اس کا حجاب نکلے گا
عرق اس کے بھی مونہہ کا جو کبھو — گر کبھو یہ گلاب نکلے گا
آؤ بالیں تلک نہ ہو کے دیر — جی ہمارا شتاب نکلے گا
دفتر داغ ہے جگر اُس بن — کسو دن یہ حساب نکلے گا
تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے — جب میرا انتخاب نکلے گا

میر دیکھو گے رنگ نرگس کا
اب جو وہ مست خواب نکلے گا

(۲۷)

ترا رُخ مخطط قرآن ہے ہمارا — بوسہ بھی لیں تو کیا ہے ایمان ہے ہمارا[1]
گریہ ہے بے قراری تو رہ چکا بغل میں — کوئی روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا[2]
ہیں اس خراب دل سے مشہور شہر خوباں — اس ساری بستی میں گھر ویران ہے ہمارا
ہیں صید گہہ کے میری صیاد کیا نہ دھڑکے — کہتے ہیں صید جو ہو بے جان ہے ہمارا
مشکل بہت ہے ہم سا پیدا تو نا بہم پھر — یوں مار ڈالنا تو آسان ہے ہمارا[3]
ادریسؑ و خضرؑ و عیسیٰؑ قاتل سے ہم چھڑائے — ان خون گرفتگاں پر احسان ہے ہمارا
ہم وے ہیں سن رکھو تم مر جائیں رک کے یکجا — کوئی[4] کوچہ گوچہ پھرنا عنوان ہے ہمارا
کرتے ہیں باتیں کس کس ہنگامہ کی یہ زاہد — دیوان حشر گویا دیوان ہے ہمارا
خورشید رو کا پرتو آنکھوں میں روز ہیگا — یعنی کہ شرق رویہ دالان ہے ہمارا[5]

---

[1] مخزن نکات ص ۱۴۱ میں مصرع اول یہ ہے، "اس کا رُخ مخطط قرآن ہے ہمارا"
گلشن سخن ص ۲۰۹ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر متن میں نقل کیا گیا ہے۔

[2] گلشن سخن ص ۲۰۶ مصرع اول: "ہے گر نہ بے قراری تو رہ چکا بغل میں"
نسخہ کلکتہ ص ۶۵، نسخہ ندوہ ۲۴ الف میں مصرع ثانی:
"دو روز دل ہمارا مہمان ہے ہمارا"

[3] نسخہ کلکتہ، نسخہ ندوہ: —
"مشکل بہت ہے ہم سا پھر کوئی ہاتھ آنا
یوں مارنا تو پیارے آسان ہے ہمارا"

[4] مطبوعہ کلیات میں "کوئی" کے بدلے "کیا" ہے۔

[5] غیر مطبوعہ

ماہیتِ دو عالم کھاتی پھرے ہے غوطہ   یک قطرہ خون یہ دل طوفان ہے ہمارا
نالے میں اپنے ہر شب آتے ہیں ہم بھی پنہاں   غافل تری گلی میں منداں ہے ہمارا[1]
کیا خاندان کا اپنے تجھ سے کہیں تقدس   رُوح القدس اک ادنیٰ دربان ہے ہمارا
کرتا ہے کام وہ جو دل عقل میں نہ آئے   گھر کا مشیر کتنا نادان ہے ہمارا
جی جا مہ آہ ظالم تیرا ہی تو ہے سب کچھ   کس مُونہہ سے پھر کہیں جی قربان ہے ہمارا[2]

بنجر زمین دل کی ہے میرؔ ملک اپنی
پُر داغ سینہ مُہری فرمان ہے ہمارا

(۲۸)

جی اپنا میں نے تیرے لیے خوار ہو دیا   آخر کو جستجو نے تری مجھ کو کھو دیا
بے طاقتی سکوں نہیں رکھتی ہے ہمنشیں   رونے نے ہر گھڑی کے ہمیں تو ڈبو دیا[3]
اے ابر اس چمن میں نہ ہوگا گل امید   یاں تخم اشک یاس کو میں پھر کے بو دیا[4]

پُوچھا جو میں نے درد محبت سے میرؔ کو
رکھ ہاتھ دل پہ ان نے ٹک اک اپنے رو دیا

(۲۹)

ہو رہتا ہے جہاں میں اک روز و شب تماشا   دیکھا میں سیر کر ہے دنیا عجب تماشا[5]
ہر چند شور محشر اب بھی ہے در پہ لیکن   نکلے گا یار گھر سے ہووے گا جب تماشا
بھڑکی ہے آتش غم منظور[6] تھی جو تجھ کو   جلنے کا عاشقوں کے آ دیکھ اب تماشا

طالع جو میرؔ خواری خوش آتی دوست کے تیئں[7]
پر غم یہ ہے مخالف دیکھیں گے سب تماشا

---

[1] غیر مطبوعہ   [2] غیر مطبوعہ   [3] نسخۂ کلکتہ ص ۶۶ : مصرع
"رونے نے ہر گھڑی کے مجھے تو ڈبو دیا"

[4] مطبوعہ کلیات : مصرع
"یہاں تخم یاس اشک کو میں نے پھر کے بو دیا"

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۶۶ : شعر
ہوتا ہے یہاں جہاں میں ہر روز و شب تماشا
دیکھا جو خوب تو ہے دنیا عجب تماشا

[6] بعض نسخوں میں "تھی" کی بجائے "ہے" درج ہے۔   [7] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ : مصرع
طالع جو میرؔ خواری محبوب کو خوش آئی

(۲۰)

کب مصیبت زدہ دل مائل آزار نہ تھا — کون سے درد و ستم کا یہ طرف دار نہ تھا
دھوپ میں جلتی تھیں[۱] غربت وطنوں کی لاشیں — تیرے کوچے میں مگر سایۂ دیوار نہ تھا
آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ — آئینہ تھا یہ ولے قابل دیدار نہ تھا
حیف سمجھا ہے نہ وہ قاتل ناداں ورنہ — بے گنہ مارنے قابل یہ گنہ گار نہ تھا
صد گلستاں تہ اک بال تھے اس کے جب تک — طائر جان قفس تن کا گرفتار نہ تھا
عشق کا جذب ہوا باعث سودا ورنہ — یوسف مصر زلیخا کا خریدار نہ تھا
نرم تر موم سے بھی ہم کو کوئی دیتی قضا — سنگ چھاتی کا تو یہ دل ہمیں درکار نہ تھا

رات حیراں ہوں کچھ چپ ہی مجھے لگ گئی میرؔ
درد پنہاں تھے بہت پر لب اظہار نہ تھا

(۲۱)

خط مونہہ پہ آئے جاناں خوبی پہ جان دے گا — ناچار عاشقوں کو رخصت کے[۵] پان دے گا
سارے رئیس تن کے ہیں معرض تلف میں[۲] — یہ عشق بے محابا کس کو امان دے گا
پائے پر آبلہ سے میں گم شدہ گیا ہوں — ہر خار بادیہ کا میرا نشان دے گا
بگڑی ہے داغ میں اور سینہ میں عشق دیکھیں[۳] — دل کو جگر کو کس کو اب درمیان دے گا
نالہ ہمارا ہر شب گزرے ہے آسماں سے — فریاد پر ہماری کس دن تو کان دے گا
مت رغم سے ہمارے خوباں[۴] حنا لگاؤ — پابوس پر تمہارے سر تنو جوان دے گا
اس برہمن پسر کے قشقہ پہ مرتے ہیں ہم — ٹک دے گا رد تو گویا جی ہم کو دان دے گا[۶]
ہو جو نشانہ اس کا اسے بوالہوس سمجھ کر — تیروں کے مارے سارے سینے کو چھان دے گا

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۶۵: مصرع — دھوپ میں جلتی ہیں غربت وطنوں کی لاشیں
۲ نسخۂ کلکتہ ص ۶۶ اور دیگر قلمی نسخوں میں مصرع یوں ہے:
سارے رئیس اعضا ہیں معرض تلف میں
۳ نسخۂ کلکتہ ص ۶۶: مصرع — داغ اور سینے میں کچھ بگڑی ہے عشق دیکھیں
۴ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ: مصرع — مت رغم سے ہمارے پیارے حنا لگاؤ
۵ غیر مطبوعہ ۶ غیر مطبوعہ

گھر چشم کا ڈبومت دل کے گئے پہ رو رو
کیا میرؔ ہاتھ سے تو یہ بھی مکان دے گا

(۲۲)

کیا دن تھے وے کہ یاں بھی دل آرمیدہ تھا — رو آشیان طائر رنگ پریدہ تھا
قاصد جو واں سے آیا تو شرمندہ میں ہوا — بے چارہ گریہ ناک وگریباں دریدہ تھا[2]
اک وقت ہم کو تھا سرِ گریہ کہ دشت میں — جو خار خشک تھا سو وہ طوفاں رسیدہ تھا
جس صیدگاہ عشق میں یاروں کا جی گیا — مرگ اس شکار گہہ کا شکار رمیدہ تھا
کورتی چشم کیوں نہ زیارت کو اس کی آئے — یوسف سا جس کو مدِّ نظر نور دیدہ تھا[3]
افسوس مرگ صبر ہے اس واسطے کہ وہ — گلہائے باغ عشرت دنیا نچیدہ تھا[4]
مت پوچھ کس طرح سے کٹی رات ہجر کی — ہر نالہ میری جان کو تیغ کشیدہ تھا
حاصل نہ پوچھ گلشن مشہد کا بوالہوس — یاں پھل ہر یک درخت کا حلق بریدہ تھا
دل بے قرار گریہ خونیں ہیں رات میرؔ
آیا نظر تو بسمل در خوں طپیدہ تھا

(۲۳)

کل چمن میں گل وسمن دیکھا — آج دیکھا تو باغ بن دیکھا
کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں — داغ دل دیکھے بس چمن دیکھا[6]
ذوق پیکانِ تیر میں تیرے — مدتوں تک جگر نے چھن دیکھا

---

[1] نکات الشعراء ص ۱۵۹، نسخۂ کلکتہ ص ۶۷ میں "دے" ہے لیکن تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۲ اور شوقؔ رامپوری نے طبقات الشعراء ص ۲۱۰ میں "وہ" لکھا ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ "گریہ ناک" اور "گریباں" کے درمیان "و" نہیں ہے۔ [3] غیر مطبوعہ [4] غیر مطبوعہ
[5] نسخۂ آسی ص ۵۴ بلہوس، نکات الشعراء : ؎

حاصل نہ پوچھ باغ شہادت کا بوالہوس

لیکن نسخۂ کلکتہ ص ۶۷ اور نسخۂ ندوہ ورق ۲۵ ب میں مصرع متن جیسا ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۶۹، نسخہ ندوہ ۲۵ الف، نسخۂ آسی ص ۵۴ اور نسخۂ ڈاکٹر بریلوی ص ۱۳۵ میں اس مصرع کے بدلے چھٹے شعر کا دوسرا مصرع "عاشقوں کا جلا وطن دیکھا" لکھا ہے۔ مخطوطۂ "گلشن بیخار" میں بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ اوپر متن میں لکھا گیا ہے دیگر نسخوں میں شعر یوں ہے : ؎

کیا ہے گلشن میں جو قفس میں نہیں — عاشقوں کا جلا وطن دیکھا

ایک چشمک دو صد سناں مژہ — اس نکیلے کا بانکپن دیکھا[۱]

شکر زاہد کا اپنی آنکھوں میں — ہے عوض خرقہ مرتہن دیکھا[۲]

گھر کے گھر جلتے تھے پڑے تیرے — عاشقوں کا جلا وطن دیکھا[۳]

حسرت[۴] اس کی جگہ تھی خوابیدہ
میر کا کھول کر کفن دیکھا

(۳۴)

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا — کھب گئی جی میں تیری بانکی ادا[۵]

بات کہنے میں گالیاں دے ہے — سنتے ہو میرے بد زباں کی ادا

جی چلے جاتے ہیں ہر قدم اوپر[۶] — دیکھے چلنے میں ان بتاں کی ادا

جادو کرتے ہیں شہر[۷] نگاہ کے بیچ — ہائے رے چشم دلبراں کی ادا

خاک میں مل کے میر ہم سمجھے
بے ادائی تھی آسماں کی ادا

(۳۵)

مارا زمیں میں گاڑا تب اس کو صبر آیا — اس دل نے ہم کو آخر یوں خاک میں ملایا

اس گل زمیں سے اب تک لگتے ہیں سرو مائل[۸] — مستی میں جھکتے جس پر تیرا پڑا ہے سایا

---

[۱] یہ شعر ڈاکٹر عبادت بریلوی کے کلیاتِ میر میں درج نہیں ہے۔ [۲] یہ غیر مطبوعہ ہے اور کسی قلمی دیوان میں درج نہیں ہے۔ [۳] کلیاتِ میر کے مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر غلط درج ہوا ہے۔ [۴] گلشن سخن ص ۲۰۷ میں "حسرت" کے بدلے "حیرت" ہے۔ [۵] یہ شعر نکات الشعراء ص ۱۵۹ اور طبقات الشعراء ص ۲۱۰ جیسے قدیم تذکروں میں بھی ہے۔ میر نے دوسرے مصرعے میں نکات الشعراء میں "جی" کے بدلے "جیو" لکھا ہے۔ شوق نے دوسرا مصرع پہلے کے بجائے لکھا ہے۔ یہ غزل کلیاتِ میر مطبوعہ کلکتہ کے دیوان دوم میں ۱۰۳ صفحہ پر ہے۔ اسی کلیات کے دیوان پنجم ص ۶۱۷-۶۱۶ میں یہ دوبارہ نقل کی گئی ہے۔ یہی غلطی آسی اور ڈاکٹر عبادت بریلوی نے بھی کی ہے۔ آسی نے کلیاتِ میر میں اس غزل کو دیوان دوم ص ۴۴۷ اور دیوان پنجم ص ۵۲۰ میں دو مرتبہ شامل کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبادت بریلوی نے پہلے دیوان دوم ص ۱۰۴ اور پھر دیوان پنجم ص ۵۴۰ میں شائع کرکے غلطی کی ہے۔ کلیاتِ میر مطبوعہ نولکشور کے سبھی نسخوں میں ایسی ہی غلطی موجود ہے۔ [۶] مطبوعہ نسخوں میں یہ مصرع یوں ہے:

ع دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ

[۷] آسی نے "ہر" کے بجائے "اک" لکھا۔ نسخۂ کلکتہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں غزل کے صرف تین شعر ہیں۔ [۸] مطبوعہ کلیات میں "سرو مائل" کے بجائے "سرو جس جا" ہے۔

یکساں تھی قتل گہ اور اس کی گلی مجھے تو[1] ‏ ‏ ‏ واں خاک میں ہیں لوٹا یاں لوہو میں نہایا
پوجے سے اور پتھر ہوتے ہیں یہ صنم تو ‏ ‏ ‏ اب کس طرح اطاعت[2] ان کی کروں خدایا
تا چرخ نالہ پہنچا لیکن اثر نہ دیکھا ‏ ‏ ‏ کرنے سے اب دعا کے میں ہاتھ ہے اٹھایا
تیرا ہی منہ تکے ہے کیا جانیے کہ نوخط ‏ ‏ ‏ کیا باغ سبز تو نے آئینہ کو دکھایا
آخر کو مر گئے ہم اس کی ہی جستجو میں ‏ ‏ ‏ جی کے تئیں بھی کھویا لیکن اسے نہ پایا
شادابی و لطافت ہرگز نہ[3] ہو یہ اس میں ‏ ‏ ‏ تیری مسوں پر گرچہ سبزہ نے زہر کھایا
لگتی نہیں ہے دارو ہیں سب طبیب حیراں ‏ ‏ ‏ ایک روگ میں بساہا جی کو کہاں لگایا
ہوتا تھا مجلس آرا گر غیر کا تجھے تو ‏ ‏ ‏ مانند شمع مجھ کو کاہے نتیں جلایا[4]
کہ ہیچ اس کے منہ کو جی میں ڈراتا ہیں[5] تو ‏ ‏ ‏ بارے وہ شوخ اپنی خاطر میں کچھ نہ لایا

تھی یہ کہاں کی یاری آئینہ رو کہ تو نے
دیکھا جو میرؔ کو تو بگڑا وہ مونہہ بنایا[6]

(۳۶)

شکوہ کروں میں کب تک اس اپنے مہرباں کا ‏ ‏ ‏ القصہ رفتہ رفتہ دشمن ہوا ہے جاں کا
گریہ پہ رنگ آیا قید قفس میں[7] شاید ‏ ‏ ‏ خوں ہو گیا جگر میں اب داغ گلستاں کا
دی آگ رنگ گل نے واں اے صبا چمن میں ‏ ‏ ‏ یاں ہم جلے قفس میں سن حال آشیاں کا
جھاڑو و ٹوکرا لے ہر صبح آتا ہے[8] ‏ ‏ ‏ جاروب کش مگر ہے خورشید اسکے ہاں کا
ہر صبح میرے سر پر ایک حادثہ نیا ہے ‏ ‏ ‏ پیوند ہو زمیں کا شیوہ اس آسماں کا
ان صید افگنوں کا کیا ہو شکار کوئی ‏ ‏ ‏ ہوتا نہیں ہے آخر کام ان کے امتحاں کا

---

۱ نسخہ کلکتہ ص ۲۸: مصرع ‏ ‏ یکساں ہے قتل گہ اور اس کی گلی تو مجھ کو
۲ نسخہ آسی ص ۱۰: "ان کی" ۳ نسخہ کلکتہ و نسخہ ندوہ ۶ الف: "ہرگز ہوئی نہ" ۴ نسخہ کلکتہ: مصرع
مانند شمع مجھ کو کاہے کے تئیں جلایا
۵ نسخہ کلکتہ: "یہاں تو" ۶ مطبوعہ کلیات: مصرع
دیکھا جو میرؔ کو تو بے ہیچ منہ بنایا
۷ نسخہ آسی ص ۱۱ "سے"، (نسخہ کلکتہ ص ۲۹ اور نسخہ ندوہ میں بھی "سے" ہی ہے) ۸ نسخہ کلکتہ ص ۲۹: مصرع
لے جھاڑو ٹوکرا ہی آتا ہے صبح ہوتے ‏ ‏ ‏ جاروب کش مگر ہے خورشید اسکے یہاں کا
یہ شعر نسخہ ندوہ ورق ۶ الف اور دوسرے قلمی نسخوں میں بھی نسخہ کلکتہ جیسا درج ہے۔

تب تو مجھے کیا تھا تیروں سے صید اپنا — اب کرتے ہیں نشانا ہر میرے استخواں کا

فتراک جس کے اکثر لوہو میں تر رہے ہے — وہ قصد کب کرے ہے اس صید ناتواں کا

کم فرصتی جہاں کے مجمع کی کچھ نہ پوچھو — بیٹھا بھی ہے کہوں میں اس مجلس رواں کا[1]

یا روئے یا رلایا اپنی تو یوں ہی گزری — کیا ذکر ہم صفیراں یارانِ شادماں کا[2]

قید قفس میں ہیں تو خدمت ہے نالگی کی — گلشن میں تھے تو ہم کو منصب تھا روضہ خواں کا

سجدہ کریں ہیں سن کر اوباش سارے اسکو — سید پسر وہ پیارا ہے گا امام بانکا

سوگالی ایک چشمک اتنا سلوک تو ہے — اوباش خانہ جنگ اس خوش چشم بد زباں کا

ناحق شناسی ہے یہ زاھد نہ کر برابر — طاعت سے سو برس کی سجدہ اس آستاں کا

جس دن کہ تیرے[3] مونھ سے برقع اٹھے گا سینو — اس روز سے جہاں میں خورشید پھر نہ جھانکا

ناحق بھی[4] ظلم کرنا انصاف کہہ پیارے — ہے کون سی جگہ کا کس شہر کا کہاں کا[5]

ہیں دشت اب یہ جیتے بستی تھی شہر سارے — ویرانۂ کہن ہے معمورہ اس جہاں کا[6]

سودائی ہو تو رکھے بازار عشق میں پا — سرمفت بیچتے ہیں یاں[7] کچھ چلن ہے واں کا

پوچھو تو میرؔ سے کیا کوئی نظر چڑھا ہے
چہرا اتر رہا ہے از بسکہ اس جواں کا[8]

(۴۷)

ہمارے آگے تیرا جب کنھی نے نام لیا[9] — دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

ہیں بند عشق میں ہم طالع زلیخا کے[10] — عزیز مصر کا بھی صاحب اک غلام لیا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۹، نسخۂ ندوہ ۹ الف: ع احوال کیا کہوں میں اس مجلس رواں کا

[2] نسخۂ کلکتہ میں سولھواں شعر ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ اور دیگر قلمی نسخوں میں "تیرے" کے بجائے "اس کے" ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ میں "یہ" ہے۔

[5] غیر مطبوعہ [6] نسخۂ کلکتہ میں "یاں" کے بدلے "یہ" ہے۔ [7] نسخۂ کلکتہ ص ۳۰، نسخۂ ندوہ: ع

چہرا اتر رہا ہے کچھ آج اس جواں کا

[8] تذکرۂ عشقی ص ۱۹۱، عمدۂ منتخبہ ص ۵۵۶، گلشن ہند صفحہ ۲۱۰ اور مخطوطۂ گلشن بیخار میں مصرع یوں ہے: ع

ہمارے آگے تیرا جب کسی نے نام لیا

(نسخۂ کلکتہ میں "کسی" کی بجائے "کسو" ہے)

[10] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ: ع قسم جو کھائیے تو طالع زلیخا کی

خراب رہتے تھے مسجد کے آگے میخانے — نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا
وہ کج روش نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھو — نہ سیدھی طرح سے ان نے میرا سلام لیا
مزا دکھاویں گے بے رحمی کا تجھے صیاد[1] — گر اضطراب اسیری نے زیر دام لیا
میرے سلیقہ سے میری نبھی محبت میں — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

(۳۸)

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اس نخچیر کا — جس کے ہر ٹکڑے میں ہے پیوست پیکاں تیر کا[2]
سب کھلا باغ جہاں اِلّا یہ حیران و خفا — جس کو دل سمجھے تھے ہم سو غنچہ تھا تصویر کا
بُو تے خُوں سے جی رُکا جاتا ہے اے بادِ بہار — ہو گیا ہے چاک دل شاید کسو دلگیر کا
کیونکہ نقاش ازل نے نقش ابرو کا کیا — کام ہے اک تیرے مُونہہ پر کھینچنا شمشیر کا
نالہ کش ہیں عہد پیری میں بھی تیرے در پہ ہم — قد خم گشتہ ہمارا حلقہ ہے زنجیر کا
جو ترے کوچے میں آیا پھر نہیں کاڑھا اُسے — تشنۂ خوں ہیں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا[3]
خون سے میر ہوئی ایک دم خوشی تم کو تو لیک — مفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا
لختِ دل سے جوں جھڑی پھولوں کی گوندھی ہے ولے — فائدہ کچھ اے جگر اس آہ بے تاثیر کا
بس طبیب اٹھ جا مری بالیں سے مت دے دردِ سر — کام یاں آخر ہوا اب فائدہ تدبیر کا[4]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۳۰: ع
مزا دکھاویں گے بے رحمی کا تری صیاد

[2] یہ شعر نکات الشعراء ص ۱۵۴، طبقات الشعراء ص ۲۰۶، تذکرۂ شورش ص ۱۹۰ میں بھی ایسا ہی درج ہے۔ گلشن سخن ص ۲۰۶ میں پہلے مصرع میں "سیر" کے بجائے "صید" ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۳۰ میں مصرع ثانی میں "ہے" کے بجائے "ہو" ہے۔ [3] شورش نے (تذکرۂ شورش ص ۱۹۰) اس شعر پر اعتراض کیا ہے۔ کہتے ہیں: "در مصرعہ اوّل لفظ "کاڑھا" کہ آوردہ اند برائے مایان سند است ..... لیکن مردمان فصیح در عظیم آباد نمی گویند۔ مگر عوام الناس می گویند "کھانا کاڑھا گیا" ..... ازیں راہ درست۔ اگر بایں طور" موزوں می کردند خوب می شد۔ ؎

"جو تیرے کُوچے میں آیا پھر نہیں چھوڑا اُسے
تشنۂ خوں میں تو ہوں اس خاک دامنگیر کا"

نسخۂ کلکتہ ص ۳۰، نسخۂ ندوہ ۶ ب اور دیگر قلمی نسخوں میں مصرع اوّل یُوں ہے: ع
جو تیرے کوچہ میں آیا پھر وہیں گاڑا اسے

[4] نسخۂ آسی ص ۱۲، نسخۂ ڈاکٹر عبادت بریلوی ص ۱۱۵: ع کام جاں آخر ہُوا اب فائدہ تدبیر کا

گورِ مجنوں سے نہ جاویں حشر تک ہم بے نوا[1] — عیب ہے ہم میں جو چھوڑیں ڈھیر اپنے پیر کا
رہ گزر سیل حوادث کا ہے بے بنیاد دہر — اس خرابے میں نہ کرنا فکر تم تعمیر کا
کس طرح سے مانیے یاراں کہ یہ عاشق نہیں[2]
رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میرؔ کا

(۳۹)

شب دردوغم سے عرصہ مرے جی پہ تنگ تھا — آیا شبِ فراق تھی یا روزِ جنگ تھا
کثرت[3] میں ایک درد کی نکلی نہ کوئی طپش — سو چہ جگر کے زخم کا شاید کہ تنگ تھا[4]
دیکھا ہے صید گہہ میں ترے صید کا جگر — باآنکہ چھن رہا تھا پہ ذوقِ خدنگ تھا[5]
دل سے مرے ملا نہ ترا دل ہزار حیف — یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاقِ سنگ تھا
لایا مرے مزار پہ اس کو یہ جذبِ عشق — جس بے وفا کو نام سے بھی میرے ننگ تھا
مت کر عجب جو میرؔ ترے غم میں مر گیا
جینے کا اس مریض کو کوئی بھی ڈھنگ تھا

(۴۰)

دل میں بھرا زبسکہ خیالِ شراب تھا[6] — مانند آئینہ کے گھر میں آب تھا
موجیں کرے ہے بحر جہاں میں ابھی تو تو — جانے گا بعد مرگ کہ عالم حباب تھا
اُگتے تھے دستِ بلبل و دامانِ گل بہم — صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا
ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں — جس دم یہ سوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا
دل جو نہ تھا تو رات زخود رفتگی میں میرؔ
گہہ انتظار دگاہ مجھے اضطراب تھا

---

[1] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ: ع گورِ مجنوں سے نہ جاویں گے کہیں ہم بے نوا

[2] یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول میں "یاراں" کے بجائے "یارو" ہے۔ تذکرہ مسرت افزا صفحہ ۲۱۹ میں مصرع یوں ہے: ع کس طرح سے جانیے یارو کہ وہ عاشق نہیں

[3] اصل "کسرت"۔ [4] نسخۂ کلکتہ صفحہ ۳۱ میں شعر کا پہلا مصرع یوں ہے: ع
کثرت میں درد و غم کے نہ نکلی کوئی طپش

[5] مخطوطہ میں "خدنگ" کے بدلے "شکار" ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یہ چوتھا شعر ہے۔ [6] نسخۂ کلکتہ اور نکات الشعراء صفحہ ۱۵۵ کا مصرع اول: ع "دل میں بھرا زبسکہ خیالِ شراب تھا"

(۴۱)

دیکھے گا جو تجھ رو کو سو حیران رہے گا — وابستہ ترے مو کا پریشان رہے گا

منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا — پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا

چھوٹوں کہیں ایذا سے لگا ایک ہی جلاد — تا حشر مرے سر پہ یہ احسان رہے گا

وعدہ تو لیا اس سے دمِ صبح کا لیکن — اس دم تئیں مجھ میں بھی اگر جان رہے گا

جتنے[1] رہیں گے دشتِ محبت میں سر و تیغ — محشر تئیں خالی نہ یہ میدان رہے گا

جانے کا نہیں شور سخن کا مرے ہرگز — تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

دل دینے کی ایسی حرکت ان نے نہیں کی

جب تک جیئے گا میر پشیمان رہے گا

(۴۲)

کیا طرح ہے آشنا گاہے، گہے نا آشنا — یا تو[2] بیگانہ ہی رہیے، ہو جیے یا آشنا

پائمالِ صد جفا ناحق نہ ہو اے عندلیب — سبزۂ بیگانہ بھی تھا اس چمن کا آشنا

کون سے یہ بحرِ خوبی کی پریشاں زلف ہے — آتی ہے آنکھوں میں مری موجِ دریا آشنا

رونا ہی آتا ہے ہم کو دل ہوا جب سے جدا — جائے رونے ہی کی ہے جاوے جب الیا آشنا[3]

نا سمجھ ہے تو جو مری قدر نہیں کرتا کہ شوخ — کم بہت ملتا ہے پھر دل خواہ اتنا آشنا[4]

بلبلیں پائیز میں کہتی تھیں ہوتا کاشکے — یک مژہ رنگِ فراری اس چمن کا آشنا

گو[5] گل و لالہ کہاں سنبل سمن اور نسترن — خاک سے یکساں ہوئے ہیں ہائے کیا کیا آشنا

کیا کروں کس سے کہوں اتنا ہی بیگانہ ہے یار — سارے عالم میں نکلتا نہیں کسو کا آشنا[6]

جس کی میں چاہی وساطت ان نے یہ مجھ سے کہا — ہم تو کہتے میاں اگر وہ ہم سے ہوتا آشنا[7]

یوں سنا جاہے کہ کرتا ہے سفر کا عزم جزم — ساتھ اب بیگانہ وضعوں کے ہمارا آشنا

شعر صاحب[8] کا مناسب ہے ہماری اور سے — سامنے اس کے پڑھے گر یہ کوئی جا آشنا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲ : مصرع

چھٹے رہیں گے دشت محبت میں سر و تیغ

[2] آسی ص ۱۳ "تو" کے بجائے "تو" لکھا ہے۔ [3] غیر مطبوعہ شعر [4] غیر مطبوعہ [5] یہ شعر مخطوطہ دیوان میں درج نہیں ہے البتہ نکات الشعراء ص ۱۵۹ اور کلیات میر مطبوعہ کلکتہ میں ص ۳۱ پر موجود ہے۔ [6] مطبوعہ کلیات میں مصرع یوں ہے : مصرع

سارے عالم میں نہیں پاتے کسی کا آشنا

[7] آسی صفحہ ۱۳ : مصرع

ہم تو کہتے گر میاں ہم سے وہ ہوتا آشنا

[8] اصل "صاحب"

تا بجاں ما ہمرہیم و تا بہ منزل دیگراں　　فرق باشد جان ما از آشنا تا آشنا

داغ ہے تاباںؔ علیہ الرحمہ کا دل اور میرؔ[1]
ہو نجات اس کو بچارا ہم سے بھی تھا آشنا

(۴۳)

مانند شمع آتش غم سے پگھل گیا　　بزم جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا[2]
گرمیِ عشق مانع نشو و نما ہوئی　　میں وہ نہال تھا کہ اگا اور جل گیا
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر　　تیوری چڑھائی تو نے کہ یہاں جی نکل گیا
مستی میں چھوڑ دیر کو کعبہ چلا تھا میں　　لغزش بڑی ہوئی تھی ولیکن سنبھل گیا
ساقی نشہ میں تجھ سے لنڈھا شیشہ شراب　　چل اب کہ دختِ تاک کا جوبن تو ڈھل گیا
ہر ذرہ خاک تیری گلی کی ہے بے قرار　　یاں کونسا ستم زدہ ماٹی میں رل گیا

عریاں تنی کی شوخی سے دیوانگی میں میرؔ
مجنوں کے دشت خار کا دامان چل گیا

(۴۴)

سنا ہے حال ترے کشتگاں[3] بچاروں کا　　ہوا نہ گور و گڑھا ان ستم کے ماروں کا
ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد　　کہ روزگار کے سر خون ہے ہزاروں کا
ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں　　نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا
عرق فشاں ہے تیری زلف ہے نشان بد[4]　　بھلا نہیں ہے بہت ٹوٹنا بھی تاروں کا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۳۲: ع
داغ ہے تاباںؔ علیہ الرحمہ کا چھاتی پہ میرؔ
آسیؔ نے اس شعر کے فٹ نوٹ میں تحریر کیا ہے کہ تاباںؔ ۱۲۱۱ھ تک زندہ تھے یہ قطعی غلط ہے تاباںؔ نے اپنے استاد محمد علی حشمت کاشمیری کی تاریخ وفات ۱۱۶۱ھ میں کہی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ۱۱۶۱ھ میں زندہ تھے۔ میرؔ نے اس غزل کے چند شعر اپنے تذکرہ (سال تحریر ۱۱۶۵ھ) میں نقل کیے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تاباںؔ کا انتقال ۱۱۶۱ھ اور ۱۱۶۵ھ کے درمیان ہوا ہوگا۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۳۵: ع
گرمی سے میں تو آتش غم کی پگھل گیا
راتوں کو روتے روتے ہی جوں شمع گل گیا

[3] اصل: کشتگوں

[4] عمدہ منتخبہ ص ۵۵۵ میں بھی اسی طرح لکھا گیا ہے البتہ نسخۂ کلکتہ ص ۳۶ میں پہلا مصرع یوں ہے: ع
عرق فشانی سے اس زلف کی ہراساں ہوں

علاج کرتے ہیں سودائے عشق کا میرے ۔۔۔ خلل پذیر ہوا ہے دماغ یاروں کا
تری ہی زلف کو محشر میں ہم دکھا دیں گے ۔۔۔ جو کوئی مانگے گا نامہ سیاہ کاروں کا
خراش سینۂ عاشق بھی جی کو لگ جائے ۔۔۔ عجب طرح کا ہے فرقا یہ دل فگاروں کا
تڑپھ کے مرنے سے دل سکے کہ مغفرت ہے لیے ۔۔۔ جہاں میں کچھ تو رہا ہے نام بیقراروں کا
کریں ہیں دعوئ خوش چشمی آہوان دشت ۔۔۔ ٹک ایک دیکھنا چل ملک ان گنواروں کا
تڑپھ کے خرمن گل پر کبھو گرائے بجلی ۔۔۔ جلانا کیا ہے میرے آشیاں کے خاروں کا
تمہیں تو زہد و ورع پر بہت ہے اپنے غرور ۔۔۔ خدا ہے شیخ جی ہم بھی گناہ گاروں کا
اٹھے ہے گرد کی جا نالہ گور سے اس کی
غبار میر بھی عاشق ہے نے سواروں کا

(۴۵)

گزرا بنائے چرخ سے نالہ پگاہ کا ۔۔۔ خانہ خراب ہو جیو اس جی کی چاہ کا
آنکھوں میں جی مرا ہے ادھر دیکھنا نہیں ۔۔۔ مرتا ہوں میں تو ہائے رے صرفہ نگاہ کا
صد خانماں خراب ہیں ہر ہر قدم پہ دفن ۔۔۔ کشتہ ہوں یار میں تو ترے گھر کی راہ کا
یک قطرہ خون ہو کے مژہ سے ٹپک پڑا ۔۔۔ قصہ یہ کچھ ہوا دل غفراں پناہ کا
تلوار مارنا تو تمہیں کھیل ہے ولے ۔۔۔ جاتا رہے نہ جان کسی بے گناہ کا
بدنام و خوار و زار و نزار و شکستہ حال ۔۔۔ احوال کچھ نہ پوچھیے اس روسیاہ کا
ظالم زمیں سے لوٹتا دامن سنبھل کے بھی ۔۔۔ ہو گا کہیں میں ہاتھ کسو داد خواہ کا
اے تاج شہ نہ سر کو فرو لائے تیرے پاس ۔۔۔ ہے معتقد فقیر نمد کے کلاہ کا
ہر لخت دل میں صید کی پیکاں بھی گئی ۔۔۔ دیکھا میں شوخ ٹھاٹھ تیری صیدگاہ کا

---

[1] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [2] مطبوعہ کلیات میں "تڑپ" ہے۔ [3] نسخہ آسی ص ۱۰ نے "تڑپھ" لکھا ہے۔ [4] نسخہ کلکتہ ص ۳۷ "جی کے بجائے "دل" لیکن نکات الشعراء ص ۱۰۵ میں "جیو" ہے۔ [5] نسخہ کلکتہ "پلک"۔ "تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۳ میں بھی "قطرہ" ہی ہے۔ [6] نکات الشعراء میں بھی یہ مصرع ایسا ہی لکھا گیا ہے۔ آسی (کلیات میر ص ۳۵) نے یوں لکھا ہے: ع

ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل

تذکرۂ عشق صفحہ ۱۹۳ میں "دامن سنبھل کے چل" ہے۔

[7] مطبوعہ نسخوں میں "لاؤں" ہے۔ [8] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔

بیمار تو نہ ہووے جئے جب تلک کہ میرؔ
سونے نہ دے گا شور تری آہ آہ کا

(۴۶)

میں بھی دنیا میں ہوں اک نالۂ پریشاں یکجا — دل کے سو ٹکڑے میرے اور سبھی نالاں یکجا
پند گووں نے بہت سینے کی تدبیریں کیں — آہ ثابت بھی نہ نکلا یہ گریباں یکجا
ترا کوچہ ہے ستمگار وہ کافر جاگہ — کہ جہاں مارے گئے کتنے مسلماں یکجا
سر سے باندھا ہے کفن عشق میں تیرے یعنی — جمع ہم نے بھی کیا ہے سر و ساماں یکجا
کیوں کہ پڑتے ہیں ترے پاؤں نسیم سحری — اس کے کوچے میں ہیں صد گنج شہیداں یکجا
تو بھی رونے کو ملا دل ہے ہمارا بھی بھرا — ہو جے لے ابر بیاباں تیں گریباں یکجا

بیٹھ کر میرؔ جہاں خوب نہ رویا ہووے
ایسے کوچہ میں تمھارے نہیں خوباں یکجا

(۴۷)

دل پہنچا ہلاکت کو نپٹ کھینچ کسالا — لے یار میرے سلمہ اللہ تعالیٰ
معمور شرابوں سے کبابوں سے ہے سب دیر — مسجد میں ہے کیا شیخ نہ پیالا نہ نوالا
دشمن نہ کدورت سے مرے سامنے ہو جو — تلوار کے کرنے کو مرا ایسجو حوالا
ناموس مجھے صاف طینت کی ہے ورنہ — رستم نے مری تیغ کا حملہ نہ سنبھالا
گزرے ہے لہو واں سر ہر خار سے اب تک — جس دشت میں پھوٹا ہے مرے پاؤں کا چھالا
جس گھر میں ترے جلوے سے ہو چاندنی کا فرش — واں چادر مہتاب ہے مکڑی کا سا جالا

---

۱ کلیات میرؔ مطبوعہ نولکشور میں "اور" کی بجائے "پر" ہے۔ ۲ آسی نے "پند گویوں" لکھا ہے۔ ۳ اصل "سنے" ہے۔ ۴ اصل "کیونکی"۔ ۵ مطبوعہ کلیات میں "ہے" ہے۔ ۶ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آصفیہ: ع

ہو جے اے ابر بیاباں ہیں گریباں یکجا

۷ مطبوعہ کلیات: ع — ایسی کوچہ میں نہیں ہے ترے جاناں یکجا

نسخۂ آصفیہ: ع — ایسے کوچہ میں تمھارے نہیں جاناں یکجا

۸ طبقات الشعرا صفحہ ۲۰۸ میں بھی اسی طرح ہے۔ نکات الشعرا صفحہ ۷۵ میں "نپٹ"، اور گلشن ہند صفحہ ۲۱۱ میں "بہت" ہے۔ ۹ نسخۂ کلکتہ: ع

مسجد میں ہے کیا شیخ پیالا نہ نوالا

۱۰ نسخۂ آسی ص ۴۹: ع — تلوار کے لڑنے کو میرا تیجو حوالا — ۱۱ اصل سمبھالا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث　　برہم ہی میرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا
دیکھے ہے مجھے دیدۂ پرچشم سے وہ میر
میری ہی نصیبی میں تھا یہ زہر کا پیالا[1]

(۴۸)

پل میں جہاں کو دیکھتے میرے ڈبو چکا　　اِک وقت میں یہ دیدہ بھی طوفان رو چکا
افسوس میرے مردہ پر اتنا نہ کر کہ اب　　پچھتاوا[2] عبث ہے جو ہونا تھا ہو چکا
لگتی نہیں پلک سے پلک انتظار میں　　آنکھیں اگر یہی ہیں تو پھر نیند سو چکا
یک چشمک پیالہ ہے ساقی بہار عمر　　جھپکی لگی کہ دور یہ آخر ہی[3] ہو چکا
ممکن نہیں کہ گل کرے دل سے شگفتگی[4]　　اس سرزمیں میں تخم محبت میں بو چکا
پایا نہ دل بہایا ہوا سیل اشک کا　　میں پنجۂ مژہ سے سمندر بلو چکا
ہر صبح حادثہ سے یہ کہتا ہے آسماں
دے جام خون میر کو گر مُونھ وہ دھو چکا

(۴۹)

کثرت[5] داغ سے دل رشک گلستاں نہ ہوا　　میرا دل خواہ جو کچھ تھا وہ کبھو یاں نہ ہوا
جی تو ایسے کئی صدقے کیے تجھ پر لیکن　　حیف یہ ہے کہ تنک بھی تو پشیماں نہ ہوا[6]
آہ میں کب کی کہ سرمایۂ دوزخ نہ ہوئی　　کون سا رشک میرا مانع طوفاں نہ ہوا[7]
گر توجہ سے زمانے کی جہاں میں مجھ کو　　جاہ و ثروت کا میسر سر و ساماں نہ ہوا
شکر صد شکر کہ میں ذلت و خواری کے سبب　　کسو عنواں میں ہم چشم عزیزاں نہ ہوا

[1] نسخۂ کلکتہ: مصرع
میرے ہی نصیبوں میں تھا یہ زہر کا پیالا
آسی نے صفحہ ۳۹ یہ شعر زیادہ لکھا ہے: ؎　　گر قصد ادھر کا ہے تو ٹک دیکھ کے آنا
یہ دیر ہے زہاد نہ ہو خانۂ خالا

[2] نسخۂ کلکتہ صفحہ ۶۰ پچھتانا، طبقات الشعرا صفحہ ۲۰۹ اور نکات الشعرا صفحہ ۱۵۰ میں بھی "پچھتاونا" ہے۔
[3] نسخۂ آسی "ہی"　　[4] نسخۂ آسی: مصرع
ممکن نہیں کہ گل کرے ویسی شگفتگی
[5] اصل "کسرت"　　[6] آسی: مصرع　　حیف یہ ہے کہ تنک تو بھی پشیماں نہ ہوا
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۶۸، نسخۂ ندوہ ۷ الف میں دوسرے مصرع میں "مانع طوفاں" کے بجائے "منبع طوفان" ہے۔

دل بے رحم لیے شیخ گیا زیر زمیں
مر گیا پر یہ کہن گبر مسلماں نہ ہوا[1]

برق مت خوشہ کی اور اپنی بیاں کر صحبت
شکر کریہ کہ مرا داں دل سوزاں نہ ہوا

کون سی رات زمانہ میں کٹی جس میں میرؔ[2]
سینۂ چاک سے میں دست و گریباں نہ ہوا

(۵۰)

تیرے قدم سے جا لگے جس پہ مرا ہے سر لگا
گو کہ میرے ہی خون کی دست گرفتہ ہو حنا

سنگ مجھے بجاں قبول اس کے عوض ہزار بار
تا بہ کجا یہ اضطراب دل نہ ہوا ستم ہوا

بوئے کباب سوختہ آوتی ہے دماغ میں
ہوئے نہ ہوئے اے نسیم رات کسو کا دل جلا[3]

کس کی ہوا کہاں کا گل ہم تو قفس میں ہیں اسیر
سیر چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک اے صبا

کن[4] نے بدی سہے اتنی دیر موسم دے میں ساقیا
دے بھی سے دو آتشہ زور ہے سرد ہے ہوا

وہ تو ہماری خاک پہ آنا پھرا کبھی غرض
ان نے جفا نہ ترک کی اپنی سی ہم نے کی وفا[5]

فصل خزاں تلک تو میں اتنا نہ تھا خراب گرد
مجھ کو جنوں ہو گیا موسم گل میں کیا بلا

جان طلب رسیدہ سے اتنا ہی کہنے پاتے ہم
جا سے اگر تو یار سے کہیو ہماری بھی دعا

ہم تو کہا تھا تیرے تئیں آہ سمجھ نہ ظلم کر
آخر کار بے وفا جی ہی گیا نہ میرؔ کا

(۵۱)

تا بو خزاں سے ضعف کا گلشن میں بن گیا
دو کش ہوا پہ رنگ گل و یاسمن گیا[6]

برگشتہ بخت دیکھ کے قاصد سفر سے میں
بھیجا تھا اس کے پاس سو میرے وطن گیا

خاطر نشاں اے صید فگن ہو گی کب تیری
تیروں کے مارے میرا کلیجا تو چھن گیا

یاد کش بگیر دشت میں مانند عنکبوت
دامن کے اپنے تار جو خاروں پہ تن گیا

---

[1] آسی ص ۶۴ : ؏
دل بے رحم گیا شیخ لیے زیر زمیں

[2] کلیات میرؔ مطبوعہ کلکتہ اور نول کشور لکھنؤ میں مصرع یوں ہے : ؏
کون سی رات زمانے میں گئی جس میں میرؔ

[3] تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں پہلے مصرع میں "آوتی" کے بجائے "آتی" ہے۔ [4] اصل "کئی"۔ [5] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۶۸ میں مصرع یوں ہے : ؏ دو کش ہوا پہ رنگ گل و یاسمن گیا

مارا تھا کس لباس میں عریانی نے مجھے — جب سے تہ زمیں بھی ہیں بے کفن گیا
آئی اگر بہار تو اب ہم کو کیا صبا — ہم سے تو آشیاں بھی گیا اور چمن گیا
سرسبز ملک ہند میں ایسا ہوا کہ میرؔ
یہ ریختہ لکھا ہُوا تیرا دکھن گیا

(۵۲)

لختِ جگر تو اپنے یک[1] لخت رو چکا تھا — اشک فقط کا جھمکا آنکھوں سے لگ رہا تھا
دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں میں آیا — ٹکڑا کوئی جگر کا مژگاں میں رہ گیا تھا[2]
اس قیدِ جیب سے میں چھوٹا جنوں کی دولت — ورنہ گلا یہ میرا جوں طوق میں پھنسا تھا
مشتِ نمک کی خاطر اس واسطے ہوں حیراں — کل زخمِ دل نہایت دل کو میرے لگا تھا
بن کچھ کہے سنا ہے عالم سے میں نے کیا کیا — پر تو نے یُوں نجانا اے بے وفا کہ کیا تھا
اے گردبادِ مت شے ہر آن غرضِ وحشت — میں بھی کسو زمانہ اس کام میں بلا تھا
روتی ہے شمع اتنا ہر شب کہ کچھ نہ پوچھو — میں سوزِ دل کو اپنے مجلس میں کیوں کہا تھا
شب زخمِ سینہ اوپر چھڑکا تھا میں نمک کو — ناسور تو کہاں تھا ظالم بڑا مزا تھا[3]
سر مار کر ہوا تھا میں خاک تجھ گلی میں — سینے پہ مجھ کو تیرا مرکوزِ نقشِ پا تھا[4]
اب بختِ تیرہ سے ہوں پامالیِ صبا میں — اس دن کے واسطے میں کیا خاک میں ملا تھا
یہ سرگزشت میری افسانہ جو ہوئی ہے — مذکور اس کا اس کے کوچے میں جا بجا تھا
سُن کر کسو سے وہ بھی کہنے لگا تھا کچھ کچھ — بے درد کتنے بولے کاٹے[5] اس کو کیا ہوا تھا
کہنے لگا کہ جانے مری بلا عزیزاں — احوال تھا کسو کا کچھ میں بھی سُن لیا تھا
آنکھیں مری کھلیں جب جی میرؔ کا گیا تب
دیکھے سے تجھ کو[6] ورنہ میرا بھی جی جلا تھا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۹۹ "اک لخت"۔ [2] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۲۶ الف اور دیگر قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں پہلا مصرع یُوں ہے:

دامن میں آج دیکھا پھر لخت میں لے آیا

[3] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ: مگر

سینے پہ مجھ کو اس کا مرکوزِ نقشِ پا تھا

[5] آسی اور نولکشور کے نسخۂ کلیاتِ میرؔ میں "کاٹے" کے بدلے "ہاں" ہے۔
[6] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی صفحہ ۸۰ "اس کو" ہے۔

(۵۳)

سرِ دورِ فلک بھی دیکھوں اپنے روبرو ٹوٹا — کہ سنگِ محتسب سے پائے خم دستِ سبو ٹوٹا
کہاں آتے میسر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے — بحسبِ اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا[1]
طراوت تھی چمن میں سرد گویا اشک قمری سے — ایدھر آنکھیں مندیں اس کی کہ ایدھر آبِ جُو ٹوٹا[2]
خطر کر تو نہ تک چل زلف سے اس کی صبا اتنا — بلا آشوب گی تیرے سر جو اس کا ایک مُو ٹوٹا[3]
کفِ چالاک میں تیری تھا سر رشتہ جو جانوں کا — گریباں سے مرے ہر اک تیر ٹانکا رفو ٹوٹا

وہ بیکس کیا کرے کہ تو رہی دل ہی کی دل ہی میں
نپٹ بے جا ترا دل میرؔ سے اے آرزو ٹوٹا[4]

(۵۴)

آنکھوں میں جی مرا ہے ایدھر یار دیکھنا — عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
کیسا چمن کہ ہم تو اسیروں کو منع ہے[5] — چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
آنکھیں چرائیو نہ ٹک ابرِ بہار سے — میری طرف بھی دیدۂ خونبار دیکھنا
ہونا نہ چار چشم دل اس ظلم پیشہ سے — ہوشیار زینہار خبردار دیکھنا
صیاد دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ — تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا

---

[1] شعر کا دوسرا مصرعہ نسخۂ کلکتہ ص ۶۹، نسخۂ ندوہ اور دیگر قلمی نسخوں میں یوں ہے: ع

ہُوا یوں اتفاق آئینہ میرے روبرو ٹوٹا

نکات الشعرا صفحہ ۱۵۶ میں اس طرح ہے: ع

بحسن اتفاق آئینہ تیرے روبرو ٹوٹا

تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۲ میں یوں ہے: ع

یہ حسن اتفاق آئینہ تیرے رو برو ٹوٹا

[2] نکات الشعرا صفحہ ۱۵۶: ؎

طراوت تھی چمن میں سرد کو یہ اشک قمری سے
ادھر آنکھیں مندی اسکی کہ اُدھر آب جُو ٹوٹا

[3] آسی ص ۴۰، مصرع اول: ع — خطر کر تو نہ تک چل اے صبا اس زلف سے اتنا

گلشن سخن ص ۲۰۷ میں پہلے مصرعہ میں "خطر" کے بجائے "حذر" ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ میں مصرعہ ثانی میں "نپٹ" ہے۔

[5] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع — کیسا چمن کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے

گزمزمہ یہی ہے کوئی دن تو ہم صفیر — اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
بلبل ہمارے گل پہ نہ گستاخ کر نظر — ہو جائے گا گلے کا کہیں ہار دیکھنا
اے ہم سفر نہ آبلے کو پہنچے چشم زخم — لاگا ہے میرے پانو میں آخار دیکھنا
شاید ہماری خاک سے کچھ ہو بھی اے نسیم — غربال کرکے کوچہ دلدار دیکھنا
اس خوش نگہ کے عشق سے پرہیز کیجو میر
جاتا ہے لے کے جی ہی یہ آزار دیکھنا

(۵۵)

نئے طرزوں سے میخانے میں رنگ مے چھلکتا تھا — گلابی روتی تھی واں جام ہنس ہنس کر چھلکتا تھا[۱]
ترے اس خاک اڑانے کی دھمک سے اے مری وحشت — کلیجہ ریگ صحرا کا بھی دس دس گز تھلکتا تھا[۲]
نہ گئی تسبیح اس کی نزع میں بھی میر سے ہرگز
اسی کے نام کی سمرن تھی جب منکا ڈھلکتا تھا[۳]

(۵۶)

تجھ سے ہر آن میرے پاس کا آنا ہی گیا — کیا گلہ کیجے غرض اب وہ زمانہ ہی گیا
چشم بن اشک ہوئی اور نہ ہوئی یکساں ہے — خاک میں جب کہ وہ موتی کا سا دانا ہی گیا[۴]
برمجنوں میں خرد مند کوئی جا نہ سکا — عاقبت سر کو قدم کر وہ دیوانا ہی گیا[۵]

---

[۱] نکات الشعرا صفحہ ۱۵۵ اور تذکرۂ شورش صفحہ ۱۹۲ میں غزل کے مقطع کے ساتھ ذیل کا شعر بھی ہے، یہ کسی دیوان میں نہیں ملتا: ؎

بلائے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا
زکیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جیو نکلتا تھا

[۲] طبقات الشعر صفحہ ۲۰۰ میں شعر کا پہلا مصرع یوں ہے: ع

خبر آمد کی سن کر تیری اے میرے بیابانی

[۳] تمام مطبوعہ کلیات میں پہلا مصرع اس طرح ہے: ع

گئی تسبیح اس کی نزع میں کب میر کے دل سے

لیکن نکات الشعراء، مخزن نکات صفحہ ۱۴۱، تذکرۂ عشقی صفحہ ۱۹۳، تذکرۂ شورش اور گلشن سخن صفحہ ۲۰۷ میں ایسا ہی ہے جیسا کہ متن میں ہے۔

[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷: ؎

چشم بن اشک ہوئی یا نہ ہوئی یکساں ہے
خاک میں جب وہ ملا موتی کا دانا ہو گیا

[۵] آسی (مصرع ثانی): ع

عاقبت سر کو قدم کر یہ دوانا ہی گیا

ہم اسیروں کو بھلا کیا جو بہار آئی نسیم | عمر گزری کہ وہ گلزار کا جانا ہی گیا

جی گیا میرؔ کا اس لبت و لعل میں لیکن
نہ گیا ظلم ہی تجھ سے نہ بھانا ہی گیا[1]

(۵۷)

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا | تو ہمسایہ کوئی کیونکے سوتا رہے گا[2]
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں | جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
مرے دل نے وہ نالہ پیدا کیا ہے | جرس کے بھی جو ہوش کھوتا رہے گا
مجھے کام رونے سے ہر دم ہے ناصح | تو کب تک مرے مونہہ کو دھوتا رہے گا
بس اے اشک آنکھیں ترے کیا نہیں ہیں | کہاں تک جہاں کو ڈبوتا رہے گا[3]
تو یوں گالیاں غیر کو شوق سے دے | ہمیں کچھ کہے گا تو ہوتا رہے گا[4]

بس اب میرؔ مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو
تو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا[5]

(۵۸)

گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیاد آ ٹوٹا | یہ ویراں آشیانہ[6] دیکھنے کو ایک میں چھوٹا
مرا رنگ اڑ گیا جس وقت سنگ محتسب آگے | بغل سے گر پڑے[7] مینا و ساغر چور ہو پھوٹا
مرا وعدہ ہی آ پہنچا ترے وعدے کے آنے تک | ہوا میں موت سے سچا رہا تو مجھ سیتی چھوٹا[8]

---

[1] آسی نے "تجھ سے" کے بجائے "تیرا" لکھا ہے۔ [2] یہ شعر نکات الشعرا ص ۱۵۲، طبقات الشعرا ص ۲۰۰ اور تذکرہ شورش ص ۱۹۲ میں متن کی طرح ہے۔ البتہ تذکرہ میر حسن ص ۱۵۲، گلشن ہند ص ۲۱۲ اور نسخۂ کلکتہ میں دوسرے مصرع میں "کیونکے" کے بدلے "کا ہے کو" ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول میں "اشک" کے بجائے "گریہ" ہے۔ [4] یہ شعر نکات الشعرا، تذکرہ میر حسن، طبقات الشعرا، تذکرہ شورش اور نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے لیکن گلشنِ ہند ص ۲۱۲ میں مصرع اول یوں ہے: ع

تو اب گالیاں غیر کو شوق سے دے

[5] نسخۂ کلکتہ اور نولکشوری میں مصرع اول اس طرح ہے: ع

بس اے میرؔ مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو

[6] مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں مصرعۂ ثانی میں "آشیانا" کے بدلے "آشیانے" ہے۔ [7] آسی ص ۴۹ نے "پڑے" کے بدلے "پڑا" لکھا ہے۔
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۷۲: سہ

میرا وعدہ ہی آ پہنچا ترے آنے کے وعدے تک
ہوا میں موت سے سچا رہا اے شوخ تو جھوٹا

کف جاناں سے ممکن ہے رہاتی تیر کوتی ہو
اچنبھا ہے جو اُس کے ہاتھ سے رنگِ حنا چھوٹا[1]

(۵۹)

رہا میں تو عزت کو اعزاز کرتا[2] — چلا عشق خواری کو ممتاز کرتا
نہ ہوتا میں حیرت[3] ہیں محتاج گریہ — جو کچھ آنسوؤں کو پس انداز کرتا
نہ ٹھہرا میرے پاس دل ورنہ اب تک — اسے آپ سا ہی میں جانباز کرتا[4]
جو جانو کہ ایسے ہے درپردہ دشمن — تو کاہے کو الفت سے میں ساز کرتا[5]
تو تمکین سے کچھ نہ بولا وگرنہ — مسیحا صنم ترک اعجاز کرتا
گلوگیر ہی ہو گئی یاوہ گوئی — رہا میں خموشی کو آواز کرتا

---

۱ مخزن نکات ص ۴۱ مصرعہ اول :

کف جاناں سے ممکن نہیں رہائی تیر کو چھٹے

نسخۂ کلکتہ ص ۲۰ : ع

کف جاناں سے کیا امکاں رہائی تیر کوتی ہو

۲ نسخۂ کلکتہ میں اس غزل کا کئی جگہ تکرار ہوا ہے پہلے دیوان دوم ص ۳۰۱ میں درج ہے اس کے بعد دیوان پنجم میں صفحہ ۶۱۶ - ۶۱۷ پر دوبارہ نقل کی گئی ہے۔ نسخۂ نولکشوری میں بھی ص ۱۸۴ اور ص ۳۴۷ پر دو مرتبہ شامل کی گئی ہے۔ آسی مرحوم اور ڈاکٹر بریلوی نے بھی اسے نقل را چہ عقل کے طور پر کلیات میر میں دو دو مرتبہ شامل کیا ہے۔ دیکھیے کلیاتِ میر مرتبہ آسی صفحہ ۲۴۹ دیوان دوم اور دیوان پنجم ص ۷۰۳، کلیات میر مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی' دیوان دوم ص ۱۴۰، دیوان پنجم ص ۴۲۵۔ ۳ نسخۂ نولکشوری ص ۳۴۷ میں بھی "حیرت" ہی ہے البتہ نسخۂ کلکتہ ص ۳۰۱ میں "حسرت" لکھا ہے۔ ۴ نسخۂ کلکتہ اور آسی میں مصرعہ یوں ہے : ع

اسے ایسا ہی میں تو جانباز کرتا

۵ یہ غزل نسخۂ کلکتہ میں پہلے دیوان اوّل اور پھر دیوان پنجم ص ۶۱۷ میں دوبارہ غلطی سے چھپ گئی ہے۔ مصرع اوّل کے بجائے غلطی سے دوسرے شعر کا مصرع اوّل لکھا گیا ہے۔ اور پورا شعر یوں ہے : ے

تو تمکین سے کچھ نہ بولا وگرنہ
تو کاہے کو الفت سے میں پیار کرتا

یہی غلطی نسخۂ آسی دیوان پنجم ص ۷۰۳، نسخۂ نولکشوری دیوان پنجم ص ۳۴۷ اور نسخۂ ڈاکٹر بریلوی دیوان پنجم ص ۴۲۵ میں پائی جاتی ہے۔ شعر کا مصرع اوّل نسخۂ آسی دیوان اوّل ص ۲۴۸ میں یوں مندرج ہے : ع

جو جانوں کہ دربر ہے ایسا وہ دشمن

زیارت گہہ کبک تو ہو بلا سے
ٹک آ میرؔ کی خاک پر ناز کرتا

(۶۰)

اس آستان داغ سے میں زر لیا کیا گل دستہ دستہ جس کو چراغی دیا کیا[1]
کیا بعد مرگ یاد کروں گا وفا تجھے سہتا رہا جفا ہی میں جب تک جیا کیا[2]
ہو تار تار بیٹھے ہی سیتے جو اڑ گیا اب تک عبث میں اپنا گریباں سیا کیا[3]
سن سن کے تیری بات نو کیا کیا نہ کہہ سنا کیا کیا کہوں میں تجھ سے کہ کیا کچھ کیا کیا[4]

اب وہ جگر طپش سے تڑپتا ہے تشنہ لب
مدت تلک جو میرؔ کا لوہو پیا کیا[5]

(۶۱)

برقع اٹھا تمھارا رخ سے میرے بدگمان کا دیکھا تو اور رنگ ہے سارے جہان کا[6]
مت مانیو کہ ہو گا یہ بے درد دیندار گر آوے شیخ پہن کے جامہ قران کا[7]
خوبی کو اس کے چہرہ کی کیا پہنچے آفتاب ہے اس میں اس میں فرق زمیں آسمان کا[8]
ابلہ ہے وہ جو ہووے خریدار خوش قدداں[9] اس سوٹے میں صریح ہے نقصان جان کا
کچھ اور گاتے ہیں جو رقیب اس کے رو برو دشمن ہیں میری جان کے یہ جی ہے تان کا
تسکین اس کی تب ہوئی جب ذبح میں ہوا مت پوچھ کچھ سلوک مرے مہربان کا[10]

---

[1] غزل کا پہلا، دوسرا اور پانچواں شعر آسی نے دیوان دوم میں نقل کیا ہے۔ نسخۂ ندوہ دیوان دوم میں ان کو ورق، اب اور نسخۂ کلکتہ میں دیوان دوم ص ۲۸۶ پر ہونا چاہیے تھا لیکن نہیں ہیں۔ نسخۂ آسی ص ۲۲۶ میں مصرع ثانی یوں ہے، ع

سہتا رہا جفائیں میں جب تک جیا کیا

[2] غیر مطبوعہ [3] غیر مطبوعہ [4] مطبوعہ نسخوں میں "تڑپتا" کے بجائے "تڑپتا" ہے۔ [5] اس غزل کے چند شعر میرؔ نے قدرت اللہ شوق رام پوری کو تذکرۂ طبقات الشعرا میں شامل کرنے کے لیے بھیجے تھے۔ [6] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول، ع

مت مانیو کہ ہو گا یہ بیدرد اہل دیں

[7] طبقات الشعرا صفحہ ۲۲۲ میں بھی ایسا ہی ہے۔ گلشن ہند ص ۲۱۲ میں مصرعہ اول میں "کیا" کے بجائے "کب" ہے۔ [8] مطبوعہ نسخوں میں "خوش قدداں" کے بجائے مصرعہ اول میں "گرخاں" ہے۔ [9] آسی ص ۵۰ اور نسخۂ کلکتہ میں پہلا مصرعہ یوں ہے، ع

تسکین اس کی تب ہوئی جب چپ مجھے لگی

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول — گلگشت سرسری نہیں اس گلستان کا

گل یادگار چہرۂ خوباں ہے بے خبر — مرغ چمن نشاں ہے کسو خوش زبان کا

تو برسوں میں کہے ہے ملوں گا میں میر سے

یاں کچھ کا کچھ ہے حال ابھی اس جوان کا[1]

(۶۲)

بے تاب جی تو دیکھا دل کو کباب دیکھا — جیتے رہے تھے کیوں ہم جو یہ عذاب دیکھا

پودھا ستم کا جس نے اس باغ میں لگایا — اپنے کیے کا ان نے ثمرہ شتاب دیکھا[2]

دل کا نہیں ٹھکانا بابت جگر کی گم ہے — تیرے بلاکشوں کا میں[3] نے حساب دیکھا

آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت — اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا

یوں خاک میں ملایا اس بن کہ کچھ نہ پوچھو — اس ظلم دیدہ دل کا ہم اضطراب دیکھا[4]

واعظ زبوں مت کہہ میخانہ کو کہ اس جا — پیراہن نکویاں رہن شراب دیکھا[5]

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے

ہے خیر میر صاحب کچھ تم نے خواب دیکھا[6]

(۶۳)

مُغاں مجھ مست بن پھر خندۂ قلقل نہ ہوئے گا — مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رُوئے گا[7]

---

[1] یہ شعر طبقات الشعرا میں جُوں کا تُوں ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ، نسخۂ ندوہ ۲۷ ب میں بھی "پودھا" ہی ہے۔ آسی نے ص "پودا" لکھا ہے۔ انھوں نے مصرعہ اول اس طرح لکھا ہے: ؏

پودا ستم کا جس نے اس باغ میں لگایا

[3] مطبوعہ نسخوں میں "ہم" ہے۔ [4] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [5] یہ بھی غیر مطبوعہ ہے لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [6] یہ شعر تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۲ میں بھی ایسا ہی ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں پہلا مصرعہ یُوں ہے: ؏

لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے ہو

اس شعر کے علاوہ پہلا اور تیسرا شعر بھی تذکرۂ میر حسن میں موجود ہے۔

[7] نکات الشعرا ص ۱۵۶ اور تذکرۂ میر حسن صفحہ ۱۵۲ میں بھی اسی طرح یہ شعر ہے۔ گلشن سخن ص ۲۰۶ میں مصرعہ اوّل میں "خندۂ قلقل" کے بجائے "قلقل مینا" ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص اور نسخۂ ندوہ ۲۸ الف میں یہ شعر یُوں ہے: ؎

مغاں مجھ مست بن پھر خندۂ ساغر نہ ہوئے گا — مے گلگوں کا شیشہ ہچکیاں لے لے کے رووے گا

کیا ہے خوں مرا پامال یہ سُرخی نہ چھوٹے گی   اگر قاتل تو اپنے پانو سو پانی سے دھوے گا

کوئی رہتا ہے جیتے جی ترے کوچے کے پھرنے سے
تب ہی آسودہ ہو گا میر جب اس جی کو کھوے گا[1]

(۶۴)

مجھے زنہار خوش آتا نہیں کعبہ کا ہمسایا   یہاں اے شیخ بت خانہ ہی تونے کیوں بنوایا[2]
تر ہے اے عشق کی نیرنگ سازی غیر کو ان نے   جلایا یک سخن میں اور ہمیں مرنے کو فرمایا[3]

بھری تھی آگ تیرے درد دل میں میر ایسی تو
کہ کہتے ہی صنم کے روبرو قاصد کا مونھہ آیا[4]

(۶۵)

نقش بیٹھے ہی کہاں خواہش آزادی کا   ننگ ہے نام رہائی تری صیادی کا
شیخ کیا صورتیں رہتی تھیں بھلا جب تھا دیر   رو بہ ویرانی ہوا اس کعبہ کی آبادی کا[5]
داد لے ورنہ ابھی جان پہ کھیلوں ہوں میں   دل جلانا نہیں دیکھا کسو فریادی کا
تونے تلوار رکھی، سر رکھا میں بندہ ہوں   اپنی تسلیم کا بھی اور تری جلادی کا[6]
شہر کی سی رہی رونق اس کے جیتے جی   مر گیا قیس جو تھا خانہ خدا وادی کا

ریختہ رتبہ کو پہنچایا ہوا اس کا ہے
معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

(۶۶)

گل شرم سے بہہ جائے گا گلشن میں ہو کر آب سا   برقع سے گر نکلا کہیں چہرہ ترا مہتاب سا

---

[1] نسخۂ آسی ص ۵۰، س

کوئی رہتا ہے بے جی ترے کوچے کے آنے سے
تب ہی آسودہ ہو گا میر صاحب جی کو کھوئے گا

[2] نسخۂ کلکتہ مصرع ثانی: ع   صنم خانہ ہی یاں اے شیخ تونے کیوں نہ بنوایا

[3] نسخۂ آسی مصرع ثانی، ع   جلایا بات کہتے واں ہمیں مرنے کو فرمایا

[4] نسخۂ ندوہ مصرع ثانی ع   کہ کہتے روبرو اس شوخ کے قاصد کا مُنہ آیا

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۳، میں یہ چوتھا شعر ہے۔ [6] غیر مطبوعہ [7] یہ غزل نسخۂ کلکتہ ص ۲۶، نسخۂ ندوہ ۱۰۲ ب نسخۂ آسی ص ۹ اور نسخۂ نولکشوری میں ۹ شعر پر مشتمل ہے۔

دل تاب ہی لایا نہ ٹک تا یاد رہتا ہمنشیں   اب روز عیش وصل کا ہے جی میں بھولا خواب سا[1]

رکھ ہاتھ دل پہ میر کے دریافت کر کیا حال ہے
رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بے تاب سا

(۶۷)

کام پل میں میرا تمام کیا   غرض اس شوخ نے بھی کام کیا
سرو و شمشاد خاک میں مل گئے   تو نے گلشن میں کیوں خرام کیا
سعی طوف حرم نہ کی ہرگز   آستاں پر ترے مقام کیا
تیرے کوچے کے رہنے والوں نے   یہیں سے کعبہ کو سلام کیا
اس کے عیار پن نے میرے تئیں   خادم و بندہ و غلام کیا
حال بد میں میرے بہ تنگ آ کر   اپنے تئیں سب میں نیک نام کیا[2]
دختر رز سے کیا تھا میرے تئیں   شیخ کی ضد پہ میں حرام کیا[3]
ہو گیا دل میرا تبرک جب   درد میں قطعہ پیام[4] کیا
دلی کے کج کلاہ لڑکوں نے[5] (ق)   کار عشاق کا تمام کیا

---

[1] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ نولکشوری اور نسخۂ آسی میں مصرعۂ ثانی "روز عیش وصل" کے بجائے "عیش روز وصل" ہے اور مصرع یوں ہے: ع
"اب عیش روز وصل کا ہے جی میں بھولا خواب سا"

غزل کے باقی شعر یہ ہیں: ؎

گلبرگ کا یہ رنگ ہے، مرجاں کا ایسا ڈھنگ ہے   دیکھو نہ جھکے ہے پڑا وہ ہونٹھ لعل ناب سا
وہ مایۂ جاں تو کہیں پیدا نہیں جوں کیمیا   میں شوق کی افراط سے بے تاب ہوں سیماب سا
سناٹے میں جان کے ہوش و حواس و دم نہ تھا   اسباب سارا لے گیا آیا تھا ایک سیلاب سا
ہم سرکشی سے مدتوں مسجد سے بچ بچ کر چلے   اب سجدے ہی میں گزرے ہے قد جو ہوا محراب سا
تھی عشق کی وہ ابتدا جو موج سی اٹھی کبھو   اب دیدۂ تر کو جو تم دیکھو تو ہے گرداب سا
بکے جو ہم مست آ گئے سو بار مسجد سے اٹھا   واعظ کو مارے خوف کے کل لگ گیا جلاب سا

[2] مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں مصرع یہ ہے: ع   آپ کو سب میں نیک نام کیا

[3] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [4] یہ شرف الدین علی خاں المتخلص بہ پیام ہیں۔ اردو میں صاحب دیوان تھے۔ اکبر آباد کے تھے اور میر تقی میر سے صاحب سلامت تھی (نکات الشعرا ص ۲۹) پیام کا انتقال ۲ محرم، ۱۱۵۷ ہجری کو ہوا (مراۃ اصطلاحات قلمی از رائے آنند رام مخلص)۔ میر نے متن میں قطعہ کے دو شعر پیام کے ہی نقل کیے ہیں۔ [5] نکات الشعرا ص ۲۶ میں "نے" کے بجائے "نیں" ہے۔

کوئی[۱] عاشق نظر نہیں آتا   ٹوپی والوں نے قتل عام کیا[۲]

عشق خوباں کو میرؔ میں اپنا
قبلہ و کعبہ و امام کیا

(۶۸)

رات پیاسا تھا میرے لوہو کا   ہوں دِوانہ ترے سگ کو کا
شعلہ آہ جوں توں اب مجھ کو   فکر ہے اپنے ھر بن مو کا
ہے میرے یار کے مسوں کا رشک   کشتہ ہوں سبزۂ لب جو کا
بوسہ دینا نہ کر مجھے موقوف[۳]   ہے وظیفہ یہی دعاگو کا
میں نے تلوار سے ہرن مارے   عشق کر تیری چشم و ابرو کا[۴]
شور قلقل کی ہوتی تھی مانع   ریش قاضی پہ رات میں تھو کا
عطر میں ڈوبی ہے صبا شاید[۵]   کھل گیا پیچ زلف خوشبو کا
ایک دو ہوں تو سحر چشم کہوں   کارخانہ ہے واں تو جادو کا
میرؔ ہر چند میں نے چاہا لیک   نہ چھپا عشق طفل بدخو کا

نام اس کا لیا ایدھر ادھر[۶]
اڑ گیا رنگ ہی میرے رُو کا

(۶۹)

آہ کے تئیں دل حیران و خفا کو سونپا   میں نے یہ غنچہ تصویر صبا کو سونپا

---

۱ میر حسن ص ۴۴ نے بھی یہ مصرع ایسا ہی لکھا ہے۔ قائم ص ۲۲، شفیق (چمنستان شعراص ۵) اور عمدۂ منتخبہ ص ۱۵۵ میں "کوئی" کے بدلے "ایک" ہے۔ ۲ یہاں بھی "نے" کے بجائے نکات الشعرا میں "نیں" ہے۔ ۳ نسخہ کلکتہ ص ۴، میں مصرع یوں ہے: ؎

بوسہ دینا مجھے نہ کر موقوف

۴ یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔

۵ مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں مصرعہ اس طرح ہے: ؎

عطر آگیں ہے بادِ صبح مگر

۶ آسی ص ۵۱ نے مصرعہ یوں لکھا ہے: ؎

نام اس کا لیا ادھر اودھر

ترے کوچے میں میری خاک بھی پامال ہوئی   تھا وہ بیدرد مجھے جن نے وفا کو سونپ
اب تو جاتا ہی ہے کعبہ کو تو بُت خانے سے
جلد پھر پہنچیو اے میؔر خدا کو سونپا[1]

(۷۰)

صحرا میں سیل اشک مرا جا بجا پھرا   مجنوں بھی اس کی موج پہ مدت بہا پھرا[2]
طالع سعید دیکھ کہ دولت نہ ہوئی نصیب   سر پر میرے کردر برس تک ہما پھرا[3]
آنکھیں برنگ نقش قدم ہوگئیں سفید   نامہ کے انتظار میں قاصد بھلا پھرا
ٹک بھی نہ مڑ کے میری طرف تو نے کی نگاہ   اک عمر تیرے پیچھے میں ظالم لگا پھرا
دیر و حرم میں کیونکے قدم رکھ سکوں میں میؔر
ایدھر تو مجھ سے بت پھرے اودھر خدا پھرا[4]

(۷۱)

بے تابیوں کے جور سے میں جبکہ مرگیا   ہو کر فقیر صبر مری گور پر گیا
اے آہ سرد عرصۂ محشر میں یخ جما   جلتا ہوں میں سنو کہ یہ دوزخ ٹھٹھر گیا
کاکل میں نہیں خط میں نہیں زلف میں نہیں   روزِ سیہ کے ساتھ میرا دل کدھر گیا[5]
مفلس سو مرگیا نہ ہوا یہ وصال یار   جی بھی گیا فراق میں اور زر کا زر گیا
تیری ہی رہگذر پہ جی جاتا رہا ہے شوخ
سُنیو کہ میؔر آج یا کل میں گزر گیا

---

[1] تذکرۂ عشق ص ۱۹۴ میں مصرع یوں ہے: ع   جلد پھر تو تجھے اے میؔر خدا کو سونپا

[2] گلشن سخن ص ۲۱۶ مصرعہ ثانی: ع   مجنوں بھی اس کی لہر میں مدت بہا پھرا
طبقات الشعرا ص ۲۱۱ مصرعہ ثانی: ع   مجنوں بھی جس کی موج میں مدت بہا پھرا

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۵۰: ع   طالع جو خوب تھے نہ ہوا جاہ کچھ نصیب
طبقات الشعراء: سہ   کم طالعی سے مجھ کو یہ دولت ہوئی نصیب
سر پہ ہزار بار میرے آ ہما پھرا

[4] یہ شعر طبقات الشعرا ص ۱۵۱ اور تذکرۂ شورش ص ۱۹۶ میں بھی ایسا ہی ہے۔ گلشن سخن میں پہلے "اودھر" ہے اور بعد میں "ایدھر"۔ نسخۂ
کلکتہ میں یوں ہے: ع   "ایدھر تو اس سے بُت پھرے اودھر خدا پھرا"

[5] غیر مطبوعہ ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں دیوان پنجم ص ۱۸۱ میں درج ہے۔

(۷۲)

تیرے عشق سے آگے سودا ہوا تھا | پر اتنا میں ظالم نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا ہے | یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
کہاں تھا تو اس طرح آنے سے میرے | گلی میں تری کل تماشا ہوا تھا
گئی ہوتی سر آبلوں کے پہ ہوئی خیر | بڑا قضیا خاروں سے برپا ہوا تھا[1]
گریباں سے تب ہاتھ اٹھایا تھا میں نے | مری اور داماں صحرا ہوا تھا

زہے میر طالع میرے ان نے پوچھا[2]
کہاں تھا تو اب تک تجھے کیا ہوا تھا

(۷۳)

نہیں ایسا کوئی میرا جو ماتم دار ہوئے گا | مگر ایک غم ترا اے شوخ بیکس ہو کے روئے گا
اگر اگتے رہے اے ناامیدی داغ ایسے ہی | تو کاہے کو کوئی تخم تمنا دل میں بوئے گا
الٰہی وہ بھی دن ہوگا کہ جس میں ایک ساعت بھی | میں روؤں گا وہ اپنے ہاتھ میرے منہ کو دھوئے گا

جو ایسے شور سے روتا ہے دن کو میر تو شب کو
نہ سونے دے گا ہمسایوں کو نے یہ آپ سوئے گا[3]

(۷۴)

یہ حسرت ہے مروں اس میں لیے لبریز پیمانا | مہکتا ہو بہت جو پھول سی دارو کے میخانا[4]
نہ دے زنجیر کے غل میں نہ دے جرگے غزالوں کے | میرے دیوان پن ہی تک رہا معمور ویرانا[5]

---

[1] یہ بھی غیر مطبوعہ ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۵۷؛

زہے طالع اے میر ان نے یہ پوچھا

[3] پوری غزل غیر مطبوعہ ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں صرف تین شعر درج ہیں۔ مقطع یوں ہے: ؎

جو ایسے شور سے روتا رہے گا میر تو شب کو
نہ سونے دے گا ہمسایوں کو کہنے آپ سوئے گا

[4] مصرع ثانی تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں اس طرح ہے: مصرع

مہکتا ہو نپٹ جو پھول سی دارو سے میخانا

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۵۲: ؎

نہ دے زنجیر کے غل میں نہ دے جرگے غزالوں کے
مرے دیوان پن تک ہی رہا معمور ویرانا

میرا سر نزع میں زانو پہ لے کر یوں لگا کہنے ․․․ کہ اے بیمار میرے تجھ پہ جلد آساں ہو مرجانا
نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنی
گیا ہو میر دیوانا رہا سودا سو مستانا

(۷۵)

حال دل میر کا رو رو کے سب اے ماہ سُنا ․․․ شب کو القصہ عجب قصۂ جانکاہ سنا
نابلد ہو کے رہ عشق میں پہنچے تو کہیں[۱] ․․․ ہر خضر کو یاں کہتے ہیں گمراہ سنا
کوئی ان دنوں سے گزرے ہے ترے غم میں بری ․․․ گاہ تو نے نہ سنا حال مرا گاہ سنا
خواب غفلت میں ہیں یاں سب تو عبث جاگا میر
بے خبر دیکھا اسے میں جسے آگاہ سنا[۲]

(۷۶)

طوف مشہد کے تئیں جو آؤں گا[۳] ․․․ تیغ قاتل کو سر چڑھاؤں گا
وصل میں رنگ اڑ گیا میرا ․․․ کیا جدائی کو مونہہ دکھاؤں گا
چھانتا ہوں تیری گلی کی خاک ․․․ دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا[۴]
لوٹتا ہے بہار مونہہ کی خط[۵]
میر اس پر میں زہر کھاؤں گا

(۷۷)

خیال چھوڑ دے واعظ تو بیگناہی کا ․․․ رکھے ہے شوق اگر رحمتِ الٰہی کا

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵: ع ․․․ نابلد ہو کے رہ عشق میں پہنچوں تو کہیں

[۲] مطبوعہ نسخوں میں مصرعہ یوں ہے: ع ․․․ بے خبر دیکھا انہیں میں جنہیں آگاہ سنا

[۳] غزل کے دو شعر تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۲ میں بھی ایسے ہی ہیں لیکن تمام مطبوعہ نسخوں میں پہلے شعر کا مصرعہ اول یہ ہے: ع
طوف مشہد کو کل جو جاؤں گا

نسخۂ آصفیہ میں بھی متن جیسا یہ مصرعہ ہے۔

[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۶۱۵: س ․․․ چھانتا ہوں کسی گلی کی خاک
دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا

[۵] اس شعر سے قبل ذیل کا شعر مطبوعہ نسخوں میں درج ہے لیکن زیر ترتیب دیوان اور نسخۂ آصفیہ میں غائب ہے: س
اس کے در پر گئی ہے تاب و تواں ․․․ گھر تلک اپنے کیوں کر جاؤں گا

سیاہ بخت ہی میرا مجھے تو کافی ہے — لیا ہے داغ میں دامن عبث سیاہی کا[1]

نگہ تمام تو اس کی خدا نہ دکھلاوے — کرے ہے قتل اثر جس کی کم نگاہی کا[2]

تمہارے حسن کے شعلے کے آگے اڑتا ہے[3]

میاں سلوک سنو میرے رنگ کا ہی کا

(۷۸)

کل شب ہجراں تھی لب پر نالہ بیمارانہ تھا — شام سے تا صبح سر بالیں پہ بے تابانہ تھا[4]

شہرۂ عالم اسی یمن محبت نے کیا — ورنہ مجنوں ایک خاک افتادہ ویرانہ تھا

منزل اس مہ کی رہا جو مدتوں اے ہمنشیں — اب وہ دل گویا کہ اک مدت کا ماتم خانہ تھا

بعد خونریزی کے مدت سے حنا رنگیں رہا — ہاتھ جو اس کا مرے لوہو میں گستاخانہ تھا[5]

یک نگاہ آشنا کو بھی وفا کرتا نہیں — وا ہوئی مژگاں کہ سبزہ سبزۂ بیگانہ تھا

روز و شب گزرے ہے پیچ و تاب میں رہتے تجھے — اے دل صد چاک کس کی زلف کا تو شانہ تھا

---

۱ نسخۂ آصفیہ: ع

سیاہ بخت ہے میرا مجھے تو کافی تھا

لیا ہے داغ نے دامن عبث سیاہی کا

نسخۂ آسی ص ۵۳۹ دیوان پنجم: ع

سیاہ بخت ہی میرے مجھے کفایت تھے

لیا ہے داغ نے دامن عبث سیاہی کا

نسخۂ کلکتہ ص ۱۵ ۶ دیوان پنجم مصرعۂ اول: ع سیاہ بخت سے میرے مجھے کفایت تھی

۲ غیر مطبوعہ۔ صرف نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

۳ نسخۂ ندوہ ۲۰ ب، نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ نولکشوری: ع

کسو کے حسن کے شعلہ کے آگے اڑتا ہے

سلوک میرؔ سنو میرے رنگ کا ہی کا

نسخۂ آصفیہ مصرعۂ ثانی: ع سلوک دیکھو ہو تم میرے رنگ کا ہی کا

۴ نسخۂ کلکتہ ص ۵ مصرعۂ ثانی: ع شام سے تا صبح دم بالیں پہ سر یکجا نہ تھا

نسخۂ آصفیہ میں متن جیسا ہے۔

۵ مطبوعہ نسخوں میں مصرعۂ ثانی یوں ہے: ع ہاتھ اس کا جو مرے لوہو میں گستاخانہ تھا

نسخۂ آصفیہ میں متن کی طرح ہے۔

غیر کے کہنے سے مارا ان نے ہم کو بے گناہ	یہ نہ سمجھا وہ کہ واقع میں بھی کچھ تھا یا نہ تھا
جس کو دیکھا ہم نے اس وحشت کدہ میں دہر کے	یا سڑی یا خبطی[1] یا مجنوں یا دیوانہ تھا
یاد ایا میکہ اپنی روز و شب کی جائے باش	یا در بازِ بیاباں یا درِ میخانہ تھا
صبح ہوتے وہ بنا گوش آج یاد آیا مجھے	جو گرا دامن میں[2] آنسو گوہرِ یک دانہ تھا
شب فروغ بزم کا باعث ہوا تھا حسن دوست	شمع کا جلوہ غبار دیدۂ پروانہ تھا
رات اس کی چشم میگوں خواب میں دیکھی تھی میں	صبح سوتے سے اٹھا تو ہاتھ میں پیمانہ تھا
رحم کچھ پیدا کیا شاید کہ ان بے درد نے	گوش اس کا رات ادھر تا آخر افسانہ تھا[3]

میرؔ بھی کیا مست طافح تھا شراب عشق کا
لب پہ عاشق کے ہمیشہ نعرۂ مستانہ تھا

(۷۹)

پیغام غم جگر کا گلزار تک نہ پہنچا	نالہ مرا چمن کی دیوار تک نہ پہنچا
اس آئینہ کے مانند زنگار جس کو کھاوے	کام اپنا اس کے غم میں دیدار تک نہ پہنچا
لبریز شکوہ تھے ہم لیکن حضور اس کے	کار شکایت اپنا گفتار تک نہ پہنچا
جوں نقش پا ہے غربت حیران کار اس کی	آوارہ ہو وطن سے جو یار تک نہ پہنچا
بے چشم نم رسیدہ پانی چوا نے کوئی	وقت اخیر اس کے بیمار تک نہ پہنچا
یہ بخت سبز دیکھو باغ زمانہ میں سے	پژمردہ گل بھی اپنی دستار تک نہ پہنچا
مستوری خوبروئی دونوں نہ جمع ہو دیں	خوبی کا کام کس کی اظہار تک نہ پہنچا
یوسف سے لے کے تا گل اور گل سے لے کے تا شمع	یہ حسن کس کو لے کر بازار تک نہ پہنچا

افسوس میرؔ وے جو ہونے شہید آتے
اور[4] کام ان کا اس کی تلوار تک نہ پہنچا

---

[1] اصل "خبتی"۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی "خبتی" ہی ہے۔

[2] نسخۂ کلکتہ میں "پہ" ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی "میں" ہی ہے۔

[3] نسخۂ کلکتہ: ع
رحم کچھ پیدا کیا شاید کہ اس بے رحم نے
گوش اس کا شب لو ہر تھا آخر افسانہ تھا

[4] نسخۂ کلکتہ میں "اور" کے بجائے "پھر" ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح ہے۔

(۸۰)

اس کا خیال چشم سے شب خواب لے گیا — قسمے کہ عشق جی سے مرے تاب لے گیا
کن نیندوں سوتی[1] ہے تو اے چشم گریہ ناک — مژگاں تو کھول شہر کو سیلاب لے گیا
آوے جو مصطبے میں تو سن لو کہ راہ سے — واعظ کو ایک جام مے ناب لے گیا
نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش[2] — آیا جو سیلِ عشق سب اسباب لے گیا
میرے حضور شمع نے جو گریہ سر کیا[3] — رویا میں اس قدر کہ مجھے آب لے گیا
احوال اُس شکار زبوں کا ہے جائے رحم — جس ناتواں کو مفت نہ قصاب لے گیا

موںھ کی جھلک سے یار کے بے ہوش ہو گئے
شب ہم کو میرؔ پرتوِ مہتاب لے گیا

(۸۱)

کب تلک یہ ستم اٹھائیے گا — ایک دن یونہی جی سے جائیے گا[4]
شکل تصویر بے خودی کب تک — کسو دن آپ میں بھی آئیے گا[5]
سب سے مل جل کہ حادثے سے پھر — کہیں ڈھونڈھا بھی تو نہ پائیے گا
نہ موئے ہم اسیری میں تو نسیم — کوئی دن اور باؤ کھائیے گا
کہیے گا اس سے قصۂ مجنوں — یعنی پردے میں غم سنائیے گا
اس کے پانو کو جا لگی ہے حنا — خوب سے ہاتھ اسے لگائیے گا
اس کے پابوس کی توقع پر — اپنے تئیں خاک میں ملائیے گا
شرکت شیخ و برہمن سے میرؔ — کعبہ و دیر سے بھی جائیے گا[6]

اپنی ڈیڑھ اینٹ کی جدی مسجد
کسو ویرانے میں بنائیے گا

---

[1] تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں "سوتی" کے بجائے "سوتی" ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۵۹ : مصرع
نے دل رہا بجا ہے نہ صبر و حواس و ہوش
[3] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ ۲۱ الف : مصرع — میرے حضور شمع نے گریہ جو سر کیا
[4] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۳ [5] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۳
[6] یہ شعر تذکرہ میر حسن ص ۱۵۲ میں مقطع کے طور پر درج ہے۔

(۸۲)

گل کو محبوب میں قیاس کیا | فرق نکلا بہت جو باس کیا
دل نے ہم[1] کو مثالِ آئینہ | ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سوجھتا ہمیں اس بن[2] | شوق نے ہم کو بے حواس کیا
دور سے چرخ کے نکل نہ سکے | ضعف نے ہم کو مورطاس کیا
عشق میں ہم ہوئے نہ دیوانے | مجنوں کی آبرو کی پاس کیا[3]
صبح تک شمع سر کو دھنتی رہی[4] | کیا پتنگے نے التماس کیا[5]
تجھ سے کیا کیا توقعیں تھیں ہمیں | سو ترے ظلم نے نراس کیا[6]
دیکھا ڈھتا ہے جن نے خانہ بنا | زیر افلاک سست اساس کیا[7]

ایسے وحشی کہاں ہیں اے خوباں
میر کو تم عبث اداس کیا

(۸۳)

ہنگامہ گرم کن جو دلِ ناصبور تھا | پیدا ہر ایک نالہ سے شور نشور تھا
تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا | خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا[8]
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں | معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
مجلس میں رات ایک ترے پرتوے بغیر | کیا شمع کیا پتنگ جو تھا بے حضور تھا
اس فصل میں کہ گل کا گریباں بھی ہے ہوا | دیوانہ ہو گیا سو بہت ذی شعور تھا
آتش بلند دل کی نہ ہوئی ورنہ اے کلیم[9] | یک شعلہ برق خرمنِ صد کوہ طور تھا

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص۳۲ و نسخۂ ندوہ میں مصرعہ اول میں "میں" کے بجائے "ہم" ہے۔ لیکن تذکرۂ میر حسن میں "میں" ہی درج ہے۔

۲؎ تذکرۂ میر حسن مصرعہ اول: ع
سوجھتا کچھ نہیں ہمیں اُس بن

۳؎ نسخۂ کلکتہ و نسخۂ آسی ص۱۱: ع
قیس کی آبرو کا پاس کیا

۴؎ نسخۂ کلکتہ ص ۳۲ مصرع:
صبح یک شمع سر کو دھنتی ہے

۵؎ غیر مطبوعہ ۶؎ غیر مطبوعہ ۷؎ تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں دیوان اول کا آغاز اسی شعر سے ہوتا ہے۔ ۸؎ غیر مطبوعہ نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح درج ہے۔ ۹؎ نسخۂ کلکتہ ص۱۹: ع
آتش بلند دل کی نہ تھی ورنہ اے کلیم

نسخۂ رام پور: ع
آتش بلند دل کی نہ ہوئی ورنہ اے نسیم

نسخۂ ادیب میں بھی نسخۂ کلکتہ جیسا یہ مصرع ہے۔

منعم کے پاس قاقم و سنجاب تھا تو کیا — اِس رند کی بھی رات گزر گئی جو عُور تھا
ہم خاک میں ملے تو ملے لیکن اے سپہر — اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا[1]
کل پانو ایک کاسہ سر پر جو آ گیا — یکسر وہ استخواں شکستوں سے چور تھا[2]
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر — میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا[3]
تھا وُہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم تو فہم کا اپنی قصور تھا

(۸۴)

مغت آبھتے زاہد علامہ لے گیا — اِک مغبچہ آتار کے عمامہ لے گیا[4]
داغِ فراق و حسرتِ وصل آرزوئے شوق — میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا
پہنچا نہ پہنچا آہ گیا، سو گیا غریب — وہ مرغِ نامہ بر جو میرا نامہ لے گیا
اس راہزن کے ڈھنگوں سے دیوے خدا پناہ
یک مرتبہ جو میرؔ کا جی جامہ لے گیا[5]

(۸۵)

اے تو کہ یاں سے عاقبت کار جائے گا — غافل نہ رہ کہ قافلہ یکبار جائے گا
تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ طبیب — اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا

---

۱ گلشن سخن ص۲۲۰، عمدۂ منتخبہ ص۵۵ ۲ گلشن ہند ص ۱۱۲ مصرعِ اول: ؎
کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر پڑا جو میرؔ
عمدۂ منتخبہ اور خوش معرکۂ زیبا قلمی میں "شکستوں" کے بجائے "شکستہ" ہے۔
۳ گلشن ہند: ؎ — میں بھی کبھی کسی کا سر پر غرور تھا
عمدۂ منتخبہ: ؎ — میں بھی کبھی کسو کا سر پر غرور تھا
۴ مصحفی نے بھی ایسا ہی مضمون باندھا ہے: ؎
اک طرفہ مملکت میں یہ صحبت ہوئی کہ رات
زاہد کے سر سے مغبچہ دستار لے گیا (دیوان مصحفی ص۲۹ مطبوعہ ۱۲۹۵ھ)
۵ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲ اور نسخۂ ندوہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ آسی ص ۱۴ میں مصرع یوں ہے: ؎
ایک مرتبہ جو میرؔ جی کا جامہ لے گیا

موقوف حشر پر ہے سو آتے بھی وہ نہیں | کب درمیاں سے وعدۂ دیدار جائے گا
چھوٹا جو میں قفس سے تو سب نے مجھے کہا | بے چارہ کیونکے تا سر دیوار جائے گا
دے گی نہ چین لذتِ زخم اس شکار کو | جو کھا کے تیرے ہاتھ کی تلوار جائے گا
آوے گی ایک بلا ترے سر سُن کر اے صبا | زلف سیاہ کا اس کے اگر تار جائے گا
باہر نہ آنا چاہ سے یوسف جو جانتا | لے[1] کارواں میرے تئیں بازار جائے گا
آتے میں اس کے حال ہوا جائے ہے بغیر[2] | کیا حال ہوگا پاس سے جب یار جائے گا

کوچہ میں اس کے رہنے سے باز آ وگرنہ میرؔ
اک دن تجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا

(۸۶)

مت ہو دشمن اے فلک مجھ پائمال راہ کا | خاک افتادہ ہوں میں بھی ایک فقیر اللہ کا
سیکڑوں طرحیں نکالیں یار کے آنے کی لیک | عذر ہی جا ہے چلا اس کے دل بدخواہ کا[3]
گر کوئی پیرِ مغاں مجھ کو کرے تو دیکھے پھر | میکدہ سارے کا سارا صرف ہے اللہ کا
کاش تیرے غم رسیدوں کو نہ لاویں حشر میں[4] | ظلم ہے ایک خلق پر آشوب ان کی آہ کا
جو سنا ہوشیار اس مے خانہ میں تھا بے خبر | شوق ہی باقی رہا ہم کو دل آگاہ کا
باندھ مت رشتے کا نار لے ناقباحت فہم چشم | اس سے پایا جائے ہے مررشتہ جی کی چاہ کا
شیخ مت کر ذکر ہر ساعت قیامت کا کہ ہے | عرصۂ محشر نمونہ اس کی بازی گاہ کا
شہر میں کس منہ سے آوے سامنے تیرے کہ شوخ | جھائیوں سے بھر رہا ہے سارا چہرہ ماہ کا

سرفرو لاتی نہیں ہمت میری ہر ایک پاس
ہوں گدائے آستاں میں میرؔ حضرت شاہ کا

(۸۷)

ایسی گلی اک شہر اسلام نہیں رکھتا | جس کوچہ میں وہ بت صد[5] بد نام نہیں رکھتا

---

۱ نسخۂ کلکتہ میں "کہ" کے بجائے "لے" ہے۔
۲ نسخۂ کلکتہ: ع "آتے بن اس کے حال ہوا جائے ہے بغیر"
۳ نسخۂ کلکتہ: ع عذر ہی جا ہے چلا اس کے دل ناخواہ کا
۴ نسخۂ کلکتہ: ع کاش تیرے غم رسیدوں کو بلاویں حشر میں
۵ اصل نسخے میں لفظ "صد" رہ گیا ہے۔

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل　　آغاز میرے غم کا انجام نہیں رکھتا
ناکامیٔ صد حسرت خوش لگتی نہیں ورنہ　　اب جی سے گزر جانا کچھ کام نہیں رکھتا
ہو خشک تو بہتر ہے وہ ہاتھ بہاراں میں　　مانند سنے نرگس جو جام نہیں رکھتا
بن اس کے ہم آغوشی بے تاب نہیں آج ہے　　مدت سے بغل میں دل آرام نہیں رکھتا
میں داڑھی تیری واعظ مسجد ہی میں منڈواتا　　پر کیا کروں ساتھ اپنے حجام نہیں رکھتا
کیا بات کروں اس سے مل جائے جو وہ تو میں　　اس ناکسی سے رہٹے دشنام نہیں رکھتا
وہ مفلس آنکھوں سے کیوں کر کے بسر آوے　　جو اپنی گرہ میں اک بادام نہیں رکھتا

یوں تو رہ و رسم اس کو اس شہر میں سب سے ہے
اک میر ہی سے خط و پیغام نہیں رکھتا

(۸۸)

جو اے قاصد وہ پوچھے میر بھی ایدھر کو چلتا تھا　　تو کہیو جب چلا ہوں میں تب اس کا جی نکلتا تھا
سماں افسوس و بے تابی سے تھا کل قتل کو میرے　　تڑپتا تھا ایدھر میں اور اودھر وہ ہاتھ ملتا تھا

(۸۹)

تیر جو اس کمان سے نکلا　　جگرِ مرغ جان سے نکلا
نکلی تھی تیغ بے دریغ اسکی　　میں ہی اک امتحان سے نکلا
گو کٹے سر کہ سوز دل جوں شمع　　اب تو میری زبان سے نکلا
آگے اے نالہ ہے خدا کا نام　　بس تو تو آسمان سے نکلا
چشم و دل سے جو نکلا ہجراں میں　　نہ کبھو بجرو کان سے نکلا
مرگیا جو اسیر قید حیات　　تنگنائے جہان سے نکلا
دل سے مت جا کہ حیف اسکا وقت　　جو کوئی اس مکان سے نکلا
اس کی شیریں لبی کی حسرت میں　　شہد پانی ہو شان سے نکلا

نامرادی کی رسم میر سے ہے
طور یہ اس جوان سے نکلا

لہ نسخۂ کلکتہ ص ۳۴ میں "آج" کے بجائے "اب" ہے۔ لہ و سلہ یہ دونوں شعر میر کے کسی مطبوعہ یا قلمی نسخے میں درج نہیں ہیں۔ البتہ پہلا شعر نکات الشعرا ص ۱۵۵ اور تذکرۂ شورش ص ۱۹۲ میں شامل ہے۔ تذکرۂ عشقی ص ۱۹۳ میں مصرع ثانی میں "جی" کے بجائے "دم" اور نکات الشعرا میں "جیو" ہے۔ دوسرا شعر کسی مطبوعہ اور کسی تذکرے میں نظر سے نہیں گزرا۔ سلہ نسخۂ کلکتہ ص ۲۵ "ناتوں" ہے۔

(۹۰)

جب جنوں سے ہمیں توسل تھا — اپنی زنجیر پا ہی کا غل تھا
بستر ا تھا چمن پہ جوں بلبل — نالہ سرمایۂ توکل تھا
یک نگہ کو وفا نہ کی گویا — موسم گل صفیر بلبل تھا
اُن نے پہچان کر ہمیں مارا — مونہہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا
شہر میں جو نظر پڑا اس کو — کشتۂ ناز یا تغافل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے نہ قرار — یاد ایام جب تحمل تھا[1]
جا پھنسا دام زلف میں آخر — دل نہایت ہی بے تامل تھا
یُوں گئی قد کی خم ہوئے جیسے — عمر اک رہرو سرِ پل تھا
خوب دریافت جو کیا ہم نے
وقت خوش میرؔ نکہت گل تھا

(۹۱)

کیا کہیے عشق و حسن کا آپ ہی طرف ہُوا — دل نام قطرہ خوں یہ ناحق تلف ہوا[2]
کیوں کر میں فتح پاؤں تیری زلفوں پہ کہ اب — یکدل شکستہ خوردہ میرا دو طرف ہوا[3]

(۹۲)

قصہ تمام میرؔ کا شب کو سنا کیا — بیدرد سر بھی صبح تلک سر دھنا کیا[4]
مل چشم سے نگہ نے دھتورا[5] دیا مجھے — خس بھر نہ چھوڑا دل کو میں تنکے چنا کیا[6]

(۹۳)

ہر جا پھرا غبار یہ میرا اڑا ہوا — تیری گلی میں لائی صبا تو بجا ہوا[7]
آہِ سحر نے دل کی نہ کھولی گرہ کبھو — آخر نسیم سے بھی یہ غنچہ نہ وا ہوا

---

[1] مطبوعہ نسخوں میں ”یہ“ کے بجائے ”میں“ ہے۔ [2] اصل، تجمل [3] یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۹۰۷، نسخۂ ندوہ، نسخۂ نولکشوری اور نسخۂ آسی میں فردیات میں شامل ہے۔ [4] یہ غیر مطبوعہ ہے۔ [5] دونوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۹۰۵ میں ”غزل مربع“ کے عنوان کے تحت درج ہیں۔ [6] نسخۂ کلکتہ: مصرع

مل چشم بھی نگہ نے دھتورا دیا مجھے

[7] نسخۂ آصفیہ میں تینوں شعر مندرج ہیں۔ نسخۂ کلکتہ ص ۶۱۵ میں دیوان پنجم میں شامل ہیں۔ تیسرے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے: مصرع

وے میرؔ اثر جو سوزشِ دل میں تھے ہیں کہاں

ویسے اثر جو شورشِ دل میں تھے ہیں کہاں　　نالہ کے بجز سنے بہت سے تو کیا ہوا

(۹۴)

مے گلگوں کی بُو سے بسکہ میخانہ مہکتا تھا　　لبِ ساغر پہ مونہہ رکھ رکھ کے ہر شیشہ بھکتا تھا[۱]

جلا کیوں کر نہ ہو گا آشیانِ بلبلِ بے کس　　برنگِ آتشِ خس پوش رنگِ گل دہکتا تھا[۲]

(۹۵)

مجھے تو نورِ نظر نے تنک بھی تن نہ دیا　　بہار جاتی رہی دیکھنے چمن نہ دیا[۳]

لباس دیکھ لیے میں نے تیری پوشش کے　　کہ بعدِ مرگ کنہیں نے مجھے کفن نہ دیا

کھلی نہ بات کئی حرف تھے گرہ دل میں　　اجل نے اس سے مجھے کہنے اک سخن نہ دیا

(۹۶)

تھا زعفراں پہ ہنسی کو دل جس کی گرد کا　　مشتاق مونہہ میرا ہے اسی رنگِ زرد کا

کیا ڈر اسے ہے گرمیِ خورشیدِ حشر سے　　سایہ پڑا ہے جس پہ میری آہِ سرد کا[۴]

(۹۷)

جب کہ تابوت میرا جائے شہادت سے اٹھا　　شعلۂ آہ دلِ گرمِ محبت سے اٹھا[۵]

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے رہتے　　دلِ عزیزوں کا اگر میری عیادت سے اٹھا

(۹۸)

نظر میں آوے گا جب جی کو کھونا　　ملے گا نیند بھر تب مجھ کو سونا[۶]

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۹۱، میں "فردیات" میں شامل ہے۔ حاتم نے ۱۱۶۲ھ میں اس زمین میں غزل کہی تھی مطلع یہ ہے، ؎

جو لے جانے میں جاتا تھا قدم رکتے جھجکتا تھا

کہ ساغر آنکھ دکھلاتا تھا اور شیشہ بھکتا تھا　　(دیوان زادہ بخطِ حاتم مکتوبہ ۱۱۶۹ھ)

۲؎ غیر مطبوعہ　۳؎ تینوں شعر غیر مطبوعہ ہیں، نسخۂ آصفیہ میں بھی موجود ہیں۔　۴؎ دونوں شعر غیر مطبوعہ ہیں۔　۵؎ یہ دونوں شعر کسی مطبوعہ یا قلمی دیوان میں نہیں ملتے ہیں۔ البتہ تذکرۂ شورش میں درج ہیں۔ دوسرے شعر کا مصرعِ اول یوں لکھا گیا ہے: ؏

عمر گزری مجھے بیمار ہی رہتے ہے بجا

۶؎ غزل کا دوسرا اور چوتھا شعر نسخۂ آسی ص ۹۴۳ میں دیوانِ پنجم میں دوبارہ شامل کیا گیا ہے۔ دیوانِ دوم ص ۲۲۶ میں پہلا، تیسرا اور چوتھا شعر پہلے ہی آ چکا ہے۔ چونکہ اشعار کا یہ تکرار غلطی سے نسخۂ کلکتہ میں ہوا ہے۔ اس لیے تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ غلطی پائی جاتی ہے۔ ان نسخوں میں مقطع کا دوسرا مصرعہ یوں ہے: ؏

کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

تماشے دیکھتے ہنستا چلا آ   کرے ہے شیشہ بازی میرا رونا[1]
میرا خون تجھ پہ ثابت ہی کرے گا[2]   کنارے بیٹھ کر ہاتھوں کو دھونا
وصیت میرؔ نے مجھ کو یہی کی
کہ سب کچھ ہونا ایک عاشق نہ ہونا

(۹۹)

عید آیندہ تک رہے گا گلا   ہو چکی عید تو گلے نہ ملا[3]
ڈوبے لوہو میں دیکھتا ہیں خار   حیف کوئی آبلہ نہ چھلا
میں تو افسردہ ہر چمن میں پھرا   غنچۂ دل میرا کبھو نہ نکلا[4]
ابر جاتا رہا رہیں بوندیں
اب تو ساقی مجھے شراب پلا

(۱۰۰)

دل گیا مفت اور دُکھ پایا[5]   ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا
مر گیا تس پہ سنگسار کیا   نخل ماتم میرا یہ پھل پایا[6]
صحن میں کے میں اے گل مہتاب   کیوں شگوفہ تو کھلنے کا لایا[7]
یہ شب ہجر ہے گھڑی نہ رہے
ہو سفیدی کا حبس جگہ سمایا[8]

---

۱ غیر مطبوعہ ۲ نسخہ آصفیہ؛ ع   مرا خون تجھ پہ خون ثابت کرے گا

۳ یہ غزل نسخۂ کلکتہ ص ۳۰۲ دیوان دوم میں درج ہے۔ اس کے بعد دیوان پنجم ص ۶۱۸ میں تکرار ہوا ہے۔ یہ تکرار تمام مطبوعہ نسخوں میں موجود ہے۔ یہ شعر نکات الشعراء ص ۱۴۵ میں بھی ہے۔ ۴ غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔ ۵ یہ غزل نسخۂ کلکتہ دیوان دوم ص ۳۰۰ اور دیوان پنجم ص ۶۲۱ میں دوبارہ شامل کی گئی ہے۔ ۶ نسخۂ کلکتہ ص ۶۲۱ دیوان پنجم میں شعر یوں ہے؛ ؎

مر گئے پر بھی سنگسار کیا
نخل ماتم میرا یہ پھل لایا

۷ شعر نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی املاء اور قرأت کا ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۶۲۱ اور نسخۂ ندوہ میں مصرعہ یوں ہے: ؏

کیوں شگوفے کھلنے کا لایا

۸ نسخۂ آسی دیوان دوم ص ۲۴۷ میں یہ غزل کا تیسرا شعر ہے۔ دیوان پنجم ص ۲۴۵ میں غزل کے پہلے چار شعروں کا تکرار ہوا ہے۔ ذیل کا پانچواں شعر زیادہ ہے؛

؎   جب سے بے خود ہوا ہے اس کو دیکھ   آپ میں پھر میرؔ نہیں آیا

(۱۰۱)

طفل مطرب جو میرے ہاتھ آتا　　چٹکیوں میں رقیب اوڑ جاتا[1]
حد ہے الفت تھی تیغ سے اس کی　　قتل کرتا تو لوہو جم جاتا

خواب میں بھی رہا تو آنے سے
دیکھنے ہی کا تھا یہ سب ناتا

(۱۰۲)

سینہ جب وہ کبھو سوار ہوا　　تا بہ روح الامیں شکار ہوا
اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ　　ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا
نالہ ہم خاکساروں کا آخر　　خاطر عرش کا غبار ہوا
جو نہ کہنا تھا سو بھی میں نے کہا　　دل کی بے طاقتی سے خوار ہوا[2]
پھر گیا ہے زمانہ کیا کر مجھے　　ہوتے خوار ایک روزگار ہوا[3]
مر چلے بے قرار ہو کر ہم　　اب تو تیرے تئیں قرار ہوا

وہ جو خنجر بکف نظر آیا
میر سو جان سے نثار ہوا

(۱۰۳)

منت دریا میں کیوں احسان سہوں گا　　میرے آنسو نہیں اُن پر بہوں گا[4]
نہ تو آوے نہ جاوے بے قراری　　یوں ہی اک دن سُنا میں مر رہوں گا
ترے غم کے ہیں خواہاں سب نہ کھا غم　　کمی کیا ہو گی جو اِک میں نہ ہوں گا

---

[1] تینوں شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ نسخۂ آصفیہ میں دُوسرا شعر مقطع کے طور پر اس طرح درج ہے:

الفت اس تیغ سے تھی بیحد میر
قتل کرتا تو لوہو جم جاتا

[2] غیر مطبوعہ، صرف نسخۂ آصفیہ میں موجود ہے۔ [3] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [4] یہ غزل نسخۂ کلکتہ دیوان دوم ص ۲۰۳ میں درج ہے۔ پھر دیوان پنجم ص ۶۱۹ میں اسے تین شعر پر مشتمل دوبارہ شائع کیا گیا۔ دو شعر (پہلا اور تیسرا) اوپر کے ہیں اور یہ آخری شعر مقطع کے طور پر درج ہے:

نہ وہ آوے نہ جاوے بے قراری
کسو دن میر یُونہیں مر رہوں گا

اگر جیتا رہا میں میرؔ اے زلف[1]
تو شب کو مُو بمو قصّہ کہوں گا

(۱۰۴)

چاک کر سینہ دل میں پھینک دیا   کھینچے ایذا ہمیشہ کس کی بلا[2]
تم کو جیتا رکھے خدا اے بتاں   مرگئے ہم تو کہتے کرتے وفا
اُٹھ گیا تو جو میری بالیں سے[3]
پھر میری جان مجھ میں کچھ نہ رہا

(۱۰۵)

بیچارہ جیب کا بھی بچا میں نہیں سیا   وحشت میں کوئی سیا سو کہیں کا کہیں سیا[4]
محشر سوائے کیا ہو اسے التیام میرؔ   یہ زخم سینہ جاتے گا میرا وہیں سیا[5]

(۱۰۶)

گرچہ امید اسیری پہ میں ناشاد آیا   دام صیاد کا ہوتے ہی خدا یاد آیا[6]
لوہو پینے کو میرا بس تھی میری تشنہ لبی   کاہے کو کیجئے تصدیع یہ جلاد آیا[7]

(۱۰۷)

ہو بلبل گلگشت کہ اک دن ہے خزاں کا   اڑتا ہے ابھی رنگ گل باغ جہاں کا[8]
ہے مجھ کو یقیں تجھ میں وفا ایسی جفا پر   گھر چاک برابر ہوئے اس میرؔ گماں کا (کذا)

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۳۰۲ میں شعر کا پہلا مصرع یوں ہے: ع

اگر جیتا رہا میں میرؔ اے یار

[2] تمام مطبوعہ کلیات میں غزل کا تیسرا شعر جو زیر ترتیب نسخے میں نہیں ہے، درج ہے: ے

سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں
دل سے اک داغ ہی جدا نہ ہُوا

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۳۰۰ میں مصرع یُوں ہے: ع

اُٹھ گیا میرؔ وہ جو بالیں سے

[4] یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۷۹، میں "فردیات" میں شامل ہے۔ مصرعِ ثانی یوں ہے: ع

وحشت میں جو سیا سو کہیں کا کہیں سیا

[5] یہ غیر مطبوعہ ہے۔ [6] یہ بھی نسخۂ کلکتہ ص ۷۹، میں "فردیات" میں درج ہے۔ [7] غیر مطبوعہ ہے۔ [8] یہ پوری غزل غیر مطبوعہ ہے۔

سینے میں میرے آگ لگی میرے سخن سے　　جوں شمع جلایا ہوا ہوں اپنی زباں کا

آرام عدم میں نہ تھا ہستی میں نہیں چین
معلوم نہیں میرا ارادہ ہے کہاں کا

(۱۰۸)

اٹھوں نہ خاک سے کشتہ میں کم نگاہی کا　　دماغ کس کو ہے محشر کی داد خواہی کا[1]
سنو ہو جل ہی بجھوں گا کر ہو رہا ہوں میں　　چراغ مضطرب الحال صبح گاہی کا[2]

(۱۰۹)

کام میرا ابھی تیرے غم میں کہوں ہو جائے گا　　جب یہ کہتا ہوں تو کہتا ہے کہ ہوں ہو جائے گا
خون کم کر اب کہ کشتوں کے تو پشتے لگ گئے　　قتل کرتے کرتے تیرے تئیں جنوں ہو جائے گا
اس شکار انداز خونیں کا نہیں آتا مزاج　　ورنہ آہوئے حرم صید زبوں ہو جائے گا
بزم عشرت میں ملامت ہم نگوں بختوں کے تئیں　　جوں حباب بادہ ساغر سر نگوں ہو جائے گا
تاکجا غنچہ صفت رکنا چمن میں دہر کے　　کب گرفتہ دل میرے سینہ میں خوں ہو جائے گا[3]
کیا کہوں میں میرؔ اس عاشق ستم محبوب کو
وضع پر اس کی کسو دن کوئی خوں ہو جائے گا[4]

(۱۱۰)

چمن میں گل نے جو کل دعویٔ جمال کیا　　جمالِ یار نے مُونہہ اس کا خُوب لال کیا[5]
فلک نے آہ تری رہ میں ہم کو پیدا کیا　　برنگ سبزۂ نورستہ پائمال کیا
رہی تھی دم کی کشاکش گلے میں کچھ باقی　　سو اس کی تیغ نے قصہ ہی انفصال کیا[6]

---

[1] یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۹۷۱ میں "فردیات" میں شامل ہے۔ [2] یہ کسی مطبوعہ یا قلمی کلیات میں درج نہیں ہے البتہ نکات الشعراء ص ۱۶۰ اور طبقات الشعراء ص ۱۰۲ میں درج ہے۔ [3] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۷۷ میں "وضع پر اس کی" کے بجائے "طور پر اس کے" ہے۔

[5] یہ شعر گلشن سخن ص ۲۰۶، گلشن ہند ص ۲۱۰ اور تذکرہ عشقی ص ۱۹۲ میں بھی ایسا ہی ہے۔ علاوہ ازیں تمام مطبوعہ کلیات میں اسی طرح درج ہے۔ عمدۂ منتخبہ ص ۵۵۵ میں یوں ہے:
جو گل نے دعویٰ رُخ کا ترے خیال کیا
صبا نے مارے طمانچوں کے مُنہہ کو لال کیا

[6] تذکرہ عشقی میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲ میں دوسرا مصرعہ یُوں ہے:
سو اُس کی تیغ نے جھگڑا ہی انفصال کیا
نسخۂ ندوہ میں بھی اسی طرح ہے۔

مری اب آنکھیں نہیں کھلتیں ضعف سے یکدم[1] | نہ کہہ کہ نیند میں ہے تو یہ کیا خیال کیا
بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو | چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا[2]
جواب نامہ سیاہی کا اپنی ہے وہ زلف | کنھوں نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا[3]

لگا نہ دل کو کہیں کیا سُنا نہیں تو نے
جو کچھ کہ میرؔ کا اس عاشقی نے حال کیا

(۱۱۱)

شرمندہ ترے موہنہ[4] سے ہے رخسار پری کا | چلتا نہیں کچھ آگے ترے کبک دری کا
جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا | کل اس پہ یہیں شور ہے اک نوحہ گری کا[5]
آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت | اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا
زنداں میں بھی شورش نہ گئی اپنے جنوں کی | اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا
صد موسم گل ہم کو تہ بال ہی گزرے | مقدور نہ دیکھا کبھو بے بال و پری کا
اپنی تو جہاں آنکھ لگی پھر وہیں دیکھو[6] | آئینہ کو لپکا ہے پریشاں نظری کا
ہر زخم جگر داور محشر سے ہمارا | انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا
اس رنگ سے جھمکے ہے پلک پر کہ کہے تو | ٹکڑا ہے ترا اشک عقیق جگری کا[7]
کل سیر کیا ہم نے سمندر کو بھی جا کر | تھا دست نگر پنجۂ مژگاں کی تری کا
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام | آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے
کیا یارؔ[8] بھروسا ہے چراغ سحری کا

---

۱ نسخۂ کلکتہ میں "ہمدم" ہے۔ ۲ گلشن سخن، گلشن ہند ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲: ۵

کسو نے حشر کو ہم سے اگر سوال کیا

۴ گلشن سخن ص ۲۰۶ میں ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ اور عمدۂ منتخبہ میں "موہنہ" کی بجائے "رخ" ہے۔ تمام قلمی و مطبوعہ نسخوں میں یہ غزل کا دوسرا شعر ہے۔ ۵ مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یہ شعر مطلع کے طور پر غزل کا پہلا شعر ہے۔ ۶ نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ میں "آنکھ لڑی" ہے اور گلشن سخن میں "آنکھ گڑی" ہے۔ ۷ نسخۂ آسی ص ۹: ۵

اس رنگ سے چھکے ہے پلک پر کہ کہے تو
ٹکڑا ہے بڑا اشک عقیق جگری کا

نسخۂ کلکتہ ص ۲۳ اور نسخۂ ندوہ میں بھی یہ شعر متن جیسا ہے۔ ۸ اصل "باد"۔

(۱۱۲)

آگے جمالِ یار کے معذور ہو گیا — گل اک چمن میں دیدۂ بے نور ہو گیا
اک چشم منتظر ہے کہ دیکھے ہے کب سے راہ — جو زخم تیری دوری میں ناسُور ہو گیا
قسمت تو دیکھ شیخ کو جب لہر آئی تب — دروازہ شیرہ خانہ کا معمور ہو گیا
دیکھا یہ ناؤ نوش کہ نیش فراق سے — سینہ تمام خانۂ زنبور ہو گیا
پہنچا قریب مرگ کے وہ صید ناقبول — جو تیری صید گاہ سے ٹک دور ہو گیا
شاید کسو کے دل کو لگی اس گلی میں چوٹ — میری بغل میں شیشۂ دل چُور ہو گیا
لاشہ مرا تسلی نہ زیر زمیں ہُوا — جب تک نہ آن کر وہ سر گور ہو گیا
اس ماہ چاردہ کا چھپے کیونکے عشق آہ — اب تو تمام شہر میں مشہور ہو گیا
دیکھا جو میں نے یار تو وہ میر ہی نہیں
تیرے غم فراق میں رنجور ہو گیا

(۱۱۳)

مانند شمع مجلس شب اشکبار پایا — القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا
احوال خوش انھوں کا ہم بزم ہیں جو تیرے — اور حیف ہے کہ ہم نے واں تک نہ بار پایا
شہرِ دل ایک مدت اجڑا بسا غموں سے — آخر اُجاڑ دینا اس کا قرار پایا
کیا اعتبار یاں کا پھر اس کو خوار دیکھا — جن نے جہاں میں آکر کچھ اعتبار پایا
آتا دہ تجھ سے ملتے سنے دل کو اپنے کھوتے — جیسا کیا تھا ہم نے ویسا ہی یار پایا
جیتے تھے ضعف ہو کر زخم رسا سے اسکے — سینہ کو چاک دیکھا دل کو فگار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اُٹھتے تھے میر سے شب
واں صبح جا کے ہم نے مُشتِ غبار پایا

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۲۶، نسخۂ ندوہ اور نسخۂ آسی ص ۸۰ میں "جوں" ہے۔ ۲؎ غیر مطبوعہ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ ۳؎ نسخۂ کلکتہ ص ۲۶ : ع

"اس ماہ چاردہ کا چھپے عشق کیونکے آہ"

عمدۂ منتخبہ میں "آہ" کے بجائے "آج" ہے۔ ۴؎ نسخۂ کلکتہ ص ۲۸ : ع

"افسوس ہے کہ ہم نے واں کا نہ بار پایا"

۵؎ آسی ص ۱۰ "جیتے"۔ ۶؎ نسخۂ کلکتہ : ع "واں جا کے صبح دیکھا مشتِ غبار پایا"

(۱۱۴)

آیا تھا خانقاہ میں وہ نور دیدہ گاں کا[1] — تہ کر گیا مصلےٰ عزلت گزیدہ گاں کا
آخر کو خاک ہونا درپیش ہے سبھوں کو — ٹک دیکھ مونہہ کدھر ہے قامت خمیدہ گاں[2] کا
جو خار دشت میں ہے سو چشم آبلہ سے — دیکھا ہوا ہے تیرے محنت کشیدہ گاں کا
اب زیر خاک رہنا مشکل ہے کشتگاں کو — آرام کھو چلا تو ان آرمیدہ[3] گاں کا
تیر بلا کا ہر دم اب میتؔر ہے نشانہ
پتھر جگر ہے اس کے آفت رسیدہ[4] گاں کا

(۱۱۵)

اس عہد میں الٰہی محبت کو کیا ہوا — چھوڑا وفا کو ان نے مروت کو کیا ہوا[5]
امیدوار وعدۂ دیدار مر چلے — آتے ہی آتے یارو قیامت کو کیا ہوا
اس کے گئے پر ایسی گئی دل سے ہمنشیں — معلوم بھی ہُوا نہ کہ طاقت کو کیا ہوا
جاتا ہے یار تیغ بکف غیر کی طرف[6] — اے کشتۂ ستم تیری غیرت کو کیا ہوا
بخشش نے مجھ کو ابر کرم کی کیا خجل — اے چشم جوش اشک ندامت کو کیا ہوا
تھی صعب عاشقی کی بدایت ہی میؔر پر
کیا جانیے کہ حال نہایت کو کیا ہُوا

(۱۱۶)

ہاتھ سے تیرے اگر میں ناتواں مارا گیا — سب کہیں گے یہ کہ کیا اک نیم جاں مارا گیا
جن نے سر کھینچا دیارِ عشق میں اے بوالہوس[7] — وہ سراپا آرزو آخر جواں مارا گیا
یک نگہ سے بیش کچھ نقصاں نہ آیا اسکے تئیں — اور میں بے چارہ تو اے مہرباں مارا گیا
وصل و ہجراں[8] یہ جو دو منزل ہیں راہِ عشق میں — دل غریب ان میں خدا جانے کہاں مارا گیا

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۵۰، "نور دیدگاں"۔ ۲؎، ۳؎، ۴؎ آسی ص ۱۵۳ خمیدگاں، کشیدگاں، آرمیدگاں، رسیدگاں ۵؎ اس غزل کے پہلے دو شعر گلشن سخن اور گلشن ہند میں درج ہیں۔ دونوں تذکروں میں پہلے شعر کے مصرعہ اول میں "عہد" کے بجائے "دور" ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں بھی "عہد" ہی ہے۔ ۶؎ مخطوطہ گلشن بے خار میں بھی شعر ایسا ہی ہے۔ گلشن سخن میں "تیغ بکف" کے بدلے "تیغ بدل" ہے۔
۷؎ نسخۂ کلکتہ ص ۵۱ میں بھی یہ مصرعہ ایسا ہی ہے۔ آسی ص ۱۳۱ نے "جن" کے بجائے "دل" لکھا ہے۔
۸؎ آسی نے "یہ" کے بدلے "سے" لکھا ہے۔

کب نیاز عشق ناز حسن سے کھینچے ہے ہاتھ
آخر آخر میرؔ سر بر آستاں مارا گیا

(۱۱۷)

یار عجب طرح نگہ کر گیا — دیکھنا وہ دل میں جگہ کر گیا[1]
تنگ قبائی کا سماں یار کی — پیرہن غنچہ کو تہ کر گیا
جانا ہے اس بزم سے آیا تو کیا — کوئی گھڑی گو کہ توقف کر گیا
وصف خط و خال میں خوباں کے میرؔ
نامۂ اعمال سیہ کر گیا

(۱۱۸)

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا — ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا[2]
بے ہوش مے عشق ہوں کیا میرا بھروسا — آیا جو بخود صبح تو میں شام نہ آیا
کس دل سے ترا تیر نگہ پار نہ گزرا — کس جان کو یہ مرگ کا پیغام نہ آیا
دیکھا نہ اسے دور سے بھی منتظروں نے — وہ رشک مہ عید لب بام نہ آیا
سو بار بیاباں میں گیا محمل لیلیٰ — مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا
اب کی جو ترے کوچے سے جاؤں گا تو سنیو — پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا
نے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل میرؔ کسو کام نہ آیا

(۱۱۹)

شب ہجر میں کم تظلم کیا — کہ ہمسائیگاں پر ترحم کیا[3]
کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات[4] — کلی نے یہ سن کر تبسم کیا
زمانہ نے مجھ جرعہ کش کو ندان — کیا خاک و خشت سر خم کیا
جگر ہی میں یک قطرہ خوں ہے سرشک — پلک تک گیا اور تلاطم کیا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۷۷، نسخۂ ندوہ۔
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳، نسخۂ ندوہ۔
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۷۱، تذکرہ میر حسن ص ۱۵۲
[4] تذکرہ میر حسن: ع
کہا میں نے گل کا ہے کتنا ثبات

کسو وقت پاتے نہیں گھر اسے
بہت میرؔ نے آپ کو گم کیا

(۱۲۰)

تا بہ مقدور انتظار کیا — دل نے پھر[1] زور بے قرار کیا
ہم فقیروں سے بے ادائی کی — آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا[2]
دشمنی ہم سے کی زمانے نے — کہ جفا کار تجھ سے یار کیا
یہ توہم کا کارخانہ ہے — یاں وہی ہے جو اعتبار کیا
ایک ناوک نے اس کی مژگاں کے — طائر سدرہ تک شکار کیا
صد رگ جاں کو تاب دے باہم[3] — تیری زلفوں کا ایک تار کیا
سخت کافر تھا جن نے پہلے میرؔ
مذہب عشق اختیار کیا[4]

(۱۲۱)

جدا جو پہلو سے وہ دلبر یگانہ ہوا — طپش کی یاں تئیں دل نے کہ درد شانہ ہوا[5]
جہاں کو فتنے سے خالی کبھو نہیں پایا — ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا
خلش نہیں کسو خواہش کی رات دن شاید[6] — سرشک یاس کے پردہ میں دل روانہ ہوا
جو دل میں تھا سو وہ دل ہی ہیں لے چلے ہم تو[7] — ہزار حیف سر حرف اس سے وا نہ ہوا
کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کی میرؔ
سمند ناز کو ایک اور تازیانہ ہوا[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۴۳، نسخۂ ندوہ ۱۲ اب، نسخۂ آسی ص ۴۷ میں "پھر" کے بجائے "اب"۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۴۴ اور نسخۂ ندوہ میں مصرع اول یوں ہے: ع
ہم فقیروں سے بے ادائی کیا

[3] گلشن سخن ص ۲۰۷ "پیہم"۔ [4] گلشن سخن مخطوطہ گلشن بے خار مصرع اول: ع "جس نے ——————"

[5] عمدۂ منتخبہ ص ۵۶۰: ع — تپش کی دل نے یہاں تک کہ درد شانہ ہوا

[6] عمدۂ منتخبہ: ع — خلش نہیں کسو خواہش کی رات سے شاید

نسخۂ کلکتہ ص ۶۷: ع — خلش نہیں کسو خواہش کی رات سے شاید

[7] نسخۂ آسی ص ۵۴ مصرعہ اول: ع — ہم اپنے دل کی چلے دل ہی میں لیے یہاں سے

[8] تذکرۂ میر حسن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی اسی طرح ہے۔ گلشن بے خار میں یوں ہے: ع

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

(۱۲۲)

دل سے شوق رخ نکو نہ گیا　　جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا
ہر قدم پر تھی اس کی منزل لیک　　سر سے سودائے جستجو نہ گیا
دل میں کتنے مسودے تھے ولے　　ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

سبحہ گرداں ہی میرؔ ہم تو رہے
دست کوتاہ تا سبو نہ گیا

(۱۲۳)

سینہ دشنوں سے چاک تا نہ ہوا　　دل جو عقدہ تھا سخت وا نہ ہوا[1]
ظلم و جور و جفا ستم بے داد　　عشق میں تیرے ہم پہ کیا نہ ہوا
سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں　　دل سے ایک داغ ہی جدا نہ ہوا
ہم تو ناکام ہی جہاں میں رہے　　یاں کبھو اپنا مدعا نہ ہوا

میرؔ افسوس وہ کہ جو کوئی
اس کے دروازہ کا گدا نہ ہوا

(۱۲۴)

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا　　لوہو آتا ہے جب نہیں آتا[1]
ہوش جاتا نہیں رہا لیکن　　جب وہ آتا ہے تب نہیں آتا
صبر تھا ایک مونس ہجراں　　سو وہ مدت سے اب نہیں آتا
دل سے رخصت ہوئی کوئی خواہش[2]　　گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
عشق کو حوصلہ ہے شرط ارنہ[3]　　بات کا کس کو ڈھب نہیں آتا

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گزشتہ)　کھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اس کے میرؔ
سمند ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

آسی نے بھی "کو" کے بجائے مصرعۂ ثانی میں "پہ" لکھا ہے۔

(حاشیہ صفحۂ ہذا)　[1] نسخۂ کلکتہ ص ،،　[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵　[3] گلشن ہند : ۲۶۰

دل سے رخصت ہوئی گئی خواہش

[3] گلشن ہند : ۲۶۰
عشق کو حوصلہ ہے شرط ورنہ
نسخۂ کلکتہ میں بھی مصرع متن جیسا ہے۔

جی میں کیا کیا ہے اپنے اے ہمدم　　یہ سخن تا بلب نہیں آتا

دور بیٹھا غبار میرؔ اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا

(۱۲۵)

بار ہا گور دل جھکا لایا[1]　　اب کی شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ وفا　　سارے عالم میں میں دکھلایا
دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش　　ایک عالم کے سر بلا لایا
دل مجھے اس گلی میں لے جا کر　　اور بھی خاک میں ملا لایا
سب پہ جس بار نے گرانی کی　　اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار　　عشق کی کون انتہا لایا

اب تو جاتے ہیں بتکدے سے میرؔ
پھر ملیں گے اگر خدا لایا[2]

(۱۲۶)

بیکسانہ جی گرفتاری سے شیون میں رہا　　اک دلِ غمخوار رکھتے تھے سو گلشن میں رہا
غنچۂ گل کی طرح دیوانگی میں آپ کو[3]　　سر نکالا میں گریباں سے تو دامن میں رہا
ڈر سے اس شمشیر زن کے جوہرِ آئینہ ساں　　سیسے لگ کر پا تو یک بیں غرق آہن میں رہا
شمع ساں جلتے رہے لیکن نہ توڑا یار سے　　رشتۂ الفت تمامی عمر گردن میں رہا
ہم نہ کہتے تھے کہ مت دیر و حرم کی راہ چل　　اب یہ دعویٰ حشر تک شیخ و برہمن میں رہا
در پے دل ہی رہے اس چہرہ کے خالِ سیاہ　　ڈر ہیں ان چوٹوں کا اب روز روشن میں رہا

آہ کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میرؔ
جی ہر ایک نخچیر کا اس صیدافگن میں رہا

---

[1] طبقات الشعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۵۳ میں مصرعہ یوں ہے: ع

بار ہا گور دل جھکا لایا

[2] طبقات الشعراء میں اسی طرح ہے۔　[3] یہ شعر طبقات الشعراء، عمدہ منتخبہ اور مخطوطہ گلشن بیخار میں بھی ایسا ہی ہے۔

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۹۳ پہلا مصرعہ یوں ہے: ع

بپنجۂ گل کی طرح دیوانگی میں ہاتھ کو

(۱۲۷)

کتنی دن سلوک و وداع کے میرے درپے دل زار تھا — کبھو درد تھا، کبھو داغ تھا، کبھو زخم تھا، کبھو وار تھا
دم صبح بزم خوش جہاں شب غم تو کم نہ تھے مہرباں — کہ چراغ تھا سو تو دود تھا جو پتنگ تھا، سو غبار تھا
دل خستہ لوہو جو ہو گیا تو بھلا ہو اکہ کہاں تلک — کبھو سوز سینہ سے داغ تھا، کبھو درد وغم سے فگار تھا
دل مضطرب سے گزر گئے شب وصل اپنی ہی فکر میں — نہ دماغ تھا نہ فراغ تھا، نہ شکیب تھا نہ قرار تھا
جو نگاہ کی بھی پلک اٹھا تو ہمارے دل سے لوہو بہا — کہ وہیں وہ ناوک بے خطا کسو کے کلیجے کے پار تھا
یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ غم میں جس کے ہیں خونچکاں — وہی آفت دلِ عاشقاں کسو وقت ہم سے بھی یار تھا[1]
نہیں تازہ دل کی شکستگی یہی درد تھا یہی خستگی — اسے جب سے ذوق شکار تھا اسے زخم سے سروکار تھا

کبھو جائے گی جو ادھر صبا تو یہ کہیو اس سے کہ بے وفا
مگر ایک میرؔ شکستہ پا ترے باغ تازہ میں خار تھا

(۱۲۸)

آہ سحر نے سوزش دل کو مٹا دیا — اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا[2]
سمجھی نہ باد صبح کہ آکر اٹھا دیا — اس فتنۂ زمانہ کو ناحق جگا دیا
پوشیدہ راز عشق چلا جائے تھا سو آج — بے طاقتی نے دل کی وہ پردہ اٹھا دیا
اس موج خیز دہر میں ہم کو قضا نے آہ — پانی کے بلبلے کی طرح سے مٹا دیا
تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے سو عشق نے — دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
سب شور ما و من کو لیے سر میں مر گئے — یاروں کو اس فسانہ نے آخر سلا دیا
آوارگان عشق کا پوچھا جو میں نشاں — مشت غبار لے کے صبا نے اڑا دیا
اجزا بدن کے جتنے تھے پانی ہو بہہ گئے — آخر گداز عشق نے ہم کو بہا دیا
کیا کچھ نہ تھا ازل میں نہ طالع جو تھے درست — ہم کو دل شکستہ قضا نے دلا دیا
گویا محاسبہ مجھے دینا تھا عشق کا — اس طرح دل سی جنس کو میں نے لگا دیا[3]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۳۸ میں پہلا مصرع اس طرح ہے: ؏
یہ تمہاری ان دنوں دوستاں مژہ جس کے غم میں ہے خونچکاں

[2] غزل کا پہلا، پانچواں اور آخری شعر گلشن سخن ص ۲۰۵ میں بھی درج ہے۔ تذکرے میں پانچویں شعر کا پہلا مصرع یہ ہے: ؏
تھی لاگ اس کی تیغ کی ہم کو سو عشق نے

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۴۰: ؏ اس طور دل سی چیز کو میں نے لگا دیا

مدت رہے گی یاد ترے چہرے کی جھلک | جلوہ کو جن[1] نے ماہ کے جی سے بھلا دیا
تکلیف درد دل کی عبث ہمنشیں نے کی | درد سخن نے میرے سبھوں کو رُلا دیا
بُوئے کباب سوختہ آئی دماغ میں | شاید جگر کو آتشِ غم نے جلا دیا
ہم نے تو سادگی سے کیا جی کا بھی زیاں | دل جو دیا تھا سو تو دیا سر جدا دیا

ان نے تو تیغ کھینچی تھی پر جی چلا کے میرؔ
ہم نے بھی ایک دم میں تماشا دکھا دیا

(۱۲۹)

سحر گاہ عید مے، دور سبو تھا[2] | پر اپنے جام میں تجھ بن لہو تھا
غلط تھا آپ سے غافل گزرنا | نہ سمجھے ہم کہ اس قالب میں تو تھا
چمن کی وضع نے ہم کو دیا داغ | کہ ہر غنچہ دل پر آرزو تھا
گل و آئینہ کیا خورشید و مہ کیا | جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رو تھا
کرو گے یاد باتیں تو کہو گے | کہ کوئی رفتۂ بسیار گو تھا
جہاں پُر ہے فسانہ سے ہمارے | دماغِ عشق ہم کو بھی کبھو تھا
مگر دیوانہ تھا گل بھی کسو کا | کہ پیراہن میں سو جاگہ رفو تھا
کہیں کیا بال تیرے کھل گئے تھے | کہ جھونکا[3] باؤ کا کچھ مشکبو تھا

نہ دیکھا میرؔ آوارہ کو لیکن
غبار اک ناتواں سا کو بکو تھا

(۱۳۰)

گلیوں میں اب تلک تو مذکور ہے ہمارا | افسانۂ محبت مشہور ہے ہمارا
مقصود کو تو دیکھیں کب تک پہنچتے ہیں ہم | بالفعل اب ارادہ تا گور ہے ہمارا
ہیں آہ عشق بازی چوپڑ عجب بچھاتی | کچی پڑیں ہیں ساری گھر دور ہے ہمارا[4]

---

[1] نسخۂ کلکتہ و آسی: "جس نے"۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۴۰، نسخۂ ندوہ ۱۵ الف: ع

سحر گہ عید میں دور سبو تھا

[3] نسخۂ آسی ص ۲۸: ع

کہ جھونکا باؤ کا کچھ مشکبو تھا

[4] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ، نسخۂ آسی: ع

تئیں آہ عشق بازی چوپڑ عجب بچھائی
کچی پڑیں ہیں نردیں گھر دور ہے ہمارا

کیا آرزو تھی جس سے سب چشم ہم ہوئے ہیں[1] — ہر زخم سو جگہ سے ناسور ہے ہمارا
ہر چند لشت پا پر شرم و حیا سے آنکھیں — احوال کچھ بھی تم کو منظور ہے ہمارا
بے طاقتی کریں تو تم بھی معاف رکھیو — کیا کیجئے کہ دل بھی مجبور ہے ہمارا
ہیں مشتِ خاک لیکن جو کچھ ہیں میر ہم ہیں
مقدور سے زیادہ مقدور ہے ہمارا

ردیف ب

(۱۳۱)

ہوتا نہ پاتے سرو جو جوئے چمن میں آب — تو کون قمریوں کے چوانا دہن میں آب
شب سوزِ دل کہا تھا میں مجلس میں شمع سے — روتی ہے یاں تلک کہ بھرا ہے لگن میں آب[2]
اس پر لہو کے پیاسے ہیں تیرے لبوں کے رشک — اک نام کو رہی ہے عقیقِ یمن میں آب
دل لے گیا تھا زیرِ زمیں میں بھرا ہوا — آتا ہے ہر مسام سے میرے کفن میں آب
رویا تھا تیری چشم و مژہ یاد کر کے میں — ہے نیزہ نیزہ تب سے نواحِ ختن میں آب[3]
ناسور پھونک پھونک کے بھیجو خبر ہے شرط — ہے آپ داغ کوچۂ زخمِ کہن میں آب[4]
دریا میں قطرہ قطرہ ہے آب گہر کہیں
ہے میر موج زن ترے ہر یک سخن میں آب

(۱۳۲)

تو کہاں اس کی کمر کیدھر نہ کریو اضطراب — اے رگِ گل دیکھیو کھاتی ہے جو تو پیچ و تاب
تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں اور مستی مدام[5] — بر بطِ صہبا نکالے اڑ چلے رنگِ شراب
موند رکھنا چشم کا ہستی میں عین دید ہے — کچھ نہیں آتا نظر جب آنکھ کھولے ہے حباب
داد لے اس جینے پر اے مستی کہ دورِ چرخ میں — جام مے پر گردش آوے اور میخانہ خراب

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع کیا آرزو تھی جس سے سب چشم ہو گئے ہیں
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۰، نسخۂ ندوہ ۱۳ ب: ع روتی ہے یہاں تلک کہ بھرا ہے لگن میں آب
[3] غیر مطبوعہ [4] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔ [5] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی ص ۵۶: ع
تو ہو اور دنیا ہو ساقی میں ہوں مستی ہو مدام

تجھ نمک ہی شور شیں ہیں اور ملامت پر نمک[1]   ٹک تو رہ پیری چلی آتی ہے اے عہد شباب
کیا ہو رنگ رفتہ کیا قاصد ہو جس کو خط دیا   جز جواب صاف اسے کوئی نہ لے آیا جواب[2]
چوب حرفی بن الف بے میں نہیں پہچانتا   ہوں میں ابجد خواں شناسائی کو مجھ سے کیا حساب
مت ڈھلک مژگاں سے میری اے سرشک آبدار[3]   مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب[4]
کچھ نہیں بحر جہاں کی موج پر مت بھول میر
دُور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب[5]

(۱۳۴)

دیکھ خورشید تجھ کو اے محبوب   عرق شرم میں گیا ہے ڈوب[6]
آئی کنعاں میں باد مصر و لے[7]   نہ گئی تا بہ کلبۂ یعقوب
بن عصا شیخ یک قدم نہ رکھے   راہ چلتا نہیں یہ خر بے چوب
پی ہوئے تو لہو پیا ہوں میں   شیخ آنکھوں پہ میری ہے آشوب[8]
میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب[9]

---

[1] نسخۂ کلکتہ : ع   ہے ملاحت تیرے باعث شور پر تجھ سے نمک

[2] نسخۂ کلکتہ : ع   جز جواب صاف اس سے کب کوئی لایا جواب

[3] یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ مدہ اور تمام مطبوعہ نسخوں میں یوں ہے : ؎

مت ڈھلک مژگاں سے اب تو اے سرشک آبدار   مفت میں جاتی رہے گی تری موتی کی سی آب

[4] نسخۂ کلکتہ میں غزل کے کل اشعار گیارہ ہیں۔ زیر ترتیب دیوان میں ذیل کے دو شعر درج نہیں ہیں : ؎

کس کی مسجد کیسے بُت خانے کہاں کے شیخ و شاب   ایک گردش میں تری چشم سیہ کے سب خراب
کب تھی یہ بے جراتی شایانِ آہوئے حرم   ذبح ہوتا تیغ سے یا آگ میں ہوتا کباب

[5] یہ شعر نکات الشعراء، اور طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸ : ع

آئی کنعاں سے باد مصر و لے

[7] نسخۂ کلکتہ : ع   محتسب آنکھوں پہ ہے کچھ آشوب

[8] یہ شعر بھی نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یہ غزل چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ نسخہ میں درج ذیل شعر جو چوتھے نمبر پہ ہے زیادہ ہے : ؎

اس لیے عشق میں نے چھوڑا تھا
تو بھی کہنے لگا بُرا کیا خُوب

ردیف تا

(۱۳۴)

پلکوں پہ تھے پارۂ جگر رات — ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات
تو پاس نہیں ہوا تو روتے — رہ رہ گئی ہے پہر پہر رات
کھڑے سے اٹھائیں ان نے زلفیں — جانا بھی نہ ہم گئی کدھر رات
اک دن کو وفا بھی کرتے وعدہ — گزری ہے امیدوار ہر رات
واں تم تو بناؤتے رہے زلف[1] — عاشق کی بھی یاں گئی گزر رات
کیا دن تھے کہ خون تھا جگر میں — رو اُٹھتے تھے بیٹھ دو پہر رات
ساقی کی خبر تھی آؤنے کی[2] — گزری ہمیں ساری بے خبر رات
کیا سوز جگر کہوں میں ہمدم — آیا جو سخن زبان پر رات
صحبت یہ رہی کہ شمع روئی — لے شام سے تا دم سحر رات
کھلتی ہے جب آنکھ شب کو تجھ بن — کٹتی نہیں آتی پھر نظر رات
دن وصل کا یوں کٹے کہ تو — کاٹی ہے جُدائی کی مگر رات
کل تھی شب وصل اک ادا پر — اس کی گئے ہوتے ہم تو مر رات
جاگے تھے ہمارے بخت خفتہ — پہنچا تھا بہم وہ اپنے گھر رات
کرنے لگا پشت چشم نازک — سوتے سے اٹھا جو چونک کر رات
تھی صبح جو موںھ کو کھول دیتا — ہر چند کہ تب تھی اک پہر رات

پر زلفوں میں موںھ چھپا کے پوچھا
اب ہوسے گی[3] میرؔ کس قدر رات

(۱۳۵)

جیتا[4] ہی نہیں ہو جسے آزار محبت — مایوس ہوں میں بھی کہ ہوں بیمار محبت

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع — واں تم تو بناتے ہی رہے زلف
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۳: ع — ساقی کے جو آنے کی خبر تھی
[3] نسخۂ آسی ص ۸۵: "ہووے گی"۔
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۸۴ و نسخۂ ندوہ ۲۴۹ الف میں "چھٹا" ہے۔

امکاں نہیں جیتے جی ہو اس قید سے آزاد[۱]   مر جائے تبھی چھوٹے گرفتارِ محبت
تقصیر نہ خوباں کی نہ جلاد کا کچھ جرم   تھا دشمن جانی میرا اقرارِ محبت
اس راز کو رکھ دل ہی میں تا جی بچے تیرا[۲]   زنہار جو کرتا ہو تو اظہارِ محبت
بے کار نہ رہ رونے سے تو عشق میں ہرگز   یہ گریہ ہی ہے آبِ رخ کارِ محبت
ہر نقش قدم پر ترے سر بیچے ہیں عاشق   ٹک سیر تو کر آج تو بازارِ محبت
ہر جنس کے خواہاں ملے بازارِ جہاں میں   لیکن نہ ملا کوئی خریدارِ محبت
کچھ مست ہیں ہم دیدۂ پر خونِ جگر سے   آیا ہی ہے ساغرِ سرشارِ محبت

مجھ سا ہی ہو مجنوں بھی یہ کوئی مانے ہے عاقل
ہر سر نہیں اے میر سزاوارِ محبت

(۱۳۶)

ہر صبحدم کروں ہوں الحاح اور انابت[۳]   تو بھی میری دعا سے ملتی نہیں اجابت
مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ہردم[۴]   لائق نہیں ہے تیرے یہ کونسی ہے بابت

کیا کیا لکھا ہے میں نے کیا کچھ کہے گا پڑھ کر[۵]
گم ہوئے نامہ بر سے یارب میری کتابت

(۱۳۷)

جی میں ہے یاد رخ و زلف سیہ فام بہت   رونا آتا ہے مجھے ہر سحر و شام بہت
دست صیاد تلک بھی نہ پہنچا جیتا[۶]   بے قراری نے لیا مجھ کو تہ دام بہت

---

[۱] یہ مصرع نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے لیکن آسی نے ص ۵۰ میں یوں لکھا ہے: ع
امکاں نہیں جیتے جی ہو قید سے آزاد

[۲] نسخۂ کلکتہ میں "دل" کے بجائے "جی" ہے اور مصرع یوں ہے: ع
اس راز کو رکھ جی ہی میں تا جی بچے تیرا

[۳] نسخۂ کلکتہ ص ۴۰، نسخۂ ندوہ ۲۲ ب: ع ہردم صبح کروں ہوں الحاح یا انابت

[۴] نسخۂ کلکتہ: ع مت لے حساب طاقت اے ضعف مجھ سے ظالم

[۵] نسخۂ کلکتہ: ع کیا کیا لکھا ہے میں نے وہ میر کیا کہے گا

[۶] نسخۂ کلکتہ ص ۴۳: ع دستِ صیاد تلک بھی نہ میں پہنچا جیتا
یہ شعر نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش ص ۱۰۹ میں بھی نقل ہوا ہے۔

دل خراشی ہے جگر چاکی سے کیا کیا ہے غرض[1] — ہوں تو ناکام پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت
یک دو چشمک ادھر اے گردش ساغر کہ مدام[2] — سر چڑھی رہتی ہے یہ گردشِ ایام بہت
رہ گیا دیکھ کے تجھ چشم پہ یہ سطرِ مژہ — ساقیا یوں تو پڑھے تھے میں خط جام بہت[3]
پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودے[4]
غالباً زیرِ زمیں میرؔ ہے آرام بہت

ردیفِ تائے ہندی

(۱۳۸)

نہ پایا دل ہوا روز سیہ سے جس کا جا لٹ پٹ — تری کاکل کو ڈھونڈھا مو بمو اور زلف کی لٹ لٹ[5]
ترے ہجراں کی بیماری میں پیارے ضعف سے شب کو — ہوا ہے خواب سونا مجھ کو اس کروٹ سے اس کروٹ[6]
چٹیں لگتی ہیں دل پر بلبلوں کے باغباں تو جو — چمن میں توڑتا ہے ہر سحر کلیوں کے تئیں چٹ چٹ
تو کن نیندوں پڑا سوتا تھا دروازے کو موندے شب
میں چوکٹ پر تری کرتا رہا سر کو پٹک کھٹ کھٹ[7]

ردیفِ جیم فارسی

(۱۳۹)

فائدہ مصر میں یوسف رہے زنداں کے بیچ — بھیجدے کیوں نہ زلیخا اسے کنعان کے بیچ[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
دل خراشی و جگر چاکی و خون افشانی

[2] نسخۂ کلکتہ: ع
ایک دو چشمک ادھر گردش ساغر کہ مدام

[3] غیر مطبوعہ لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ۔ آسودہ (یہ شعر گلشن سخن میں بھی ہے) [5] تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں مصرعہ یوں ہے: ع
کسو کی زلف ڈھونڈھی مو بمو کاکل کو سب لٹ لٹ

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۳، ۔ ت
ترے ہجراں کی بیماری میں میرؔ ناتواں کو شب
ہوا ہے خواب سونا آہ اس کروٹ سے اس کروٹ

[7] نسخۂ کلکتہ میں دوسرا شعر ہے۔ [8] عمدۂ منتخبہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ آسی ص ۷۰ میں مصرعِ ثانی یوں ہے: ع
بھیجدے کیوں دزلیخا اسے کنعاں کے بیچ

تو نہ تھا مردن دشوار میں عاشق کی آہ[1] حسرتیں کتنی گرہ تھیں رشتِ اک[2] جان کے بیچ
چشم بد دور کہ کچھ رنگ ہے اب گریہ پر خون جھمکے ہے پڑا دیدۂ گریان کے بیچ
حال گلزار زمانہ کا ہے مانا بشفق رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ[3]
تاک کی چھانہہ میں جوں مست پڑے سوتے ہوں[4] اینڈتی ہیں نگہیں سایۂ مژگان کے بیچ
جی لیا بوسۂ رخسار مخلط دے کر عاقبت ان نے ہمیں زہر دیا پان کے بیچ[5]
دعوئی خوش دہنی اس سے اسی مونہہ پہ گل سر تو ٹک ڈال کے دیکھ اپنے گریبان کے بیچ
کرتی ملل کی پہن آتے تو ہو رندوں میں شیخ صاحب نہ کہیں جھنتے پڑے شان کے بیچ[6]

کان رکھ رکھ کے بہت درد دل میر کو تم
سنتے تو ہو پہ کہیں درد نہ ہو کان کے بیچ

(۱۴۰)

کرنہ تاخیر تو اک شب کی ملاقات کے بیچ دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے اک رات کے بیچ
حرف زن مت ہو کسو سے تو نہ[7] اے آفت شہر جلتے رہتے ہیں ہزاروں کے سر اک بات کے بیچ

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۸۵ اور مخزن نکات ص ۱۴۱ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نکات الشعرا میں یوں ہے: ؎

سہل سوجھیں تجھے دشواریاں عاشق کی آہ
حسرتیں کتنی گرہ تھیں رشتِ ایک جان کے بیچ

[2] نسخۂ کلکتہ میں "اک جان" ہے۔ [3] نکات الشعرا اور تذکرۂ شورش میں بھی اسی طرح ہے، نسخۂ کلکتہ میں اس طرح ہے:

حال گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ

مخزن نکات میں مصرع اول یوں ہے: مع

حال گلزار زمانے کا ہے مانند شفق

[4] نکات الشعرا: مع تاک کی چھاؤں میں جوں مشت پڑے سوتے ہو
عمدۂ منتخبہ: ؎ تاک کی چھاؤں میں مست پڑے سوتے ہیں
اینڈتے ہیں نہ کہیں سایۂ مژگاں کے بیچ
طبقات الشعرا: مع تاک کی چھانہہ ہوں جوں مست پڑے سوتے ہیں
نسخۂ کلکتہ: مع تاک کی چھاؤں میں جوں مست پڑی سوتی ہار

[5] عمدۂ منتخبہ: ؎ دل لیا بوسۂ رخسار مخلط دے کر عاقبت زہر دیا اس نے ہمیں پان کے بیچ
[6] غیر مطبوعہ [7] نسخۂ کلکتہ ص۸۶ میں "تو نہ" کے بجائے "تو کہ" ہے۔

میری طاعت کو قبول آہ کہاں تک ہو گا — سبحہ ایک ہاتھ میں ہے جام ہے اک ہاتھ کے بیچ
سُرمگیں[1] چشم پہ اس شوخ کے زنہار نہ جا — ہے سیاہی مژہ میں وہ نگہ گھات کے بیچ
تاب و طاقت کو تو رخصت ہوئے مدت گزری — پند گویوں ہی نے کر اب خلل اوقات کے بیچ
زندگی کس کے بھروسے پہ محبت میں کروں — یک دل غمزدہ[2] ہے سو بھی آفات کے بیچ

بیٹھیں ہم اس کے سگِ کو کے برابر کیونکر
کرتے ہیں میر معاش ایسی مساوات کے بیچ

(۱۴۱)

اے بوئے گل سمجھ کے مہکیو یوں کے بیچ — زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں چمن کے بیچ
یہ بھی گیا میں اندر۔ ہی اندر گداز ہو[3] — دھوکا ہے جوں حباب میرے پیرہن کے بیچ

ردیف حائے حطی

(۱۴۲)

خاطر کسے ہے جمع وہ ہر بار ایک طرح — کرتا ہے چرخ مجھ سے نئے یار ایک طرح
میں اور قیس و کوہ کن اب جو زباں پہ ہیں — مارے گئے ہیں سب یہ گنہگار ایک طرح
گہ گل ہے گاہ رنگ کبھی باغ کی ہے بو — آتا نہیں نظر وہ طرحدار ایک طرح
نیرنگ حسن دوست سے آنکھیں کر آشنا — ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار ایک طرح
منظور اس کو پردوں میں ہیں بے حجابیاں — کس سے ہوا دوچار وہ دو بار ایک طرح[5]
سب طرحیں اس کی اپنی نظر میں تھیں کیا کہیں — پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار ایک طرح

---

[1] نسخۂ آسی: سرمگیں [2] اصل "ہیں" [3] نسخۂ کلکتہ ص ۸۵ اور تمام دیگر نسخوں میں شعر یوں ہے: ؎

بے مے و مُغبچہ اک دم نہ رہا تھا کہ رہا
اب تلک میر کا تکیہ ہے خرابات کے بیچ

[4] یہ دونوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۶۳۴ میں دیوان پنجم میں ہیں، دُوسرے شعر کا مصرعِ اول، ع

یہ بھی گیا میں اندر ہی اندر گداز ہو

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶: ؎

منظور اس کو پردے میں ہیں بے حجابیاں
کس سے ہوا دُچار وہ عیار ایک طرح

گھر اس کے جا کے آتے ہیں پامال ہو کے ہم — کریئے مکان اب سر بازار ایک طرح
سو طرح دیکھ دیکھ طبیبوں نے یہ کہا — صحت پذیر ہوئے یہ بیمار ایک طرح[1]
سو بھی ہزار طرح سے ٹھہراؤتے ہیں ہم — تسکین کے لیے تیرے ناچار ایک طرح[2]
بن جی دیتے ہو کوئی طرح فائدہ نہیں — گر ہے تو یہ ہے اے جگر افگار ایک طرح[3]

ہر طرح تو ذلیل ہی رکھتا ہے میر کو
کرتا ہے کوئی کسی کے تئیں خوار ایک طرح[4]

(۱۴۳)

ہونے لگا گداز غم یار بے طرح — رہنے لگا یہ دل کو اب آزار بے طرح[5]
اب کچھ طرح ہوئی ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد[6] — کہنے لگا ہے موںہہ سے ستمگار بے طرح
جاں بر تمہارے ہاتھ ہونے کا نہیں کوئی[7] — رکھنے لگے ہو ہاتھ میں تلوار بے طرح
فتنہ اٹھے گا اور نہ نکل گھر سے تو شتاب[8] — بیٹھے ہیں آکے طالب دیدار بے طرح

لوہو میں شور بور ہے دامان و جیب میر
بپھرا ہے آج دیدۂ خونبار بے طرح[9]

ردیف خائے معجمہ

(۱۴۴)

ہے نئے دشمن جاں وہ شوخ — ان دنوں کچھ مہرباں وہ شوخ[10]

---

[1] غیر مطبوعہ [2] غیر مطبوعہ [3] غیر مطبوعہ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶ اور دوسرے قلمی و مطبوعہ نسخوں میں مصرعۂ ثانی اس طرح ہے: ؏

ہوتا ہے عاشقی میں کوئی خوار اس طرح

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶، نسخۂ ندوہ ۳۵ اور دیگر قلمی و مطبوعہ نسخوں میں مصرعہ یوں ہے: ؏

رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح

[6] نسخۂ کلکتہ: ؏ — اب کچھ طرح نہیں ہے کہ ہم غمزدے ہوں شاد

[7] نسخۂ کلکتہ: ؏ — جاں بر تمہارے ہاتھ سے ہوگا نہ اب کوئی

[8] نسخۂ کلکتہ: ؏ — فتنہ اٹھے گا ورنہ نکل گھر سے تو شتاب

[9] یہ شعر مخزن نکات میں بھی درج ہے۔

[10] غیر مطبوعہ

ردیف دال مہملہ

(۱۴۵)

میرے سنگ مزار پر فرہاد — رکھ کے تیشہ کہے ہے یا استاد[1]
ہم سے بن مرگ گیا جدا ہو ملال — جان کے ساتھ ہے دلِ ناشاد
آنکھیں موند اور سفر عدم کا کر[2] — بس بہت دیکھا عالمِ ایجاد
فکر تعمیر میں نہ رہ منعم — زندگانی کی کچھ بھی ہے بنیاد
خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں — کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
سنتے ہو ٹک سنو کہ پھر مجھ بعد — نہ سنو گے یہ نالہ و فریاد
لگتی ہے کچھ سموم سی تو نسیم — خاک کس دل جلے کی دی برباد[3]
بھول جا ہے غمِ بتاں میں جی — آ ڈتا ہے غرض خدا ہی یاد[4]
تیرے قید قفس کا کیا شکوہ — نالہ اپنے سے اپنے سے فریاد[5]
ہر طرف ٹک قفس میں ایک ہمدرد[6] — باغ ہے گھر تیرا تو اے صیاد
ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں گے[7] — اپنی قیدِ حیات سے آزاد
ایسا ہرزہ ہے وہ کہ اٹھتے صبح — سو جگہ جانا اس کی ہے معتاد[8]

---

[1] نکات الشعراء، طبقات الشعراء، تذکرۂ شورش، مخطوط گلشن بیخار [2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۹، نسخۂ ندوہ ۳۲۶ ب؛ ۵

موند آنکھیں سفر عدم کا کر
بس ہے دیکھا نہ عالم ایجاد

[3] نسخۂ کلکتہ: ع
خاک کس دل جلے کی کی برباد

[4] نسخۂ کلکتہ: ع
بھولا جا ہے غمِ بتاں میں جی
غرض آتا ہے پھر خدا ہی یاد

[5] نسخۂ کلکتہ: ع
نالے اپنے سے اپنی ہے فریاد

[6] نسخۂ کلکتہ: ع
ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز

[7] نسخۂ کلکتہ: ع
ہم کو مرنا یہ ہے کہ کب ہوں کہیں

[8] نسخۂ کلکتہ: ۔
ایسا وہ شوخ ہے کہ اٹھتی صبح
جانا سو جائے اس کی ہے معتاد

نقشِ صورت پذیر نہیں اس کا[1] — یوں ہی تصدیع کھینچے ہے بہزاد

خوب ہے خاک سے بزرگاں کی[2] — چاہتا تو میرے تئیں امداد

پر مروت کہاں اسے اے میرؔ[3] — تو ہی مجھ دل جلے کو کر ناشاد

نامرادی ہو جس پہ پروانہ

وہ جلاتا پھرے چراغِ مراد

(۱۴۶)

کیا ہے یہ جو آوتی ہے لگے ہے آندھی کوئی زرد[4] — یا بگولا جو کوئی سر کھینچے ہے صحرا نورد

شوق میں یہ محملِ لیلیٰ کے ہو کر بے قرار — یک نہاد وادیِ مجنوں سے اٹھ چلتی ہے گرد

وجہ دم سردی نہیں میں جانتا رشنے کے بعد — مینہ برسا ہے کہیں شاید ہوا آتی ہے سرد

مار رکھا باطن پیرِ مغاں نے شیخ کو[5] — مل گیا اس پیر زن کو غیب سے اک پیر مرد

ایک شب پہلو کیا تھا گرم ان نے تیرے ساتھ

رات کو رہتا ہے اکثر میرؔ کے پہلو میں درد

(۱۴۷)

آوے گی میری قبر سے آواز میرے بعد — ابھریں گے عشقِ دل سے ترے راز میرے بعد

جینا مرا تو تجھ کو غنیمت ہے ناسمجھ — کھینچے گا کون پھر یہ ترے ناز میرے بعد

شمعِ مزار اور یہ سوزِ جگر مرا — ہر شب کریں گے زندگی ناساز میرے بعد

حسرت ہے اس کے دیکھنے کی دل میں بے قیاس — اغلب کہ میری آنکھیں رہیں باز میرے بعد

بن گل مُوا ہے میں تو یہ تو جا کے لوٹیو — صحنِ چمن میں اے پرِ پرواز میرے بعد

کرتا ہوں میں جو نالے سرانجام باغ میں — منہ دیکھو پھر کریں گے ہم آواز میرے بعد

بیٹھا ہوں میرؔ مرنے کو اپنے میں مستعد

پیدا نہ ہوں گے مجھ سے بھی جانباز میرے بعد

---

[1] نسخۂ کلکتہ: مصرع — "نہیں صورت پذیر نقش اس کا"

[2] نسخۂ کلکتہ: مصرع — خوب ہے خاک سے بزرگوں کی

[3] نسخۂ کلکتہ: مصرع — پر مروت کہاں کی ہے اے میرؔ

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۷۰، نسخۂ ندوہ ۳۵ الف: مصرع — کیا ہے یہ جو لگا ہے آجاتی ہے آندھی کوئی زرد

[5] نسخۂ کلکتہ: مصرع — مار رکھا باطن پیر مغاں نے شیخ کو

(۱۴۸)

قفس تو یاں سے گئے پر مدام ہے صیّاد   چمن کی صبح کوئی دم کو شام ہے صیاد
بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے نہ کر قفس کی فکر   میرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد
چمن میں میں نہیں ایسا پھنسا کہ یُوں چھوٹوں   مجھے تو ہر رگ گل تارِ دام ہے صیاد
یہی گلوں کو ٹک ایک دیکھوں اتنی مہلت ہو[1]   چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیاد

ابھی میں وحشی ہوں اس کش مکش میں ہوں تس پر
خدا ہی اس کا ہے جو تیرا رام ہے صیاد[2]

(۱۴۹)

نہ پڑھا خط کو یا پڑھا قاصد   آخر کار کیا کہا قاصد
گر پڑا خط تو تجھ پہ حرف نہیں   یہ بھی میرا ہی تھا لکھا قاصد
کیوں ہی پہنچے نہ خط میرا تجھ تک[3]   میرے طالع ہیں نارسا قاصد
سر نوشت زبوں سے رہو خاک   راہ کھوٹی نہ کر تو جا قاصد
یہ تو رونا ہمیشہ ہے مجھ کو   پھر کبھو پھر کبھو بھلا قاصد
اب غرض خامشی ہی بہتر ہے   کیا کہوں تجھ سے ماجرا قاصد
شب کتابت کے وقت گریہ میں   جو لکھا خط سو بہ گیا قاصد[4]
کہنہ قصہ لکھا کروں تا کے   بھیجا کب تک کروں نیا قاصد
ہے طلسمات اس کا کوچہ تو   جو گیا سو وہیں رہا قاصد
باد پر ہے برات جس کا جواب   اس کو گزرے ہیں سالہا قاصد

نامۂ میرؔ کو اڑایا ہے
کاغذ باد کر کے کیا قاصد[5]

---

[1] نسخہ کلکتہ ص ۷۰ مصرعہ اول، ع   یہی گلوں کو دیکھ اتنی مہلت ہو

[2] نسخہ کلکتہ مصرعہ اول: ع   ابھی کہ وحشی ہے اس کش مکش کے بیچ ہے میرؔ

[3] نسخہ کلکتہ ص ۷۰ : ع   کوئی پہنچا نہ خط مرا اس تک

[4] نسخہ کلکتہ : ع   جو لکھا تھا سو بہ گیا قاصد

[5] نسخہ کلکتہ، ع   نامۂ میرؔ کو اڑاتا ہے   کاغذِ باد کر گیا قاصد

(۱۵۰)

ہوں رہگذر میں تیرے ہر نقش پا ہے شاہد　　اڑتی ہے خاک میری باد صبا ہے شاہد
طوفِ حرم میں بھی میں بھولا نہ تجھ کو اے بت　　آتا تھا یاد تو ہی میرا خدا ہے شاہد
شرمندۂ اجابت باطن میرا نہیں ہے[۱]　　وقتِ سحر ہے شاہد دستِ دعا ہے شاہد
نالہ میں اپنے پنہاں ہیں بھی ہوں ساتھ تیرے　　شاہد ہے گردِ محمل شورِ درا ہے شاہد
ایذا ہے میرؔ پر جو وہ تو کہوں ہی گا میں
بارے یہ کہہ کہ تیری خاطر میں کیا ہے شاہد

ردیف "ر"

(۱۵۱)

اودھر تلک ہے چرخ کے مشکل ہی ٹک گزر[۲]　　اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کی چوٹ پر
دھڑکا تھا دل طپیدنِ شب سے سو آج صبح　　دیکھا وہی کہ آنسوؤں میں چو پڑا جگر
ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے　　اے اشتیاقِ سیرِ چمن تیری کیا خبر[۳]
مت عیب کر جو ڈھونڈھوں میں اس کو کہ مدعی　　یہ جی بھی یونہی جائے گا رہتا ہے تو کدھر
آتی ہے بوجھیو تو بلا اپنے سر صبا　　جنبش بھی اس کی کاکلِ مشکیں کو ہوئی اگر[۴]
جاتی نہیں ہے دل سے تیری یادِ زلف و رخ[۵]　　روتے ہی مجھ کو گزری ہے کیا شام کیا سحر
اس دشت میں سنبھل کے قدم رکھ ٹک اے سیل　　ہر سمت کو ہے تشنہ لبی کا مری خطر[۶]

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۸۰، نسخہ ندوہ ۳۵ ب : ع　　شرمندۂ اثر کچھ باطن مرا نہیں ہے
[۲] نکات الشعراء : ع　　ادھر تلک ہے عرش کے مشکل سے ٹک گزر
تذکرۂ شورش : ع　　اودھر پاک ہے عرش کی شکل ہے ٹک گزر
اے آہ پھر اثر تو ہے برچھی کو حرب پر
[۳] تذکرۂ شورش میں بھی ایسا ہی ہے۔　[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۹۰، نسخہ ندوہ ۳۷ الف : ع
دے مشک خام زلفیں پریشاں ہوتیں اگر
[۵] نسخۂ کلکتہ : ع　　جاتی نہیں ہے دل سے تری یادِ زلف و رُو
[۶] نسخۂ کلکتہ، مصرعہ اول : ع　　اے سیل ٹک سنبھل کے قدم بادیے میں رکھ

کہتا ہے کون منع کر سج اپنی تو نہ دیکھ
لیکن کبھو تو میرؔ کے کر حال پر نظر

(۱۵۲)

نہ ہو ہرزہ درا اتنا خموشی اے جرس بہتر
نہیں اس قافلے میں اہلِ دل ضبطِ نفس بہتر[1]

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے مجھ چشم گریاں کے
نظر اے ابر اب آ بھی نہ آوے گا برس بہتر[2]

سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مانع
سمجھ اے عندلیب اس باغ سے کنجِ قفس بہتر

بر آہے امتحاں لیکن نہ سمجھے تو تو کیا کریئے
شہادت گاہ میں لے چل سب اے بوالہوس بہتر[3]

سیہ کردوں گا دودِ دل سے گلشن باغباں میں بھی[4]
جلا آتش میں میرے آشیاں کے خار و خس بہتر

کیا داغوں سے رشکِ باغ اے صد آفریں الفت
یہ سینہ ہم کو بھی ایسا ہی تھا درکار بس بہتر

قدم تیرے چھوتے تھے جس شے[5] سے اب ہاتھ ہی سر ہے
مرے حق میں نہ ہونا ہی تھا یاں تک دسترس بہتر

عبث پوچھے ہے مجھ سے میرؔ میں صحرا کو جاتا ہوں
خرابی سے یہ دل رکھا ہے گر[6] تو نے تو بس بہتر

(۱۵۳)

دیکھوں میں اپنی آنکھوں سے آوے مجھے قرار
اے انتظار تجھ کو کسو کا ہو انتظار[7]

ساقی تو ایک بار تو توبہ توڑا میری[8]
توبہ کروں جو پھر میں تو توبہ ہزار بار

---

[1] نکات الشعراء [2] نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں یہ شعر متن کی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۹ میں یوں ہے :ـ

نہ ہونا ہی بھلا تھا سامنے اس چشمِ گریاں کے
نظر اے ابرِ تر آ بھی نہ آوے گا برس بہتر

[3] نسخۂ آسی ص ۲۲ "بلہوس" [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹ : ع

سیہ کردوں گا گلشن دودِ دل سے باغباں میں بھی

[5] نسخۂ ندوہ ۳۰ الف "جن نے" [6] نسخۂ کلکتہ میں "گر" کے بجائے "جو" ہے۔

[7] یہ شعر نکات الشعراء، طبقات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی اسی طرح ہے۔ [8] نکات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ طبقات الشعراء اور تمام مطبوعہ کلیات میں "توڑا" کے بدلے "تڑا" ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۹ اور نسخۂ آسی میں مصرع یوں لکھا ہے : ع

ساقی تو ایک بار تو توبہ مری تڑا

تذکرۂ شورش ص ۲۰۰ میں یہ مصرع اس طرح ہے : ع

ساقی تو ایک بار تو توبہ پہ آ مرے

کیا زمزمہ کروں ہو خوشی تجھ سے ہم صفیر[1]
آیا جو میں چمن میں تو جاتی رہی بہار

کیونکر میں راہ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے[2]
پھوٹیں کہیں نہ آبلہ ٹوٹیں کہیں نہ خار

کوچے کی اس کی راہ نہ بتلائے میرے بعد
دل میں صبا رکھی تھی میری خاک سے غبار[3]

اے پائے خم کی گردش ساغر ہو دستگیر
مرتا ہوں درد سر ہو کہاں تک میرا خمار[4]

وسعت جہاں کی چھوڑ جو آرام چاہے میر
آسودگی رکھے ہے بہت گوشۂ مزار

(۱۵۴)

یہ عشق بے اجل کش ہے بس اے دل اب توکل کر[5]
اگرچہ جان جاتی ہے چلی لیکن تغافل کر

سفر ہستی کا مر کر سرسری جوں بادِ ے رہرد
یہ سب خاک آدمی تھے ہر قدم پر ٹک تامل کر

سن اے بیدرد گلچیں غارت گلشن مبارک ہے
پہ ٹک گوش مروت جانب فریاد بلبل کر

نہ وعدہ تیرے آنے کا نہ کچھ امید طالع سے
دل بیتاب کو کس رو سے کہیے ٹک تحمل کر[6]

یہ کیا جانوں کہ کیوں رٹنے لگا رونے سے رہ کر میں
مگر یہ جانتا ہوں مینہ گھر آیا ہے پھر کھل کر

میرے پاس اس کی خاک پا کو بیماری میں رکھا تھا[7]
نہ آیا سر میرا بالیں پہ ادھر جو گیا ڈھل کر

تجلی جلوہ ہیں کچھ بام و در غمخانہ کے میرے
وہ رشک ماہ آیا ہمنشیں بس اب یا گل کر

تیری خاموشی سے قمری ہوا شور جنوں رسوا
ہلا ٹک طوق گردن کو بھی ظالم باغ میں غل کر

---

[1] نسخۂ کلکتہ اور دیگر کلیات میر: ع
کیا زمزمہ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہمصفیر

[2] نسخۂ کلکتہ و آسی ص ۶۶: ع
کس ڈھب راہ عشق چلوں ہے یہ ڈر مجھے

[3] نسخۂ کلکتہ: سے
کوچے کی اس کے راہ نہ بتلائی بعد مرگ
دل میں صبا رکھے تھی مری خاک سے غبار

[4] آسی: سے
مے پائے خم کی گردش ساغر ہو دستگیر
مرہوں درد سر ہو کہاں تک مرا خمار

[5] گلشن سخن ص۲۱: ع
یہ عشق بے اجل کش ہے بس لے دل تو توکل کر

[6] یہ شعر گلشن سخن میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ ندوہ ص ۱۳۰، نسخۂ کلکتہ ص۹۲، نسخۂ نولکشور اور آسی ص ۶۶ میں مصرع ثانی یوں ہے: ع
دل بے تاب کو کس منہ سے کہیے ٹک تحمل کر

[7] نسخۂ کلکتہ اور آسی: ع
میرے پاس اس کی خاک پائے بیماری میں رکھا تھا

گداز عاشقی کا میرؔ کے شب ذکر آیا تھا
جو دیکھا شمعِ مجلس کو تو پانی ہو گئی گھل کر

(۱۵۵)

کر رحم ٹک کب تک ستم مجھ پر جفا کار اس قدر
یک سینہ خنجر سینکڑوں یک جان و آزار اس قدر[1]

بھاگے مری صورت سے وہ عاشق ہیں اس کی شکل پر
میں اس کا خواہاں یاں تلک وہ مجھ سے بیزار اس قدر

میرا پہنچنا ایک طرف یہ مرحلہ تو بے سکون
یکسر قدم میں آبلے اور راہ پر خار اس قدر[2]

ہے جائے ہر دل میں ترے آ در گزر کر بے وفا
کر رحم ٹک اپنے اُپر مت ہو دل آزار اس قدر

جز کشمکش ہوئے سو کیا عالم سے ہم کو فائدہ
یہ بے فضا ہے یک قفس اور ہم گرفتار اس قدر

غیر اور لعل گیری تیری عید اور ہم سے بھاگنا
میں یار ہوں یوں غمزدہ خوش ہو ویں اغیار اس قدر

طاقت نہیں ہے بات کی کہتا تھا نعرہ مارتے
کیا جانتا تھا میرؔ کو ہوئے گا بیمار اس قدر[3]

(۱۵۶)

دل دماغ اور جگر یہ سب ایک بار
کام آئے فراق میں اے یار[4]

کیوں نہ ہو فتح ضعف اعضا میں
مر گئے اس قشون کے سردار[5]

گل پژمردہ کا نہیں ممنون
ہم اسیروں کا گوشۂ دستار

مت نکل گھر سے ہم بھی راضی ہیں
دیکھ لیں گے کہیں سرِ بازار[6]

---

[1] یہ شعر نکات الشعراء ص ۱۹۲، مخزن نکات ص ۴۲ اور گلشن سخن میں بھی ہے۔ نسخۂ کلکتہ، نکات الشعراء اور گلشن سخن میں متن جیسا ہے البتہ قائمؔ نے مصرعہ اول میں "ستم" کے بجائے "جفا" لکھا ہے۔ غزل کا دوسرا شعر بھی نکات الشعراء اور گلشن سخن میں درج ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۹۲ : ؎

منزل پہنچا ایک طرف نے صبر ہے نے ہے سکون
یکسر قدم میں آبلے پھر راہ پر خار اس قدر

[3] نسخۂ کلکتہ : ؎ طاقت نہیں ہے بات کی کہتا تھا نعرہ مارتے کیا جانتا تھا میرؔ ہو جاوے گا بیمار اس قدر

[4] یہ شعر نکات الشعراء ص ۱۹۲ میں بھی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعِ اول میں "اور" کے بدلے "و" ہے۔ [5] یہ شعر بھی نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں ہے وہاں مصرعہ اول میں "میں" کے بجائے "پر" ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں شعر یوں ہے : ؎

کیوں نہ ہو ضعف غالب اعضا پر
مر گئے ہیں قشون کے سردار

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۹۳ : ؎
دیکھ لیں گے کبھو سرِ بازار

سیکڑوں حرف ہیں گرہِ دل میں ‌ ‌ پر کہاں پائے ہیں لبِ اظہار[۱]
سیر کر دشتِ عشق کا گلشن ‌ ‌ غنچہ ہو ہو رہے ہیں سو سو خار
روزِ محشر ہے رات ہجراں کی ‌ ‌ ہم تو اس زندگی سے ہیں بیزار[۲]
بحث نالہ بھی کیجیو بلبل ‌ ‌ پہلے پیدا تو کر لبِ گفتار
چاکِ دل پر ہیں چشم صد خوباں ‌ ‌ کیا کروں یک انار و صد بیمار
شکر کر داغ دل کا اے غافل ‌ ‌ کسو دیتے ہیں دیدۂ بیدار[۳]
گو غزل ہو گی یہ قصیدہ سی[۴] ‌ ‌ عاشقوں کا ہے طولِ حرف شعار
ہر سحر لگ چلی تو ہے تو نسیم ‌ ‌ اے سیہ مست ناز پر ہوشیار[۵]
شاخسانے ہزار نکلیں گے ‌ ‌ گر گیا اس کی زلف کا یک تار[۶]
واجب القتل اس قدر تو ہوں ‌ ‌ کہ مجھے دیکھ کر کہے سب پکار
پھر تو آنا نہ سامنے میرے ‌ ‌ لائیو میاں میری سپر تلوار[۷]
آ زیارت کو گور پر میری[۸] ‌ ‌ یک طرح کا ہے یاں بھی جوشِ بہار
اُگتی ہے میری خاک سے نرگس ‌ ‌ یعنی اب تک ہے حسرتِ دیدار[۹]
میر صاحب زمانہ نازک ہے ‌ ‌ دونوں ہاتھوں سے تھانبئے دستار[۱۰]

---

۱ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ پر کہاں پاتیے لبِ اظہار
۲ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ ایسی ہم زندگی سے ہیں بیزار
۳ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ کس کو دیتے ہیں دیدۂ بیدار
۴ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ گو غزل ہو گئی قصیدہ سی
۵ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ اے سیہ مست ناز ٹک ہشیار
۶ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ جو گیا اس کی زلف کا اک تار
۷ نسخۂ کلکتہ: ب ‌ یہ تو آیا نہ سامنے میرے
لاؤ میری میاں سپر تلوار
۸ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ آ زیارت کو قبر عاشق پر
۹ نسخۂ کلکتہ: ع ‌ نکلے ہے میری خاک سے نرگس
عمدۂ منتخبہ ص ۷۴۸ میں بھی متن جیسا ہے۔ ‌ ۱۰ تمام مطبوعہ نسخوں میں "تھانبئے" کے بجائے "تھامئے" ہے۔

سہل سی زندگی پہ کام کے تئیں — اپنے اوپر نہ کیجیے دشوار
چار دن کا ہے مجملا یہ سب — سب سے کریے سلوک ہی ناچار[1]
کوئی ایسا گناہ اور نہیں — یہ کہ کیجیے ستم کسو پر یار
واں جہاں خاک ہی برابر ہے[2] — قدر ہفت آسمان ظلم شعار
جی نے درخواست پاس دل کی ہے — اشنا روزہ نماز نہیں درکار[3]
در مسجد پہ حلقہ زن ہو تم — کہ رہو بیٹھ خانۂ خمار
جی میں آوے سو کیجیو پیارے — ایک ہوجیو نہ درپے آزار[4]

حاصل دو جہاں ہے یہ یک حرف[5]
ہو مری جان آگے تم مختار

(۱۵۷)

شیخی کا اب کمال ہے کچھ اور — حال ہے اور قال ہے کچھ اور
وعدے برسوں کے کیتے دیکھیں ہیں[6] — دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
تو رگ جاں سمجھتی ہوگی نسیم — اس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور
سہل[7] مت بوجھ یہ طلسم جہاں — ہر جگہ یاں خیال ہے کچھ اور
نہ ملیں[8] گو کہ ہجر میں مرجائیں — عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور
کوزہ پشتی پہ شیخ کی مت جا[9] — اس میں بھی احتمال ہے کچھ اور

---

[1] نسخۂ کلکتہ: شعر
سب سے رکھیے سلوک ہی ناچار

[2] نسخۂ کلکتہ: شعر
وہاں جہاں خاک کے برابر ہے

[3] نسخۂ کلکتہ: شعر
یہی درخواست پاس دل کی ہے
نہیں روزہ نماز کچھ درکار

[4] نسخۂ آسی ص ۶۹: شعر
ایک ہونا نہ درپے آزار

[5] نسخۂ کلکتہ: شعر
حاصل دو جہاں ہے اک حرف

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۹۰: شعر
وعدے برسوں کے کن نے دیکھے ہیں

[7] اصل "سہلیں" [8] اصل "ہمیں" [9] آسی ص ۷۱: شعر
کوزپشتی پہ شیخ کی مت جاؤ
(نسخۂ کلکتہ اور نولکشوری میں بھی ایسا ہی ہے)

اسس میں ان میں بڑا تفاوت ہے[1] کبک کی چال ڈھال ہے کچھ اور
میر تلوار چلتی ہے جو چلے[2]
خوش خراموں کی چال ہے کچھ اور

(۱۵۸)

ہو آدمی اے چرخ ترک گردش ایام کر خاطر سے ہی مجھ مست کی تائید دور جام کر
دنیا ہے بے صرفہ ہو رونے میں یا کڑھنے میں تو نالہ کو ذکر صبح کر گریہ کو وردِ شام کر
مستِ جنوں رہ روز و شب شہرہ ہو شہر و دشت کا اور نقل اپنی بزم میں زنجیر کا بادام کر[3]
جتنی ہو ذلت خلق میں اتنی ہو عزت عشق میں ناموس سے آ در گزر بے ننگ ہو کر نام کر
مر رہ کہیں بھی میر جا سر گشتہ پھرنا تا کجا
ظالم کسی[4] کا سن کہا، کوئی گھڑی آرام کر

(۱۵۹)

خندہ بجائے گریہ و اندوہ و آہ کر[5] ماتم کدہ کو دہر کے تو عیش گاہ کر
کیا دیکھتا ہے ہر گھڑی اپنی ہی سج کو شوخ آنکھوں میں میری چال ہے ادھر نگاہ کر[6]
رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زہد شیخ[7] اسے بیوقوف جائے عبادت گناہ کر
چھوڑ اب طریق جور کو اے بے وفا سمجھ نبھنے کی نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر[8]
چسپیدگی یہ داغ کی مت منہ کو ہم سے پھیر[9] اے زخم کہنہ دل سے ہمارے نباہ کر

---

[1] نسخۂ کلکتہ: مصرع
اسس میں اس میں بڑا تفاوت ہے

[2] نسخۂ کلکتہ: مصرع
میر تلوار چلتی ہے تو چلے

[3] نسخۂ کلکتہ: مصرع
مجلس میں اپنی نقل خوش زنجیر کا بادام کر

[4] نسخۂ کلکتہ میں "کسو" ہے۔ [5] نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح شعر درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۲ دیوان پنجم، نسخۂ ندوہ ۱۵ الف دیوان پنجم اور تمام مطبوعہ قلمی نسخوں میں مصرع یوں ہے: مصرع
چندے بجاہے گریہ و اندوہ و آہ کر

[6] نسخۂ کلکتہ: مصرع
آنکھوں میں جان آئی ہے ادھر نگاہ کر

[7] نسخۂ کلکتہ: مصرع
رحمت اگر یقینی ہے تو کیا ہے زہد شیخ

[8] نسخۂ کلکتہ: مصرع
نبھتی نہیں یہ چال کسو دل میں راہ کر

[9] نسخۂ کلکتہ: مصرع
چسپیدگیِ داغ سے مت منہ کو اپنے موڑ

جیتے جی میرے لینے نہ پاوے طپش بھی دم   اتنی تو سعی تو بھی جگر خواہ مخواہ کر[1]

اس وقت ہے دعا و اجابت کا وصل میرؔ
یک نعرہ تو بھی پیشکش صبح گاہ کر

(۱۶۰)

مرتے ہیں تیری نرگس بیمار دیکھ کر   جاتے ہیں جی سے کس قدر آزار دیکھ کر
افسوس شے کو منتظر اک عمر تک رہے   اور مر گئے تیرے تئیں یکبار دیکھ کر
ناخواندہ خط شوق لگے چاک کرنے کو   قاصد تو کہیو ٹک کہ جفا کار دیکھ کر
کوئی جو دم رہا ہے سو آنکھوں میں ہے پھر آپ   کریو ٹک ایک وعدۂ دیدار دیکھ کر
دکھیں جدھر وہ رشک پری پیش چشم ہے   حیران رہ گئے ہیں یہ اسرار دیکھ کر
جاتا ہے آسماں لیے کوچہ سے یار کے   آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
طالع نے چشم پوشی کی یاں تک کہ ہمنشیں   چھپ جانے مجھ کو دور سے اب یار دیکھ کر[2]
تیرے خرام ناز پہ جاتے ہیں جی چلے   رکھ ٹک قدم زمیں پہ ستمگار دیکھ کر

جی میں تھا اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میرؔ
پر جب ملے تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

(۱۶۱)

دل جو اپنا ہوا تھا زخمی چور   ضبط گریہ سے پڑ گئے ناسور
صبح اس سرو مہر کے آگے   قرص خورشید ہو گیا کافور
ہم ضعیفوں کو پائمال نہ کر   دولت حسن پہ نہ ہو مغرور
عرش پر بیٹھتا ہے کہتے ہیں   گر اٹھے ہے غبار خاطر مور

شکوۂ آبلہ ابھی سے میرؔ
ہے پیارے ہنوز دلّی دور

---

[1] غیر مطبوعہ

[2] عمدہ منتخبہ ص ۵۶۶

[3] نسخۂ کلکتہ: ع

چھپتا ہے مجھ کو دور سے اب یار دیکھ کر

(۱۶۲)

خط میں ہے کیا سماں پسینے پر — موتی گویا جڑے ہیں مینے پر
لے جگر کوئی طپش ہو ہی برا[1] — ایک دم کے لہو نہ پینے پر
دل سے میرے شکستیں اُلجھی ہیں — سنگباراں ہے آبگینے پر
چاک سینہ سے کُھل گئے ٹانکے — کیا رفو کم ہوا تھا سینے پر[2]
جور دلبر سے کیا ہوں آزردہ
میرؔ اس چار دن کے جینے پر

(۱۶۳)

پاس رہنے کا نہیں ایک بھی تار آخر کار — ہاتھ سے جائے گا سررشتۂ کار آخر کار[3]
لوح تربت پہ میری پہلے یہ لکھو کہ اسے — دوست دشمن ہو گیا جان سے مار آخر کار[4]
مشت خاک اپنی جو پامال ہے یاں اس پہ نہ جا — سر کو کھینچے گا فلک تک یہ غبار آخر کار[5]
سیر کر کثرت عالم کی میری جان کہ پھر — تن تنہا ہے تو اور کنج مزار آخر کار[6]
چشم وا دیکھ کے اس باغ میں کیجو نرگس — آنکھوں میں جاتی رہے گی یہ بہار آخر کار[7]
ابتدا ہی میں محبت کی ہوئے ہم تو تمام — ہونا ہو گا یہی کچھ عشق میں یار آخر کار[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۹۹: ع
کوئی ہوتا ہے دل طپش سے بُرا

[2] نسخۂ کلکتہ: ع
کیا رفو کم ہوا ہے سینے پر

[3] یہ شعر نکات الشعراء، گلشن سخن اور گلشن ہند میں بھی ہے۔ نکات الشعراء میں متن جیسا ہے۔ گلشن سخن ص ۲۰۸ اور گلشن ہند ص ۱۳ میں مصرع اول یوں ہے: ع
کام آنے کا نہیں ایک بھی یار آخر کار
نسخۂ کلکتہ ص ۹۹ میں اس طرح ہے: ع
رہنے کا پاس نہیں ایک بھی تار آخر کار

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۹۹: ع
یار دشمن ہو گیا جان سے مار آخر کار

[5] گلشن ہند اور گلشن سخن میں بھی ہے۔ گلشن ہند میں مصرع اول یہ ہے: ع
مشتِ خاک اپنی جو پامال ہے یہاں اس پہ نہ جاؤ

[6] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [7] نسخۂ آسی ص ۷۲: ع
آنکھوں سے جاتی رہے یہ بہار آخر کار

[8] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

اوّل کارِ محبت تو نپٹ سہل ہے میرؔ[1]
جی سے جاتا ہے دلے صبر و قرار آخرکار

(۱۶۴)

داڑھی سفید شیخ کی تو مت نظر میں کر — بگلا شکار ہُوئے تو لگتے ہیں ہاتھ پر
اے ابرِ خشک مغز سمندر کا مونھ نہ دیکھ — سیراب تیرے ہونے کو کافی ہے چشمِ تر
آخر عدم سے مونہ اکھاڑا میرا میاں — مجھ کو تھا دستِ غیب پکڑ لی تری کمر[2]
ہجراں کی شب سے مجھ کو گلہ نہیں کہ ان نے بھی — دیکھی نہیں ہے خواب میں آنکھوں کبھو سحر[3]
سوتا تھا بے خبر تو نشہ میں جو رات کو
سو بار میرؔ نے تیری اٹھ اٹھ کے لی خبر

(۱۶۵)

سعی سے اس کی ہوا مائل گریباں چاک پر — آفریں کر اے جنوں میرے کفِ چالاک پر
گل ہوئے کوچے میں اسکے آنے سے بھی لب ہا — ابر تو کاہے کو رویا تھا ہماری خاک پر[4]
کیوں نہ ہوں ظرف گلی خوش شکل لبضے اے کلال
خاک کیا کیا صورتوں کی صرف ہُوئی خاک پر[5]

(۱۶۶)

پشت پا ماری بسکہ دنیا پر — زخم پڑ پڑ گیا میرے پا پر

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
اول کارِ محبت تو بہت سہل ہے میرؔ

[2] نسخۂ کلکتہ ص۱۰: ع
آخر عدم سے کچھ بھی نہ اکھڑا مرا میاں
مجھ کو تھا دستِ غیب پکڑنی تری کمر

[3] غیر مطبوعہ [4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۶۴۳ دیوان پنجم، نسخۂ آسی ص ۵۷۵ دیوان پنجم، نسخۂ ندوہ میں شعر یوں ہے: ؎
کیوں نہ ہوں ظرف گلیں خوش طرح لبضے اے کلال
خاک کن کن صورتوں کی صرف کی ہے خاک پر

نسخۂ کلکتہ میں تیسرا شعر یہ ہے۔ لیکن یہ زیرِ ترتیب نسخے میں درج نہیں ہے: ؎
ہم کو مٹی کر دیا پامالی گردوں نے میرؔ
وہ نہ آیا ناز کرتا ٹک ہماری خاک پر

ڈوبے اچھلے ہے آفتاب ہنوز　　کہیں دیکھا تھا تجھ کو دریا پر
گرو مے ہوں آؤ شیخ شہر　　ابر جھوما ہی جا ہے صحرا پر
دل پرخوں تو تھا گلابی شراب　　جی ہی اپنا چلا نہ صہبا پر
یاں جہاں ہیں کہ شہر کوراں ہے　　سات پردے ہیں چشم بینا پر
فرصت عیش اپنی یوں گزری　　کہ مصیبت پڑی تمنا پر
طارم تاک سے لہو ٹپکا　　سنگ باراں ہوا ہے مینا پر

میرؔ کیا بات اس کے ہونٹھوں کی
جینا دوبھر ہوا مسیحا پر

(۱۶۷)

قیامت تھا سماں اس خشمگیں پر　　کہ تلواریں چلیں ابرو کی چیں پر[۱]
نہ دیکھا آخر اس آئینہ رُو کو　　نظر سے بھی نگاہ واپسیں پر
پر افشانی قفس ہی کی بہت ہے　　کہ پرواز چمن قابل نہیں پر
گئے دن عجز نالی کے کہ اب ہے　　دماغ نالہ چرخ ہفتمیں پر
خدا جانے کہ کیا خواہش ہے جی کو　　نظر اپنی نہیں ہے مہر و کیں پر
ہوا ہے ہاتھ گلدستہ ہمارا　　کہ داغ خوں بہت ہے آستیں پر
قدم وشت محبت میں نہ رکھ میرؔ　　کہ سر جاتا ہے گام اولیں پر
جگر میں اپنے باقی رہتے رہتے　　اگرچہ کچھ نہیں اے ہمنشیں پر

کبھو جو آنکھ سے چلتے ہیں آنسو[۲]
تو بھر جاتا ہے پانی سب زمیں پر

(۱۶۸)

غیروں سے وے اشارے ہم سے چھپا چھپا کر　　پھر دیکھنے ہو ادھر آنکھیں ملا ملا کر[۳]

۱؎ گلشن سخن اور مخطوطہ گلشن بیخار میں بھی ہے۔ ۲؎ نسخۂ کلکتہ ص ۹۴ میں غزل کا مقطع ساتواں شعر ہے۔ ۳؎ یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۹۰ گلشن سخن اور تذکرۂ ہندی ص ۲۰۹ میں بھی ہے۔ مصحفی نے مصرعہ اول یوں لکھا ہے: ؎

غیروں سے وہ اشارے ہم سے چھپا چھپا کر

نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۳۷ الف اور نسخۂ آسی ص ۶۵ میں مصرعۂ ثانی یہ ہے: ؎

پھر دیکھنا ادھر کو آنکھیں ملا ملا کر

ہر گام سدِّ رہ تھی بت خانے کی محبت — کعبہ تلک تو پہنچے لیکن خدا اکر[1]
نخچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کشتہ چھوٹا — حسرت نے اس کو مارا آخر لٹا لٹا کر[2]
اک لطف کی نگہ بھی چاہی نہ ہم نے اس سے[3] — رکھا ہمیں توان نے آنکھیں دکھا دکھا کر
ناصح میرے جنوں سے آگہ نہ تھا کہ ناحق — گوڑ کیا گریباں سارا سلا سلا کر
اک رنگ پاں ہے اس کا دل خوں کن جہاں ہے — پھبتا ہے اس کو کرنا باتیں چبا چبا کر
جوں شمع صبحگاہی یکبار بجھ گئے ہم — اس شعلہ خو نے مارا ہم کو جلا جلا کر[5]
اس حرف ناشنو سے صحبت بگڑ ہی جا ہے — ہر چند لاتے ہیں ہم باتیں بنا بنا کر

میں منع میرؔ تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ
کھوتی نہ جان تو نے دل کو لگا لگا کر[6]

(۱۶۹)

ہم بھی پھرتے ہیں یک حشم لے کر — دستۂ داغ و فوج غم لے کر
دست کش نالہ پیش رو گریہ — آہ چلتی ہے یاں علم لے کر
مرگ اک ماندگی کا وقفا ہے — یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
اس کے اوپر کہ دل سے تھا نزدیک — غم دوری چلے ہیں ہم لے کر
تیری وضع ستم سے اے بیدرد — ایک عالم گیا الم لے کر
بارہا صید گہ سے اس کے گئے — داغ یاس آہوئے حرم لے کر
ضعف یاں تک کھنچا کہ صورتگر — رہ گئے ہاتھ میں قلم لے کر
شوق اگر ہے یہی تو اے قاصد — ہم بھی آتے ہیں اب رقم لے کر

---

۱ و ۲ گلشن سخن اور نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ مصحفی نے مصرع اول اس طرح لکھا ہے، ع

ہم گام سدِّ رہ تھی بت خانے کی محبت

زیر نظر دیوان میں "سد" کے بجائے "صد" ہے۔ ۳ گلشن سخن میں بھی درج ہے۔

۴ نسخۂ کلکتہ، ع — اک لطف کی نگہ بھی ہم نے نہ چاہی اس سے

۵ نسخۂ کلکتہ، ع — اک شعلہ خو نے ہم کو مارا جلا جلا کر

۶ مخطوط میں مصرع اول میں "نہ" چھوٹ گیا ہے۔

۷ غیر مطبوعہ

دل پہ کب اکتفا کرے ہے عشق　　جائے گا جان بھی یہ غم[1] لے کر

میرؔ صاحب ہی چوکے اے بد عہد
ورنہ دینا تھا دل قسم لے کر

ردیف ز

(۱۷۰)

باقی نہیں ہے دل میں یہ غم ہے بجا ہنوز　　ٹپکے ہے خون دم بدم آنکھوں سے تا ہنوز[2]
ہوتا نہیں ہے باب اجابت کا وا ہنوز　　بسمل پڑی ہے چرخ پہ میری دعا ہنوز
ہوئی صبح سے شام نہ پہنچا میں داد کو[3]　　پھرتا ہوں مونہہ پہ خاک ملے جا بجا ہنوز
خط کاڑھ لا کے تم تو منڈا بھی چلے ٹلے　　ہوتی نہیں ہماری تمہاری صفا ہنوز
غنچے چمن چمن کھلے اس باغ دہر میں　　دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز[4]
گزری نہ پار عرش کی تسکین ہو مجھے　　افسوس میری آہ رہی نارسا ہنوز[5]
احوال نامہ بر سے میر اسن کے کہہ اٹھا　　جیتا ہے وہ ستم زدہ مہجور تا ہنوز[6]
توڑا ہے کس کا شیشۂ دل تو نے سنگدل　　ہے دل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز
غنچہ نہ بوجھ دل ہے کسو مجھ سے زار کا　　کھلتا نہیں جو سعی سے تیری صبا ہنوز
چلُو میں اس کے میرا لہو تھا سو پی چکا　　اڑتا نہیں ہے طائر رنگِ حنا ہنوز

بے بال ہوں اسیر ہوں کنج قفس میں میرؔ[7]
جاتی نہیں ہے سر سے چمن کی ہوا ہنوز

(۱۷۱)

ضبط کرتا نہیں کنارہ ہنوز　　ہے گریبان پارہ پارہ ہنوز
آتش دل نہیں بجھی شاید　　قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز
خاک میں ہے وہ طفل اشک اس بن　　چشم ہے جس کا گاہوارہ ہنوز[8]

---

[1] اصل: "غم" ہے۔　[2] یہ شعر کسی مطبوعہ کلیات میں درج نہیں ہے۔ نکات الشعراء اور طبقات الشعراء، ص ۱۷۱ میں موجود ہے۔

[3] کذا۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۱ میں اس طرح درج ہے: ع　دن رات کو کھینچا ہے قیامت کا ادھیں

[4] نسخۂ کلکتہ: ع　دل ہی مرا ہے جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز

[5] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔　[6] یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ہے۔　[7] نسخۂ کلکتہ: ع
بے بال و پر اسیر ہوں کنج قفس میں میرؔ

[8] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں موجود ہے۔

اشک جھمکا ہے جب نہ نکلا تھا — چرخ پہ صبح کا ستارہ ہنوز
ایک بار آ کے پھر نہیں آیا — عمر کی طرح وہ دوبارہ ہنوز[۱]
لب پہ آئی ہے جان کب کی یہ آہ[۲] — اس کے موقوف یک اشارہ ہنوز
عمر گزری دوائیں کرتے ہمیں — درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز[۳]

کب کی توبہ کی میر نے لیکن
ہے بتر از شراب خوارہ ہنوز[۴]

(۱۷۲)

مرگیا میں پہ میرے باقی ہیں آثار ہنوز — تر ہیں مجھ سر کے لہو سے دَر و دیوار ہنوز
دل بھی پر داغ چمن ہے پر اسے کیا کیجے — جی سے جاتی ہی نہیں حسرتِ گلزار ہنوز
بہ گئے عمر ہوئی ابر بہاراں کو ٹلے — لوہو برسا ئے تے ہیں دیدۂ خونبار ہنوز[۵]
بڈ شلے جا تیو پوچھوں ہوں تجھی سے میں طبیب[۶] — بہ ہوا کوئی بھی اس درد کا بیمار ہنوز
ناامیدی میں تو مر گئے یہ نہیں یہ معلوم — جیتے ہیں کون سی امید پہ ناچار ہنوز[۷]
بارہا چل چکی تلوار تیری چال پہ شوخ — تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز[۸]
ایک دن بال فشاں کچھ ہوئے تھے خوش ہو کر — ہیں غم دل کی اسیری میں گرفتار ہنوز
خون سے آبلہ پا کے ہیں کب کا گزرا — شرر کرتے ہیں میرے پانو پہ آخار ہنوز[۹]

---

۱ غیر مطبوعہ ۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲: مصرع لب پہ آئی ہے جان کب کی ہے
۳ نسخۂ کلکتہ: ؎
عمر گزری دوائیں کرتے میر
درد دل کا ہوا نہ چارہ ہنوز
اوپر کا یہ شعر غزل میں مقطع کے طور پر درج ہے۔ ۴ غیر مطبوعہ (مخطوطہ میں یہ آٹھواں شعر ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں صرف پانچ شعر ایں)
۵ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲: ؎
بہ گئے عمر ہوئی ابر بہاری کو ٹلے
لہو برسا رہے ہیں دیدۂ خونبار ہنوز
۶ نسخۂ کلکتہ: مصرع بڈ شلے جا تیو پوچھوں ہوں تجھی کو یہ طبیب
۷ غیر مطبوعہ ۸ یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ہے۔ ۹ نسخۂ کلکتہ: ؎
کوئی تو آبلہ پا دشتِ جنوں سے گزرا
ڈوبا ہی جائے ہے لوہو میں سرِ خار ہنوز

منتظر قتل کے وعدہ کا ہوں اپنے یعنی　　جیتا مرنے کو رہا ہے یہ گنہ گار ہنوز[1]
اڑ گئے خاک ہو کتنے ہی ترے کوچے سے　　باز آتے نہیں پر تیرے ہوا دار ہنوز
ایک بھی زخم کی جا تن پہ نہ ہو جس کے کہیں　　کوئی دیتا ہی سنا ویسے کو آزار ہنوز[2]
ٹک تو انصاف کرائے دشمن جان عاشق　　میان سے نکلی پڑی ہے تیری تلوار ہنوز[3]
میر کو ضعف میں میں دیکھ کہا کچھ کہہ لے[4]　　ہے تجھے کوئی گھڑی قوت گفتار ہنوز
ابھی یکدم میں زباں چلنے سے رہ جاتی ہے　　درد دل کیوں نہیں کرتا ہے تو اظہار ہنوز
آنسو بھر لا کے با آواز حزیں کہنے لگا[5]　　کیا کہوں تجھ کو سمجھ اس پہ نہیں یار ہنوز
آنکھوں میں آن رہا جی جو نکلتا ہی نہیں
دل میں میرے ہے گرہ حسرت دیدار ہنوز

(۱۷۳)

مجھ کو پوچھا بھی نہ یہ کون ہے غمناک ہنوز　　ہو چکے حشر، میں روتا ہوں نہ خاک ہنوز[6]
اشک کی لغزش مستانہ پہ مت کیجو نظر　　دامن دیدۂ گریاں ہے میرا پاک ہنوز
ایک بھی تار گریباں کفن بیچ نہیں　　جم ہوئی بیٹھی ہے چھاتی پہ میری خاک ہنوز[7]
بھر نظر دیکھنے پاتا نہیں میں نزع میں بھی　　موہنہ کے تئیں پھیرے ہی لیتا ہے وہ بیباک ہنوز
بعد مرنے کے بھی آرام نہیں میر مجھے
اس کے کوچے میں ہے پامال میری خاک ہنوز[8]

---

[1] یہ نکات الشعراء، طبقات الشعراء اور گلشن بیخار میں بھی ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ: ع

ایک بھی زخم کی جا جس کے نہ ہو تن پہ کہیں
کوئی دیتا ہے ستا ایسی کو آزار ہنوز

[3] نسخۂ کلکتہ: ع　　میان سے نکلی پڑے ہے تری تلوار ہنوز
[4] نسخۂ کلکتہ: ع　　میر کو ضعف ہی میں دیکھ کیا کچھ کہیے
[5] نسخۂ کلکتہ، نولکشوری، آسی مش: ع　　آنسو بھر لا کے بہت حزن سے یہ کہنے لگا
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳: ع　　ہو چکے حشر میں پھرتا ہوں جگر چاک ہنوز
یہ شعر نکات الشعراء اور گلشن سخن میں بھی ہے۔ نکات الشعراء میں "ہو چکے" کے بجائے "ہو چکی" اور گلشن سخن میں "ہو چکا" ہے۔
[7] غیر مطبوعہ شعر [8] یہ شعر نکات الشعراء اور گلشن سخن میں بھی ہے۔

(۱۷۴)

ہو چکا خون جگر آنسو ہوئے نہیں کم ہنوز ‏ ‏ ہیں مژہ دستور سابق ہی پہ میرے نم ہنوز[۱]

دل جلوں پر روتے ہیں جن کو کچھ ہے سوز دل ‏ ‏ شمع کرتی ہے ہماری گور پہ ماتم ہنوز[۲]

وضع یکساں اس زمانے میں کسو کی نہیں رہی ‏ ‏ قد تیرا چوگاں رہا ہے کس طرح سے خم ہنوز[۳]

آرہا ہے جی مرا آنکھوں میں کوئی پل ہی ہوں ‏ ‏ پر نہیں جاتا یہ تیرے دیکھنے کا غم ہنوز[۴]

وہ جو عالم اس کے اوپر تھا سو خطا نے کھو دیا

مبتلا ہے اس بلا میں میرؔ یک عالم ہنوز

ردیف سین

(۱۷۵)

اے ابر تر تو اور کسی سمت کو برس ‏ ‏ اس ملک میں ہماری ہے یہ چشم تر ہی بس[۵]

حیراں تو دیکھ پھول بکھیرے تھی کل صبا ‏ ‏ یک برگ گل گرا نہ جہاں تھا میرا قفس[۶]

مژگاں نہ بہہ گئی میری اس سیل اشک میں ‏ ‏ دریا کی موج دیکھ اور استادگی خس[۷]

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳ : ؎ ‏ ہو چکا خونِ جگر رونا نہیں کچھ کم ہنوز
ہیں مژہ دستور سابق ہی پہ میرے نم ہنوز

۲ نسخۂ کلکتہ : ؎ ‏ دل جلوں پر روتے ہیں جن کو ہے کچھ سوز جگر
شمع رکھتی ہے ہماری گور پہ ماتم ہنوز

۳ نسخۂ کلکتہ : ؎ ‏ وضع یکساں اس زمانے میں نہیں رہتی کہیں
قد تیرا چوگان رہا ہے کس طرح سے خم ہنوز

۴ نسخۂ کلکتہ : ؎ ‏ آرہا ہے جی مرا آنکھوں میں کوئی پل ہی ہوں
پر نہیں جاتا کسی کے دیکھنے کا غم ہنوز

۵ یہ شعر نکات الشعراء، طبقات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں مصرعۂ ثانی یوں ہے : ؎
اس ملک میں ہماری ہیں یہ چشم تر ہی بس
مخطوطہ میں "ملک" کے بجائے دوسرے مصرعہ میں بھی "سمت" ہے۔ ۶ یہ شعر نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ ۷ نسخۂ کلکتہ ص :
؎ ‏ مژگاں بھی بہہ گئیں مرے رونے سے چشم کی ‏ ‏ سیلاب موج مارے تو ٹھہرے ہے کوئی خس

اے گریہ اس کے دل میں اثر خوب ہی کیا — روتا ہوں جب میں سامنے اسکے تو دے ہے ہنس
مجنوں کا دل ہوں محمل لیلیٰ سے ہوں جدا — تنہا پھروں ہوں دشت میں جوں نالۂ جرس
اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکوں — کہتا ہوں ایک میں تو سناتا ہے مجھ کو دس
حیراں ہوں میرؔ نزع میں اب کیا کروں گلہ[1]
احوال دل بہت مجھے فرصت ہے یک نفس

(۱۷۶)

مرگیا میں ملا نہ یار افسوس — آہ افسوس صد ہزار افسوس[2]
ہم تو ملتے تھے جب اہا ہا ہا — نہ رہا وہ ہی روزگار افسوس
یوں گنواتا ہے دل کوئی مجھ کو — یہی آتا ہے بار بار افسوس[3]
قتل گر تو خوشی کرے گا ہمیں[4] — یہ توقع تھی تجھ سے یار افسوس
رخصت سیر باغ ہم کو نہ ہوئی — یوں ہی جاتی رہی بہار افسوس[5]
خوب بدعہد تو نہ مل لیکن — میرے تیرے تھا یہ قرار افسوس
خاک رہ میرؔ تیری ہوتا دلے
نہ ہوا اس کو اقتدار افسوس

ردیف شین

(۱۷۷)

ہے دل افگار اور جگر پہ ریش[6] — اک مصیبت ہے میرے تئیں درپیش

---

[1] نسخۂ کلکتہ : ؏ حیراں ہوں میرؔ نزع میں اب کیا کروں بھلا
[2] یہ شعر نکات الشعراء، تذکرۂ میر حسن اور گلشن سخن میں بھی ہے۔ [3] نکات الشعراء [4] نسخۂ کلکتہ: ؏
قتل گر تو ہمیں کرے گا خوشی
[5] یہ شعر تذکرۂ میر حسن میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں پہلا مصرعہ یُوں ہے: ؏
رخصت سیر باغ تک نہ ہُوئی
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵ : ؏ دل تو افگار ہے جگر ہے ریش
نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح ہے جیسا کہ متن میں ہے۔

پان تو لیتا جا فقیروں کے برگ سبز است تحفۂ درویش
ایک دم مہر برسوں تک کینہ یوں ہی گزری ہے اپنی اس کی ہمیشہ[1]
فکر کر زادِ آخرت کا بھی
میرؔ اگر تو ہے عاقبت اندیش

ردیف ضاد

(۱۷۸)

سال میں ابرِ بہاری تجھ سے یکبار ہے فیض چشمِ گریہ ناکِ عاشق سے سدا جاری ہے فیض[2]

ردیف طائے

(۱۷۹)

سب سے آئینہ نمط رکھتے ہیں خوباں اختلاط ہوتے ہیں یہ لوگ بھی کتنے پریشاں اختلاط[3]
تنگ آیا ہوں میں رشکِ تنگ پوشی سے تیری اس تنِ نازک سے یہ جامے کو چسپاں اختلاط

ردیف ظائے

(۱۸۰)

غیر مجھ کو جو کہتے ہیں محفوظ تجھ سے ملتے ہیں رہتے ہیں محفوظ

ردیف عین

(۱۸۱)

سب پہ روشن ہے کہ شب مجلس میں جب آتی ہے شمع تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ بجھ جاتی ہے شمع[4]

---

[1] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶ : ع
چشمِ نم دیدہ سے عاشق کی سدا جاری ہے فیض
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶، مصرعۂ اول : ع سب سے آئینہ نمط رکھتے ہیں خوباں اختلاط
[4] یہ شعر نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶ اور تمام دیگر قلمی و مطبوعہ کلیات میں مصرعۂ ثانی یُوں ہے : ع
تجھ بھبھوکے سے کو بیٹھا دیکھ کر جل جاتی ہے شمع

یوں جلا ڈالا کہ کچھ روشن نہ ہوئی تقریرِ شمع واہ واے آتش جاں سوز بجز تا شیرہ شمع[۱]

ردیف غین

(۱۸۲)

شیخ سچ خوب ہے بہشت کا باغ جائیں گے گروف کرے گا دماغ

ردیف فا

(۱۸۳)

آج کل کا ہی کو بتلاتے ہو گستاخی معاف راستی یہ ہے کہ وعدے ہیں تمہارے سب خلاف[۱]
آہ برچھی سی لگی تھی تیر سی دل کی طپش ہجر کی شب مجھ کو گزری غیرت روزِ مصاف[۲،۳]
ایک دن میں نے لکھا تھا اسے[۴] اپنا دردِ دل آج تک جاتا نہیں سینے سے خامے کے شگاف
پانو پر سے اپنے میرا سر اٹھانے مت مجھ کو تیغ باندھی ہے میاں تم نے کمر میں خوش غلاف[۵]
صف الٹ جا عاشقوں کی گر تیری ابرو ہلے ایک دم تلوار کے چلنے میں ہوئے ملک صاف[۶]
شیخ مت رو کش ہو مستوں کا تو اس مجھے اُپَر لیتے استنجی کو ڈھیلا تیری ٹل جاتی ہے ناف[۷]

عشق کے بازار میں سودا نہ کیجو تو تو میر
سر کو جب واں بیچ چکتے ہیں تو ہوئے دستِ لاف[۸]

(۱۸۴)

غالب ہے تیرے عہد میں بیداد کی طرف ہر خوں گرفتہ جائے ہے جلاد کی طرف

---

۱ غیر مطبوعہ شعر ہے۔ ۲ یہ شعر نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۱ مصرعہ ثانی: ؏
ہجر کی شب مجھ پہ گزری غیرت روزِ مصاف
۴ نسخۂ کلکتہ "اس کو"۔ ۵ یہ شعر نکات الشعراء میں بھی درج ہے۔ ۶ نسخۂ کلکتہ: ؏
صف الٹ جا عاشقوں کی گر تیرے ابرو ہلیں
۷ نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ؏ شیخ مت رو کش ہو مستوں کا تو اس مجھے اُپَر
۸ نسخۂ کلکتہ: ؏
سر کو جب واں بیچ چکتے ہیں تو یہ ہے دستِ لاف

کن نے لیا ہے تجھ سے مچلکہ کی داد دو — ٹک کان بھی رکھا کرو فریاد کی طرف[1]
ہر تارِ زلف قیمت فردوس ہے تیرا — کرتا ہے کون طرۂ شمشاد کی طرف
جانا نہ پرفشانی کو ہم اور جو ایک بار — پرواز کی چمن سے سو صیاد کی طرف[2]
حیران کارِ عشق ہے شیریں کا نقش میرؔ
کچھ یوں ہی دیکھتا نہیں فرہاد کی طرف

ردیف قاف

(۱۸۵)

درد ہی خود ہے خود دوا ہے عشق — شیخ کیا جانے تو کہ کیا ہے عشق
یہ نہ ہوتے تو نظم کل اٹھ جاتے — سچے ہیں شاعراں خدا ہے عشق

ردیف کاف

(۱۸۶)

بے چین مجھ کو چاہتا ہر دم ہے زیر خاک — چھاتی پہ بعد مرگ بھی دل جم ہے زیر خاک
آسودگی جو چاہے تو مرنے پہ دل کو رکھ — آشفتگیِ طبع بہت کم ہے زیر خاک
تنہا تو اپنی گور میں رہنے پہ بعد مرگ — مت اضطراب کر کہ یک عالم ہے زیر خاک[3]
مجنوں نہ تھا کہ جس کے تئیں سونپ کر مروں — آشفتگی کا مجھ کو نپٹ غم ہے زیر خاک[4]
رویا تھا نزع میں میں تجھے یاد کر بہت — اب تک مری ہر ایک مژہ نم ہے زیر خاک[5]
کیا آسمان پہ کھینچے کوئی میرؔ اپنے تئیں[6]
جانا جہاں سے سب کو مسلم ہے زیر خاک

---

[1] یہ شعر گلشن سخن میں بھی ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶: مصرع
ہم سنے تو پرفشانی نہ جانی کہ ایک بار
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۸: مصرع — مت اضطراب کر کہ یوکر عالم ہے زیر خاک
[4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ مصرع اول: مصرع — رویا تھا نزع میں میں اسے یاد کر بہت
[6] نسخۂ کلکتہ: مصرع — کیا آسماں پہ کھینچے کوئی میرؔ آپ کو

(۱۸۷)

میرؔ گم کردہ چمن زمزمہ پرواز ہے ایک
جس کی لے دام سے تا گوشِ گل آواز ہے ایک[1]

کچھ ہوا اے مرغِ قفس لطف نہ جاوے اس سے
نالہ یا نوحہ ہر اک بات کا انداز ہے ایک[2]

ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ
ورنہ تا باغ قفس سے مری پرواز ہے ایک[3]

گوش کو ہوش کے ٹک کھول کے سن شورِ جہاں
سب کی آواز کے پردے میں سخن ساز ہے ایک[4]

چاہے جس شکل سے تمثال صفت اس میں در آ
عالم آئینہ کے مانند در باز ہے ایک

(۱۸۸)

شوق ہو تو ہے اس کا گھر نزدیک
دوری رہ ہے راہبر نزدیک

آہ کرتے ہیں دم کو سادھے رہ
کہتے ہیں دل سے ہے جگر نزدیک

دور والوں کو بھی نہ پہنچے ہم
یہی نہ تم سے ہیں مگر نزدیک[6]

ڈوہیں دریا و کوہ و شہر و دشت
تجھ سے سب ہے اے چشم تر نزدیک[7]

حرف دوری ہیں گرچہ انشا لیک
دیجو خط جا کے نامہ بر نزدیک

خبر آتی ہے سو بھی دور سے یاں
آؤ یکبار بے خبر نزدیک

توشۂ آخرت کا فکر رہے
جی سے جانے کا ہے سفر نزدیک

دُور پھرنے کا ہم سے وقت ہے کیا
پوچھ کچھ حال بیٹھ کر نزدیک

دُور اب بیٹھتے ہیں مجلس میں
ہم جو تم سے تھے بیشتر نزدیک

مر بھی رہ میرؔ شب بہت رویا
ہے میری جان اب سحر نزدیک

(۱۸۹)

کب دسترس ہے لعل کو تیرے سخن تلک
رسوائیاں گئی ہیں عقیق یمن تلک

---

۱ یہ شعر تذکرہ گلشن سخن اور گلشن ہند میں بھی ایسا ہی ہے۔ ۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۹: مصرع
نوحہ یا نالہ ہر ایک بات کا انداز ہے ایک

۳ یہ بھی گلشن سخن اور گلشن ہند میں ہے۔ ۴ ایضاً ۵ اصل "سادھے" ۶ غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔
۷ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۹: مصرع
تجھ سے سب کچھ ہے چشم تر نزدیک

تر دستیاں ہیں دست و گریباں ہاتھ کے
زیرِ زمیں بھی پہنچیں گے چاک کفن تلک

روتا ہوں آہوؤں میں تیری چشم یاد کر
طوفاں کیے ہیں سینکڑوں دشتِ ختن تلک[1]

مارا گیا خرام بتاں پر سفر میں میرؔ
اے کبک کتنا جاتیو اس کے وطن تلک[2]

(۱۹۰)

بالیں پہ میری آوے گا گھر سے تو جب تلک
کر جاؤں گا سفر ہی میں دنیا سے تب تلک[3]

اتنا دن اور دل سے طپش کرے کاوشیں
یہ جھلا تمام ہی ہے آج شب تلک[4]

نقاش کیونکے کھینچ چکا تو شبیہِ یار
کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اسکے میں اب تلک[5]

شب کوتہ اور قصہ میرے حال کا دراز[6]
القصہ اب کہا کروں تجھ سے میں کب تلک

باقی یہ داستان ہے اور کل کی رات ہے
گر جان میری میرؔ نہ آ پہنچے لب تلک

(۱۹۱)

جاتے ہیں لے خرابہ کو سیل آسماں تلک
طوفاں ہے میرے اشکِ ندامت سے یاں تلک

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہوں بے قرار[7]
میرے قفس کو لے تو چلو باغباں تلک

قید قفس سے چھوٹ کے دیکھا جلا ہوا
پہنچے نہ ہوتے کاشکے ہم آشیاں تلک

اتنا ہوں ناتواں کہ درد دل سے اب گلہ
آتا ہے ایک عمر میں میری زباں تلک

میں ترک عشق کرکے ہوا گوشہ گیر میرؔ
ہوتا پھروں خراب جہاں میں کہاں تلک

---

[1] غیر مطبوعہ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۱ میں غزل کا دوسرا شعر مخطوطہ میں درج نہیں ہے: ؎

آزادگی یہ چھوڑ قفس ہم نہ جا سکے
حسن سلوک ضعف سے صحن چمن تلک

[3] یہ شعر نکات الشعراء، تذکرۂ شورش اور طبقات الشعراء میں بھی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۹ میں مصرعہ اول یوں ہے: ع

بالیں پہ میری آوے گا تو گھر سے جب تلک

[4] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [5] یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ہے۔ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۹: ع

شب کوتہ اور قصہ میری جان کا دراز

[7] نسخۂ آسی: ع

شاید کہ دیوے رخصت گلشن ہو بے قرار

ردیف لام

(۱۹۲)

گل کی جفا بھی دیکھی دیکھی وفائے بلبل — یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل[1]
کر سیر جذب الفت گلچیں نے کل چمن میں — توڑا تھا شاخ گل کو نکلی صدائے بلبل[2]
کس کسکے ہے خار ہو کر ہر شب دل چمن میں — اتنے لب و دہن پر یہ نالہ ہائے بلبل[3]
یک رنگیوں کی راہیں طے کرکے مر گیا ہے — گل میں رگیں نہیں یہ ہیں نقش پائے بلبل
پیغام بے غرض بھی سنتے نہیں ہیں خوباں — پہنچی نہ گوش گل تک آخر دعائے بلبل
آئی بہار و گلشن گل سے بھرا ہے لیکن — ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بلبل

یہ دلخراش نالے ہر شب کے میرؔ تیرے
کردیں گے بے نمک ہی شور نوائے بلبل

(۱۹۳)

سیر کر عندلیب کا احوال — ہیں پریشاں چمن میں کچھ پر و بال
تب غم تو گئی طبیب ولے — پھر نہ آیا کبھو مزاج بحال
سبزۂ نورستہ رہگذر کا ہوں — سر اٹھایا کہ ہو گیا پامال
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے — آشیاں تھا مرا بھی یاں پر سال[4]
سرد مہری کی بسکہ گل رو نے — اوڑھی ابر بہار نے بھی شال
ہجر کی شب کو یاں تئیں تڑپھا[5] — کہ ہوا صبح ہوتے میرا وصال
ہم تو سر گزرے کجروی تیری — نہ نبھے گی پر اے فلک یہ چال

دیدۂ تر پہ شب رکھا تھا میرؔ
لکۂ ابر ہے میرا رومال

---

[1] یہ شعر نکات الشعرا، تذکرۂ میر حسن، گلشنِ سخن اور گلشنِ ہند میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۲ میں مصرعِ اول یوں ہے: ع

گل کی جفا بھی جانی دیکھی وفائے بلبل

[2] یہ شعر بھی تذکرۂ میر حسن میں درج ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۲: ع

کھٹکے ہیں خار ہو کر ہر شب دل چمن میں

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۳ میں "پر سال" ہے۔ [5] نسخۂ کلکتہ میں بھی "تڑپھا" ہے۔ نسخۂ آسی و نسخۂ ندوہ میں "تڑپا" ہے۔

(۱۹۴)

فصل خزاں میں سیر جو کی ہم نے جائے گل — چھانی چمن کی خاک نہ تھا نقش پائے گل[1]
اللہ رے عندلیب کی آواز دل خراش — جی ہی نکل گیا جو سنا ہم نے ہائے گل[2]
مقدور تک شراب سے رکھ انکھڑیوں میں رنگ — یک چشمک پیالہ ہے ساقی ہوائے گل
یہ دیکھ سینہ داغ سے رشکِ چمن ہے یاں — بلبل ستم ہوا نہ جو تو نے بھی کھائے گل
نکلا ہے ایسی خاک سے کس سادہ رو کی یہ — قابل درود بھیجنے کے ہے صفائے گل
بلبل سرشک سرخ کے داغوں سے رات کو — بستر پر اپنے سوئے تھے ہم بھی بچھائے گل
آ عندلیب صلح کریں جنگ ہو چکی — لے اے زباں دراز تو سب کچھ سوائے گل

گلچیں سمجھ کے چنیو کہ گلشن میں میر کے
لختِ جگر پڑے ہیں نہیں برگہائے گل

(۱۹۵)

شرط ہے ابر میں اور ہم میں کہ رو دینگے کل — صبح کو اُٹھتے ہی عالم کو ڈبو دیں گے کل[3]
آج آوارہ ہو، اے بال اسیرانِ قفس — یہ گل و باغ و خیاباں نہ ہو دیں گے کل

وعدۂ وصل ہوا ہے شب فردا پہ میر[4]
بخت خوابیدہ جو آرام سے سو دینگے کل

---

[1] یہ شعر نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن نکات الشعراء اور تذکرۂ شورش میں مصرعہ اوّل یوں ہے: ع

فصل خزاں میں سیر کی ہم نے بھی جائے گل

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۲: ع — جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

نکات الشعراء میں یوں ہے: ع — جیو ہی نکل گیا جو سنا ان نے ہائے گل

تذکرۂ شورش میں بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ نسخۂ کلکتہ میں درج ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۴: س

شرط یہ ابر میں اور ہم میں کہ رو دیں گے کل
صبحگہ اُٹھتے ہی عالم کو ڈبو دیں گے کل

[4] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ و ہم الف، نسخۂ آسی ص ۸۷: س

وعدۂ وصل رہا ہے شب آئندہ پہ میر
بخت خوابیدہ جو ٹک جاگتے سو دینگے کل

(۱۹۶)

کرو تم یاد اگر ہم کو رہے تم میں بھی اک شہر دل — مثل کیا نہیں سنی تم نے کہ دنیا ہی میں دلبر دل[1]
بھلا تم نقد دل لے کر ہمیں دشمن گنواب تو — کبھو کچھ ہم بھی کر لیں گے حساب دوستاں در دل[2]

ردیف میم

(۱۹۷)

کیا بلبل اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم — گل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر اس قدر کہ ہم
خورشید سر کو پٹکے ہے یوں ہر سحر کہ ہم — شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشم تر کہ ہم[3]
جیتے ہیں تو دکھا دیں گے دعویٰ عندلیب — گل بن خزاں میں اب کی وہ رہتی ہے سر کہ ہم
یہ تیغ ہے یہ طشت ہے یہ ہم ہیں کشتنی — کھیلے ہے کون ایسی طرح جان پر کہ ہم
تلوار مارتے ہو تم اور دم بخود ہیں ہم — دنیا میں یہ کرے ہے کوئی درگزر کہ ہم[4]
جب جا پھنسا کہیں تو ہمیں یاں ہوئی خبر — رکھتا ہے کون دل تیری اتنی خبر کہ ہم[5]
تجھ جستجو میں اور خرابی تو کیا کہیں — اتنی نہیں ہوئی ہے صبا در بدر کہ ہم[6]

جیتے ہیں اور لخت جگر روتے ہیں میر (کذا)
کرتے سنا ہے یوں کوئی ٹکڑے جگر کہ ہم[7]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۵ و نسخۂ ندوہ ۹۴ الف: سے

کرو تم یاد گر ہم کو رہے تم میں بھی اکثر دل
مثل مشہور ہے یہ تو کہ ہے دنیا میں دلبر دل

[2] یہ شعر نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۵: سے

خورشید صبح نکلے ہے اس نور سے کہ تو
شبنم گرہ میں رکھتی ہے یہ چشم تر کہ ہم

[4] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۹۴ الف: ع تلواریں تم لگاتے ہو ہم ہیں گے دم بخود

[5] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۵: ع

اس جستجو میں اور خرابی تو کیا کہیں

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۵: سے جیتے ہیں اور روتے ہیں لخت جگر ہے میر — کرتے سنا ہے یوں کوئی قیمہ جگر کہ ہم

(۱۹۸)

کیا کہوں کیا رکھتے تھے تجھ سے ترے بیمار چشم　　تجھ کو بالیں پر نہ دیکھا کھولے سو سو بار چشم
ہجر میں پاتا نہیں گریہ کے سر رشتے کو میں　　ہر سحر اٹھ باندھتے ہے آنسوؤں کا تار چشم
گویا ناسور زخم دل تھے یہ اے ہمنشیں　　پیش ازیں کیا کیا ہمیں دکھلاتی تھی خونبار چشم
سیکڑوں ہوں کشتنی تو لائیں کچھ تاب نگاہ　　ایک دو کا کام تو نہیں اسے ہونا چار چشم[۱]
جرم کیا غیروں کا طالع چشم پوشی کرتے ہیں　　دیکھ کر احوال میرا موندلے ہے یار چشم
روز و شب وا رہنے سے پیدا ہیں میرؔ آثار شوق
ہے کسو نظارگی کا رخنۂ دیوار چشم

(۱۹۹)

کرتے نہیں ہیں دوری سے اب اسکی باک ہم　　نزدیک اپنے کب کے ہوئے ہیں ہلاک ہم
بیٹھے ہم اپنے طور پہ مستوں میں جب اٹھے　　جوں ابرِ تر لیے اُٹھے دامن کو پاک ہم
آہستہ اے نسیم کہ اطراف باغ کے　　مشتاق پر فشانی ہیں اک مشتِ خاک ہم
شمع و چراغ و شعلہ و آتش شرارہ و برق　　رکھتے ہیں دل جلے یہ بہم سب تپاک ہم
مستی میں ہم کو ہوش نہیں نشاتین کا　　گلشن میں اینڈتے ہیں پڑے زیر تاک ہم
جوں برق تیرے کوچے سے ہنستے نہیں گئے　　مانندِ ابر جب اٹھے تب گریہ ناک ہم
مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو میرؔ
دکھلاؤ تے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم[۲]

(۲۰۰)

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم　　لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم[۳]
کام کیا آؤ تے ہیں معلومات[۴]　　یہ تو سمجھے ہی نہ کہ کیا ہیں ہم

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۵؛ ع　　ایک دو کا کام کب ہے اس سے ہونا چار چشم

[۲] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ: ع　　دکھلا رہے ہیں گل کو دل چاک چاک ہم

[۳] نکات الشعراء، تذکرۂ شورش، عمدۂ منتخبہ ص ۵۶۷، زیر ترتیب نسخہ میں مصرعہ اول یُوں درج ہے: ع
گرچہ آوارۂ صبا ہیں ہم

[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۸؛ ع　　کام کیا آتے ہیں گے معلومات

تم ہی بیگانگی کرو نہ کرو — دلبرو وے ہی آشنا ہیں ہم[1]
اے بتاں اس قدر جفا ہم پر — عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم[2]
سرمہ آلودہ مت رکھا کر چشم — دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم
تیرے کوچے میں تا بہ مرگ رکھا — کشتۂ منت وفا ہیں ہم[3]
ہے نمک سود سب تن مجروح — تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم
آستاں پر ترے گزر گئی عمر[4] — اسی دروازے کے گدا ہیں ہم
خوف ہم کو نہیں جنوں سے کچھ — یوں تو مجنوں کے بھی چچا ہیں ہم
ڈرتے ہیں تیری بے دماغی سے — کیونکہ پھر یار جی بلا ہیں ہم[5]
کوئی خواہاں نہیں ہمارا میر
گویا جنس ناروا ہیں ہم

(۲۰۱)

حذر کہ آہ جگر تفتگاں بلا ہے گرم — ہمیشہ آگ ہی برسے ہے یاں ہوا ہے گرم[6]
ہزار حیف کہ درگیر صحبت اس سے نہیں — جگر کہ آب میں ہنگامہ کر رکھا ہے گرم[7]
کہاں ہے تیغ و سپر آفتاب کی یارو — وہ سرد مہر ہمارا ابھی اب ہوا ہے گرم[8]
نہ اتنی دارو پی ظالم کہ اس خمار میں ہوں — مزاج گرم ہے تیرا و یہ دوا ہے گرم[9]
گیا جہاں سے خورشید ساں اگرچہ میر
ولیک مجلس دنیا میں اسکی جا ہے گرم

---

[1] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [2] مخطوطہ گلشن بیخار: مصرع

اے بتو اس قدر جفا ہم پر

[3] غیر مطبوعہ [4] نسخۂ کلکتہ ص۱۱: مصرع — آستاں پر ترے ہی گزری عمر

[5] غیر مطبوعہ [6] عمدۂ منتخبہ [7] نسخۂ کلکتہ ص۱۱: مصرع

جگر کی آگ نے ہنگامہ کر رکھا ہے گرم

[8] نسخۂ کلکتہ: مصرع — کہاں ہے تیغ و سپرت آفتاب کی بارے میں

[9] نسخۂ کلکتہ: مصرع

مزاج گرم ہے پھر اور یہ ہوا ہے گرم

ردیف نوُن

(۲۰۲)

وحشت میں ہوں بلا گر وادی پہ اپنی آؤں   مجنوں کی محنتیں سب میں خاک میں ملاؤں
ہنس کر کبھو بلایا تو برسوں تلک رُلایا   اس کی ستم ظریفی کس کے تئیں دکھاؤں
فریادی ہوں تو ٹپکے لوہو میری زباں سے   نالے کو بلبلوں کے خاطر میں بھی نہ لاؤں
پوچھو نہ غم کو دل کے ایسا نہ ہوئے یاراں   مانند روضہ خواں کے مجلس کے تئیں رُلاؤں[۱]
لگتی ہے آگ تن میں دیکھے سے داغ اُسکے   اس دل جلے ہوئے پہ کتنا ہی جی جلاؤں[۲]
یکدم تو چونک بھی پر شور و فغاں سے میرے   اے بخت خفتہ کب تک تیرے تئیں جگاؤں
از خویش رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں   کتنا میں کھو یا جاؤں یارب کہ اس کو پاؤں[۳]
عریاں تنی کی شوخی وحشت میں کوئی بلا تھی   تہ گردی نہ بیٹھی تا تن کے تئیں چھپاؤں[۴]
اگلے خطوں نے میرے مطلق اثر نہ بخشا   قاصد کے بدلے اب کے جادو مگر چلاؤں
دل تفتگی نے مارا مجھ کو کہ نہیں مژہ پر   یک قطرہ آب تا میں اس آگ کو بجھاؤں

آسودگی تو معلوم اے میرؔ جیتے جی یاں
آرام تب ہی پاؤں جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

(۲۰۳)

کیا کمال نقص میرے دل کی تاب میں   جاتا ہے جی چلا ہی میرا اضطراب میں
دوزخ کیا ہے سینہ میرا سوزِ عشق سے   اس دل جلے ہوئے کے سبب ہوں عذاب میں
مت کر نگاہِ خشم کہ یہ موت ہے میری   ساقی نہ زہر دے تو میرے تئیں شراب میں[۵]
بیدار شور حشر نے سب کو کیا ولے   ہیں خون خفتہ تیرے شہیدوں کے خواب میں[۶]

---

۱ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۵۶ الف مصرع اول: ع
پوچھو نہ دل کے غم کو ایسا نہ ہوئے یاراں
۲ غیر مطبوعہ   ۳ نسخۂ کلکتہ: ع   کتنا میں کھو یا جاؤں یارب کہ تجھ کو پاؤں
۴ نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع   عریاں تنی کی شوخی وحشت میں کیا بلا تھی
۵ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۵۲ ب مصرع اول: ع   مت کر نگاہ خشم یہی موت ہے مری
۶ نسخۂ کلکتہ: ع   ہیں خون خفتہ اس کے شہیدوں کے خواب میں

دل لے کے رو بھی ٹک نہیں دیتے کہیں گے کیا　　خوبان بدمعاملہ یوم الحساب میں[1]

جا کر در طبیب پہ بھی میں گرا و لے　　جز آہ ان نے کچھ نہ کہا میرے باب میں

عیش و خوشی ہے شیب میں ہو گو پہ وہ کہاں　　لذت جو ہے جوانی کے رنج و عتاب میں

دیں عمر خضر موسم پیری میں تو نہ لے　　مرنا ہی اس سے خوب تھا عہد شباب میں[2]

آنکلے تھے جو حضرت میرؔ اس طرف کہیں　　میں نے کیا سوال یہ ان کی جناب میں

حضرت سنو تو میں بھی تعلق کروں کہ نہیں　　فرمانے لاگے رو کے یہ اس کے جواب میں

تو جان لے کے تجھ سے ہی آ کے جو کل تھے یاں[3]
ہیں آج صرف خاک جہانِ خراب میں

(۲۰۴)

نہ گیا خیال زلف سیہ جفا شعاراں　　نہ ہوا کہ صبح ہووے شب تیرہ روزگاراں[4]

نہ کہا تھا اے رفو ہم ترے ٹانکے ہونگے ڈھیلے　　نہ سیا گیا نہ آخر دل چاک بے قراراں

ہوئی عید سب نے پہنے طرب و خوشی کے جامے[5]　　نہ ہوا کہ ہم ہی بدلیں یہ لباس سوگواراں

خطر عظیم میں ہیں میری آہ و اشک سے سب　　کہ جہان رہ چکا ہے جو بہی ہے باد و باراں

کہیں خاک کو تو اس کی تو صبا نہ دیجو جنبش　　کہ بھرے ہیں اس زمیں میں جگر جگر فگاراں

رکھے ہے تاج زر کو سر پہ چمن زمانہ　　نہ شگفتہ ہو تو آتنا کہ خزاں ہے یہ بہاراں[6]

نہیں تجھ کو چشم عبرت یہ تو د(اور) زمیں ہے ورنہ　　کہ گئے ہیں خاک میں مل کتی تجھ سے تاجداراں[7]

تو جہاں سے دل اٹھا یاں نہیں رسم دردمندی　　کسی نے یوں نہ پوچھا ہوئے خاک یاں ہزاراں

---

[1] عمدہ منتخبہ ص ۵۶۷　　[2] نسخۂ کلکتہ: ع

مرنا ہی اس سے خوب ہے عہد شباب میں

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۱: ع　　تو جان لیک تجھ سے بھی آئے جو کل تھے یہاں

[4] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔　　[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۱: ع

ہوئی عید سب نے پہنے طرب و خوشی کے جامے

[6] دکرتا نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے: س　　رکھے تاج زر کو سر پر چمن زمانہ میں گل
نہ شگفتہ ہو تو آتنا کہ خزاں ہے یہ بہاراں

[7] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع　　نہیں تجھ کو چشم عبرت یہ نمود میں ہے ورنہ

یہ اجل سے جی چھپانا میرا آشکار ہے گا — کہ خراب ہو گا مجھ بن غم عشق گلعذاراں[۱]

یہ سنا تھا میرؔ ہم نے کہ فسانہ خواب لاتے
تری سرگزشت سن کر گئے اور خواب یاراں

(۲۰۵)

کہیو قاصد جو وہ پوچھے ہمیں کیا کرتے ہیں — جان و ایمان و محبت کو دعا کرتے ہیں[۲]
عشق آتش بھی جو دیوے تو نہ دم ماریں کہ ہم — شمع تصویر ہیں خاموش جلا کرتے ہیں[۳]
جانے کیوں ہی نہ مرض دل تو نہیں اسکا علاج — اپنے مقدور تلک ہم تو دوا کرتے ہیں[۴]
اس کے کوچے میں نہ کر شور قیامت کا ذکر — شیخ یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں[۵]
بے لبسی سے تو تری بزم میں ہم بہرے بنے — نیک و بد کوئی کہے بیٹھے سنا کرتے ہیں[۶]
رخصت جنبش لب عشق کی حیرت سے نہیں — مدتیں گزریں کہ ہم چپ ہی رہا کرتے ہیں
تو پری شیشے سے نازک ہے نہ کر دعویٰ مہر — دل ہیں پتھر انھوں کے جو وفا کرتے ہیں[۷]
تجھ سے لگ جا کے یہ یوں جلتے رہیں مجھ سے جیت — دیدہ و دل ہیں نہ جانا کہ دعا کرتے ہیں
فرصت خواب نہیں ذکر بتاں میں ہم کو — رات دن رام کہانی ہی کہا کرتے ہیں[۸]
یہ زمانہ نہیں ایسا کہ کوئی زیست کرے — چاہتے ہیں جو برا اپنا بھلا کرتے ہیں
محض ناکارہ بھی مت جان ہمیں تو کہ نہیں — ایسے ناکام بھی بے کار پھرا کرتے ہیں
تجھ بن اس جان مصیبت زدہ غم دیدہ پہ ہم — کچھ نہیں کرتے تو افسوس کیا کرتے ہیں[۹]

---

[۱] غیر مطبوعہ [۲] یہ شعر عمدۂ منتخبہ اور تذکرۂ میر حسن میں بھی موجود ہے۔ [۳] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۲: ؏

عشق آتش بھی جو دیوے تو نہ دم ماریں ہم

[۴] عمدۂ منتخبہ میں مصرع یوں ہے: ؏ — عشق آتش بھی جو دیوے تو ہم نہ دم ماریں

[۵] نسخۂ کلکتہ میں مصرع اوّل یوں ہے: ؏ — جانتے ہے نہ مرض دل تو نہیں اس کا علاج

[۶] طبقات الشعراء، تذکرۂ میر حسن، عمدۂ منتخبہ ص ۵۶۹، سخن شعرا، ص ۴۸۳، میر حسن نے مصرعہ ثانی یوں لکھا ہے: ؏

ایسے ہنگامے تو یاں روز ہوا کرتے ہیں

[۷] تذکرۂ میر حسن [۸] گلشن ہمیشہ بہار ص ۲۰، سخن شعراء

[۹] عمدہ منتخبہ، نسخۂ کلکتہ اور گلشن ہمیشہ بہار میں مصرعہ ثانی اس طرح ہے: ؏

رات دن رام کہانی سی کہا کرتے ہیں

[۱۰] گلشن ہمیشہ بہار

کیا کہیں میرؔ جی ہم تم سے معاش اپنی غرض
کھایا کرتے ہیں غم اور لوہو پیا کرتے ہیں[۱]

(۲۰۶)

مستوجب ظلم و ستم و جور و جفا ہوں ہر چند کہ جلتا ہوں پہ سرگرم وفا ہوں
آتے ہیں مجھے خوب یہ دونوں ہنر عشق رونے کے تئیں آندھی ہوں کڑھنے کو بلا ہوں[۲]
اس گلشن دنیا میں شگفتہ نہ ہوا میں ہوں غنچۂ افسردہ کہ مردود صبا ہوں
ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا میرا اشک ازبسکہ تیری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں[۳]
آیا کوئی بھی طرح میری چین کی ہو گی آزردہ ہوں جینے سے مرنے سے خفا ہوں[۴]
دامن نہ جھٹک ہاتھ سے میرے کہ ستمگر ہوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں[۵]
گو طاقت و آرام و خور و خواب گئے سب بارے یہ غنیمت ہے کہ جیتا بھی رہا ہوں
دل خواہ جلا اب تو مجھے اے شب ہجراں میں سوختہ بھی منتظر روز جزا ہوں[۶]
بہتر ہے غرض خاموشی ہی کہنے سے یاراں مت پوچھو کچھ احوال کہ مرمر کے جیا ہوں[۷]
اتنا ہی مجھے علم ہے کچھ میں ہوں اور چیز معلوم نہیں خوب مجھے بھی کہ میں کیا ہوں
تب گرم سخن کہنے لگا ہوں میں ہاں کہ عمر جوں شمع سر شام سے تا صبح جلا ہوں
سینہ تو کیا فضل الٰہی سے ہیں سب چاک[۸]
ہے وقت دعا میرؔ کہ اب دل کو لگا ہوں

(۲۰۷)

راضی ہوں گو کہ بعد از صد سال و ماہ دیکھوں اکثر نہیں تو تجھ کو میں گاہ گاہ دیکھوں

---

[۱] نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ گلشن ہمیشہ بہار میں پہلا مصرعہ یہ ہے: ؎

کیا کہیں میرؔ جی اب تم سے معاش اپنی غرض

[۲] نکات الشعراء، طبقات الشعراء، سخن شعراء [۳] نکات الشعراء، تذکرۂ شورش، عمدۂ منتخبہ [۴] غیر مطبوعہ [۵] نکات الشعراء، طبقات الشعراء اور نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۳ میں بھی ایسا ہی ہے۔ تذکرۂ شورش میں مصرعہ ثانی یوں ہے: ؎

یوں خاک سر راہ کوئی دم میں ہوا ہوں

[۶] عمدۂ منتخبہ ص ۵۶۸ میں بھی ایسا ہی ہے۔ [۷] یہ شعر غیر مطبوعہ ہے۔ [۸] نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے: ؎

سینہ تو کیا فضل الٰہی سے سبھی چاک

جی انتظار کش ہے آنکھوں میں رہگذر پر — آجا نظر کہ کب تک میں تیری راہ دیکھوں
آنکھیں جو کھل رہی ہیں مرنے کے بعد میری — حسرت یہ تھی کہ تجھ کو میں یک نگاہ دیکھوں[1]
یہ دل وہ جا ہے جس میں دیکھا تھا تجھ کو بستے — کن آنکھوں سے اب اجڑا اس گھر کو آہ دیکھوں
دیکھوں تو چاند اب کا گزرے ہے مجھ کو کیسا — دل ہے کہ تیرے مونہہ پر بے مہر و ماہ دیکھوں
بخت سیہ تو اپنے رہتے ہیں خواب ہی میں — اے رشک یوسف مصر پھر کس کو چاہ دیکھوں[2]
دل و دیدہ اور جگر یہ سارے ہوئے پریشاں — کس کس کی تیرے غم میں حالت تباہ دیکھوں[3]
تاریک ہو چلا ہے آنکھوں میں میرے عالم — ہوتا ہے کیونکے دل بن میرا تباہ دیکھوں[4]
مرتا ہے یا تماشا ہر یک کی ہے زباں پر — اس مبتلا کو چل کر میں خواہ مخواہ دیکھوں
دیکھوں ہوں آنکھ اٹھا کر جس کو سو یہ کہے ہے — ہوتا ہے قتل کیونکر یہ بے گناہ دیکھوں

ہوں میں نگاہ بسمل گو یک مژہ بھی فرصت
تا میرؔ روئے قاتل یا قتل گاہ دیکھوں

(۲۰۸)

گر تک ہو درد آئینہ گوں چرخ زشت میں — ان صورتوں کو صرف کرے خاک و خشت میں[5][6]
رکھتا ہے سوز عشق کے دوزخ میں روز و شب — لے جائے گا یہ سوختہ دل کیا بہشت میں[7]
آسودہ کیونکے ہوں میں کہ مانند گرد باد — آوارگی[8] تمام ہے میری سرشت میں
کب تک خراب سعی طواف حرم سپہر[9] — دل کو اٹھا کے بیٹھ رہوں گا کنشت میں
ماتم کے ہوں زمیں پہ جو خرمن تو دور نہیں — ہوتا ہے نیل چرخ کی اس سبز کشت میں

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۴: ع حسرت یہ تھی کہ اس کو میں یک نگاہ دیکھوں
[2] غیر مطبوعہ [3] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول، ع چشم و دل و جگر یہ سارے ہوئے پریشاں
[4] غیر مطبوعہ [5] نکات الشعراء مصرع اول، ع

گر کچھ ہو درد آئینہ کو چرخ زشت میں

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۵ میں اس طرح ہے: ع گر کچھ ہو درد آئینہ کو یوں چرخ زشت میں
[7] عمدۂ منتخبہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ مصرعہ ثانی یوں ہے: ع

رہتا ہے سوز عشق سے دوزخ میں روز و شب

[8] اصل آوارہ گی [9] نسخۂ کلکتہ: ع کب تک خراب سعی طواف حرم رہوں

سرمست ہیں ہم آنکھوں کے دیکھے سے یار کے   کب یہ نشانی دخترِ رز تجھ پلشت میں[1]
رندوں کے تئیں ہمیشہ ملامت کرے ہے تو   آجائیو نہ شیخ کہیں ہشت بہشت میں[2]
نامہ کو چاک کر کے کرے نامہ بر کو قتل
کیا یہ لکھا تھا میرؔ مری سرنوشت میں

(۲۰۹)

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں   رنگ رو جس کے کبھو مونہہ نہ چڑھا میں ہی ہوں[3]
جس پہ کرتے ہو سدا جور و جفا میں ہی ہوں   پھر بھی جس کو ہے گماں تم سے وفا میں ہی ہوں[4]
بدکہا میں نے رقیبوں کو تو تقصیر ہوئی   کیوں ہے بخشو بھی بھلا سب میں برا میں ہی ہوں
آؤمت پاس مرے بس نہیں اب تاب جفا   اتنا عالم ہے بھرا جاؤ نہ کیا میں ہی ہوں[5]
سنتے ہی ہنس کے ٹک اک سوچو کیا تو ہی تھا   جس نے شب رو کے سب احوال کہا میں ہی ہوں
اپنے کوچہ میں فغاں جس کی سنو ہو ہر رات   وہ جگر سوختہ و سینہ جلا میں ہی ہوں
خار کو جن نے لڑی موتی کے کر دکھلایا   اس بیاباں میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں
یہ حرمزدگی ٹک اک سیر کر انصاف کرد   وہ برا ہے گا بھلا دوستاں یا میں ہی ہوں[6]
کہتا جاتا تھا میں دل جن نے لیا کون ہے وہ[7]   یک بیک بول اٹھا اس طرف آ میں ہی ہوں
جب کہا میں نے کہ تو ہی ہے تو پھر کہنے لگا   کیا کرے گا تو مرا دیکھوں تو جا میں ہی ہوں

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
کب یہ نشہ ہے دخترِ رز تجھ پلشت میں

[2] غیر مطبوعہ [3] عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ نسخۂ آصفیہ میں مصرعہ ثانی یوں ہے: ع
رنگ رو جس کے کبھو منہہ نہ چڑھا میں ہی ہوں

[4] غیر مطبوعہ۔ لیکن نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔ [5] تمام مطبوعہ و قلمی نسخوں میں مصرعہ اول اس طرح ہے: ع
لطف آنے کا ہے کیا بس نہیں اب تاب جفا

نسخۂ آصفیہ اور مخطوطہ بہارِ بے خزاں میں بھی متن جیسا ہے۔ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۶، نسخۂ ندوہ ۵۵ ب، نسخۂ آسی ص ۹، مصرعہ اول: ع
اس ادا کو تو ٹک اک سیر کر انصاف کرد

نسخۂ آصفیہ: س
یہ حرمزدگی ٹک ایک سیر کر انصاف کرد
وہ برا ہے گا بھلا دوستو یا میں ہی ہوں

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۶ مصرعہ اول: ع
میں یہ کہتا تھا کہ دل جن نے لیا کون ہے وہ

نسخۂ آصفیہ: ع
میں یہ کہتا تھا کہ دل کن نے لیا کون ہے وہ

کوئی آوارہ بھی عالم میں سنا ہے تو نے — خاک آلودہ وہ اے بادِ صبا میں ہی ہوں[1]
رک کے جی ایک جہاں دوسرے عالم کو گیا — تن تنہا نہ تیرے غم میں ہوا میں ہی ہوں[2]
کاسہ سر کو لیے مانگتا دیدار پھرے
میرؔ وہ جان سے بیزار گدا میں ہی ہوں

(۲۱۰)

زباں رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں — بندھی مٹھی چلا جا اس چمن میں
نہ کھول اے جان میرا گور میں مونھ[3] — کہ حسرت ہے میری جاگہ کفن میں
رکھا کر ہاتھ دل پہ آہ کرتے — کہ رہتا نہیں چراغ ایسی پون میں[4]
کہاں کے شمع و پروانے گئے مر — گئے آتش بجاں اس انجمن میں[5]
جلے دل کی مصیبت اپنی سن کر — لگی ہے آگ سارے تن بدن میں
نہ تجھ بن ہوش میں ہم آتے ساقی — مسافر ہی رہے اکثر وطن میں
خردمندی ہوئی زنجیر ورنہ — گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں
کہاں عاجز سخن قادر سخن پر — ہمیں شبہ ہے یاروں کے سخن میں
گداز عشق میں بہہ بھی گیا میرؔ
یونہیں دھوکا سا ہے اب پیرہن میں

(۲۱۱)

کوئی نہیں جہاں میں جو اندوہگیں نہیں — اس غمکدہ میں آہ دل خوش کہیں نہیں[6]
کرتا ہے ابر دعوے دریا دلی عبث — دامن نہیں میرا تو میری آستیں نہیں

---

[1] نسخۂ آصفیہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ مصرع اول: ع

میرؔ آوارۂ عالم جو سنا ہے تو نے

[2] غیر مطبوعہ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۷: ع — نہ کھول اے یار میرا گور میں مُنہ

[4] نسخۂ کلکتہ: ع — نہیں رہتا چراغ ایسی پون میں

[5] نسخۂ کلکتہ: ع

بہت آتش بجاں تھے اس چمن میں

[6] گلشن سخن

آگو تو لعل نوخطِ خوباں کے دم نہ مار — ہر چند اے مسیح وے باتیں رہیں نہیں[1]
یہ درد کیونکے اس کے کروں دلنشیں کہ میں — کہتا ہوں جس طرح سے کہے ہے نہیں نہیں[2]
کہتا ہوں حالِ دل تو کہے ہے کہ مت بکے — کیوں نہیں تیری تو بات میرے دلنشیں نہیں[3]
ضائع کیا میں اپنے تئیں تو نے کی خوشی — بے مہر کیونکے جانیے تجھ میں کہ کیں نہیں[4]
ماتھا کیا میں صرف سجودِ درِ بتاں — مانند ماہِ نو کے مرے اب جبیں نہیں[5]
گھر گھر ہے ملکِ عشق میں دوزخ کی تاب و تپ — بھڑکا نہ ہم کو شیخ یہ آتش وہیں نہیں[6]

فکرِ بلند سے میں کیا آسماں اسے
ہر یک سے میرؔ خوب ہو وہ یہ زمیں نہیں[7]

(۲۱۲)

تو گلی میں اس کی جا آوے لے صبا نہ چنداں — کہ گڑے ہوتے پھر اکھڑیں دلِ چاک دردمنداں[8]
تیرے تیرِ ناز کے جو بہ ہدف ہوئے ہیں ظالم — مگر آہنیں تو سے ہیں جگر نیاز منداں[9]
میں جو آنکھیں کھول دیکھا سو غم اور چشمِ گریاں[10] — کسے کہتے ہیں نہ جانا دلِ شاد و روئے خنداں

---

[1] یہ شعر نکات الشعرا ص ۱۶۵ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۸ میں مصرعِ اول یوں ہے: ع

آگے تو لعل نوخط خوباں کے دم نہ مار

سخن شعرا ص ۴۰۴ میں شعر اس طرح ہے: ؎

آگے تو لعلِ نوخطِ خوباں کے دم نہ مار
گو اے مسیح اگلی وہ باتیں نہیں رہیں

[2] گلشن سخن میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعِ اوّل یہ ہے: ع

یہ درد اس کے کیونکہ کروں دل نشیں کر آہ

[3] (کذا) غیر مطبوعہ [4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ مصرعِ اول: ع

ماتھا کیا ہے صرفِ سجودِ درِ بتاں

[6] نسخۂ کلکتہ: ع — بھڑکا نہ ہم کو شیخ یہ آتش یہیں نہیں

[7] نسخۂ کلکتہ: ع — ہر اک سے میرؔ خوب ہو یہ وہ زمیں نہیں

[8] و [9] یہ دونوں شعر نکات الشعرا اور عمدۂ منتخبہ میں درج ہیں۔ [10] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۸، نسخۂ ندوہ ۵۶ ب: ع

کھلیں آنکھیں میں جو دیکھا سو غم اور چشمِ گریاں

کبھو زلف سے بتاں کی نہ ہوا رہا میں ہرگز
یہی ہیں شکار خستہ یہی عنبریں کمنداں

تبھی کوند کوند اتنا تو زمیں سے جاتے جل جل
نہیں دیکھی برق تونے دم خندہ اس کے دنداں

میں صفا کیا دل اتنا کہ دکھائی دیوے مونہہ بھی
ولے مفت اس آئینہ کو نہیں لیتے خود پسنداں

میں زبوں شکار تو تھا ولے میر صید گر ہیں[1]
میرے خوں سے ہیں حنائی کف پائے صید بنداں

(۲۱۳)

تلوار غرق خوں ہے آنکھیں گلابیاں ہیں
دیکھیں تو تیری کب تک یہ بدشرابیاں ہیں[2]

جب لے نقاب مونہہ پر تب دید کر کہ کیا کیا
در پردہ شوخیاں ہیں اور بے حجابیاں ہیں[3]

چاہے ہے آج ہو ویں ہفت آسماں کے اوپر
دل کے مزاج میں بھی کتنی شتابیاں ہیں[4]

جی بکھرے دل ڈھہے ہے سر بھی گرا پڑے ہے
خانہ خراب تجھ بن کیا کیا خرابیاں ہیں

مہمان میر مت ہو خوان فلک پہ ہرگز
خالی یہ مہر و مہ کی دونوں رکابیاں ہیں

(۲۱۴)

سن گوش دل سے اب تو سمجھ بے خبر کہیں
مذکور ہو چکا ہبھی میرا حال ہر کہیں[5]

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے باغباں
اطراف باغ ہوں گے پڑے مشت پر کہیں[6]

خطرہ سے ہونٹھ سوکھ ہی جاتے تھے دیکھ کر
آتا نظر ہمیں جو کوئی چشم تر کہیں[7]

عاشق ترے ہوئے تو ستم کچھ نہ ہو گیا
اب ہم ہیں اور گریہ خدا سے تو ڈر کہیں[8]

کچھ کچھ کہوں گا روز یہ کہتا تھا دل میں میں
آشفتہ طبع میر کو پایا اگر کہیں

سو کل مجھے ملا وہ بیاباں کی سمت کو
جاتا تھا اضطراب زدہ سا اودھر کہیں

---

[1] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ: ع

تو زبوں شکار تو تھا ولے میر قتل گہ ہیں

[2] تذکرۂ ہندی ص ۲۰۹، مخطوطہ بہار بے خزاں [3] سخن شعرا ص ۴۰۳ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ ندوہ ۵۷ ب میں یوں ہے: ع

در پردہ شوخیاں ہیں پھر بے محابیاں ہیں

[4] تذکرۂ ہندی [5]، [5] نکات الشعرا، تذکرۂ شورش [6] غیر مطبوعہ [7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۰ اور دیگر قلمی و مطبوعہ نسخوں میں مصرع ثانی یوں ہے: ع

مرنا پڑا ہے ہم کو خدا سے تو ڈر کہیں

لگ چل کے میں بزنگ صبا یہ اسے کہا — کاے خانماں خراب ترا بھی ہے گھر کہیں
آشفتہ جا بجا پھرے ہے تو دشت میں — جاگہ نہیں ہے شہر میں تجھ کو مگر کہیں
خوں بستہ اپنی کھول مژہ سوچتا[1] بھی گر — رکھو ٹک تو اپنے حال کو تد نظر کہیں
آشودگی سے جنس کو کرتا ہے کون سوخت — جانے ہے نفع کوئی بھی جی کا ضرر کہیں
موتی سے تیرے اشک ہیں غلطاں کسو طرف — یاقوت کے سے ٹکڑے ہیں لخت جگر کہیں
تا کے یہ دشت گردی و کب تک یہ خستگی — اس زندگی سے کچھ تجھے حاصل بھی مر کہیں
کہنے لگا وہ ہو کے بر آشفتہ[2] یک بیک — مسکن کرے ہے دہر میں مجھ سا بشر کہیں
آوارہ گوں کا ننگ ہے سُننا نصیحتیں — مت کہیو ایسی بات تو بار دگر کہیں
تعین جا تو بھول گیا ہوں پہ یہ ہے یاد — کہتا تھا ایک روز یک اہل نظر کہیں
بیٹھے اگرچہ نقش ترا تو بھی دل اٹھا — کرتا ہی جائے باشش کوئی رہ گزر کہیں

کتنے ہی آتے لے کے سرِ پُر خیال دہر
ایسے جہاں سے گئے کہ نہ پایا اثر کہیں[3]

(۲۱۵)

کیا جو عرض میں دل سا شکار لایا ہوں — کہا کہ ایسے تو میں مفت مار لایا ہوں[4]
جہاں میں گریہ نہ پہنچا بہم مجھے دل خواہ — یوں نوح کے سے تو طوفاں ہزار لایا ہوں[5]
کہے تو نخل صنوبر ہوں اس چمن میں میں — کہ سر سے پانو تلک دل ہی بار لایا ہوں
نہ تنگ کر اسے اے فکر روزگار کہ میں — دل اس کے دم کے لیے مستعار لایا ہوں[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ: ؎
خوں بستہ اپنی کھول مژہ پوچھتا بھی گر

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۱، پر آشفتہ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۱: ؎
ایسے گئے کہ کچھ نہیں ان کا اثر کہیں

[4] شعر کا مصرعہ اول، نسخۂ کلکتہ اور گلشن سخن میں اس طرح ہے: ؎
کیا جو عرض کہ دل سا شکار لایا ہوں

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۲: ؎ یہ نوح کے سے تو طوفان ہزار لایا ہوں

[6] نسخۂ کلکتہ اور مخطوطہ گلشن بیخار میں مصرعہ ثانی یوں ہے: ؎
دل اس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں

کسو سے مانگا ہے میں آج تک کہ جی لیوے — یہ احتیاج تجھی تک اسے یار لایا ہوں[1]
پھر اختیار ہے آگے تیرا یہ ہے مجبور — کہ دل کو تجھ تئیں بے اختیار لایا ہوں
یہ جی جو میرے گلے کا تھا ہار تو ہی لے — ترے گلے کے بیلے میں یہ ہار لایا ہوں

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میرؔ
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں[2]

(۲۱۶)

خوش قداں جب سوار ہوتے ہیں — سرو و قمری شکار ہوتے ہیں
تیرے بالوں کے وصف میں میرے — شعر سب پیچدار ہوتے ہیں
آؤ یاد بتاں پہ بھول نہ جا[3] — یہ تغافل شعار ہوتے ہیں
دیکھ لیویں گے غیر کو تجھ پاس — صحبتوں میں بھی یار ہوتے ہیں
رفتہ رفتہ یہ طفل خوش ظاہر — فتنۂ روزگار ہوتے ہیں
صدقے ہو لیویں ایک دم تیرے — پھر تو تجھ پہ نثار ہوتے ہیں
تو کرے ہے قرار ملنے کا — ہم ابھی بے قرار ہوتے ہیں[4]
ہفت اقلیم ہر گلی ہے کہیں — دلی سے بھی دیار ہوتے ہیں

اس کے نزدیک کچھ نہیں عزت
میرؔ جی یوں ہی خوار ہوتے ہیں[5]

(۲۱۷)

دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں — اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں[6]
ٹک سن کہ سو برس کی ناموس خامشی کھو — دو چار دل کی باتیں اب مونہہ پہ آئیاں ہیں[7]
ہم سے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیرے — ابرو کی جنبش اوپر تلواریں کھائیاں ہیں[8]
آئینہ ہو کہ صورت معنی سے ہے لبالب[9] — راز نہان حق میں کیا خود نمائیاں ہیں

---

[1] غیر مطبوعہ [2] یہ شعر گلشن بیخار اور گلشن ہند میں بھی ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۳، ع۸

آؤ یاد بتاں پہ بھول نہ جاؤ

[4] غیر مطبوعہ [5] مخطوطہ گلشن بیخار [6] و [7] نکات الشعراء، گلشن سخن، تذکرۂ میر حسن، تذکرۂ ہندی، عمدۂ منتخبہ

[8] عمدۂ منتخبہ مصرع ثانی: ع۸ — ابرو کی جنبشوں پہ تلواریں کھائیاں ہیں
[9] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۵: ع۸ — آئینہ ہو کے صورت معنی سے ہے لبالب

کیا چہرہ تجھ سے ہوگا اے آفتاب طلعت ۔۔۔ موہنہ چاند کا جو ہم نے دیکھا تو چھاتیاں ہیں[1]

کعبہ میں میرؔ ہم پر ہے سرگراں یہ زاہد
اور بتکدے میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں[2]

(۲۱۸)

کیا میں نے رو کر فشار گریباں ۔۔۔ رگِ ابر تھا تار تار گریباں[3]
کہیں دستِ چالاک ناخن نہ لاگے ۔۔۔ کہ سینہ ہے قربِ جوار گریباں
نشاں اشکِ خونیں کے اڑتے چلے ہیں ۔۔۔ خزاں ہو چلی کچھ بہار گریباں[4]
جنوں تیری منت ہے مجھ پر کہ تو نے ۔۔۔ نہ رکھا مرے ذمہ بار گریباں[5]
زیارت کروں دل سے خستہ جگر کی ۔۔۔ کہاں ہوگا یارب مزار گریباں
جنوں جب سے ہے اسکا دشمن ہوں ناصح ۔۔۔ تو کب سے ہوا دوستدار گریباں

پھروں میرؔ عریاں نہ دامن کا غم ہو
نہ باقی رہے خار خار گریباں

(۲۱۹)

نپٹ[6] ہی اپنے تئیں ہم تو خوار پاتے ہیں ۔۔۔ وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں
تری گلی میں میں رویا تھا دل جلا یک شب ۔۔۔ ہنوز واں سے دل داغدار پاتے ہیں
نہ ہوویں شیفتہ کیوں اضطراب پر عاشق ۔۔۔ کہ جی کو کھو کے دل بیقرار پاتے ہیں
گلہ عبث ہے تری آستانہ بوسی کا ۔۔۔ مسیح و خضر بھی واں کم ہی بار پاتے ہیں
تڑپھ[8] ہے قیس کے دل میں ترے زمیں اس سے ۔۔۔ غزالِ دشت نشانِ مزار پاتے ہیں

---

[1] غیر مطبوعہ [2] یہ تذکرۂ ہندی میں بھی ایسا ہی ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں مصرع یوں ہے: ع

اور بت کدے میں ہم نے دھومیں مچائیاں ہیں

[3] نکات الشعراء، گلشن سخن [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۴: ع

خزاں ہو چلی ہے بہار گریباں

[5] نسخۂ کلکتہ: ع ۔۔۔ نہ رکھا میرے سر پہ بار گریباں

[6] غیر مطبوعہ۔ یہ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔ [7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۶ «بہت»

[8] نسخۂ کلکتہ: «تڑپ»

وگرنہ خاک ہوئے کتنے ہی محبت ہیں — کسو کا بھی کہیں مشت غبار پلتے ہیں

شتابی آوے اجل میرؔ جاوے یہ رونا
کہ میرے شور سے تصدیع یار پاتے ہیں

(۲۲۰)

عام حکم شراب کرتا ہوں — محتسب کو کباب کرتا ہوں[1]

ٹک تو رہ اے بنائے ہستی تو — تجھ کو کیسا خراب کرتا ہوں[2]

بحث کرتا ہوں ہو کے ابجد خواں — کس قدر بے حساب کرتا ہوں[3]

کوئی بجھتی ہے یہ بھڑک میں عبث — تشنگی پر عتاب کرتا ہوں

سر تلک آب تیغ میں ہوں غرق — اب تئیں آب آب کرتا ہوں

جی میں پھرتا ہے میرؔ وہ میرے
جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

(۲۲۱)

آنکھیں سفید و جل گیا دل ہجر یار میں — کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے انتظار میں[4]

دیکھی تھیں ایک روز تیری مست انکھڑیاں — انگڑائیاں ہی لیتے ہیں اب تک خمار میں

دنیا میں کوئی نہیں جو کرے ایک دو مقام — جو ہے رواروی ہی میں ہے اس دیار میں[5]

اخگر تھا دل نہ تھا مرا جس سے تہِ زمیں — لگ لگ اٹھی ہے آگ کفن کو مزار میں

محمل تیرے کے گرد ہیں محمل کئی ہزار[6] — ناقہ ہے ایک لیلیٰ کا سو کس قطار میں

---

[1] و [2] یہ شعر نکات الشعراء، تذکرۂ شورش اور عمدۂ منتخبہ میں بھی ہیں۔ سرور نے دوسرے شعر کا دوسرا مصرعہ یوں لکھا ہے: ع

تجھ کو کیا کیا خراب کرتا ہوں

[3] غیر مطبوعہ، لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

[4] یہ غزل نسخۂ کلکتہ ص ۷۰۷ دیوان پنجم میں شامل ہے اور شعر اس طرح ہے: ؎

آنکھیں سفید دل بھی جلا انتظار میں
کیا کچھ نہ ہم بھی دیکھ چکے ہجر یار میں

[5] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع — دنیا میں ایک دو نہیں کرتا کوئی مقام

[6] نسخۂ کلکتہ: ع — محمل کے ترے گرد ہیں محمل کئی ہزار

بیدم ہیں صید گاہ میں یکدم تو آ کے دیکھ   پاتا نہیں ہوں دم کسو تیرے شکار میں[1]

معلوم نہیں ہے میری غزل خوانی میر جی
ایک عندلیب کیا ہے پر ہوں میں ہزار میں[2]

(۲۲۲)

آتا ہے دل میں حال بد اپنا بھلا کہوں   پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں
پروانہ پھر نہ شمع کی خاطر جلا کرے   گر بزم میں میں اپنا تیرا ماجرا کہوں[3]
مت کر خرام سر پہ اٹھالے گا خلق کو   بیٹھا اگر گلی میں تیرا نقشِ پا کہوں
دل اور دیدہ باعث ایذا و نور عین   کس کے تئیں برا کہوں کس کو بھلا کہوں
آوے سموم جاتے صبا باغ سے سدا   گر شمہ اپنے سوز جگر کا میں جا کہوں

جاتا ہوں میر دشت جنوں کو میں اب یہ کہہ
مجنوں کہیں ملے تو تری ہی دعا کہوں

(۲۲۳)

ہم تو مطرب پسر کے جاتے ہیں[4]   گو رقیباں کچھ اور گاتے ہیں[5]
خاک میں لوٹتے تھے کل تجھ بن   آج لوہو میں ہم نہاتے ہیں
اے عدم ہونے والو تم تو چلو   ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں
ایک کہتا ہوں میں تو موںہہ پہ رقیب   تیری پشتی سے سو سناتے ہیں[6]
دیدہ و دل کا کیا کیا ستھا میں   روز آفت جو مجھ پہ لاتے ہیں[7]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ؎
بیدم ہیں دام گاہ میں اک دم تو چل کے دیکھ
سنتے ہیں دم نہیں کسی تیرے شکار میں

[2] نسخۂ کلکتہ: ؎
شور اب چمن میں میری غزل خوانی کا ہے میر
ایک عندلیب کیا ہے کہوں میں ہزار میں

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۸، نسخۂ ندوہ ۹۱ ب: ع گر بزم میں یہ اپنا تیرا ماجرا کہوں

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۷ [5] عمدۂ منتخب ص ۱۰۵ [6] عمدۂ منتخب [7] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ ۹۱ ب، نسخۂ آسی ص ۱۰۷ میں یہ شعر مقطع کے طور پر اس طرح درج ہے: ؎
دیدہ و دل شتاب گم ہوں میر
سر پہ آفت ہمیشہ لاتے ہیں

کوئی روؤے کوئی تڑپے ہے　　کیا کروں میرے ہی کرتے ہیں[1]
ورنہ ہیں میر ہوں میرے آگے　　دشتِ غم میں سے نبھتے پاتے ہیں[2]
کھو دگاڑوں زمیں میں دونوں کو
گرچہ لے آسماں پہ جاتے ہیں[3]

(۲۲۴)

میرے آگو نہ شاعر نام پاویں　　قیامت کو مگر عرصے میں آویں[4]
مزاج اپنا غیور از بس پڑا ہے　　تیرے غم بن کسو خاطر میں لادیں[5]
پری سمجھے تھے وہم و گماں سے　　کہاں تک اور اب ہم دل جلا دیں
تیرے عاشق تیرے رسوا کہائے　　تیرے ہو کر کہو اب کس کے کہادیں[6]
نظر اے ابر اب مت آ مبادا　　کہیں میری بھی آنکھیں ڈبڈباویں
نہ آیا وہ تو کیا ہم نیم جاں بھی　　بغیر اس کے ملے دنیا سے جاویں
چلے تو ہی ہے اے جانِ المناک　　ٹک اک رہ جا ہمیں رخصت ہو آویں[7]
پھرے ہے شیخ مجلس ہی میں رقصاں　　ادھر آ نکلے تو ہم بھی نچادیں[8]
قدم بوسی تلک مختار ہیں خیر　　زیادہ تک چلیں تو سر میں کھادیں[9]
چلا مقدور سے غم میر آگے
زمیں پھٹ جاتے یا رب ہم سما دیں

(۲۲۵)

نہ ایک یعقوب رویا اس الم میں　　کوا اندھا ہوا یوسف کے غم میں[10]

---

[1] غیر مطبوعہ [2] غیر مطبوعہ [3] غیر مطبوعہ [4] تذکرۂ شورش اور نکات الشعراء میں بھی درج ہے۔ نسخہ کلکتہ ص ۱۳۰ میں مصرعہ اول یہ ہے ؂

میرے آگے نہ شاعر نام پاویں

[5] نسخہ کلکتہ ؂ تیرے غم میں کسے خاطر میں لادیں

[6] غیر مطبوعہ [7] نسخہ کلکتہ ص ۱۳۸ ؂ چلے ہے تو تو اے جانِ المناک
ٹک ایک رہ جا کہ ہم رخصت ہو جاویں

[8] نسخہ کلکتہ و نسخہ ندوہ : ؂ ادھر آ نکلے تو ہم بھی نچاویں

[9] نسخہ کلکتہ : ؂ زیادہ تنگ چلیں تو سر میں کھاویں

[10] یہ شعر نکات الشعراء اور نسخہ آصفیہ میں بھی اسی طرح درج ہے۔ نسخہ کلکتہ ص ۱۴۰ میں یوں ہے : ؂
نہ اک یعقوب رویا اس الم میں　　کنواں اندھا ہوا یوسف کے غم میں

کہوں کب تک دم آنکھوں میں ہے میرا　　نظر آوے ہی گا اب کوئی دم میں
دیا عاشق نے جی تو عیب مت کر　　یہی تو ایک ہنر ہوتا ہے ہم میں[1]
گئے وے دن جو آنسو رُکتے تھے میرؔ
جھمکتا ہے لہو اب چشم نم میں[2]

(۲۲۶)

ہمیشہ دل میں کہتا ہوں یہاں جاؤں وہاں جاؤں　　ترے غم کو اکیلا چھوڑ کر پیارے کہاں جاؤں[3]
لگی آتی ہے واں تک تیرے دامن کی ہوا اڑ کے　　میں یہ مشت غبار اپنا چھپانے کو جہاں جاؤں
اودھر صحرائے بیتابی ایدھر مشہد ہے اے قاتل　　جو فرماوے تو واں جاؤں جو فرماوے تو یاں جاؤں
اگر جیتا رہا اے زلف تو میں میرؔ ہوں سنیو
بلاتے ناگہانی کے سر اوپر ناگہاں جاؤں

(۲۲۷)

مثال سایہ محبت ہیں جال اپنا ہوں　　تمہارے ساتھ گرفتار حال اپنا ہوں
اگرچہ نشہ ہوں سب میں خم جہاں میں لیک　　برنگ مے عرقِ انفعال اپنا ہوں
میں اشک سرخ کو پی جاؤں تا جو ہوں ہر دم　　لہو کا پیاسا علی الاتصال اپنا ہوں[4]
میری نمود نے مجھ کو کیا برابر خاک　　میں نقش پا کی طرح پائمال اپنا ہوں
ہوئی ہے زندگی دشوار مشکل آساں کر　　پھروں چلوں تو ہوں پر میں وبال اپنا ہوں
ترا ہے وہم کہ یہ ناتواں ہے جامہ میں　　وگرنہ میں نہیں اب اک خیال اپنا ہوں

---

[1] نسخہ کلکتہ و آسی میں یہ شعر یوں مقطع کے طور پر درج ہے: ؎

دیا عاشق نے جی تو عیب کیا ہے
یہی میرؔ اک ہنر ہوتا ہے ہم میں

[2] غیر مطبوعہ۔ لیکن نسخہ آصفیہ میں درج ہے اور مصرعہ اوّل یوں ہے: ع

گئے وے دن کہ آنسو آتے تھے میرؔ

[3] غیر مطبوعہ غزل ہے۔

[4] نسخہ کلکتہ ص ۱۳۸: ع

سرشک سرخ کو جاتا ہوں جو پیئے ہر دم

بلا ہوئی ہے میرے جی کو طبع روشن میر[1]
جوں آفتاب ولیکن زوال اپنا ہوں

(۲۲۸)

چاہتے ہیں یہ بتاں ہم پہ کہ بیداد کریں
کس کے ہوں کس سے کہیں کس کنے فریاد کریں

ایک دم پر ہے بنا تیری سو آیا کہ نہیں
ایسا کچھ زندگی میں کر جو تجھے یاد کریں[2]

کعبہ ہوتا ہے دیوانوں[3] کا میری گور سے دشت
مجھ سے دو اور گڑیں یاں تو سب آباد کریں

دیر سے آئے ہیں تھے واقفِ رسم سجدہ
ہیں کدھر شیخ حرم کچھ ہمیں ارشاد کریں[4]

ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کرو
چاہیے اہل سخن میر کو استاد کریں[5]

(۲۲۹)

جب درد دل کا کہنا میں دل میں ٹھانتا ہوں
کہتا ہے بن سنے ہی میں خوب جانتا ہوں

شاید نکل بھی آوے دل گم جو ہو گیا ہے
اس کی گلی میں بیٹھا میں خاک چھانتا ہوں

اس درد سر کا اٹکا سر سے لگا ہے میر
سو سر کا ہوشے صندل میں میر مانتا ہوں

(۲۳۰)

ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہے کیا نہیں
تم تو کرو ہو صاحبی بندہ میں کچھ رہا نہیں[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
بلا ہوئی ہے مری گو کہ طبع روشن میر

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۰: ع
وہ کچھ اس زندگی میں کر کہ تجھے یاد کریں

[3] نسخۂ کلکتہ میں "دوانوں" ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع
ہم تو راہب نہیں ہیں واقفِ رسم سجدہ

[5] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ع
ریختہ خوب ہی کہتا ہے جو انصاف کریں

[6] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء ص ۲۷۲، تذکرۂ میر حسن اور تذکرۂ شورش میں بھی اسی طرح ہے طبقات الشعراء اور گلشن ہند میں مصرعہ اول یوں ہے: ع
ملنے لگے ہو دیر دیر دیکھیے کیا ہو کیا نہیں

بوئے گل اور رنگ گل اللہ ہی اللہ ہے نسیم ‏ ‏ لیک بقدر یک نگاہ دیکھیے تو وفا نہیں[1]
شکوہ کروں ہوں بخت کا اتنے غضب نہ ہو بتاں ‏ ‏ مجھ کو خدا نخواستہ تم سے تو کچھ گلا نہیں
نالہ کیا نہ کر سنا نوحہ پہ میرے عندلیب[2] ‏ ‏ بات میں بات عیب ہے میں نے تجھے کہا نہیں
خواب خوش سحر سے شوخ تجھ کو صبا جگا گئی ‏ ‏ مجھ پہ عبث ہے بے دماغ میں نے تو کچھ کہا نہیں[3]
ایک فقط ہے سادگی تس پہ بلائے جاں ہے تو ‏ ‏ عشوہ نہیں کرشمہ نہیں آن نہیں ادا نہیں[4]
چشم سفید و اشک سرخ آہ دل حزیں ہے یاں ‏ ‏ شیشہ نہیں ہے مے نہیں ابر نہیں ہوا نہیں
آب دہان ملک عشق تجربہ کی ہے میں بہت ‏ ‏ کر کے دوائے درد دل کوئی ہو پھر جیا نہیں[5]
ہوتے زمانہ کچھ کا کچھ چھوٹے ہے دل لگا میرا[6] ‏ ‏ شوخ کسو ہی آن میں تجھ سے تو میں جدا نہیں

ناز بتاں اٹھا چکا دیر کو میرؔ ترک کر
کعبے میں جا کے بیٹھ میاں تیرے مگر خدا نہیں[7]

(۲۳۱)

تجھ عشق میں تو مرنے کو طیار بہت ہیں ‏ ‏ یہ جرم ہے تو ایسے گنہگار بہت ہیں
یک زخم کو میں ریزۂ الماس سے چیرا ‏ ‏ دل پر ابھی جراحت نوکار بہت ہیں
کچھ انکھڑیاں ہی اسکی نہیں یک بلا کر بس ‏ ‏ دل زینہار دیکھ خبردار بہت ہیں
بیگانہ خو رقیب سے وسواس کچھ نہ کر ‏ ‏ فرما دے تک زباں سے تو پھر یار بہت ہیں

کوئی تو زمزمہ کرے میرا سا دلخراش
یوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

---

[1] یہ شعر نکات الشعرا اور چمنستان شعرا میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ اور دیگر مطبوعات میں مصرعہ اول یہ ہے: ع

بوئے گل اور رنگ گل دونوں ہیں دلکش اے نسیم

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱، ع ‏ ‏ نالے کیا نہ کر سنا نوحے مرے پہ عندلیب

[3] غیر مطبوعہ شعر۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ، ع

عشوہ کرشمہ کچھ نہیں آن نہیں ادا نہیں

[5] نسخۂ کلکتہ، ع ‏ ‏ کر کے دوائے درد دل کوئی بھی پھر جیا نہیں

[6] نسخۂ کلکتہ، ع ‏ ‏ ہوئے زمانہ کچھ سے کچھ چھوٹے ہے دل لگا مرا

[7] نسخۂ کلکتہ، ع ‏ ‏ کعبے میں جا کے رہ میاں تیرے مگر خدا نہیں

یہ شعر تذکرۂ میر حسن اور گلشن ہند میں بھی متن جیسا ہے۔

(۲۳۲)

جنوں میرے کی باتیں دشت اور گلشن میں جب چلیاں — نہ چوب گل نے دم مارا نہ چھڑیاں بید کی ہلیاں[1]

گریباں شور محشر کا اڑایا دھجیاں کر کر — فغاں پر ناز کرتا ہوں کہ بل بے تیری ہتھ بلیاں

تفاوت کچھ نہیں شیرین و شکر اور یوسفؑ میں — سبھی معشوق اگر پوچھے کوئی مصری کی ہیں ڈلیاں

ترے غمزے نے جور و ظلم سے آنکھیں غزالوں کی — بیاباں میں رکھا مجنوں کو پانو کے تلے ملیاں

چمن کو آج دل مارا ہے یاں تک رشک گل رو نے — کہ بلبل سر پٹکتی ہے نہیں مونھ کھولتیں کلیاں[2]

میری آہ سحر کی برچھیاں سستی کے تڑپھوں پر — نگاہیں کر کے گر پڑتی ہیں بجلی کی بھی اچھلیاں[3]

صنم کی زلف میں کوچہ ہے سر بستہ ہر اک مو پر — نہ دیکھی ہوں گی تو نے خضر نے ظلمات کی گلیاں[4]

دیوانا ہو گیا تو میرؔ آخر ریختہ کہہ کہہ
نہ کہتا تھا میں اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

(۲۳۳)

خوب رُو سب کی جان ہوتے ہیں — آرزوئے جہان ہوتے ہیں[5]

گوش دیوار تک تو جب نالہ — اس میں گل کو بھی کان ہوتے ہیں

کبھو آتے ہیں آپ میں تجھ بن — گھر میں ہم میہمان ہوتے ہیں

دشت کے پھوٹے مقبروں پہ نہ جا — روضے سب گلستان ہوتے ہیں[6]

حرف تلخ ان کے کیا کہوں میں عرض — خوبرو بد زبان ہوتے ہیں

غمزۂ چشم خوش قدان زمیں — فتنۂ آسمان ہوتے ہیں

کیا رہا ہے مشاعرے میں اب — لوگ کچھ جمع آن ہوتے ہیں

---

[1] یہ شعر تذکرۂ میر حسن میں بھی ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۲ مصرعہ اول، ع
چمن کو آج مارا ہے یہاں تک رشک گل رو نے

[3] نسخۂ کلکتہ: ؎
میری آہ سحر کی برچھیاں سختی کے تڑپھوں پہ
نگاہیں کر کے گر پڑتی ہے بجلی کی بھی اچھلیاں

[4] نسخۂ کلکتہ: ع
نہ دیکھی ہونگیں تو نے خضر یہ ظلمات میں گلیاں

[5] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہے۔

[6] غیر مطبوعہ

میر و مرزا رفیع و خواجہ میر
کتنے اک دن یہ جوان ہوتے ہیں

(۲۳۴)

ایسے محروم گئے ہم تو گرفتارِ چمن — کہ موئے قید میں دلوار بدیوار چمن[1]
سینہ پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم — یہ بھی تختہ کبھو ہوئے گا سزا دار چمن[2]
باغباں باغ اجاڑے ہی اگر دینا تھا — تھے زر داغ سے ہم بھی تو خریدار چمن[3][4]
وے گنہگار ہمیں ہیں کہ جنہیں کہتے ہیں — عاشقِ زارِ چمن مرغ گرفتار چمن
خون ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر اک کے ہنوز — کس ستمدیدہ کے مژگاں ہیں یہ خار چمن[5]
باغباں ہم سے خشونت سے نہ پیش آیا کر — عاقبت نالہ کشاں بھی تو ہیں در کار چمن
کم نہیں ہے دل پہ داغ بھی اے مرغ اسیر — گل میں کیا ہے جو ہوا ہے تو طلبگار چمن
گل پہ ایسی تو پڑی اوس خزاں میں کہ صبا — سرد ہی ہو گئی وہ گرمی بازار چمن[6]

کیا جزا ٹھہرتی ہے دیکھیے کل حشر کو میر
داغ ہر ایک میرے دل پہ ہے خونِ زارِ چمن

(۲۳۵)

بزم میں جو تیرا ظہور نہیں — شمع روشن کے مونھ پہ نور نہیں
کتنی باتیں بنا کہ لاؤں ایک[7] — یاد رہتی ترے حضور نہیں
خوب پہچانتا ہوں تیرے تئیں — اتنا بھی تو میں بے شعور نہیں[8]

---

[1] یہ شعر نکات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ آسی ص ۱۶ میں مصرعہ اول میں "تو" کے بجائے "نو" ہے۔ [2] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۳، نسخۂ ندوہ : مصرع

باغباں باغ اجاڑے ہی اگر دینا ہے تھا

[4] اصل "خبردار"۔ [5] نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے : س

خون ٹپکے ہے پڑا نوک سے ہر اک کی ہنوز
کس ستمدیدہ کی مژگاں ہیں تو خارِ چمن

[6] نسخۂ کلکتہ : س

گل پہ ایسی تو پڑی اوس خزاں میں کہ نسیم
سرد ہی ہو گئی وہاں گرمیِ بازارِ چمن

[7] نسخۂ کلکتہ : مصرع

کتنی باتیں بنا کے لاؤں لیک

[8] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔

قتل ہی کر کہ اس میں راحت ہے — لازم اس کام میں مرور نہیں[1]
فکر مت کر ہمارے جینے کا — تیرے نزدیک کچھ یہ دور نہیں
پھر جئیں گے جو تجھ سا ہے جاں بخش — ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلّی میرؔ
خاص موسٰی و کوہ طور نہیں[2]

(۲۳۶)

دامن پہ تیرے گرد کا کیونکر اثر نہیں — ہم دل جلوں کی خاک جہاں میں کدھر نہیں
آتا رقیب خانہ بانداز سے سلوک — جب آ دُتے ہیں ہم تو سنتے ہیں کہ گھر نہیں[3]
خونِ جگر تو کچھ نہ رہا تو ہی سب ہوا — بس اے سرشک آنکھیں تیری کیا مگر نہیں[4]
داماں و جیب و دیدہ و مژگاں و آستیں — اب کون سا رہا ہے کہ ان میں سے تر نہیں
ہر نقش پاے شوخ ترا رشکِ یاسمن — کم گوشۂ چمن سے ترا رہگذر نہیں
کیوں الاماں کرے ہے دل شب گھڑی گھڑی — برچھی لگاتی آہ ہماری اگر نہیں[5]
آتا ہے تیرے کوچے میں ہوتا جو میرؔ یاں[6]
کیا جانیے کدھر کو گیا کچھ خبر نہیں

(۲۳۷)

تجھے بھی یار اپنا یوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں — ولے کم ہیں بہت وے لوگ جن کو یار کہتے ہیں[7]
جہاں کے مصطبہ میں مست طافح ہی نظر آتے — نہ تھا اس دور میں آیا جسے ہوشیار کہتے ہیں
سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مجھ سے اے ناصح — وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عاقبت بیزار کہتے ہیں
مسافر ہوتے جی اس کا خراماں دیکھ کر تجھ کو — جسے میرے وطن میں کبک خوش رفتار کہتے ہیں

---

[1] غیر مطبوعہ [2] سخن شعرا ص ۴۴۴: ع خاص موسٰی وہ کوہ طور نہیں
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۳: ع جب آنکلتے ہیں تو سنے ہیں کہ گھر نہیں
[4] غیر مطبوعہ [5] غیر مطبوعہ [6] نسخۂ کلکتہ: ع
آتا ہے میرے کوچے میں ہوتا جو میرؔ یہاں
[7] گلشن سخن: س
تجھے بھی یوں تو اپنا یار ہم ہر بار کہتے ہیں
ولے کم ہیں بہت وہ لوگ جن کو یار کہتے ہیں
عمدۂ منتخبہ: س تجھے بھی یوں تو اپنا یار ہم ہر بار کہتے ہیں — ولے کم ہیں بہت وہ لوگ جن کو یار کہتے ہیں
یہ شعر نسخۂ کلکتہ میں اسی طرح ہے۔

معاذ اللہ کہ دخل کفر ہو اسلام میں کیوں ہے | غلط اور پوچ نا معقول بعضے یار کہتے ہیں
علم کو کب ہے وجہ تسمیہ لازم سمجھ دیکھو | سلیمانی کا خط زنار نہیں زنار کہتے ہیں[1]
تیری آنکھوں کو آؤں دیکھنے میں تو عجب مت کر | کہ سنت ہے عیادت اور انہیں بیمار کہتے ہیں[2]
عجب ہوتے ہیں شاعر بھی میں اس فرقے کا عاشق ہوں | کہ بے دھڑکے بھری مجلس میں یہ اسرار کہتے ہیں
مزے ان کے اڑا لیکن نہ سمجھے یہ تو بہتر ہے[3] | کہ خوباں بھی بہت اپنے تئیں عیار کہتے ہیں

سگ کو میر ہیں اس شیر حق کا ہوں کہ جس کے تئیں[4]
نبیؐ کا خویش و بھائی حیدر کرار کہتے ہیں

(۲۳۸)

مجھ کو مارا بھلا کیا تو نیں | پر وفا کا برا کیا تو نیں[5]
حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں | مرگ فرہاد کیا کیا تو نیں
میں جو کہتا تھا تو ہی کریو قتل | بارے میرا کہا کیا تو نیں
اس کے جور و جفا کی کیا تقصیر | جو کیا سو وفا کیا تو نیں
یہ چمن ہے قفس پرے اے ضعف | مجھ کو بے دست و پا کیا تو نیں

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۴ : مصرع

سلیمانی میں کیا زنا ہے زنار کہتے ہیں

[2] نسخۂ کلکتہ : مصرع

کہ بہتر ہے عیادت اور انہیں بیمار کہتے ہیں

[3] نسخۂ کلکتہ : مصرع

مزے ان کے اڑا لیکن نہ یہ سمجھیں تو بہتر ہے

[4] نسخۂ کلکتہ : مصرع سگ کو میر میں اس شیر حق کا ہوں کہ جس کو سب

[5] یہ غزل زیر ترتیب دیوان اور نسخۂ آصفیہ میں ردیف "ن" کے تحت مندرج ہے۔ راقم نے بھی اسے ردیف "ن" میں ہی شامل کیا ہے۔ نسخۂ کلکتہ دیوان پنجم میں غزل کے صرف پہلے دو شعر ملتے ہیں۔ تیسرا شعر مقطع کے طور پر یوں درج ہے اور باقی چار شعر غیر مطبوعہ ہیں:

س

وہ جو کہتا تھا تو ہی کریو قتل
میر کا سو کہا کیا تو نے

کل ہی پڑتی نہیں ہے تجھ بن آج
میرؔ کو کیا بلا کیا تو نیں

(۲۳۹)

ایک پرواز کو بھی رخصت صیاد نہیں ۔۔۔ ورنہ یہ کنج قفس بیضۂ فولاد نہیں¹
شیخ عزلت تو تہ خاک بھی پہنچے گی بہم ۔۔۔ مغت ہے سیر کہ یہ عالم ایجاد نہیں²
دادلے چھوڑوں میں صیاد سے اپنے لیکن ۔۔۔ ضعف سے میرے تئیں طاقت فریاد نہیں
کیوں ہے معذور بھی رکھیو تو مجھ، اے شیخ ۔۔۔ یہ قدح خوار تیرے قابل ارشاد نہیں³
بے ستوں بھی ہے وہی اور وہی جوئے شیر ۔۔۔ تھا نمک شہرت شیریں کا سو فرہاد نہیں
کیا کہوں میرؔ فراموش کیا ان نے میرے
ہیں تو تقریب بھی کی پر تو اسے یاد نہیں

(۲۴۰)

سمجھا تنک نہ اپنے تو سود و زیاں کو میں ۔۔۔ مانا کیا خدا کی طرح ان بتاں کو میں
لادیں تجھے بھی بعد میرے میری لاش پر ۔۔۔ یہ کہہ رکھا ہے اپنے ہر یک مہرباں کو میں
گردش فلک کی کیا ہے جو دور قدح میں ہے ۔۔۔ دیتا رہوں گا چرخ ہمیشہ آسماں کو میں
جی جاتے تو قبول تیرا غم نہ جاتیو ۔۔۔ رکھتا پنٹھ عزیز ہوں اس جہاں کو میں
عاشق ہے یا مریض ہے پوچھو تو میرؔ سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

---

۱ عمدۂ منتخبہ ۲ عمدۂ منتخبہ ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۴: ع
یہ قدح خوار میرے قابل ارشاد نہیں

۴ غیر مطبوعہ ۵ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۶: ع
لادیں اسے بھی بعد میرے میری لاش پہ

۶ نسخۂ کلکتہ: س
گردش فلک کی کیا ہے جو دور قدح میں ہے
دیتا رہوں گا چرخ مدام آسماں کو میں

۸ یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور گلشن ہند میں بھی اسی طرح درج ہے۔ تذکرۂ شورش میں مصرعۂ ثانی یوں درج ہے: ع
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کے تئیں

(۲۴۱)

یوں ہی حیران و خفا جوں غنچۂ تصویر ہوں
عمر گزری پر نہ جانا میں کہ کیوں دلگیر ہوں

اتنی باتیں مت بنا مجھ شیفتہ سے ناصحا
پند کے لائق نہیں ہیں قابلِ زنجیر ہوں

سرخ رہتی ہیں مری آنکھیں لہو رونے سے شیخ
مے اگر ثابت ہو مجھ پر واجب التعزیر ہوں

نے فلک پر راہ مجھ کو نے زمیں پر رو مجھے
ایسے کس محروم کا میں آہ بے تاثیر ہوں[1]

جوں کماں گرچہ خمیدہ ہوں پہ چھوٹا اور وہیں
اس کے کوچے کی طرف چلنے کو یار و تیر ہوں

جو مرے حق میں آئے تیغ وجدھر سبل و کارد
یہ فضولی ہے کہ میں ہی کشتۂ شمشیر ہوں

کھول کر دیوان میرا دیکھ قدرت مدعی
گرچہ ہوں میں نوجواں پر شاعروں کا پیر ہوں

یوں سعادت ایک جدھر مجھ کو بھی گزرانیے
منصفی کیجیے تو میں تو محض بے تقصیر ہوں[2]

اس قدر بے ننگ خبطوں[3] کو نصیحت شیخ جی
باز آؤ ورنہ اپنے نام کا میں میر ہوں

(۲۴۲)

آہ وہ عاشق ستم ترک جفا کرتا نہیں
اور مطلق اب دماغ اپنا وفا کرتا نہیں

بات میں غیروں کو چپ کر دوں ولیکن کیا کروں
وہ سخن ناشنو تنک میرا کہا کرتا نہیں

روز بدتر جیسے بیمار اجل ہے دل کا حال
یہ سمجھ کر ہمنشیں اب میں دوا کرتا نہیں

گو گیا باب اجابت ہجر میں تیغا ہوا
ورنہ کس شب آپ کو میں بد دعا کرتا نہیں

بیکسانِ عشق اس کے آہ کس کے پاس جائیں
گور بن کوئی صلا ہیں لب کو وا کرتا نہیں

چھوٹنا ممکن نہیں اپنا قفس کی قید سے
مرغ سیر آہنگ کو کوئی رہا کرتا نہیں

چرخ کی بھی کج ادائی ہم ہی پر جاتی ہے پیش
ناز کو اس سے تو یکدم بھی جدا کرتا نہیں

دیکھ اے بے دید ہوا آنکھوں نے کیا دیکھا ندیم[4]
دل بھی بد کرتا ہے مجھ سے تو بھلا کرتا نہیں

کیونکے دیکھی جائے یہ بیگانہ وضعی مجھ سے شوخ
تو تو ایدھر یک نگاہ آشنا کرتا نہیں[5]

---

[1] غیر مطبوعہ [2] غیر مطبوعہ [3] اصل "خبتوں" [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۷، نسخۂ ندوہ ۶۵ ب میں مصرعہ اوّل یوں ہے: ع

دیکھ اے بے دید ہوا آنکھوں نے کیا دیکھا بھلا

[5] غیر مطبوعہ۔

کیا کہوں پہنچا کہاں تک میر اپنا کار شوق
یاں سے کس دن اک نیا قاصد چلا کرتا نہیں

(۲۴۳)

سکے ہے کوہکن کر فکر میری خستہ حالی میں — الٰہی شکر کرتا ہوں تری درگاہ عالی میں[1]
میں وہ پژمردہ سبزہ ہوں کہ ہو کر خاک سے سرنو — یکایک آ گیا اس آسماں کی پائمالی میں[2]
تو سچ کہہ رنگ پاں ہے یہ کہ خون عشق بازاں ہے — سخن رکھتے ہیں کتنے شخص تیرے لب[3] کی لالی میں
برا کہنا بھی میرا خوش نہ آیا اس کے تئیں ورنہ[4] — تسلی یہ دل ناشاد ہوتا ایک گالی میں
میرے استاد کو فردوس اعلیٰ میں ملے جا گہہ — نہ سکھلایا بغیر از عشق مجھ کو خورد سالی میں[5]
خرابی عشق سے رہتی ہے دل پر اور نہیں رہتا — نہایت عیب ہے یہ اس دیار غم کے والی میں[6]
نگاہ چشم پر خشم بتاں پر مت نظر رکھنا — ملا ہے زہر اے دل اس شراب پرتگالی میں
شراب خون بن ٹکڑوں سے دل لبریز رہتا ہے — بھرے ہیں سنگ ریزے میں نے اس مینائے خالی میں
خلاف ان اور خوباں کے یہ آنکھوں ہی بھر آتا ہے[7]
یہی تو میر اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

(۲۴۴)

آہ اور اشک ہی سدا ہے یہاں — روز برسات کی ہوا ہے یہاں[8]
جس جگہ ہو زمین تفتہ سمجھ — کہ کوئی دل جلا گڑا ہے یہاں[9]
گو کدورت سے وہ نہ دیکھے رو — آرسی کی طرح صفا ہے یہاں[10]

---

[1] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [2] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور طبقات الشعراء میں بھی درج ہے۔ [3] نسخۂ آسی میں "تیری" ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۷: ع

بُرا کہنا بھی میرا خوش نہ آیا اس کو تو ورنہ

[5] یہ نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ آسی میں مصرعۂ ثانی یوں ہے: ع

پڑھایا کچھ نہ غیر از عشق مجھ کو خرد سالی میں

[6] غیر مطبوعہ [7] نسخۂ کلکتہ: ع خلاف ان اور خوباں کے سدا یہ جی ہی رہتا ہے

[8] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء، گلشن سخن، تذکرۂ شورش اور عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [9] نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی اسی طرح درج ہے۔ [10] یہ گلشن سخن میں درج ہے۔

ہر گھڑی دیکھتے ہو جو ادھر — ایسا کہ تم نے آ نکلا ہے یہاں[۱]
رند و مفلس جگر میں آہ نہیں[۲] — جان محزوں ہے اور کیا ہے یہاں
کیسے کیسے مکان ہیں ستھرے — اک ازاں جملہ کربلا ہے یہاں
کوئی سسکتا ہے کوئی مرتا ہے[۳] — ہر طرف ظلم ہو رہا ہے یہاں
صد تمنا شہید ہیں ایک جا — سینہ کوبی ہے تعزیہ ہے یہاں
دیدنی ہے غرض یہ صحبت شوخ — روز و شب طرفہ ماجرا ہے یہاں
خانہ عاشقاں ہے جائے خوب — جائے رونے کی جا بجا ہے یہاں
کر نہ مسکن تو کوہ و دشت میں عشق[۴] — آج تک کوئی بھی رہا ہے یہاں
بے خبر شرط میر سنتا ہے — تجھ سے آگے یہ کچھ ہوا ہے یہاں
موت مجنوں کو بھی یہیں آئی
کوہکن کل ہی مر گیا ہے یہاں

(۲۴۵)

یہ شیخ کیوں نہ توکل کو اختیار کریں[۵] — زمانہ ہووے مساعد تو روزگار کریں
گیا وہ زمزمہ صبح فصل گل بلبل — دعا نہ پہنچے چمن تک ہم اب ہزار کریں
تمام صید سر تیر جمع ہیں لیکن — نصیب اس کے کہ جس کو تو اشکار کریں
تسلی تو ہو دل بے قرار خوباں سے — یہ کاش ملنے نہ ملنے کا کچھ قرار کریں
کریں ہیں حادثے ہر روز دار آخر کو — سنان آہ دل شب کی ہم بھی پار کریں
یہ قتل غیر ہے کیا کام ہمنشیناں آج — جو دشمنی نہ کرے وہ تو اس کو یار کریں
ہمیں تو نزع میں شرمندہ تو نے آ کے کیا[۶] — رہا ہے ایک رمق جی کو کیا نثار کریں

---

۱ (کذا) غیر مطبوعہ ۲ نسخۂ آسی و نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۸ : ع — رند مفلس جگر میں آہ نہیں
۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۸ : ع — اک سسکتا ہے ایک مرتا ہے
۴ نسخۂ کلکتہ : ع — کوہ و صحرا ابھی کر نہ جائے باش
۵ نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول ص ۱۴۹ : ع — نہ کیونکہ شیخ توکل کو اختیار کریں
عمدۂ منتخبہ ص ۷۶۲ میں بھی یہ شعر متن جیسا ہے۔ ۶ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۹ : ع
ہمیں تو نزع میں شرمندہ آ کے اُن نے کیا

رہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے یار
لے عمر رفتہ تیرا کب تک انتظار کریں[۱]

(۲۴۶)

پر غلط کر میں پیا ہوں قدح شراب تجھ بن — دگلے سے میرے اترا کبھو قطرہ آب تجھ بن[۳]
یہ ہے بستی عاشقوں کی کبھو سیر کرنے چل تو — کہ محلے کے محلے پڑے ہیں خراب تجھ بن
میں لہو پیو ہوں غم میں عوض شراب ساقی — شب میغ ہو گئی ہے شب ماہتاب تجھ بن
کٹی عمر میری ساری جیسے شمع باد کے بیچ — یہی رونا جلنا گلنا یہی اضطراب تجھ بن
سبھی آتشیں ہیں نالے سبھی زمہریری آہیں — میری جان پر رہا ہے غرض ایک عذاب تجھ بن
نہیں جیتے جی تو ممکن ہمیں تجھ بغیر سونا — مگر آنکھ مر کے کیجے تہ خاک خواب تجھ بن
کہیں کھول مکھڑا اپنا تو شگفتہ روشتابی — کہ رہا ہے غنچہ ہو کر گل آفتاب تجھ بن[۴]
برے حال ہو کے مرتا جو رنگ میر کرتا
یہ بھلا ہوا ستمگر کہ موا شتاب تجھ بن

(۲۴۷)

تکلیف باغ کن نے کی تجھ خوش دہاں کے تئیں — دیتا ہے آگ رنگ ترا گلستاں کے تئیں
اک تنکا بھی نہیں رہا شرمندگی ہے جو[۵] — گر پڑ کے برق پا مرے میر آشیاں کے تئیں
اک گردش اے فلک کہ ہو آشنائے راہ سے — کنعاں کی اور راہ غلط کارواں کے تئیں
آئے عدم سے ہستی میں خلقت پہ نہیں قرار[۶] — ہے ان مسافروں کا ارادہ کہاں کے تئیں

---

[۱] نسخۂ کلکتہ میں یہ چھٹا شعر ہے۔ اس کا مصرعۂ ثانی یوں ہے: ع

یہ کہہ کہ آہ تیرا کب تک انتظار کریں

[۲] مطبوعہ نسخوں میں غزل کا مقطع یہ ہے جو مخطوطہ میں درج نہیں ہے: ؎

ہوا ہوں خاک رہ اس واسطے کہ خوباں میر
گزار گور پہ میری بھی ایک بار کریں

[۳] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۰ میں چوتھے شعر کا مصرع اول یوں ہے: ع

گئی عمر میری ساری جیسے شمع باد کے بیچ

[۴] غیر مطبوعہ [۵] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۰: ع — تنکا بھی اب رہا نہیں شرمندگی ہے جو

[۶] نسخۂ کلکتہ: ع — آئے عدم سے ہستی میں کس پر نہیں قرار

سنا ہٹے سے باغ سے کچھ اٹھتے ہیں نسیم   مرغ چمن نے خوب ٹھا ہے فغاں کے تئیں
بے رحم ٹک تو پانو تو چھاتی پہ رکھ کے رہ   مارا ابھی ہے کھونٹیں کسی خستہ جاں کے تئیں[1]
تو یک زباں پہ چپکی نہیں رہتی عندلیب   رکھتا ہے مونہہ[2] میں غنچۂ گل سوزباں کے تئیں
دیکھے کہاں ہیں زلف تیری مردمانِ شہر   سودا ہوا ہے کہنے لگے اس جواں کے تئیں[3]

ہم تو ہوئے تھے میر سے اس دن ہی نا اُمید
جس دن سُنا کہ اُن نے دیا دل بتاں کے تئیں

(۲۴۸)

کیا ظلم کیا تعدی کیا جور کیا جفائیں   اس چرخ نے کیاں ہیں ہم سے بہت ادائیں
دیکھا کہاں وہ نسخہ اک روگ ہیں لبا ہا   جی پھر کبھو نہ پنپا بہتیری کیں دوائیں
یک رنگ گل نے رہنا یاں یوں نہیں کیا ہے   اس گلشن جہاں کی ہیں مختلف ہوائیں[4]
ہے فرش عرش تک بھی قلب حزیں کا اپنے   اس تنگ گھر میں ہم نے دیکھی ہیں کیا فضائیں
چہرہ کے زخم ناخن کیسے کہاں کر گویا   گھر سے نکلتے ہیں ہم تلواریں مونہہ پہ کھائیں[5]
شب نالہ آسماں تک جی سخت کر کے پہنچا[6]   تھیں نیم گشتہ یاس اکثر میری دعائیں
روکش تو ہو ترا پر آئینے میں کہاں یہ   رعنائیاں ادائیں رنگینیاں جفائیں[7]
ہے امر سہل چاہت لیکن نباہ مشکل   پتھر کرے جگر کو تب کوئی کر وفائیں[8]

نازِ بتانِ سادہ ہے اللہ ہی اللہ میر[9]
ہم خط سے مٹ گئے پر ان کے نہیں ہے جاتیں

(۲۴۹)

سب خوبیاں ہیں شیخ مشیخت پناہ میں   پر ایک حیلہ سازی ہے اس دستگاہ میں

---

[1] غیر مطبوعہ [2] نسخۂ کلکتہ: منہ [3] غیر مطبوعہ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۱: ع
اس گلشن جہاں میں ہیں مختلف ہوائیں
[5] غیر مطبوعہ [6] اصل نسخہ: ع
شب تا بہ آسماں تک جی سخت کر کے پہنچا
[7] نسخۂ کلکتہ: ع
رعنائیاں ادائیں رنگینیاں صفائیں
[8] نسخۂ کلکتہ: ع
پتھر کرے جگر کو تب تو کرے وفائیں
[9] نسخۂ کلکتہ: ع
نازِ بتانِ سادہ ہے اللہ اللہ اے میر

مانند شمع ہم نے حضور اپنے یار کے — کار وفا تمام کیا ایک آہ میں
میں صید جو ہوا تو ندامت ہوئی اسے[1] — یک قطرہ خون بھی نہ گرا صید گاہ میں
پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں واں سے پھر چلے[2] — القصہ ایک عمر سے ہم ہیں سگے راہ میں
نکلا تھا آستیں سے کل مغبچے کا ہاتھ — بہتوں کے خرقے چاک ہوئے خانقاہ میں
بخت سیہ تو دیکھ کہ ہم خاک میں ملے — اور جائے سرمہ ہو تیری چشم سیاہ میں

بیٹھے تھے میر یار کے دیدار کو سو ہم
اپنا یہ حال کر کے اٹھے یک نگاہ میں

(۲۵۰)

موئے سہتے سہتے جفا کاریاں — کوئی ہم سے سیکھے وفا داریاں[3]
ہماری تو گزری اسی طرح عمر — یہی نالہ کرنا یہی زاریاں
فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا — میری آہ نے برچھیاں ماریاں[4]
گیا درد و غم سے مجھے ناامید — کہ مجنوں کو بھی تھیں یہ بیماریاں[5]
ایک عالم گیا جان سے لیک شوخ[6] — نہ تجھ سے گئیں یہ دل آزاریاں
کہاں تک یہ تکلیف ما لا یطاق — ہوئیں ایک دن ناز برداریاں[7]
خط و زلف و کاکل کہاں تک کہوں[8] — ہوئیں دام رہ صد گرفتاریاں
تیری آشنائی سے بھی حد ہوئی[9] — بہت کی تھیں دنیا میں ہم یاریاں

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۲ : ع
میں صید جو ہوا تو ندامت اسے ہوئی

[2] نسخۂ کلکتہ : ع
پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں وہاں سے اٹھ چلے

[3] عمدۂ منتخبہ ص ۵۰۷ [4] ایضاً [5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۱، نسخۂ ندوہ ۹۸ الف : ع
کر مجنوں کو یہ ہی تھیں بیماریاں

[6] نسخۂ کلکتہ : ع
گیا جان سے اک جہاں لیک شوخ

[7] نسخۂ کلکتہ : ع
ہوئیں مدتوں ناز برداریاں

[8] نسخۂ کلکتہ : ع
خط و کاکل و زلف و انداز و ناز

[9] نسخۂ کلکتہ : ع
تیری آشنائی سے ہی حد ہوئی

نہ بھائی ہمارا تو مقدور نہیں[1]
کھنچیں میرؔ تجھ سے ہی یہ خواریاں

(۲۵۱)

صد تمنا اے یار رکھتے ہیں[2] — تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
برق کم حوصلہ ہے ہم بھی تو — دل کے تئیں بیقرار رکھتے ہیں[3]
غیر ہی مورد عنایت ہے — ہم بھی تم سے تو پیار رکھتے ہیں[4]
نہ نگہ نے پیام نے وعدہ کیا — ناؤں کو ہم بھی یار رکھتے ہیں[5]
ہم سے خوش زمزمہ کہاں یوں تو — لب و لہجہ ہزار رکھتے ہیں
چوٹیں دل کی ہیں بتاں مشہور[6] — بس یہی اعتبار رکھتے ہیں
پھر کرتے ہیں میرؔ صاحب عشق[7]
ہیں جوان، اختیار رکھتے ہیں

(۲۵۲)

بے کلی بے خودی کچھ آج نہیں — ایک مدت سے وہ مزاج نہیں[8]
درد اگر یہ ہے تو مجھے بس ہے — اب دوا کی کچھ احتیاج نہیں[9]
ہم نے اپنی سی کی بہت لیکن — مرض عشق کا علاج نہیں

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
نہ بھائی ہماری تو قدرت نہیں

[2] تذکرۂ گلزار ابراہیم اور گلشن سخن میں بھی شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۲ میں مصرعۂ اول یوں ہے: ع
آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں

[3] نسخۂ کلکتہ: ع
دل کو بے قرار رہتے ہیں

[4] گلشن سخن میں بھی مصرعہ اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یُوں ہے: ع
ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں

[5] نسخۂ کلکتہ: ع
نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں

[6] اصل "چوٹے"، نسخۂ کلکتہ اور دیگر نسخوں میں مصرعہ یوں ہے: ع
چوٹّے دل کے ہیں بتاں مشہور

[7] گلزار ابراہیم میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یہ ہے: ع
پھر بھی کرتے ہیں میر صاحب عشق

[8] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔

[9] نسخۂ کلکتہ: ع
اب دوا کی بھی احتیاج نہیں

شہر خوبی کو خوب دیکھا میرؔ
جنس دل کا کہیں رواج نہیں

(۲۵۳)

سوزش دل میں مفت گلتے ہیں   داغ جیسے چراغ جلتے ہیں
دم آخر ہے بیٹھ جا مت جا   صبر کر ٹک کہ ہم بھی چلتے ہیں[1]
اس طرح دل گیا کہ اب یک ہم   بیٹھے روتے ہیں ہاتھ ملتے ہیں
ترے بے خود جو ہیں سو کیا چیتیں   کہیں ڈوبے ہوئے اچھلتے ہیں[2]
میرؔ صاحب کو دیکھیے جو بنے
اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں[3]

(۲۵۴)

لیتے ہیں سانس یوں ہم جوں تار کھینچتے ہیں   اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں[4]
سینہ سپر کیا تھا جن کے لیے بلا کا   وے بات بات میں اب تلوار کھینچتے ہیں[5]
مجلس میں تیری ہم کو کب غیر خوش لگے ہے   ہم بیچ اپنے اس کے دیوار کھینچتے ہیں
بے طاقتی نے ہم کو چاروں طرف سے کھویا   تصدیع گھر میں بیٹھے ناچار کھینچتے ہیں
منصور کی حقیقت تم نے سنی ہی ہوگی   حق جو کہے ہے اس کو یاں دار کھینچتے ہیں[6]

---

[1] یہ شعر گلشن سخن میں بھی ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۰: مصرع

ایسے ڈوبے کہیں اچھلتے ہیں

[3] نسخۂ کلکتہ اور دیگر مطبوعہ قلمی نسخوں میں اس غزل کے گیارہ شعر ہیں۔ بقیہ چھ شعر جو متن میں درج نہیں ہیں، یہ ہیں، ے

بھری آتی ہیں آج یوں آنکھیں   جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں
فتنہ در سر بتانِ حشر خرام   ہائے رے کس ٹھسک سے چلتے ہیں
نظر اٹھتی نہیں کہ جب خوباں   سوتے سے اُٹھ کے آنکھ ملتے ہیں
اس سر زلف کا خیال نہ چھوڑ   سانپ کے سر ہی یہاں کچلتے ہیں
تھے جو اغیار سنگ سینے کے   اب تو کچھ ہم کو دیکھ ٹلتے ہیں
شمع رو موم کے بنے ہیں مگر   گرم ٹک ملتے تو پگھلتے ہیں

[4] و [5] یہ دونوں شعر گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہیں۔
[6] یہ گلشن سخن میں بھی ہے۔

شکوہ کروں تو کس سے کیا شیخ کیا برہمن   ناز اس بلائے جاں کے سب یار کھینچتے ہیں

ناوک سے میر اس کے دل بستگی تھی مجھ کوں
پیکاں جگر سے میرے دشوار کھینچتے ہیں[1]

(۲۵۵)

نکلے ہے جنس حسن کسو[2] کاروان میں   یہ وہ نہیں متاع کہ ہو ہر دکان میں

جاتا ہے اک ہجوم غم عشق جی کے ساتھ   ہنگامہ لے چلے ہیں ہم اس بھی مکان میں[3]

یارب کوئی تو واسطہ سرگشتگی کا ہے   یک عشق بھر رہا ہے تمام آسمان میں

ہم اس سے آہ سوز دل اپنا نہ کہہ سکے   تھے آتش دروں سے پھپھولے زبان میں

غم کھینچنے کو یہ تو توانائی چاہیے[4]   سو یاں نہ دل میں تاب نہ طاقت ہے جان میں

غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم وے نہیں رہے   ہوتا ہے اب تو حال عجب ایک آن میں

وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی چھپی[5]   سوزش رہی ہے اب تو ہر اک استخوان میں

ہردم نہ کھینچ تیغ کہ اک دن نہیں ہیں ہم[6]   ظالم قباحتیں ہیں بہت امتحان میں

دل نذر و دیدہ پیش کش اے باعث حیات   سچ کہہ کہ جی لگے ہے ترا کس مکان میں

پھاڑا ہزار جا سے گریباں گلوں نے میر
کیا کہہ گئی نسیم سحر ان کے کان میں[7]

(۲۵۶)

دعوی کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں[8]   اس ریختہ کو ورنہ ہم خوب کر چکے ہیں

حسن کلام کیوں کر کھینچے نہ دامن دل   اس کام کو ہم آخر محبوب کر چکے ہیں

---

[1] یہ شعر بھی گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں ہے۔ [2] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ اور نسخۂ کلکتہ میں "کسو" کے بجائے "کسی" ہے۔ [3] نسخۂ آسی:

مصرع: ہنگامہ لے چلے ہیں ہم اس بھی جہاں میں

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۶: مصرع: غم کھینچنے کو کچھ تو توانائی چاہیے

[5] نسخۂ کلکتہ و آسی: مصرع: وے دن گئے کہ آتش غم دل میں تھی نہاں

[6] نسخۂ کلکتہ: مصرع: کھینچا نہ کر تو تیغ کہ اک دن نہیں ہیں ہم

[7] یہ شعر گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہے۔

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۹: مصرع: وعدے کو یار آگے معیوب کر چکے ہیں

ہنگامۂ قیامت تازہ نہیں جو ہو گا　　ہم اس طرح کے کتنے آشوب کر چکے ہیں
مرنے سے تم ہمارے خاطر نچنت رکھیو　　اس کام کا بھی ہم کچھ اسلوب کر چکے ہیں
رنگِ پریدہ قاصد بادِ سحر کبوتر　　کس کس کے ہم حوالہ مکتوب کر چکے ہیں
تنکا نہیں رہا ہے کیا اب نثار کرئیے　　آگے ہی گھر کو ہم تو جاروب کر چکے ہیں[۱]
ہر لحظہ ہے تزاید رنج و غم و الم کا　　غالب کہ طبع دل کو مغلوب کر چکے ہیں[۲]
کیا جانیے کہ کیا ہے اے میرؔ وجہ خند کی
سو بار ہم تو اس کو محجوب کر چکے ہیں

(۲۵۷)

عشق کرنے کو جگر چاہیے آساں نہیں　　سب کو دعویٰ ہے ولے ایک بھی جاں نہیں[۳]
غارتِ دیں ہیں مگر خصمی ایماں ہیں ادا　　تجھ کو کافر نہ کہے جو وہ مسلماں نہیں
سرسری ملنے بتوں سے جو نہ ہو تاب جفا　　عشق کا ذائقہ کچھ داخل ایماں نہیں
ایک بیدرد تجھے پاس نہیں عاشق کا　　ورنہ عالم میں کسو خاطر مہماں نہیں
کیونکے غم سرزدہ ہر لحظہ نہ آوے دل میں　　گھر ہے درویش کا یاں در نہیں دربان نہیں
ہمنشیں آہ تکلیف شکیبائی کر　　عشق میں صبر و تحمل ہو یہ امکاں نہیں
کس طرح منزلِ مقصود پہنچیں گے میرؔ
سفر دور ہے اور ہم کنے ساماں نہیں

(۲۵۸)

میں کون ہوں اے ہمنفساں سوختہ جاں ہوں　　اک آگ میرے دل میں ہے جو شعلہ فشاں ہوں[۴]
لایا ہے مجھے شوق میرا پردے سے باہر　　میں ورنہ وہی خلوتیِ راز نہاں ہوں
جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سخن پر　　صد رنگ میری موج ہے میں طبع رواں ہوں
پنجہ ہے میرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح　　میں شانہ صفت سایۂ رو زلف بتاں ہوں[۵]

---

۱ نسخۂ کلکتہ: ع　　آگے ہی ہم تو گھر کو جاروب کر چکے ہیں

۲ غیر مطبوعہ　۳ یہ پوری غزل غیر مطبوعہ ہے۔　۴ عمدۂ منتخبہ ص ۵۰، میں بھی یہ شعر ہے اور مصرعہ اوّل یوں ہے: ع

از بسکہ ہم نفساں سوختہ جاں ہوں (؟)

۵ نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۲، نسخۂ ندوہ مصرعہ ثانی: ع

میں شانہ صفت سایہ و زلفِ بتاں ہوں

دیکھا ہے مجھے جن نے سو دیوانہ ہے میرا — میں باعث آشفتگی طبع جہاں ہوں[1]
تکلیف نہ کر آہ مجھے جنبش لب کی — میں صد سخن آغشتہ بخوں زیر زباں ہوں
ہوں زرد غم تازہ نہالان چمن سے — اس باغ خزاں دیدہ میں میں برگِ خزاں ہوں
رکھتی ہے مجھے خواہش دل بسکہ پریشاں — درپے نہ ہوں اس وقت خدا جانے کہاں ہوں
اک وہم نہیں بیش مری ہستی موہوم — کس پر بھی تیری خاطر نازک پہ گراں ہوں[2]

خوش باشی تنزیہہ و تقدس تھی مجھے میرؔ[3]
اسباب پڑے یُوں کہ کئی روز سے یاں ہوں

(۲۵۹)

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں — اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا اپنی طرف ہے سارا — اس مشت خاک کو ہم مسجود جانتے ہیں
صورت پذیر ہم بن ہرگز نہیں وے معنی — اہل نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں
عشق ان کی عقل کو ہے جو ماسوا ہمارے — ناچیز جانتے ہیں نابود جانتے ہیں
اپنا ہی سیر کرتے ہم جلوہ گر ہوئے ہیں — اس رمز کو و لیکن معدود جانتے ہیں
یارب کسے ہے نامتہ[4] ہر غنچہ اس چمن کا — راہِ وفا کو ہم تو مسدود جانتے ہیں
یہ ظلم بے نہایت دشوار تر کہ خوباں — بدوضعیوں کی اپنی محمود جانتے ہیں[5]
کیا جانے داب صحبت از خویش رفتگاں کا — مجلس میں شیخ صاحب اک کُود جانتے ہیں[6]

مرکر بھی ہاتھ آوے تو میرؔ مفت ہے وہ
جی کے زیاں کو بھی ہم سود جانتے ہیں

---

[1] عمدۂ منتخبہ مصرعہ اول: ؏ — دیکھا ہے مجھے جس نے سو دیوانہ ہے میرا
[2] عمدۂ منتخبہ میں شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۶ میں مصرعہ ثانی یوں ہے: ؏
اس پر بھی تیری خاطر نازک پہ گراں ہوں
[3] نسخۂ کلکتہ مصرعہ اول: ؏ — خوش باشی و تنزیہ و تقدس تھی مجھے میرؔ
عمدۂ منتخبہ: ؏ — خوش باشی تنزیہ و تقدس تھی مجھی پہ
[4] نسخۂ آسی ص ۱۰۰: ؏ — یارب کسے ہے ناقہ ہر غنچہ اس چمن کا
[5] نسخۂ آسی: ؏ — بدوضعیوں کو اپنی محمود جانتے ہیں
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۰: ؏ — مجلس میں شیخ صاحب کچھ کود جانتے ہیں

ردیف واو

(۲۶۰)

فلک نے گر کیا رخصت مجھے سیر بیاباں کو
نکالا سر سے میرے جائے مو خار مغیلاں کو

وہ ظالم بھی تو سمجھے کہہ رکھا ہے ہم نے یاراں کو
کہ گورستاں سے گاڑیں گے جدا ہم اہل ہجراں کو[1]

تجھے گر چشم عبرت ہے تو آندھی بگولے سے[2]
تماشا کر غبار افشانی خاک عزیزاں کو

لباس مرد میداں جوہر ذاتی کفایت ہے
نہیں پروائے پوشش معرکہ میں تیغ عریاں کو[3]

غرور ناز سے آنکھیں نہ کھولیں ان جفاجو نے
ملا پانو تلے جب تک نہ چشم صد غزالاں کو[4]

کہیں نسل آدمی کی اٹھ نہ جاوے اس زمانہ میں
کہ موتی آب حیواں جانتے ہیں آب انساں کو

نہیں یہ بید مجنوں گردش گردون گرداں نے
بنایا ہے شجر کیا جانیے کس مو پریشاں کو[5]

ہوتے تھے جیسے مرجاتے اور[6] اب تو سخت حسرت ہے[7]
کیا دشوار نادانی سے ہم نے کار آساں کو

جلیں بھی کب کے مژگاں آنسوؤں کی گرم جوشی سے
اس آب چشم کی جوشش نے آتش دی نیستاں کو

وہ کافر عشق کا ہے دل کہ میری بھی رگ جاں تک
سدا زناری تسبیح ہے اس نامسلماں کو[8]

ہوا نے ابر میں گرمی نہیں جو تو نہ ہو ساقی
دم افسردہ کردے منجمد رشحات باراں کو[9]

زبس حرف جنوں میرے ہوا آہیں عجب مت کر
نہ ہو گر حلقۂ در خانۂ زنجیر سازاں کو[10]

گل و سرو و سمن گر جائیں گے مت سیر گلشن کر
ملا مت خاک میں ان باغ کے رعنا جواناں کو[11]

---

[1] عمدۂ منتخبہ: ع
وہ ظالم بھی تو سمجھے کہہ دیا ہے ہم نے یاراں کو
کہ گورستان سے گاڑیں جدا ہم اہل ہجراں کو

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵: ع
تجھے گر چشم عبرت ہے تو آندھی اور بگولے سے

[3] غیر مطبوعہ [4] تذکرۂ بہار بے خزاں (مخطوطہ) میں اسی طرح ہے۔ احقر نے مصرعہ اول یوں لکھا ہے: ع
غرور ناز سے آنکھیں نہ کھولیں اس جفاجو نے
عمدۂ منتخبہ میں اس طرح ہے: ع
غرور ناز میں آنکھیں نہ کھولیں اس جفاجو نے

[5] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [6] نسخۂ کلکتہ "پر" [7] نسخۂ کلکتہ "ہیں" اور عمدۂ منتخبہ میں "تھیں" ہے۔ [8] غیر مطبوعہ [9] عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [10] غیر مطبوعہ (عمدۂ منتخبہ ص ۲۰۵ اور نسخۂ آصفیہ میں درج ہے)

[11] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں موجود ہے۔

دل واندوہ و بیتابی الم بے طاقتی حرماں ‌ ‌ ‌ کہوں اے ہمنشیں کب تک غم ہائے فراواں کو[1]
غرور ناز قاتل کو لیے جا ہے کوئی پوچھے ‌ ‌ ‌ چلا تو سونپ کر کس کے تئیں اس صید بیجاں کو
گئے ناواقف شادی اگر ہم بزم عشرت میں ‌ ‌ ‌ وہاں ہم زخم دل سمجھے جو دیکھا روئے خنداں کو[2]
نہیں ریگ رواں مجنوں کے دل کی بیقراری نے ‌ ‌ ‌ کیا ہے مضطرب ہر ذرّہ[4] گرد بیاباں کو
دسی چشم طمع خوانِ فلک پر جام طمعی سے[3] ‌ ‌ ‌ کہ جام خون دے ہے ہر سحر یہ اپنے مہماں کو
کسو کے واسطے رسوائے عالم ہو پہ جی میں رکھ ‌ ‌ ‌ کہ مارا جائے جو ظاہر کرے اس راز پنہاں کو
تنک آبی سے اب گرتی ہے بجلی خرمن گل پہ ‌ ‌ ‌ ٹک ایک ہنس میرے رونے پر کہ دیکھیں تیرے دنداں کو[5]
بہت نشے ہیں[6] ہم پہ آستیں رکھ موُنہہ پہ آ بجلی ‌ ‌ ‌ ز چشم کم سے دیکھ اس یادگار چشم گریاں کو
وہ تخم سوختہ تھے ہم کہ سرسبزی نہ کی حاصل ‌ ‌ ‌ ملایا خاک میں دانہ نمط حسرت سے دہقاں کو
ہوا ہوں غنچۂ پژمردہ آخر فصل کا تجھ بن ‌ ‌ ‌ نہ دے برباد حسرت کشتۂ سر در گریباں کو

مزاج اس وقت ہے یک مطلعِ تازہ پہ کچھ مائل
کہ بیخ[7] فکر سخن بنتی نہیں ہرگز سخنداں کو

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ؎
غم واندوہ و بیتابی الم بے طاقتی حرماں
کہوں اے ہمنشیں تا چند غم ہائے فراواں کو
عمدۂ منتخبہ مصرعِ ثانی: ؏ کہوں اے ہمنشیں کس کس سے غم ہائے فراواں کو

[2] عمدۂ منتخبہ ص ۳، ۵ میں مصرعہ اول ایسا ہی ہے۔ نسخۂ آسی ص ۱۲۱ میں یہ شعر یوں ہے: ؎
بنے ناواقفِ شادی اگر ہم بزم عشرت میں
دہانِ زخم دل سمجھے جو دیکھا روئے خنداں کو

[3] نسخۂ آسی: ؏ دسی چشم طمع خوان فلک پر خام دستی سے

[4] نسخۂ کلکتہ "کسی"

[5] نسخۂ کلکتہ: ؎
گری پڑتی ہے بجلی ہی تبھی سے خرمن گل پر
ٹک اک ہنس میرے رونے پر کہ دیکھے تیرے دنداں کو

[6] نسخۂ کلکتہ میں "ہیں" کے بجائے "جو" ہے۔

[7] نسخۂ کلکتہ میں "بے فکر" ہے۔

مطلع ثانی

(۲۶۱)

نسیم مصر کد آئی سواد شہر کنعاں کو — کہ بھر جھولی نہ یاں سے لے گئی گلہائے حرماں کو[1]

کوئی کانٹا سر رہ کا ہماری خاک پر بس ہے — گل گلزار کیا درکار ہے گور غریباں کو

زباں نوحہ گر ہوں میں قضا نے کیا ملایا تھا — میری طینت میں یارب سودۂ دلہائے نالاں کو

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کے تئیں ناصح[2] — سحر خوں بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضا مت سرسری گزرے — کہ بگڑے[3] زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو

بہانے سہل پر دیتے ہیں کس محبوب کو کف سے — قلم اس جرم پر کرتا ہے دست گل فروشاں کو

کریں ہاں ملک فرش رہ اس ساعت کہ محشر میں — لہو ڈوبا کفن لادیں شہید ناز خوباں کو

صدائے آہ جی کے پار ہوتے تیر سی شاید[4] — کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

کیا سیر اس خرابے کا بہت اب جا کے سو رہیے — کسو دیوار کے سائے میں مونہہ پر لے کے داماں کو[5]

تیری ہی جستجو میں گم ہوا ہے کہہ کہاں کھویا
جگر خوں گشتہ دل آزردہ میرؔ اس خانہ ویراں کو

(۲۶۲)

آرام ہو چکا میری چشم نزار کو[6] — رکھے خدا جہاں میں دل بے قرار کو

---

[1] غزل کا پہلا، دوسرا، تیسرا، پانچواں، ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء، تذکرۂ ہندی، تذکرۂ میر حسن، تذکرۂ شورش، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ اور تذکرۂ بہار بے خزاں میں درج ہے۔ پہلے شعر کا مصرع اول نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں اسی طرح ہے۔ دیگر تمام تذکروں اور مطبوعہ و قلمی نسخوں میں "کد" کی بجائے "کب" ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۵: ع

یہ کیا جانوں ہوا سینے میں کیا اس دل کو اب ناصح

[3] نسخۂ آسی میں "بگڑی" ہے۔ [4] یہ مصرعہ مخزن نکات ص ۴۲، طبقات الشعراء ص ۲۱۳ اور گلشن سخن ص ۲۱۰ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں "جی" کے بجائے "جیو" ہے۔ نسخۂ کلکتہ اور تذکرۂ ہندی میں شعر یوں ہے: ؎

صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہے
کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو

[5] نسخۂ کلکتہ، طبقات الشعراء، نکات الشعراء، چمنستان شعراء، تذکرۂ ہندی مصرعہ اول: ع

کیا میر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے

[6] عمدۂ منتخبہ، نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۰، نسخۂ مودہ ۲۰۰، الف: ع آرام ہو چکا میرے جسم نزار کو

برسا تو میرے دیدۂ خونبار کے حضور[1]
پر اب تک انفعال ہے ابر بہار کو

پانی پہ جیسے غنچۂ لالہ پھرے بہا
دیکھا میں آنسوؤں میں دل داغدار کو

ہنستا ہی میں پھروں جو مرا کچھ ہو اختیار
پر کیا کروں میں گریۂ بے اختیار کو[2]

آیا جہاں میں دوست بھی ہوتے ہیں یک دگر
مجھ سے تو دشمنی ہی رہی میرے یار کو

سو باریوں کو غیروں سے کرتے ہو ہنس کے بات
کچھ موٗنہ بنا رہے ہو ہماری ہی بار کو

کس کس کی خاک اب ملا دیگی خاک میں
جاتی ہے پھر نسیم تیری رہگذار کو[3]

لے وہ کوئی جو آج پئے ہے شراب عیش
خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

خوباں کا کیا جگر جو کریں مجھ کو اپنا صید
پہچانتا ہے سب کوئی تیرے شکار کو

گر ساتھ لے گڑا تو دل مضطرب تو میرؔ
آرام ہو چکا ترے مشتِ غبار کو

جیتے جی فکر خوب ہے ورنہ یہ بدبلا
رکھے گا حشر تک تہ و بالا مزار کو[4]

(۲۶۳)

آنکھوں سے دل تلک ہیں چنے خوان آرزو
نومیدیاں ہیں کتنی ہی مہمان آرزو[5]

یک چشمک اس طرف بھی تو کافر کہ تو ہی ہے
دین نگاہ حسرت و ایمان آرزو

آیا تو اور رنگ رخ یاس چل بسا
جانے لگا تو چلنے لگی جان آرزو

اس مجلے کو سیر کروں کب تلک کہ ہے
دست ہزار حسرت و دامان آرزو

---

[1] نسخۂ کلکتہ اور دیگر مطبوعہ نسخوں میں تیسرا شعر ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ: ؎

پر کیا کروں میں دیدۂ بے اختیار کو

[3] نسخۂ کلکتہ: ؎

کس کس کی خاک اب کی ملاتی ہے خاک میں
جاتی ہے پھر نسیم اسی رہگذار کو

[4] عمدۂ منتخبہ میں بھی یہ شعر غزل کے آخر میں مقطع کے بعد درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ کا ذیل کا ساتواں شعر اس نسخے میں درج نہیں ہے: ؎

سرگشتگی سوائے نہ دیکھا جہاں میں کچھ
اک عمر خضر سیر کیا اس دیار کو

[5] یہ غزل غیر مطبوعہ ہے۔ پہلا اور چوتھا شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور تذکرۂ شورش میں بھی ہے۔ شورش نے "مجلے" کے بجائے "محلہ" لکھا ہے۔ غالباً سہو کاتب ہے۔

پامالِ یاس آہ کہاں تک رہوں گا میر
سر مشق کیوں کیا تھا میں دیوانِ آرزو

(۲۶۴)

دن گزرتا ہے مجھے فکر ہی میں تا کیا ہو
رات جاتی ہے اسی غم میں کہ فردا کیا ہو[1]

سب ہیں دیدار کے مشتاق پر اس سے غافل
حشر برپا ہو کہ فتنہ اٹھے آیا کیا ہو

خاک حسرت زدگاں پر تو گزر بے وسواس
ان ستم کشتوں سے اب عرض تمنا کیا ہو

گر بہشت آوے تو آنکھوں میں مری بھپکی لگے
جن نے دیکھا ہو تجھے محو تماشا کیا ہو

شوق جاتا ہے ہمیں یار کے کوچے کو لیے
جا کے معلوم ہو کیا جانتے اس جا کیا ہو[2]

ایک گریہ ہی نہیں آہ و غم و نالہ و درد
ہجر میں زندگی کرنے کے تئیں کیا کیا ہو

خاک میں لوٹوں کہ لوہو میں نہاؤں میں میر
یار مستغنی ہے اس کو میری پروا کیا ہو[3]

(۲۶۵)

اے چرخ مست حریفِ اندوہ بیکساں ہو
کیا جانے مونہہ سے نکلے نالہ کے کیا سماں ہو

کب تک گرہ رہے گا سینہ میں دل کے مانند
اے اشک شوق یکدم رخسار پر رواں ہو

ہم دردماندگاں کی منزل رساں مگر اب[4]
یا ہو صدا جرس کی یا گرد کارواں ہو

مسند نشین ہو کوئی عرصہ ہے تنگ اس پہ[5]
آسودہ وہ کسو کا جو خاک آستاں ہو

گر شوق سیر ہے تو آوارہ اس چمن میں[6]
مانند عندلیبِ گم کردہ آشیاں ہو

تا چند کوچہ گردی جیسے صبا زمیں پر
اے آہ صبح گاہی آشوب آسماں ہو

یہ جان تو کہ ہے اک آوارہ دستِ بر دل
خاک چمن کے اوپر برگ خزاں جہاں ہو

کیا ہے حباب ساں یاں آ دیکھ اپنی آنکھوں
گر پیرہن میں میرے میرا تجھے گماں ہو

---

[1] تذکرہ گلزار ابراہیم ص ۲۱۴
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۹؛ ع
جا کے معلوم ہو کیا جانیے اس جا کیا ہو
[3] گلزار ابراہیم
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۷؛ ع
ہم دور ماندگان کی منزل رساں مگر اب
[5] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ؛ ع
مسند نشین ہو گر عرصہ ہے تنگ اس پہ
[6] نسخۂ کلکتہ؛ ع
گر ذوق سیر ہے تو آوارہ اس چمن میں

ازخویش رفتہ ہر دم رہتے ہیں ہم جو تجھ بن ۔۔۔ کہتے ہیں لوگ ہر دم اس وقت تم کہاں ہو[1]
پتھر سے توڑ ڈالوں آئینہ کو ابھی میں ۔۔۔ گر روتے خوبصورت تیرا نہ درمیاں ہو
اس تیغ زن سے کہیو قاصد مری طرف سے ۔۔۔ اب تک بھی نیم جاں ہے گر قصدِ امتحاں ہو
کل بتکدے میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں ۔۔۔ کعبہ میں آج زاہد گو ہم پہ سرگراں ہو[2]
ہمسایہ اس چمن کے کتنے شکستہ پر ہیں[3] ۔۔۔ اتنے لیے کہ شاید کوئی بادِ گلفشاں ہو

میرؔ اس کو جان کر تو بے شبہ ملیو رہرو
صحرا میں مو پریشاں بیٹھا جو کوئی جواں ہو[4]

(۲۶۶)

خوش آتی ہے تجھ بن گلگشت باغ کس کو ۔۔۔ صحبت رکھے گلوں سے اتنا دماغ کس کو[5]
بے سوز داغ دل پہ گر جی جلے بجا ہے[6] ۔۔۔ اچھا لگے ہے اپنا گھر بے چراغ کس کو
صد چشم داغ و آہیں دل پر مرے ہیں وہ ہوں ۔۔۔ دکھلاؤتے ہے لالہ تو اپنا داغ کس کو[7]
گلچین عیش ہوتے ہم بھی چمن میں جا کر ۔۔۔ آہ و فغاں سے اپنی لیکن فراغ کس کو
کو شکر چشم پر خوں اے مست دردِ الفت ۔۔۔ دیتے ہیں سرخ مے سے بھر کر ایاغ کس کو[8]

اس کی بلا سے جو ہم اے میرؔ گم بھی ہو دیں
ہم سے غریب کا ہو فکر سراغ کس کو

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ؎

ازخویش رفتہ ہر دم رہتے ہیں ہم جو اس بن
کہتے ہیں لوگ اکثر اس وقت تم کہاں ہو

[2] نسخۂ کلکتہ: "کو"۔ [3] نسخۂ کلکتہ "ہو"۔ [4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ: ؎

میرؔ اس کو جان کر تو بے شبہ ملیو رہ پر
صحرا میں جو نمد مو بیٹھا کوئی جواں ہو

[6] مخزن نکات میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۹ میں مصرع اول یوں ہے: ع
اچھی لگے ہے تجھ بن گلگشت باغ کس کو

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۹، نسخۂ ندوہ: ع ۔۔۔ بے سوز داغ دل پر گر جی جلے بجا ہے

[8] نسخۂ کلکتہ: ع ۔۔۔ دکھلا رہا ہے لالہ تو اپنا داغ کس کو

[9] غیر مطبوعہ

(۲۶۷)

نالہ میرا اگر سبب شور و شر نہ ہو
پھر مر بھی جایئے تو کسو کو خبر نہ ہو

دل پر ہوا سو آہ کے صدمہ سے ہو چکا
ڈرتا ہوں یہ کہ اب کہیں ٹکڑے جگر نہ ہو[1]

برچھی سے پار عرش کے گزری نہ عاقبت
آہ سحر میں میری کہاں تک اثر نہ ہو

سمجھا میں تیری آنکھیں چھپانے سے خوش نگاہ
مدنظر یہ ہے کہ کسو کو نظر نہ ہو[2]

کھینچے ہے دل کو زلف کا ہے نگہ سے گاہ
حیراں نہ ہووے کوئی تو اس طرز پر نہ ہو

سو دل سے بھی نہ کام چلے اس کے عشق میں
یک دل رکھوں ہوں میں تو[3] کیدھر ہو کدھر نہ ہو

جس راہ ہو کے آج میں پہنچا ہوں تجھ تلک
کافر کا بھی گزار الٰہی ادھر[4] نہ ہو

یکجا نہ دیکھی ایسی میں آنکھوں تمام راہ[5]
جس میں بجائے نقش قدم چشم تر نہ ہو

ہر یک قدم پہ لوگ ڈرانے لگے مجھے
ہاں یاں کسو شہید محبت کا سر نہ ہو[6]

چلیو سنبھل کے سب یہ شہیدانِ عشق ہیں
تیرا گزار تا کہ کسو لاشہ پر نہ ہو[7]

دامن کشاں ہی جا کہ طپش پر طپش ہے دفن
زنہار کوئی صدمے سے زیر و زبر نہ ہو

سرساں ہو اختیار کی وہ شکل دل میں ہے[8]
اس راہ ہو کے جاؤں یہ صورت جدھر نہ ہو

لیکن عبث جدھر کو نظر کرے نس طرف
امکاں کیا کہ اس میں لہو تا کمر نہ ہو[9]

---

۱ گلشن سخن مصرعہ اول: ع
دل پہ ہوا جو آہ کے صدمہ سے ہو چکا

۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۱: س
سمجھا ہوں تیری آنکھ چھپانے سے خوش نگاہ
مدنظر یہ ہے کہ کسی کی نظر نہ ہو

۳ نسخۂ کلکتہ "کدھر" ۴ نسخۂ کلکتہ "ادھر" ۵ نسخۂ کلکتہ: ع
یکجا نہ دیکھی آنکھوں سے ایسی تمام راہ

۶ نسخۂ کلکتہ: ع
ہاں ہاں کسی شہیدِ محبت کا سر نہ ہو

۷ نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ: ع
تیرا گزار تا کہ کسی نعش پر نہ ہو

۸ نسخۂ کلکتہ: ع مضطر
مضطر ہو اختیار کی وہ شکل دل میں ہیں

۹ نسخۂ کلکتہ: س
لیکن عبث نگاہ جہاں کرے اس طرف
امکاں کیا کہ خون میرے تا کمر نہ ہو

حیراں ہوا میں ایسی یہ مشہد ہے کونسی[1] مجھ سے خراب حال کو حس کی خبر نہ ہو
آتا ہے یوں[2] قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر ظالم جفا شعار تیری رہ گذر نہ ہو
اٹھ جائے رسم نالہ و آہ و فغان شب
اس تیرہ روزگار میں تو میرؔ اگر نہ ہو

(۲۶۸)

وہی جانے جو حیا کشتہ وفا رکھتا ہو اور رسوائی کا اندیشہ جدا رکھتا ہو
کام لے یار سے جو جذب رسا رکھتا ہو یا کوئی آئینہ ساں دست دعا رکھتا ہو[3]
عشق کو نفع نہ بیتابی کرے ہے نہ شکیب کریئے تدبیر جو یہ درد دوا رکھتا ہو[4]
میں نے آئینہ صفت در نہ کیا بند غرض اس کو مشکل ہے جو آنکھوں میں حیا رکھتا ہو
ہائے اس زخمیٔ شمشیر محبت کا جگر درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو[5]
کیا کرے وصل سے مایوس دل آزردہ جو زخم ہی یار کا چھاتی سے لگا رکھتا ہو
زخم تشبیہ تو دیتے ہیں یہ ناشاعر لیک[6] سیب کچھ اس ذقن آگے جو مزا رکھتا ہو
آگے ہے پہلے قدم سر ہی کا جانا درپیش دیکھنا ہو جو رہ عشق میں پا رکھتا ہو
ایسے تو حال کے کہنے سے بھلی خاموشی کہیے اس سے جو کوئی اپنا کہا رکھتا ہو
ایک دم کھول کے زلفوں کی کمندوں کے تئیں برسوں ہی تک دل عاشق کو لگا رکھتا ہو[7]
گل ہو آئینہ ہو مہتاب ہو خورشید ہو میرؔ[8]
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
حیراں ہوں میں کہ ایسی یہ مشہد ہے کونسی

[2] نسخۂ کلکتہ: ع
آتا ہے یہ قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۲: ع
یا کوئی آئینہ سا دست دعا رکھتا ہو

[4] گلزار ابراہیم [5] گلزار ابراہیم [6] نسخۂ کلکتہ و نسخۂ ندوہ: ع
اس سے تشبیہ تو دیتے ہیں یہ ناشاعر لیک

[7] نسخۂ کلکتہ: ع
مدتوں تک دل عاشق کو لگا رکھتا ہو

[8] نسخۂ کلکتہ: ع
گل ہو مہتاب ہو آئینہ ہو خورشید ہو میر

(۲۶۹)

کون کہتا ہے نہ غیروں پہ تم امداد کرو
ہم فراموش ہوؤں کو بھی کبھو یاد کرو

ہیں کہاں مجھ سے وفا پیشہ نہ بیداد کرو
نہ کرو ایسا کہ پھر میرے تئیں یاد کرو

اے اسیران تہِ دام نہ تڑپھو اتنا[1]
تا نہ بدنام کہیں چنگل صیاد کرو

ایسے ہم پیشہ کہاں ہوتے ہیں اے غمزدگان
مرگ مجنوں پہ کڑھو ماتم فرہاد کرو

گو کہ حیرانی دیدار ہے لے آہ و سرشک
کوئی روشن کرو آنکھیں کوئی دل شاد کرو

زاہدان دیتے فشان ان بتوں کا ڈرتا ہوں
توڑ کر کعبہ کہیں ، دَیر نہ آباد کرو[2]

کیا ہوا ہے ابھی ایک ہستی ہی کو بھولے ہو[3]
آخر کار محبت کو ٹک ایک یاد کرو

اوّل عشق ہی میں میر جو تم رونے لگے
خاک ابھی موُنہہ پہ ملو نالہ و فریاد کرو[4]

(۲۷۰)

نہ آ دام میں مرغ فریاد کیجو
ٹک ایک خاطر خواب صیاد کیجو[5]

یہ تہمت بڑی ہے کہ مر گئی شیریں
تحمل ٹک اے مرگ فرہاد کیجو

غم گل میں مرتا ہوں اے ہم صفیرو
چمن میں جو جاؤ مجھے یاد کیجو

رہائی میری مدعی ضعف سے ہے
تو صیاد مجھ کو نہ آزاد کیجو

میرے رو برو آئینہ لے کے ظالم
دم واپسیں میں تو تو شاد کیجو

---

[1] نسخۂ آسی ص ۱۳۰ : ع ، اے اسیران تہِ دام نہ تڑپو اتنا

[2] غیر مطبوعہ ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۴ : ع ، کیا ہوا ہے ابھی تو ہستی ہی کو بھولے ہو

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۴ : ع ، خاک ابھی منہہ کو ملو نالہ و فریاد کرو

[5] پوری غزل غیر مطبوعہ ہے۔ پہلے پانچ شعر نسخۂ آصفیہ میں درج ہیں۔ تفصیل یہ ہے:

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ : تنگ خاطر خواب صیاد کیجو

دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ : یہ تہمت بڑی ہے کہ شیریں موئی ہے

تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ : غم گل میں مرتا ہوں اے میرؔ جی میں (مقطع)

پانچویں شعر کا دوسرا مصرعہ : دم واپسیں میں تو ٹک شاد کیجو

غزل کا چھٹا شعر نسخۂ آصفیہ میں درج نہیں ہے۔

جدا تن سے کرتے ہی پامال کرنا
یہ احسان میرے سر پہ جلاد کیجو

(۲۷۱)

دیکھتا ہوں دھوپ میں جلنے[1] ہی کے آثار کو
دور لے گئیں مجھے پر نہیں سایہ دیوار کو[2]

باب صحت ہے نہیں میں ورنہ کیوں کہتا طبیب[3]
جلد اٹھاؤ میرے درانے سے اس بیمار کو

حشر پہ موقوف تھا سو تو نظر آیا نہ یاں
کیا بلا درپیش آتی وعدۂ دیدار کو[4]

اس قدر الجھیں ہیں میرے تار دامن کے کر آج[5]
پانو میں گڑ کر نہیں چبھنے کی فرصت خار کو

دے جو مست بیخودی ہیں عیش کرتے ہیں مدام
میکدے میں دہر کے مشکل ہے ایک ہشیار[6] کو

نقش شیریں یادگار کوہکن ہے اس میں خوب
ورنہ کیا ہے بے ستوں دیکھا ہے میں کہسار کو

ہے غبار میر اس کی رہگذر میں ایک طرف
کیا ہوا دامن کشاں بھی آتے یاں اس یار کو[7]

(۲۷۲)

کرتا بیاں جو ہوتے خریدار ایک دو
دیکھیں ہیں نت میں ساتھ تیرے یار ایک دو[8]

قید حیات قید کوئی سخت ہے کہ روز
مر رہتے ہیںگے اس کے گرفتار ایک دو

کس کس پہ اس کو ہوتے نظر یاں ہر ایک شب
جی دیں ہیں اس کی چشم کے بیمار ایک دو

ابرُتے تیغ زن کی تمھارے تو کیا چلی
کرتے ہے چنگا لگتے ہی وار ایک دو[9]

---

[1] اصل "چلنے" [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۶: ع
لے گئی ہیں دور تڑپیں سایۂ دیوار کو

[3] نسخۂ کلکتہ: ع
باب صحت ہے وگرنہ کون کہتا ہے طبیب

[4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۶، نسخۂ ندوہ: ع
کس قدر الجھیں ہیں میرے تار دامن کے کہ آج

[6] نسخۂ کلکتہ: ع
میکدہ میں دہر کے مشکل ہے ٹک ہشیار کو

[7] نسخۂ کلکتہ: ع
کیا ہوا دامن کشاں آتے بھی یہاں تک یار کو

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۷: س
کرتے بیاں جو ہوتے خریدار ایک دو
دیکھا کریں ہیں ساتھ ترے یار ایک دو

[9] نسخۂ کلکتہ: ع
کرتے ہے جس کا لاگتے ہی وار ایک دو

ٹک چشم میں بھی سرمہ کا دنبالہ کھینچئے — اس مست کے بھی ہاتھ میں تلوار ایک دو[۱]
کیا کیا عزیز دوست ملے میر خاک میں
کچھ اس گلی میں ہم ہی نہیں خوار ایک دو

(۲۷۳)

نالۂ شب نے کیا ہے جو اثر مت پوچھو — ٹکڑے ٹکڑے ہی ہوا چاہیے جگر مت پوچھو[۳]
پوچھتے کیا ہو مرے دل کا تم احوال کہ ہے — جیسے بیمار اجل روز بتر مت پوچھو
مرنے میں بند زباں ہونا اشارا ہے ندیم[۴] — یعنی ہے دور کا درپیش سفر مت پوچھو
لذت زہرِ غم فرصت دلداروں سے — کام جن کا ہو بہ از شہد و شکر مت پوچھو[۵]
دل خراشی و جگر چاکی و سینہ کاوی — اپنے ناخن میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو[۶]
جوں توں کر حالِ دل اک بار تو میں عرض کیا
میر صاحب جی بس اب بار دگر مت پوچھو

(۲۷۴)

حالِ دل میر کا اے اہل وفا مت پوچھو — اس ستم کش پہ جو گزری جفا مت پوچھو[۷]
استخواں توڑے میرے اسکی گلی کے سگ نے — جس خرابی سے میں واں رات رہا مت پوچھو
صبح سے اور بھی پایا میں اسے شام کو تند[۸] — کام کرتی ہے جو کچھ میری دعا مت پوچھو
ہوش و صبر و خرد و دین و حواس و دل و تاب — اس کے ایک آنے میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو[۹]

---

۱ طبقات الشعراء ۲ نسخۂ کلکتہ اور نسخۂ ندوہ میں غزل کے سات شعر ہیں، درج ذیل شعر زیر ترتیب نسخے میں درج نہیں ہے: سہ
تو تو دُچار ہو کے گیا کب ۔ کا یہاں ہنوز
گزریں ہیں اپنی جان سے ناچار ایک دو

۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۸: مصرع
ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے جگر مت پوچھو

۴ نسخۂ کلکتہ: مصرع
مرنے میں بند زباں ہونا اشارت ہے ندیم

۵ نسخۂ کلکتہ: مصرع
ہوشے منہ میں جنہوں کے شہد و شکر مت پوچھو

۶ نسخۂ کلکتہ: مصرع
اپنے ناخن میں ہیں سب اور ہنر مت پوچھو

۷ نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۷، نسخۂ ندوہ ۷۶ ب: مصرع
اُس ستم کشتہ پہ جو گزری جفا مت پوچھو

۸ نسخۂ کلکتہ: مصرع
صبح سے اور بھی پاتا ہوں اسے شام کو تند

۹ نسخۂ کلکتہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ لیکن گلشن سخن میں مصرعۂ ثانی یوں ہے: مصرع
اس کی اک آن میں کیا کیا نہ گیا مت پوچھو

استغنا لک کی محبت سنے کہ در بست پھنکا — شہر دل کیا کہوں کس طور جلا مت پوچھو
وقت قتل آرزوئے دل جو لگے پوچھنے لوگ — میں اشارت کی اُدھر ان نے کہا مت پوچھو[1]
خواہ مارا انہیں نے میر کو خواہ آپ موا
جانے دو یارو جو ہونا تھا ہوا مت پوچھو[2]

(۲۷۵)

فرصت نہیں تنک بھی کہیں اضطراب کو — کیا آفت آ گئی مرے اس دل کی تاب کو[3]
میری ہی چشم تر کی کرامات ہے یہ سب — پھرتا تھا ورنہ ابر تو محتاج آب کو
گزری ہے شب خیال میں خوباں کے جاگتے — آنکھیں لگا کے ان سے میں ترسوں ہوں خواب کو
خط آگیا پر اس کا تغافل نہ کم ہوا — قاصد میرا خراب پھرے ہے جواب کو
تیوری جب سے دیکھے ہیں ساقی خمار کے — پیتا ہوں رکھ کے آنکھوں پہ جام شراب کو
اب تو نقاب مونہہ پہ لے ظالم کہ شب ہوئی — شرمندہ سارے دن تو کیا آفتاب کو
کہنے سے میر اور بھی ہوتا ہے مضطرب
سمجھاؤں کب تک اس دل خانہ خراب کو

(۲۷۶)

کیا فرض ہستی کی رخصت ہے مجھ کو — کہیں اپنے رونے سے فرصت ہے مجھ کو[4]
پھروں ہوں تیرے عشق میں کوچہ کوچہ — مگر کوچہ گردی سے الفت ہے مجھ کو
کہاں زندگی مدت العمر ظالم — تیرے عشق میں دم غنیمت ہے مجھ کو
نہ ہو تند ناصح نپٹ ناتواں ہوں[5][6] — کہاں بات اٹھانے کی طاقت ہے مجھ کو
تھے اسباب مرنے کے سب تیرے غم میں — جیا کیوں کے اب تک میں حیرت ہے مجھ کو[7]

---

[1] گلشن سخن [2] گلشن سخن [3] دوسرے اور پانچویں شعر کو چھوڑ کر اس غزل کے تمام شعر گلشن سخن میں درج ہیں۔ علاوہ ازیں تیسرا اور چوتھا شعر طبقات الشعرا میں بھی درج ہے۔ [4] یہ غزل نسخۂ کلکتہ ص ۶۰۲ میں دیوان پنجم میں ہے۔ [5] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ: س

نہ کر شور ناصح بہت ناتواں ہوں

گلشن سخن، نسخۂ آصفیہ: ع

نہ کر پند ناصح بہت ناتواں ہوں

[7] نسخۂ کلکتہ: س

ہیں اسباب مرنے کے سب تیرے غم میں
جیا اب تلک کیونکہ حیرت ہے مجھ کو

کڑھوں میں من مانتا میرؔ صاحب[1]
غم یار میں کیا فراغت ہے مجھ کو

(۲۷۷)

کیا ہے گر بدنامی و حالت تباہی بھی نہ ہو — عشق کیسا جس میں اتنی روسیاہی بھی نہ ہو[2]
لطف کیا آزردہ ہو کر آپ سے ملنے کے بیچ — ٹک تیری جانب سے جب تک عذر خواہی بھی نہ ہو[3]
نازبرداری تیری کرتے تھے اک امید پر — راستی ہم سے نہیں تو کج کلاہی بھی نہ ہو
چاہتا ہے جی کہ ہم تو ایک جا تنہا ملیں — ناز بیجا بھی نہ ہووے کم نگاہی بھی نہ ہو
مجھ کو آوارہ جو رکھتا ہے مگر چاہے ہے چرخ — ماتم آسائش غمزاں پناہی بھی نہ ہو[4]
مجمع ترکاں ہے کوئی دیکھیو جا کر کہیں — جس کا میں کشتہ ہوں ان میں وہ سپاہی بھی نہ ہو[5]

یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بعد قتل میرؔ
محضر خونیں پہ تیرے اک گواہی بھی نہ ہو

(۲۷۸)

محرمان بیدمی کا میری سبب مت پوچھو — ایک دم چھوڑ دو دیوں ہی مجھے اب مت پوچھو
گریۂ شمع کا اے ہم نفساں میں تھا حریف — گزری ہے رات کی صحبت بھی عجب مت پوچھو
سر او پر شور سے میرے نہ کرو کوئی سوال[7] — حشر تھی داخل خدام ادب مت پوچھو
لب پہ شیون مژہ پر خون تھا نگہ میں اک یاس — دن گیا ہجر کا جس طرح سے شب مت پوچھو[8]

---

[1] نسخۂ آصفیہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے: ع

کڑھوں ہوں گا من مانتا میرؔ صاحب

[2] نکات الشعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں مصرع یہ ہے: ع

عشق کیا جس میں کہ آتنی روسیاہی بھی نہ ہو

[3] گلشن سخن، ع — کچھ تیری جانب سے جب تک عذر خواہی بھی نہ ہو

[4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۹: ع — جس کا میں کشتہ ہوں اس میں وہ سپاہی بھی نہ ہو

[6] عمدۂ منتخبہ میں مصرع اول یوں ہے: ع — مجمع مژگاں ہے کوئی دیکھیو جا کر کہیں

[7] نسخۂ کلکتہ: ع — سر پہ شور سے میرے نہ کرو کوئی سوال

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۶۹، نسخۂ ندوہ: س

لب پہ شیون مژہ پر خوں و نگہ میں تک یاس
دن گیا ہجر کا جس ڈھنگ سے شب مت پوچھو

میر صاحب نتی یہ طرز ہو اس کی تو کہوں
موجب آزردگی کا وجہ غضب مت پوچھو

(۲۷۹)

اس بیگنہ کے قتل میں اب دیر مت کرو — جو کچھ کہ تم سے ہو سکے تقصیر مت کرو[1]
ایفائے عہد قتل تو تم کر کے سچے ہو — اتنے بھی خلف وعدہ سے دلگیر مت کرو

(۲۸۰)

اجرت میں نامہ بر کی دیتے ہیں جان تلک تو — اب کار شوق اپنا پہنچا ہے یاں تلک تو[2]
افسانہ غم کا لب تک آیا ہے مدتوں میں — سوجا تیو نہ پیارے اس داستاں تلک تو[3]
آغشتہ خون دل سے اے کاش جا کے پہنچے — کوئی پر شکستہ بلبل گلستاں تلک تو[4]
آوارہ خاک میری ہو کس قدر الٰہی — پہنچا غبار ہو کر میں آسماں تلک تو[5]

آنکھوں میں اشک حسرت اور لب پہ شیون آیا
اے حرف شوق تو بھی آیا زباں تلک تو[6]

(۲۸۱)

اس کی طرز نگاہ مت پوچھو — جی ہی جانے ہے آہ مت پوچھو[7]
کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی — گم رہاں یوں ہی راہ مت پوچھو
تو گرفتار دام زلف اس کا — ہے بہی روسیاہ مت پوچھو[8]
تھا کرم پر اسی کے شرب مدام — میرے اعمال آہ مت پوچھو
تم بھی اسے مالکان روز جزا — بخش دو اور گناہ مت پوچھو

---

[1] دونوں شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ [2] تذکرۂ میر، تذکرۂ عشقی [3] تذکرۂ عشقی، تذکرۂ میر حسن [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۰: ع
آغشتہ میرے خوں سے اے کاش جا کے پہنچے
[5] نسخۂ کلکتہ: ع
پہنچوں غبار ہو کر میں آسماں تلک تو
[6] غیر مطبوعہ، نسخۂ کلکتہ میں غزل کے چھ شعر ہیں، ذیل کے دو شعر زیر ترتیب نسخے میں درج نہیں ہیں، ؎
واماندگی نے مارا اثنائے راہ میں ہم کو — معلوم ہے پہنچنا اب کارواں تلک تو
اے کاش خاک ہی ہم رہتے کہ میر اس میں — ہوتی ہمیں رسائی اس آستاں تلک تو
[7] طبقات الشعراء، گلشن سخن، تذکرۂ عشقی، عمدۂ منتخبہ [8] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ۔

میرؔ عاشق کو کچھ کہے ہی بنے
خواہ وُہ پوچھو خواہ مت پوچھو[1]

(۲۸۲)

وہی مجھ پہ غصہ وہی یاں سے جا تو | وہی دور ہو تو وہی پھر نہ آ، تو[2]
میرے اس کے وعدہ ملاقات کا ہے | کوئی روز اے عمر کیجو وفا، تو
بہت پوچھیو دل کو میری طرف سے | اگر جائے اس کی گلی میں صبا تو
سفینہ میرا ورطۂ غم سے نکلے | جو تک ناخدائی کرے اے خدا تو
سب اسباب ہجراں میں مرنے ہی کے تھے
بھلا میرؔ کیونکر نے جیتا رہا تو

(۲۸۳)

گرچہ کب دیکھتے ہو، پر دیکھو | آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو[3]
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے | آہ تم بھی تو یک نظر دیکھو[4]
یوں عرق جلوہ گر ہے اس مونہہ پر | جس طرح اوس پھول پر دیکھو[5]
ہر خراشِ جبیں جراحت ہے | ناخنِ شوق کا ہنر دیکھو[6]
تھی ہمیں آرزو لب خنداں | سو عوض اس کے چشم تر دیکھو
رنگ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے | ایک دن آؤ یہاں سحر دیکھو
دل ہوا ہے طرف محبت کا | قطرۂ خون کا جگر دیکھو[7]
پہنچے ہیں ہم قریب مرنے کے | یعنی جاتے ہیں دور اگر دیکھو[8]
لطف مجھ میں بھی ہیں ہزاروں میرؔ
دیدنی ہوں جو سوچ کر دیکھو

---

[1] طبقات الشعراء [2] غزل کے یہ تمام شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ [3] یہ شعر عمدۂ منتخبہ اور تذکرۂ عشقی میں بھی ہے۔
[4] گلشن سخن میں اسی طرح ہے۔
[5] و [6] دونوں شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہیں۔
[7] گلشن سخن
[8] عمدۂ منتخبہ

ردیف "ہ"

(۲۸۴)

سو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ — ہم بیگنہ اس کے ہیں گنہگار ہمیشہ[1]
ایک آن گزر جائے تو کہنے ہیں کچھ آوے — درپیش ہے یاں مردنِ دشوار ہمیشہ
دشمن کو نہ کیوں شربِ مدام آوے میسر — رہتی ہے اودھر ہی نگہِ یار ہمیشہ
یوسف سے کئی آن کے ترے سرِ بازار — بک جاتے ہیں باتوں میں خریدار ہمیشہ
ہے دامن گلچیں چمنِ جیب ہمارا — دنیا میں رہے دیدۂ خونبار ہمیشہ
جو بن ترے دیکھے مرا دوزخ ہیں ہے یعنی — رہتی ہے اسے حسرتِ دیدار ہمیشہ

جیتا ہے تو بے طاقتی و بیخودی ہے میرؔ
مردہ ہے غرض عشق کا بیمار ہمیشہ

(۲۸۵)

دل پر خوں ہے یہاں تجھ کو گماں ہے شیشہ — شیخ کیوں مست ہوا ہے تو کہاں ہے شیشہ[2]
شیشہ بازی تو تنک ایک دیکھنے آ آنکھوں کی — ہر مژہ پر میرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ[3]
روسفیدی ہے نقابِ رُخِ شورِ ہستی[4] — ریش قاضی[5] کے سبب پنبہ دہاں ہے شیشہ
درمیاں حلقۂ مستاں کے شب اس کی جا تھی — دور ساغر میں مگر پیرِ مغاں ہے شیشہ

منزلِ مستی کو پہنچے ہے انہیں سے عالم
نشہ می بلد و سنگ نشاں ہے شیشہ

---

[1] گلشن سخن ص ۲۱۱ [2] و [3] یہ شعر نکات الشعراء، تذکرۂ میر حسن اور طبقات الشعراء میں بھی ایسے ہی ہیں۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱، اور دیگر قلمی و مطبوعہ نسخوں میں دوسرا شعر یوں ہے: ع شیشہ بازی تو تنک دیکھنے آ آنکھوں کی
پر پلک پر مرے اشکوں سے رواں ہے شیشہ

[4] نسخۂ کلکتہ، ع

روسفیدی ہے نقابِ رخِ شورِ مستی

[5] ریش قاضی، روئی کی ڈاٹ جو شراب کے شیشے کے منہ میں دیتے ہیں۔ وہ کپڑا صافی کا کہ جس سے شراب چھانتے ہیں۔ وہ کپڑا جو شیشۂ شراب کے منہ پر باندھتے ہیں۔ (لغات کشوری ص ۲۴۷)

قطعہ

جا کے پوچھا جو میں کل کارگہِ مینا میں — دل کی صورت کا بھی[2] اے شیشہ گر! ہے شیشہ[1]
کہنے لاگے کہ کدھر بہکا پھرے ہے اے مست[3] — ہر طرح کا جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اک وقت میں جو کر کے گداز — شکل شیشہ کی بنائیں ہیں کہاں ہے شیشہ[4]
جھک گیا دیکھ کے میں میرؔ اسے مجلس میں
چشم بد دور طرحدار جواں ہے شیشہ

(۲۸۶)

جگر لہو کو ترسے ہے میں سچ کہتا ہوں دل خستہ — دلیل اس کی نمایاں ہے میری آنکھیں ہیں خوں بستہ
چمن میں دل خراشِ آواز آتی ہے چلی شاید — پسِ دیوارِ گلشن نالہ کش ہے کوئی پر بستہ
جگر سوزاں و دل بریاں برہنہ پا و سر قرباں — تجاوز کیا کروں ایسے کہ انہیں کا ہوں وابستہ[5]
تیرے کوچے میں یکسر شوخ میرے خارِ مژگاں ہیں — جو تو گھر سے کبھو نکلے تو رکھیو پانو آہستہ[6]
تعجب ہے مجھے یہ سرو کو آزاد کہتے ہیں — سراپا دل کی صورت جس کی ہو وہ کیا ہو وارستہ
تیری گلگشت کی خاطر بنا ہوں باغ داغوں سے — پرِ طاؤس سینہ ہے مرا اور دست گلدستہ[7]
بجا ہے گر فلک پر فخر سے پھینکے کلاہ اپنی
کہے جو اس زمیں میں میرؔ یک مصرعہ ہو برجستہ[8]

---

[1] نکات الشعراء، تذکرۂ میر حسن [2] نکات الشعراء، طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعہ اول یوں ہے: ع
کہنے لاگے کہ کدھر پھرتا ہے بہکا اے مست
[3] نکات الشعراء، تذکرۂ میر حسن [4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۰، س ۵
تیرے کوچے میں یکسر عاشقوں کے خارِ مژگاں ہیں
جو تو گھر سے کبھو نکلے تو رکھیو پانوں آہستہ
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۰، س ۵ تیری گلگشت کی خاطر بنا ہے باغ داغوں سے — پرِ طاؤس سینہ ہے تمامی دست گلدستہ
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۰، ع کہے جو اس زمیں میں میرؔ یک مصرع برجستہ
نسخۂ کلکتہ میں یہ شعر زیادہ ہے:
میرے آگے نہیں ہنستا تو م آک صلح کرتا ہوں
بھلا میں رو دوں دو دریا تبسم کر تو یک پستہ

(٢٨٧)

ہم سے ٹک[1] آگے زمانے میں ہوا کیا کیا کچھ — تو بھی ہم غافلوں نے آکے کیا کیا کیا کچھ

دل جگر جان یہ بھسمنت ہوتے سینے میں — گھر کو آتش دی محبت نے جلا کیا کیا کچھ

کیا کہوں تجھ سے کہ کیا دیکھا ہے تجھ میں میں نے — چشمک[2] و غمزہ و انداز و ادا کیا کیا کچھ

دل گیا ہوش گیا صبر گیا جی بھی گیا[3] — شغل میں غم کے تیرے ہم سے گیا کیا کیا کچھ

آہ مت پوچھ ستمگار کہ تجھ سے تھی ہمیں — چشم لطف و کرم و مہر و وفا کیا کیا کچھ

نام ہیں خستہ و آوارہ و بدنام میرے — ایک عالم نے غرض مجھ کو کہا کیا کیا کچھ

طرفہ صحبت ہے کہ سنتا نہیں تو ایک میری — واسطے تیرے سنا میں نے سنا کیا کیا کچھ

حسرت وصل و غم ہجر و صال رخ دوست[4] — مرگیا میں پہ میرے جی میں رہا کیا کیا کچھ

چشم نمناک و دل پُر جگر صد پارہ — دولت عشق سے ہم پاس بھی تھا کیا کیا کچھ

درد دل زخم جگر کلفتِ غم داغ فراق[5] — آہ عالم سے میرے ساتھ چلا کیا کیا کچھ

تجھ کو کیا بننے بگڑنے سے زمانہ کے کر یاں — خاک کن کن کی ہوئی صرف بنا کیا کیا کچھ

قبلہ و کعبہ خداوند ملاذ و مشفق — مضطرب ہو کے اسے میں نے لکھا کیا کیا کچھ[6][7]

پر کہوں کیا رقم شوق کی اپنی تاثیر — ہر سر حرف پہ وہ کہنے لگا کیا کیا کچھ

ایک محروم چلے میر ہمیں عالم سے
ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ[8]

(٢٨٨)

جو ہوشیار ہو سو آج ہو شراب زدہ — زمین میکدہ یکدست ہے گی آب زدہ

---

[1] نسخۂ کلکتہ "کچھ"۔ [2] نسخۂ کلکتہ "عشوہ"۔ [3] گلشن سخن مصرعِ اول: ع

دل گیا صبر گیا جی بھی گیا ہوش گیا

[4] نسخۂ کلکتہ ص ١٠٧ : ع — حسرت وصل و غم ہجر و خیال رخ دوست

[5] نسخۂ کلکتہ ص ١٠٧ میں اسی طرح ہے۔ طبقات الشعراء میں مصرع یوں ہے: ع

دردِ دل ، زخمِ جگر ، کلفتِ غم ، شامِ فراق

[6] طبقات الشعراء : ع — مضطرب ہو کے اسے ہم نے کہا کیا کیا کچھ

[7] مخطوطہ گلشن بیخار : ع — مضطرب ہو کے اسے میں نے کہا کیا کیا کچھ

[8] مخطوطہ گلشن بیخار۔ [8] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہے۔

بنے یہ کیونکے ملے تو ہی یا ہمیں سمجھے — ہم اضطراب زدہ اور تو حجاب زدہ[1]
کرے شہ جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں — بلاکشیدہ جفا دیدہ اضطراب زدہ[2]
جدا ہو رخ سے تری زلف میں نہ کیوں دل جائے — پناہ لیتے ہیں سایہ کی آفتاب زدہ[3]

لگا نہ ایک بھی میر اس کی بیت ابرو کو
اگرچہ شعر میرے سب تھے انتخاب زدہ[4]

(۲۰۹)

جز جرم عشق کوئی بھی ثابت کیا گناہ — ناحق ہماری جان لی اچھے ہو واہ واہ
اور کیسا چاک چاک ہو دل تیرے ہجر میں[5] — گھنٹوں تو لخت دل سے نکلتی ہے میری آہ
شام شب وصال ادھر ہوتی کہ اس طرف[6] — ہونے لگا طلوع ہی خورشید روسیاہ
خوں بستہ بارے رہنے لگی اب تو یہ مژہ — آنسو کی بوند جیسے ٹپکتی تھی گاہ گاہ[7]
دامان و جیب چاک و خرابی و خستگی — ان سے ترے فراق میں ہم نے کیا نباہ[8]
گزرا ہیں اس سلوک سے دیکھا نہ کر مجھے — برچھی سی لاگ جا ہے جگر میں تری نگاہ
گل سے شگفتہ داغ دکھاتا ہوں تیرے تئیں — گر موافقت کرے ہے تنک مجھ سے سال و ماہ[9]
بنتا ہوں کو سونپ نہ دینا کہیں مجھے — اے صبر میں نے آن کے لی ہے تری پناہ
گو منع مجھ کو کرتے ہیں تیری گلی سے لوگ — کیونکر نہ جاؤں مجھ کو تو مرنا ہے خواہ مخواہ[10]

ناحق الجھ پڑا ہے یہ مجھ سے طریق عشق
جاتا تھا میر میں تو چلا اپنی راہ راہ

---

[1] طبقات الشعراء، نکات الشعراء [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۴ : ع
اجل رسیدہ، جفا دیدہ، اضطراب زدہ

[3] عمدۂ منتخبہ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۴ : ع
اگرچہ شعر تھے سب میرے انتخاب زدہ

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۵ : ع — اب کیسا چاک چاک ہو دل اس کے ہجر میں

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۵ : ع — شام شب وصال ہوئی یہاں کہ اس طرف

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۵ : ع — آنسو کی بوند جس سے ٹپکتی تھی گاہ گاہ

[8] غیر مطبوعہ [9] غیر مطبوعہ [10] غیر مطبوعہ

(۲۹۰)

کتنے ہیں اڑ بھی گئے جل کے پر پروانہ　　کچھ سنی سوختہ گاں تم خبر پروانہ[1]
سعی اتنی تو ضروری ہے اٹھے بزم سے سنگ　　اے جگر تفتگی بے اثر پروانہ[2]
آ پڑا آگ میں لے شمع یہیں سے تو سمجھ　　کس قدر سوخت ہوا تھا جگر پروانہ[3]
کس گنہ کا ہے پس از مرگ یہ عذر جاں سوز　　پائے بر شمع ہے مجلس میں سر پروانہ[4]
بزم دنیا کی تو دل سوزی سنی ہو گی میر
کس طرح شام ہوئی یاں سحر پروانہ

ردیف یائے تحتانی

(۲۹۱)

کرو توکل کہ عاشقی میں نہ یوں کرو گے تو کیا کرو گے　　الم جو یہ ہے تو دردمندو کہاں تلک تم دوا کرو گے
جگر میں طاقت کہاں ہے اتنی کہ درد ہجراں سے مرتے رہیے　　ہزاروں وعدے وصال کے تھے کوئی بھی جیتے وفا کرو گے
جہاں کی مسلخ تمام حیرت نہیں ہے تس پر نگہ کی فرصت　　نظر پڑے گی بسان بسمل کبھو جو مژگاں کو وا کرو گے
اخیر الفت یہی نہیں کچھ کہ جل کر آخر ہوئے پتنگے　　ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو غبار ہو کر اڑا کرو گے
بلا ہے ایسا طپیدن دل کہ صبر اس پہ ہے سخت مشکل　　دماغ اتنا کہاں رہے گا کہ دست بر دل رہا کرو گے
عدم میں ہم کو یہ غم رہے گا کہ اوروں پر اب ستم رہے گا　　تمہیں تو لت ہے ستانے[5] کی کسو پہ آخر جفا کرو گے

---

[1] یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۵ میں بھی اسی طرح ہے۔ نکات الشعراء میں مصرع یوں ہے، ع
کچھ سنی سوختگاں نے خبر پروانہ
چمنستان شعراء: ع　　کچھ سنے سوختگاں تم خبر پروانہ

[2] نکات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول اس طرح ہے: ع
سعی اتنی یہ ضروری ہے اٹھی بزم سنگ

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۶: ع　　کس قدر داغ ہوا تھا جگر پروانہ

[4] سخن شعراء ص ۴۸۵ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یہ ہے: ع
پانوں پر شمع کے پاتے ہیں سر پروانہ

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۱ میں "ستانے" ہے۔

اگرچہ اب تو خفا ہو لیکن موئے گئے پر کبھو ہمارے — جو یاد ہم کو کروگے پیارے تو ہاتھ اپنے ملا کروگے
سحر کو محراب تیغ قاتل کبھو جو یارو ادھر ہو مائل — تو ایک سجدہ بلسان بسمل میری طرف سے ادا کروگے
غم محبت سے میر صاحب بہ تنگ ہوں میں فقیر ہو تم
جو وقت ہو گا کبھو مساعد تو میرے حق میں دعا کروگے

(۲۹۲)

ہے غزل میر یہ شفائی کی — ہم نے بھی طبع آزمائی کی[1]
اسکے ایفائے عہد تک نہ جیے — عمر نے ہم سے بے وفائی کی
وصل کے دن کی آرزو ہی رہی — رات آخر نہ ہوئی جدائی کی[2]
اسی تقریب اس گلی میں رہے — منتیں ہیں شکستہ پائی کی
دل میں اس شوخ کے نہ کی تاثیر — آہ نے آہ نارسائی کی
کاسۂ چشم لے کے جوں نرگس — ہم نے دیدار کی گدائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میر
کس بھروسے پہ آشنائی کی

(۲۹۳)

صبح ہے کوئی آہ کر لیجے — آسماں کو سیاہ کر لیجے[3]
چشم گل باغ میں مندی جا ہے — جوں بنے اک نگاہ کر لیجے
ابر رحمت ہے جوش میں مے دے
یعنی ساقی گناہ کر لیجے

(۲۹۴)

اس اسیری کے نہ کوئی اے صبا پالے پڑے — یک نظر گل دیکھنے کے بھی ہمیں لالے پڑے[4]
حسن کو بھی عشق نے آخر کیا حلقہ بگوش — رفتہ رفتہ دلبروں کے کان میں بالے پڑے[5]

---

[1] غزل کا پہلا، چوتھا، چھٹا اور ساتواں شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵ ع
شب نہ آخر ہوئی جدائی کی

[3] یہ تینوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۱۳۳ میں دیوان دوم میں درج ہیں۔ [4] و [5] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء، گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی درج ہیں۔

مت نگاہِ مست کو تکلیف کر ساقی زیاد — ہر طرف تو ہیں گلی کوچوں میں متوالے پڑے[1]
کیوں کے سطے ہو دشت شوق آخر کو مانند سرشک — میرے پانو میں تو پہلے ہی قدم چھالے پڑے
جوش مارا اشک خونیں نے مرے دل سے نپس — گھر میں ہمسایوں کے شب لوہو کے پرنالے پڑے
ہیں بعینہ دل سے خوں پر داکرے ہے عنکبوت[2] — روتے روتے بسکہ میری آنکھوں میں جالے پڑے

شب کے خوں گرمی سے گریہ کی مری آنکھوں کی راہ
گوشۂ دامن میں میر آخر کو پرکالے پڑے[3]

(۲۹۵)

یکسو کشادہ روئی پر چیں نہیں جبیں بھی — چھوڑی مہر اس کی کاش اس کو ہووے کیں بھی[4]
آنسو تو تیرے دامن پونچھے ہے رونے میں بھی[5] — ہم نے نہ رکھی مونہہ پر اے ابر آستیں بھی
کرتا ہے نے عبث تو پارہ گلو فغاں سے — گزرے ہے پار دل کے اک نالۂ حزیں بھی
ہوں احتضار میں میں آئینہ رو شتاب آ — جاتا ہے ورنہ غافل پھر دم تو واپسیں بھی
سینے سے تیر اس کا جی کو تو لیتا نکلا — پر ساتھوں ساتھ اس کے نکلی اک آفریں بھی
ہر شب تیری گلی میں عالم کی جان جب تھی — آگے ہوا ہے اب تک ایسا ستم کہیں بھی
شوخیِ جلوہ اس کی تسکین کیونکے بخشے — آئینوں میں دلوں کے جو ہے بھی پھر نہیں بھی
گیسو ہی کچھ نہیں ہے سنبل کی آفت اس کے — ہیں برق خرمن گل رخسار آتشیں بھی
تکلیف نالہ مت کر اے دردِ دل کہ ہوں گے — رنجیدہ راہ چلتے آزردہ ہمنشیں بھی
کس کس کا داغ دیکھیں یارب غمِ بتاں میں — رخصت طلب ہے جاں بھی ایمان اور دیں بھی

زیرِ فلک جہاں تک آسودہ میر ہوتے
ایسا نظر نہ آیا یک قطعۂ زمیں بھی

(۲۹۶)

خوب ہے اے ابر یک شب آؤ باہم روئیے[6] — پر نہ اتنا بھی کہ ڈوبیں شہر کم کم روئیے

---

[1] گلشن سخن [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۰: ع۲

ہیں بعینہ ویسے جوں پر داکرے ہے عنکبوت

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۰: ع۱ — گرمجوشی سے مرے گریہ کی شب آنکھوں کی راہ

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: ع۲ — ہم چھوڑی مہر اس کی کاش اس کو ہووے کیں بھی

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: ع۲ — آنسو تو تیرے دامن پونچھے ہے وقت گریہ

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۱: ع۲ — پر نہ اتنا بھی ڈوبے شہر کم کم رو دیجے

وقت خوش دیکھا نہ اک دم سے زیادہ دہر میں — خندۂ صبح چمن پر مثل شبنم روئیے
شادی و غم میں جہاں کی ایک اور دس کا ہے فرق[1] — عید کے دن ہنستے تو دس دن محرم روئیے
دیکھا ماتم خانۂ عالم کو ہم مانند ابر — ہر جگہ پر جی میں یوں آیا دما دم روئیے
ہو جدا فردوس سے یعنی گلی سے یار کی — مدتوں تک اس الم سے مثلِ آدم روئیے
اب سے یوں کرتے مقرر اٹھتے جب کہسار سے — وادیٔ مجنوں پہ بھی اے ابر اک دم روئیے

عشق میں تقریب گریہ کو نہیں درکار میر
ایک مدت صبر ہی کا رکھئے ماتم روئیے

(۲۹۷)

گئی چھانہہ تیغ اس کی سر سے جب کی[2] — جلے دھوپ میں یاں تلک ہم کہ تب کی
پڑی خرمن گل پہ بجلی سی آخر — مرے خوش نگہ کی نگاہ اک غضب کی
نکلتی ہے کوئی بات دشوار مونہہ سے[3] — کبھو تو بھی تو سن کسو جاں بلب کی
تو شملہ جو رکھتا ہے خر ہے وگرنہ — ضرورت ہے کیا شیخ دم دس وجب کی[4]
یکایک بھی آ سر پہ واماندگاں کے — بہت دیکھتے ہیں تری راہ کب کی
دماغ و جگر دل مخالف ہوتے ہیں — ہے بالاتفاق اب ادھر رائے سب کی[5]
تجھے کیونکے ڈھونڈوں کہ سوتے ہی گزری — تری راہ میں اپنے پائے طلب کی
دل عرش سے گزرے ہے ضعف میں بھی — یہ زور آوری دیکھو زاریٔ شب کی

عجب کچھ ہے گر میر آوے میسر
گلابی شراب اور غزل اپنے ڈھب کی

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۱: شادی و غم میں جہاں کی ایک سے دس کا ہے فرق
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: گئی چھاؤں اس تیغ کی سر سے جب کی
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: کوئی بات نکلے ہے دشوار مونہہ سے / ٹک ایک تو بھی سن کسی جاں بلب کی
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: ضرورت ہے کیا شیخ دم اک وجب کی
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۲: ہوئی متفق اب ادھر رائے سب کی

(۲۹۸)

نہیں وہ قیدِ الفت میں گرفتاری کو کیا جانے
تکلف برطرف بے مہر ہے یاری کو کیا جانے[1]

وہی اک منددرس نالہ مبارک مرغ گلشن کو
وہ اس ترکیب نو کی آہ و زاری کو کیا جانے[2]

پڑے آسودگان خاک چونکو شور محشر سے
میرا جو کوئی بے خود ہے وہ ہشیاری کو کیا جانے[3]

گلہ اپنی جفا کا سن کے مت آزردہ ہو ظالم
نہیں تہمت ہے تجھ پر تو جفاکاری کو کیا جانے[4]

ستم ہے تیری خوئے خشمگیں پر تک بھی دلجوئی
دل آزاری کی باتیں کر تو دلداری کو کیا جانے

پریشاں فوج فوج لخت دل نکلے ہے آنکھوں سے
نپٹ ناداں ہے طفل اشک سرداری کو کیا جانے[5]

ترا ابرام اس کی سادگی پر میر میں مانا
بھلا ایسا ہی ناداں ہے وہ عیاری کو کیا جانے[6]

(۲۹۹)

ایسے قدم سے تیری گلی میں صبا گئی
یوں پھونک کر گویا کہ مری خاک اڑا گئی[7]

کچھ تھی طپش جگر کی تو بارے مزاج داں
پر دل کی بیقراری میری جان کھا گئی

کس پاس جا کے بیٹھوں خرابے[8] میں اب میں ہائے
مجنوں کو موت کیسی شتابی میں آ گئی

کون اب فلک پہ زخمی نہیں میری آہ کا
بجلی رہی تھی جو بھی تو سینہ دکھا گئی

سودا جو اس کے سر سے گیا زلف شوخ کا[9]
تو تو بڑی ہی میر کے سر سے بلا گئی

---

[1] گلشن سخن [2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۳، نسخۂ ندوہ : ۔

وہ ہے ایک منددرس نالہ مبارک مرغ گلشن کو
وہ اس ترکیب نو کی نالہ وزاری کو کیا جانے

[3] غیر مطبوعہ [4] گلشن سخن [5] غیر مطبوعہ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴، ع

بھلا ایسا جو ناداں ہو وہ عیاری کو کیا جانے

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴ : ۔

کیسے قدم سے اس کی گلی میں صبا گئی
یوں پھونک کر کے خاک میری سب اڑا گئی

[8] نسخۂ آسی "خرابی"۔ گلشن سخن "خرابے" [9] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴، ع

سودا جو اس کے سر سے گیا زلفِ یار کا

(۳۰۰)

جوش دل آئے[1] بہم دیدۂ گریاں ہوتے ‏ کتنے اک اشک ہوتے جمع کہ طوفاں ہوتے
کیوں چھپیں شہر محبت میں تیرے خانہ خراب ‏ گھر کے گھر ائکے ہیں اس لبستی میں ویران ہوتے
کن[2] نے لی رخصت پرواز پس از مرگ نسیم ‏ مشت پر باغ میں آتے ہی پریشاں ہوتے
دیکھتے پھرتے ہیں مونہہ سب کا سحر آئینے ‏ جلوہ گر ہو کہ یہ تجھ بن بہت حیران ہوتے
سبزہ و لالہ و گل ابر و ہوا ہے مے دے ‏ ساقی ہم تو توبہ کے کرنے سے پشیمان ہوتے
دعویٔ خوش دہنی گرچہ اس کے تھا لیکن ‏ دیکھ کر مونہہ کو تیرے گل کے تئیں کان ہوتے
جام خون بن نہیں ملتا ہمیں کچھ صبح کے تئیں[3] ‏ جب سے[4] اس چرخ سیہ کاسہ کے مہماں ہوتے

اب جی ہی نے نہ چاہا کہ پئیں آب حیات
یوں تو ہم میر[5] اسی چشمہ پہ بے جان ہوتے

(۳۰۱)

دل کو تسکیں نہیں اشک دمادم سے بھی ‏ اس زمانے میں گئی ہے برکت غم سے بھی
ہمنشیں کیا کہوں اس رشک مہ تاباں بن ‏ صبح عید اپنی ہے بدتر شب ماتم سے بھی
کاش اے جان الم ناک نکل جاوے تو ‏ اب تو دیکھا نہیں جاتا یہ ستم ہم سے بھی
آخر کار محبت میں نہ نکلا کچھ کام ‏ سینہ صد چاک و دل پژمردہ مژہ نم سے بھی
آہ ہر غیر سے کس طرح کہوں جی کی بات ‏ عشق کا راز تو کہتے نہیں محرم سے بھی
دور ی کوچہ میں اے[1] غیرت فردوس تری ‏ کام گزرا ہے میرا گریۂ آدم سے بھی

ہمت اپنی ہی تھی یہ میر کہ جوں مرغ خیال
یک پر افشانی میں گزرے سر عالم سے بھی

(۳۰۲)

یارب کوئی ہو عشق کا بیمار نہ ہووے ‏ مر جائے ولے اس کو یہ آزار نہ ہووے[2]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴: ع
جوش دل آتے بہم دیدۂ گریاں ہوتے

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴ "کس" [3] غیر مطبوعہ، لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۴ و گلشن سخن میں مصرع اول یہ ہے: ع
دعویٰ خوش دہنی گرچہ اسے تھا لیکن
جام خون بن نہیں ملتا ہے ہمیں صبح کو اب

[5] نسخۂ کلکتہ: ع

[1] گلشن سخن، گلزار ابراہیم

زنداں میں پھنسے طوق پڑے قید میں مرجائے[۱] — پر دام محبت میں گرفتار نہ ہووے[۱]
اس واسطے کانپوں ہوں کہ آہ نپٹ سرد — یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے[۲]
صد نالۂ جانکاہ ہیں وابستہ چمن سے — کوئی بال شکستہ پسِ دیوار نہ ہووے
پژمردہ نپٹ ہے گل گلزار ہمارا[۳] — شرمندہ یک گوشۂ دستار نہ ہووے
مانگے ہے دعا خلق تجھے دیکھ کے ظالم — یارب کسو کو اس سے سروکار نہ ہووے
کس شکل سے احوال کہوں اب میں الٰہی — صورت سے تیری جس میں وہ بیزار نہ ہووے[۴]
ہوں درست جو کہتا ہوں، سن اے جان کے دشمن — بہتر تو مجھے ترک ہے تا خوار نہ ہووے
خوباں برے ہوتے ہیں اگرچہ ہیں نکو رو — بے جرم کہیں ان کا گنہگار نہ ہووے
باندھے نہ پھرے قتل پہ تو اپنی کمر کو — یہ جان سبک تن پہ ترے بار نہ ہووے
چلنا ہے رہ عشق ہی اس پر بھی تو چل تو — پر ایک قدم چل کہیں زنہار نہ ہووے

صحرائے محبت ہے قدم دیکھ کے رکھ میر
یہ سیر سر کوچہ و بازار نہ ہووے

(۳۰۳)

فکر ہے ماہ کے جو شہر بدر کرنے کی — ہے سزا تجھ پہ یہ گستاخ نظر کرنے کی[۵]
کیا جلی جاتی ہے خوبی ہی میں اپنی اے شمع — کہہ پتنگے کی بھی کچھ شام و سحر کرنے کی[۶]
کہہ حدیث آنے کی اسکے جو کیا شادی مرگ — نامہ بر کیا چلی تھی ہم کو خبر کرنے کی
اب کی برسات ہی کے ذمے تھا عالم کا وبال — میں تو کھائی تھی قسم چشم کے تر کرنے کی
پھول کچھ لیتے نہ نکلے تھے دل صد پارہ — طرح سیکھی ہے مرے ٹکڑے جگر کرنے کی
ان دنوں نکلے ہے آغشتہ بخوں راتوں کو — دھن ہے نالہ کو کسو دل میں اثر کرنے کی

---

[۱] گلشن ہند ص ۲۱۵ [۲] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور گلزار ابراہیم میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے: ـ

اس واسطے کانپوں ہوں کہ ہے آہ نپٹ سرد
یہ یاد کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

[۳] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۵: ع

پژمردہ بہت ہے گل گلزار ہمارا

[۴] غیر مطبوعہ [۵] گلشن سخن، گلزار ابراہیم
[۶] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۵: ع

کہہ حدیث آنے کی اس کے جو کیا شادی مرگ

عشق میں تیرے گزرتی نہیں بن سر پٹکے — طرح اک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی[1]

کاروانی ہے جواں عمر عزیز اپنی میرؔ[2]
رہ ہے درپیش سدا اس کو سفر کرنے کی

(۳۰۴)

کروں جو آہ زمین و زمان جل جاوے — سپہر نیلی کا یہ سائبان جل جاوے
دی آگ دل کو محبت نے جب سے پھرتا ہوں[3] — میں جس طرح کسو کا خانمان جل جاوے
دواپذیر نہیں اے طبیب تپ غم کی — بدن میں تک رہے تو استخوان جل جاوے
نہ آوے سوز جگر مونہہ پہ شمع ساں لے کاش — بیان کرنے سے آگے زبان جل جاوے
ہمارے نالے بھی آتش ہی کے ہیں پرکالے — سنے تو بلبل نالاں کی جان جل جاوے
ہزار حیف کہ دل خار و خس سے باندھے کوئی — خزاں میں برق گرے آشیان جل جاوے
نہ پوچھ کچھ لب ترسا بچے کی کیفیت — کہوں تو دختر رز کی فغان جل جاوے
متاع سینہ سب آتش ہے فائدہ کس کا — خیال یہ ہے مبادا نہ کان جل جاوے

نہ بول میرؔ سے مظلوم عشق ہے وہ غریب
مبادا آہ کرے اور جہان جل جاوے

(۳۰۵)

خرابی کچھ نہ پوچھو مملکت دل کی عمارت کی — غموں نے آج کل سینو وہ آبادی ہی غارت کی[4]
سحر گہ میں نے پوچھا گل سے حال زار بلبل کا — پڑے تھے باغ میں یکمشت پر اودھر اشارت کی
جلایا طور کے تئیں جس تجلی جلوہ نے ہمدم[5] — اسی آتش کے پرکالے نے ہم سے بھی شرارت کی
نزاکت کیا کہوں خورشید رو کی کل شب مہ میں — گیا تھا سایہ سایہ باغ تک تس پر حرارت کی[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ح — صورت اک یہ رہی ہے عمر بسر کرنے کی

[2] نسخۂ کلکتہ: ح — کاروانی ہے جہاں عمر عزیز اپنی میرؔ

[3] نسخۂ آسی ص ۱۹۷: ح — دی آگ دل کو محبت نے جب سے جلتا ہوں

[4] گلشن سخن: ح — جنوں نے آج کل سینو وہ آبادی بھی غارت کی

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۸: ح — جلایا جس تجلیِ جلوہ گر نے طور کو ہمدم

[6] عمدۂ منتخبہ: ح — گیا تھا سایہ سایہ باغ کے تس پر حرارت کی

نظر سے جس کی یوسف سا گیا پھر اس کو کیا سوجھے | حقیقت کچھ نہ پوچھو پیر کنعاں کی بصارت کی[۱]
تِرے کوچے کے شوق طوف میں جیسے بگولا تھا
بیاباں میں غبار میرؔ کی ہم نے زیارت کی

(۳۰۶)

میں نے جو بیکسانہ مجلس میں جان کھوئی | سر پہ مرے کھڑی ہو شب شمع زور روئی
آتی ہے شمع شب کو آگے ترے یہ کہہ کر | مُونھ کی گئی جو لوئی کو کیا کرے گا کوئی
بے طاقتی سے آگے کچھ پوچھتا بھی تھا سو | رونے نے ہر گھڑی کی وہ بات ہی ڈبوئی
بلبل کی بے کلی نے شب بے دماغ رکھا | سونے دیا نہ ہم کو ظالم نہ آپ سوئی
اس ظلم پیشہ کی یہ رسم قدیم سے ہے | غیروں پہ مہربانی یاروں سے کینہ جوئی
جب ہم نے بات کہنے کی باری آوتی ہے | مونھ میں زباں نہیں ہے اس بدزباں کے کوئی
اس مہ کے جلوے سے کچھ تا میرؔ یاد دیوے
اب کی گھروں میں ہم نے سب چاندنی ہے بوئی

(۳۰۷)

دیکھ تو دل کی جاں سے اٹھتا ہے[۲] | یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے
گور کس دل جلے کی ہے یہ فلک | شعلہ اک صبح یاں سے اٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا | کوئی ایسے مکاں سے اٹھتا ہے
نالہ سر کھینچتا ہے جب میرا | شور ایک آسماں سے اٹھتا ہے
لڑتی ہے چشم شوخ اس کی جہاں[۳] | ایک آشوب واں سے اٹھتا ہے
سدھ لے گھر کی بھی شعلۂ آواز | دود کچھ آشیاں سے اٹھتا ہے

---

۱ غیر مطبوعہ ۲ نسخۂ کلکتہ میں غزل کا یہ شعر زیادہ ہے: ~

نگاہِ مست سے جب چشم نے اس کی اشارت کی
حلاوت مے کی اور بنیاد مے خانہ کی غارت کی

اور یہ غزل کا دوسرا شعر ہے۔ ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۶ اور گلشن سخن ص ۲۱۵: ع

دیکھ تو دل کہ جاں سے اٹھتا ہے

۴ نسخۂ کلکتہ: ع | لڑتی ہے اس کی چشم شوخ جہاں
گلشن سخن: ع | پڑتی ہے اس کی چشم سُرخ جہاں

بیٹھنے کون دے ہے پھر اس کو　　جو ترے آستاں سے اٹھتا ہے[۱]
یوں اُٹھے آہ اس گلی سے ہم　　جیسے کوئی جہاں سے اٹھتا ہے
عشق اک میرؔ بھاری پتھر ہے
کب یہ تجھ ناتواں سے اٹھتا ہے

(۳۰۸)

برقع کو اٹھا چہرے سے وُہ بت اگر آوے　　اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے[۲]
اے ناقۂ لیلیٰ دو قدم راہ غلط کر　　مجنوں ز خود رفتہ کبھو راہ پر آوے[۳]
ممکن بعد مرے میرے طرفداروں کنے تو　　کوئی جیو ظالم کہ تسلی تو کر آوے[۴]
کیا ظرف ہے گردون تنک حوصلہ کا جو　　آشوب فغاں کے مرے عہدے سے بر آوے
ممکن آرام دے بے تابی جگر کی　　جب تک نہ پلک پر کوئی ٹکڑا نظر آوے[۵]
مت ممتن باغ ہو اے غیرت گلزار　　گل کیا کہ جسے آگے ترے بات کر آوے
کھلنے میں ترے مونھ کی کلی پھاڑے گریباں　　ہلنے میں ترے ہونٹھوں کے گل برگ تر آوے
ہم آپ سے جاتے رہیں، ایں ذوق خبر میں　　اے جاں بلب آمدہ رہ تا خبر آوے[۶]
کہتے ہیں ترے کوچہ سے میرؔ آنے کہے ہے　　جب جانیے وہ خانہ خراب اپنے گھر آوے[۷]
جی میں ہے غزل در غزل اے طبع یہ کہیے[۸]
شاید کہ نظیریؔ کے بھی عہدہ بر آوے

(۳۰۹)

جب نام ترا لیجے تب چشم بھر آوے　　اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے[۹]
تلوار کا بھی مارنا عہد رکھے ہے ظالم[۱۰]　　اتنا تو ہو کوئی گور غریباں میں در آوے

---

[۱] گلشن سخن ص ۲۱۲　[۲] طبقات الشعراء، گلشن سخن، عمدۂ منتخب　[۳] عمدۂ منتخب　[۴] طبقات الشعراء　[۵] گلشن سخن ص ۲۱۲: ع
جب تک نہ پلک پر کوئی لخت جگر آوے
[۶] طبقات الشعراء، گلشن سخن　[۷] طبقات الشعراء　[۸] نسخۂ کلکتہ: ع
ہے جی میں غزل در غزل اے طبع یہ کہیے
[۹] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۵ اور گلشن بیخار میں غزل کی ردیف "آئے" ہے۔　[۱۰] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۰: ع
تلوار کا بھی مارا خدا رکھے ہے ظالم

میخانہ وہ منظر ہے کہ ہر صبح جہاں شیخ — دیوار پہ خورشید کا مستی سے سر آوے
کیا جانے دے مرغانِ گرفتارِ چمن کو — جن تک کہ بصد ناز نسیمِ سحر آوے
تو صبح قدم رنجہ کرے ٹک تو ہے ورنہ — کس واسطے عاشق کی شبِ غم بسر آوے
ہر سو سرِ تسلیم رکھے مرغِ حرم ہیں — وہ صید فگن تیغ بکف تا کدھر آوے
دیواروں سے سر مارتے پھرنے کا گیا وقت — اب تو ہی مگر آپ کبھو در سے در آوے
واعظ نہیں کیفیتِ مے خانہ سے آگاہ — یک جرعہ بدل ورنہ یہ مندیل دھر آوے[1]
صناع ہیں سب خوار ازانجملہ ہوں میں بھی — ہے عیب بڑا اس میں جسے کچھ ہنر آوے
اے وہ کہ تو بیٹھا ہے سرِ راہ پہ زنہار — کہیو جو کبھو میر بلاکش ادھر آوے

مت وشتِ محبت میں قدم رکھ کہ خضر کو
ہر گام پہ اس رہ میں سفر سے حذر آوے

(۳۱۰)

گدازِ خوش نگاہاں جس میں ہے میرا ساماں ہے — سوادِ بزمِ مجنوں تو چراگاہِ غزالاں ہے
کرے ہے خندۂ دنداں نما تو میں بھی رو دوں گا — چمکتی زور ہے بجلی مقرر آج باراں ہے[2]
چمن پر نوحہ و زاری سے ہے کس گل سے یہ ماتم — جو شبنم ہے تو گریاں ہے جو بلبل ہے تو نالاں ہے[3]
ہر اک مژگاں پہ میرے اشک کے قطرے جھمکتے ہیں — تماشا مفت خوباں ہے لبِ دریا چراغاں ہے[4]

کیا تھا جا بجا رنگیں لہو تجھ ہجر میں رو کر
گریباں میر کا دیکھا گویا گلچیں کا داماں ہے[5]

(۳۱۱)

اپنا شعار پوچھو تو مہرباں وفا ہے — پر اس کے جی میں ہم سے کیا جانیے کہ کیا ہے
مت پوچھ میری اس کی شام و سحر کی صحبت — اُس طرف سے ہے گالی اِس طرف سے دعا ہے[6]

---

[1] عمدۂ منتخبہ ص ۵۰۸ — [2] چمنستان شعراء، گلشن سخن، نکات الشعراء
[3] طبقات الشعراء، نکات الشعراء، چمنستان شعراء میں بھی اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۹ میں مصرعہ یوں ہے: ع
چمن پر نوحہ و زاری سے کس گل کا یہ ماتم ہے
[4] گلشن سخن — [5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۹: ع گریباں میر کا دیکھا مگر گلچیں کا داماں ہے
[6] غیر مطبوعہ

بے اس کے رک کے مرتے گرمیِ عشق میں تو
کرنے میں آہ جب تک تب تک ہی کام ہوا ہے[۱]

اے شمع شام عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ بن[۲]
آنکھوں میں میری عالم تاریک ہو گیا ہے

آزردگی عبث کیوں تشہیر و قتل و ایذا
فرمایئے تو وہ کچھ جو کچھ کہ مدعا ہے[۳]

جیتے ہی جی تلک ہیں سارے علاقے سو تو
عاشق ترا مجرد فارغ ہی ہو چکا ہے

شکوہ ہے رونے کا یہ بیگانگی سے تیری
مژگاں تر و گرنہ آنکھوں میں آشنا ہے

مت کر زمین دل میں تخم امید ضائع
بوٹا جو یاں اگا ہے سو اگتے ہی جلا ہے

شرمندہ ہو دیں طالع خورشید و ماہ دونوں
خوبی نے تیرے موںہہ کی ظالم قران کیا ہے[۴]

صد سحر اک رقم ہے خط میر کا میں دیکھا
قاصد نہیں چلا ہے جادو مگر چلا ہے[۵]

(۳۱۲)

الم سے یہاں تئیں میں مشق ناتوانی کی
کہ میری جان نے تن پر مرے گرانی کی[۶]

چمن کا نام سنا تھا ولے نہ دیکھا ہائے
جہاں میں ہم نے قفس ہی میں زندگانی کی[۷]

طلائی خوب مرے خوں میں خاک بسمل گاہ
یہ تھوڑی منتیں ہیں مجھ پہ سخت جانی کی

تنگ ہوں میں ترے اختلاط سے پیری
قسم ہے اپنی مجھے اس گئی جوانی کی

چلا ہے کھینچنے تصویر مرے بت کی آج
خدا کے واسطے صورت تو دیکھ مانی کی

---

۱ نسخۂ کلکتہ: ع
کرتے ہیں آہ جب تک تب تک ہی کچھ ہوا ہے

۲ نسخۂ کلکتہ: ع
اے شمع بزم عاشق روشن ہے یہ کہ تجھ بن

۳ غیر مطبوعہ ۴ یہ شعر سخن شعراء ص ۴۸۶ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے: ؎
شرمندہ ہوتے ہیں گے خورشید و ماہ دونوں
خوبی نے موںہہ کی تیرے ظالم قران کیا ہے

۵ نسخۂ کلکتہ ص ۱۹۹: ع
صد سحر و یک رقیمہ خط میر جی کا دیکھا

نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ اور دیگر مطبوعہ نسخوں میں غزل کا یہ شعر زیادہ ہے: ؎
بالیں پہ میری آکر ٹک دیکھ شوق دیدار
سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آرہا ہے

۶ نکات الشعراء ص ۱۰۰، گلشن سخن ص ۲۱۰، چمنستان شعراء ص ۲۷۷۔ ۷ نسخۂ بریلوی ص ۲۷۵، میں "جہاں" کے بجائے "جواں" ہے۔

تری گلی کے ہر اک سگ نے استخواں توڑے یہ مری لاش کی شب خوب پاسبانی کی[1]

رکھے ہیں میر ترے مونہہ سے بے وفا خاطر
تری جفا کے تغافل کی بدگمانی کی

(۳۱۳)

مشہور چمن میں تری گل پیرہنی ہے قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے[2]
عریانی[3] آشفتہ کہاں جائے بس مرگ عاشق کی تری لاش ہے اور بے کفنی ہے
سمجھے ہے نہ پروانہ نہ تھامے ہے زباں شمع وہ سوختنی ہے تو یہ گردن زدنی ہے[4]
لیتا ہی نکلتا ہے مرا لخت جگر اشک آنسو نہیں گویا کہ یہ ہیرے کی کنی ہے[5]
بلبل کی کف خاک بھی اب ہوگی پریشاں جامے کا ترے رنگ ستمگر چمنی ہے
کچھ تو ابھر[6] اے صورت شیریں کہ دکھاؤں فرہاد کے ذمہ ہی عجب کوہکنی ہے[7]
ہوں گرد سفر شام غریباں سے خوشی ہوں[8] اے صبح وطن تو تو مجھے بے وطنی ہے
ہر چند گدا ہوں میں ترے عشق میں لیکن ان بوالہوسوں[9] میں کوئی مجھ سا بھی غنی ہے
ہر اشک میرا ہے در شہوار سے بہتر ہر لخت جگر رشک عقیق یمنی ہے

پڑتی ہے نپٹ میر طپش اور جگر میں
شاید کہ مرے جی ہی پر اب آن بنی ہے

(۳۱۴)

اب کر کے فراموش تو ناشاد کرو گے پر ہم جو نہ ہوں گے تو بہت یاد کرو گے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۰ : ع۲ ہماری لاش کی شب خوب پاسبانی کی
[2] مخزن نکات [3] نسخۂ کلکتہ : ع

عریانی آشفتہ کہاں جائے پس از مرگ
کشتہ ہے ترا اور یہی بے کفنی ہے

[4] نکات الشعراء ، مخزن نکات ص ۲۴ ، چمنستان شعراء [5] طبقات الشعراء [6] اصل "ادبھر"
[7] نسخۂ کلکتہ : ع۲ فرہاد کے ذمہ بھی عجب کوہکنی ہے
[8] نسخۂ کلکتہ : ع۱ ہوں گرم سفر شام غریباں سے خوشی ہوں
[9] نسخۂ آسی "بلهوسوں"

زنہار اگر خستہ دلاں بے ستوں جاؤ — ٹک پاس ہنرمندی فرہاد کرو گے
جاگہ نہیں یاں رونے جس پر نہ کھڑے ہو — کچھ شور ہی سر میں تو ہمیں یاد کرو گے
اس دشت میں اے راہ رواں ہر قدم اوپر — مانند جرس نالہ و فریاد کرو گے
غیروں پہ اگر کھینچو گے شمشیر تو خوباں — ایک اور مری جان پہ بیداد کرو گے
گر دیکھو گے تم طرز کلام اس کی نظر کر
اے اہل سخن میرؔ کو استاد کرو گے

(۳۱۵)

ترا اے ناتوانی جو کوئی عالم میں رسوا ہے — توانائی کا مونہہ دیکھا نہیں ان نے کہ کیسا ہے
نیاز ناتواں کیا ناز سے وقدے بر آوے — مثل مشہور ہے یہ تو کہ دست زور بالا ہے
ابھی اک عمر رونا ہے نہ کھو دو اشک اے آنکھو[1] — کرو کچھ سوجھتا اپنا تو بہتر ہے کہ دنیا ہے
کیا اے سایۂ دیوار تو نے مجھ سے رو پنہاں — مرے اب دھوپ جلنے ہی کا کیا آثار پیدا ہے[2]
بھلے کو اپنے سب دوڑیں ہیں یہ اپنا برا چاہے — چلن اس دل کا ہی دیکھا کہ دنیا سے نرالا ہے[3]
رہو ٹک دور ہی پھرنے دو کوچوں میں مجھے لڑکو — کرو گے تنگ اس سے زیادہ تو نزدیک صحرا ہے[4]
گلہ سن بیچ پیش کاکل کا مجھ سے یوں لگا کہنے
تو اپنی فصد کر جلدی کہ تجھ کو میرؔ سودا ہے

(۳۱۶)

توجہ تیری اے حیرت میری آنکھوں پہ کیا کم ہے — جو میں ہر یک مژہ دیکھوں کہ یہ نم ہے کہ یہ نم ہے
کرے ہے مو پریشاں غم وفا تو تعزیہ تو لے — حیا کر حق صحبت کی کہ مجھ بے کس کا ماتم ہے[5]
دورنگی دہر کی پیدا ہے یاں سے دل اٹھا اپنا — کسو کے گھر میں شادی ہے کسو کے گھر میں ماتم ہے[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۲: ع — ابھی اک عمر رونا ہے نہ کھو دو اشک آنکھو تم
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۲: ع — مرے اب دھوپ میں جلنے کا آثار پیدا ہے
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۲: ع — چلن اس دل کا تم دیکھو تو دنیا سے نرالا ہے
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۲: ع — کرو گے تنگ اسے تم اور تو نزدیک صحرا ہے
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۴: ع — حیا کر حق صحبت کی کہ اس بے کس کا ماتم ہے
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۴: ع — کسو کے گھر میں شادی ہے کہیں ہنگامۂ غم ہے

کہیں آشفتہ گاں سے کام دل ہوتا بھی حاصل
تیری زلفیں جو درہم ہیں میرا بھی کام برہم ہے[1]

(۳۱۷)

ہم تو اس کے ظلم سے ہمدم چلے — رہ سکے ہے تو تو یاں رہ ہم چلے
ٹوٹے جوں لالہ ستاں سے ایک پھول — ہم لے یہاں سے داغ یک عالم چلے
نم جگر کے آیا آخر ہو گئے — اشک خونیں کچھ مژہ پر جم چلے
جنبش ابرو تو واں رہتی نہیں — کب تلک تلوار یاں ہر دم چلے
دیکھیے بخت زبوں کیا کیا دکھائیں — تم تو خوباں ہم سے ہو برہم چلے
بھاگنے پر بیٹھے تھے گویا غزال — تیری آنکھیں دیکھتے ہی رم چلے
مجھ سے ناشائستہ کیا دیکھا کہ میرؔ
آتے آتے کچھ جو آنسو تھم چلے

(۳۱۸)

بند قبا کو خوباں جس وقت وا کریں گے — خمیازہ کش جو ہوں گے ملنے کے کیا کریں گے
رونا تو یہ ہے مجھ کو تیری جفا سے ہر دم — دل اور دماغ میرے کب تک وفا کریں گے[2]
ہے دین سر کا دینا گردن پہ اپنے خوباں — جیتے ہیں تو تمہارا یہ قرض ادا کریں گے
درویش ہیں ہم آخر دو یک نگہ کی رخصت — یک طرف بیٹھے پیارے تم کو دعا کریں گے[3]
آخر تو روز آتے دو چار رات ہم بھی[4] — ترسا بچوں میں جا کر دارو پیا کریں گے
کچھ تو کہے گا ہم کو خاموش دیکھ کر وہ — اس بات کے لیے اب چپ ہی رہا کریں گے[5]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۴ : ع

کہیں آشفتگاں سے میرؔ مقصد ہوئے ہے حاصل
جو زلفیں اس کی درہم ہیں میرا بھی کام برہم ہے

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۳ : ع — یہ دل دماغ دونوں کب تک وفا کریں گے

[3] نسخۂ کلکتہ : ع — گوشہ میں بیٹھے پیارے تم کو دعا کریں گے

[4] نسخۂ کلکتہ : ع — آخر تو روزے آتے دو چار روز ہم بھی

[5] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔

عالم مرے ہے تجھ پر گر روز حشر پہنچا [1] ہر سمت تجھ گلی کے محشر ہوا کریں گے
دامان دشت سوکھا ابروں کی بے نمی سے [2] جنگل میں رو دنے کو اب ہم چلا کریں گے
لاتی تری گلی تک آوارگی ہماری [3] ذلت کی اپنی اب ہم عزت کیا کریں گے
احوال میر کیوں کر آخر ہو ایک شب میں
یک عمر ہم یہ قصہ تم سے کیا کریں گے

(۳۱۹)

بن اُس کے ترے حق میں کوئی کیا دعا کرے [4] عاشق کہیں شتاب تو ہو وے خدا کرے
اے سرد مہر کوئی مرے رہ تو گرم ناز [5] پرسش کسو کے حال کی تیری بلا کرے
دامن بہت وسیع ہے آنکھوں کا مری ابر [6]
لازم ہے تجھ کو ان ہی کا پانی بھرا کرے

(۳۲۰)

کیا مرے سرو رواں کا کوئی مائل ایک ہے [7] سیکڑوں ہیں خوں گرفتہ اور وہ قاتل ایک ہے
راہ سب کو ہے خدا سے جان اگر پہنچا ہے تو ہوں طریقے مختلف کتنے ہی منزل ایک ہے
ہے عرب میں اور عجم میں اک ہی لیلیٰ جلوہ گر [8] مختلف ہوں گو عبارات ان کا محمل ایک ہے

---

[1] نسخۂ کلکتہ : ؎
عالم مرے ہے تجھ پر آئی اگر قیامت
تیری گلی کے ہر سو محشر ہوا کریں گے

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۳ : ع
جنگل میں رونے کو اب ہم بھی چلا کریں گے

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۹۸۶ دیوان پنجم میں غزل کے پانچ شعر ہیں اور یہ دو شعر زاید ہیں : ؎
آ کر بکھیرے پھول مری مشتِ خاک پر مرغِ چمن اگر حقِ صحبت ادا کرے
پتھر کی چھاتی چاہیے ہے میر عشق میں جی جاتا ہے اس کا جو کوئی وفا کرے

[4] شعر کا مصرع اول نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے : ع
بے اس کے ترے حق میں کوئی کیا دعا کرے

[5] نسخۂ آسی ص ۹۱۶ دیوان پنجم : ع
پرسش کسو سے حال کی تیری بلا کرے

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۹۸۶ : ع
دامن بہت وسیع ہے آنکھوں کا اے سحاب

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۵ : ع
سیکڑوں ہم خوں گرفتہ ہیں وہ قاتل ایک ہے

[8] نسخۂ کلکتہ : ع
کیا عرب میں کیا عجم میں ایک لیلیٰ کا ہے شور

اُن مرے بُت نے ایک عالم حق سے توڑ اپنا کیا[1] — کام میں اپنے بھی وُہ معبود باطل ایک ہے
ایک سے ہے خرمن غم دانۂ اشک ایک سے — دیدہ و دل الغرض دونوں کا حاصل ایک ہے
اس شکار افگن کے کوچہ سے نہیں جاتا ہے ظلم — ایک اگرجی سے گیا تو نیم بسمل ایک ہے
نازو ابرو چشم وخوبی زلف وکاکل خال وخط — دیکھتے کیا ہو بلائیں اتنی اور دل ایک ہے[2]
کام کچھ دنیا کے آسانی میں ہوں تو میرؔ کر
مردن دشوار بھی درپیش مشکل ایک ہے

(۳۲۱)

رشک گلشن اگر تو ناز کرے — رنگ رو کو چمن ناز کرے[3]
تیری ابرو جدھر کو مائل ہے — ایک عالم اودھر نماز کرے

(۳۲۲)

نہ رہ دنیا میں دلجمعی سے اے انساں جو دانا ہے — سفر کا بھی رہے خطرہ کہ اس منزل سے جانا ہے[4]
چلے آتے تھے جو آنا فانا دیکھ حیرت کو — وے آنسو بھی لگے آنکھیں چرانے کیا زمانا ہے[5]

(۳۲۳)

صبح سے بن علاج تو خوش ہے — تیرا بیمار آج تو خوش ہے[6]
میرؔ پھر کہیو سرگزشت اپنی — بارے یہ کہہ مزاج تو خوش ہے

---

[1] نسخۂ کلکتہ: مع
اس مرے بت نے سبھوں کو حق سے توڑا اپنا کیا

[2] نسخۂ کلکتہ: ؎
چشم وابرو ناز وخوبی زلف وکاکل خال وخط
دیکھتے کیا ہو بلائیں اتنی ہیں دل ایک ہے

[3] دونوں شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ مخزن نکات ص ۴۴ میں دوسرے شعر کا مصرع اول یوں ہے: مع
ترے ابرو جدھر کو ہوں مائل

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۱ میں یہ شعر فردیات میں شامل ہے۔ مصرع اول اس طرح ہے: مع
نہ رہ دنیا میں دل جمعی سے جو انساں جانا ہے
آسی نے بھی کلیات میرؔ ص ۸۳۱ میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ انھوں نے اس شعر کے بارے میں حاشیے میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شعر قدیم نسخے میں بھی ایسا ہی ہے۔ اگرچہ اس کے قافیے صحیح نہیں ہیں کیونکہ "جانا جانا" دونوں میں ایطائے جلی پیدا کرتا ہے۔

[5] غیر مطبوعہ

[6] یہ دونوں شعر غیر مطبوعہ ہیں اور کسی نسخے میں درج نہیں ہیں۔ نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں موجود ہیں۔ شوق رامپوری نے دوسرے شعر کا مصرع اوّل یوں لکھا ہے: مع
میرؔ پھر کہیو سرنوشت اپنی

(۳۲۴)

شش جہت سے اس میں ظالم بُو ئے خوں کی راہ ہے — تیر اُگو چہ مجھ[1] سے تو کہہ کس کی بسمل گاہ ہے
ایک نبھنے کا نہیں مژگاں تلک بوجھل ہیں سب — کاروانِ لختِ دل ہر اشک کے ہمراہ ہے
ایک کو چھوڑا نہ ان نے اس سے سب پکڑے گئے — یہ دو سالہ دخترِ رز کس قدر شتاہ[2] ہے
پا برہنہ خاک سر میں مو پریشاں سینہ چاک — حال میرا دیکھنے آ تیرے ہی دلخواہ ہے

اس جنوں پر میرؔ کوئی بھی پھرے ہے شہر میں
جادۂ صحرا سے کر سازش جو تجھ میں راہ ہے

(۳۲۵)

مشکل ہے ہونا روکش رخسار کی جھلک کے — ہم تو بشر ہیں اس جا پر جلتے ہیں ملک کے
مرتا ہے کیوں تو ناحق یاری برادری پر — دنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے ہی تلک[3] کے
کہتے ہیں گور میں بھی ہیں تین روز بھاری — جاویں کدھر الٰہی مارے ہوئے فلک کے
لاتے نہیں نظر میں غلطانی گہر کی[4] — ہم معتقد ہیں اپنے آنسو ہی کی ڈھلک کے

کل تک مژہ نچوڑے طوفانِ نوح آیا
فکرِ فشار میں ہوں میرؔ آج ہر پلک کے

(۳۲۶)

تا چند ترے غم میں یوں زار رہا کیجے — امیدِ عیادت پہ بیمار رہا کیجے
کیفیتِ چشماں اب معلوم ہوئی اسکی — یہ مست ہیں دو خونی ہشیار رہا کیجے
نے اب ہے جگر کاوی نے سینہ خراشی ہے — کچھ جی میں یہ آیا ہے[5] بیکار رہا کیجے
دل جاؤ تو اب جاؤ ہو خون تو جگر ہوئے — اک جان ہے کس کس کے غمخوار رہا کیجے

ہے زیست کوئی یہ بھی جو میرؔ کرے ہے تو
ہر آن میں مرنے کو تیار رہا کیجے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۵ میں "مجھ" کے بجائے "ہم" ہے۔ [2] تذکرۂ شورش میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعِ اول یُوں ہے: ع

ہم جوانوں کو نہ چھوڑا اس سے سب پکڑے گئے

[3] نسخۂ کلکتہ ص۲۰۶: ع — دنیا کے سارے ناتے ہیں جیتے جی تلک کے

[4] نسخۂ کلکتہ ص۲۰۶: ع — لاتے نہیں نظر میں غلطانی گہر کو

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۷: ع — کچھ جی میں یہ آئے ہے بیکار رہا کیجے

(۳۲۷)

طاقت نہیں ہے جی کو نے اب جگر رہا ہے [1] — اور دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے [2]
مارا ہے کس کو ظالم اس بے سلیقگی سے — دامن تمام تیرا لوہو سے بھر رہا ہے [3]
پہنچا تھا تیغ کھینچے مجھ تک جو بولے دشمن — کیا مارتا ہے اس کو یہ آپھی مر رہا ہے [4]
آنے کہا ہے میرے خوش قد نے رات گزرے — ہنگامۂ قیامت اب صبح پر رہا ہے
چل ہمنشیں کہ دیکھیں آوارہ میر کو ٹک
خانہ خراب وہ بھی آج اپنے گھر رہا ہے [5]

(۳۲۸)

قرار دل کا یہ کاہے کو ڈھنگ تھا آگے — ہمارے چہرے کے اوپر بھی رنگ تھا آگے [6]
اٹھائیں تیرے لیے بدزبانیاں اُن کی — جنھوں کی ہم کو خوش آمد سے ننگ تھا آگے
ہماری آہوں سے سینے پہ ہو گیا بازار — ہر ایک زخم کا کوچہ جو تنگ تھا آگے [7]
رہا تھا شمع سے مجلس میں وہ شکستہ فرق — یہ جل بجھی تھی ہم اور یہ پتنگ تھا آگے [8]
کیا خراب تغافل نے اس کو ورنہ میر
ہر ایک بات پہ دشنام و سنگ تھا آگے

(۳۲۹)

مری جاویں گے بہت ہجر میں ناشاد رہے — بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے [9]
ہم سے دیوانہ پھریں شہر میں سبحان اللہ — دشت میں قیس رہے کوہ میں فرہاد رہے [10]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۷: سه
طاقت نہیں ہے جی میں نے اب جگر رہا ہے
پھر دل ستم رسیدہ اک ظلم کر رہا ہے
[2] طبقات الشعرا میں یہ شعر ایسا ہی ہے جیسا کہ متن میں درج ہے۔ [3] یہ شعر طبقات الشعراء اور گلشن سخن میں بھی ہے۔ [4] گلشن سخن۔
[5] عمدۂ منتخبہ۔ [6] عمدۂ منتخبہ میں مصرع اول یہ ہے: ع
قرار دل کا یہ کاہے کو رنگ تھا آگے
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۸: ع
کہ جل بجھے تھے یہ ہم پر پتنگ تھا آگے
[8] یہ شعر نکات الشعراء میں بھی ایسا ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۹ میں مصرع ثانی اس طرح ہے: ع
بھول تو ہم کو گئے ہو یہ تمہیں یاد رہے
[9] نکات الشعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعۂ اول یہ ہے: ع
ہم سے دیوانے رہیں شہر میں سبحان اللہ

کچھ بھی نسبت نہ تھی جب دیکھ سے تب کیا تھا شیخ ‏ ‏ ہم حرم میں بھی ہمیشہ تیرے داماد رہے
دور نہیں شام اجل ضعف تیری رنجش کی ‏ ‏ گر مجھے صبح تلک طاقت فریاد رہے
سر تو کٹوا ہی چکے میر تڑپھ سے تو بچیں
گر ٹک اک پانو رکھے چھاتی پہ جلاد رہے

(۳۲۰)

تجھ بن خراب و خستہ زبوں خوار ہوگئے ‏ ‏ کیا آرزو تھی ہم کو کہ بیمار ہو گئے
طالع سعید دیکھ کہ خوبانِ بے وفا ‏ ‏ بے ہیچ میرے در پے آزار ہو گیے
ہم نے بھی سیر کی تھی چمن کی پر اے نسیم ‏ ‏ اڑتے ہی آشیاں سے گرفتار ہو گیے
وہ تو گلے لگا ہوا سوتا تھا خواب میں ‏ ‏ بخت اپنے سو گئے کہ جو بیدار ہو گئے
اپنی یگانگی ہی کیا کرتے ہیں بیاں ‏ ‏ اغیار رو سیاہ بہت یار ہو گئے
لاتی تھی غنچوں پر بھی خرابی تیری نگاہ ‏ ‏ بے طالعی سے اپنی وے ہشیار ہو گیے
کیسے ہیں شے جو جیتے ہیں صد سال ہم تو میر
اس چار دن کی زیست میں بے زار ہو گئے

(۳۲۱)

نالہ تا آسمان جاتا ہے ‏ ‏ شور سے جیسے بان جاتا ہے

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع ‏ ‏ ہم حرم میں بھی رہے تو تیرے داماد رہے
[2] نسخۂ کلکتہ: ع ‏ ‏ دور اتنی تو نہیں شام اجل دوری میں
تا سحر ایسی ہی جو زاری و فریاد رہے
[3] نسخۂ کلکتہ: ع ‏ ‏ جو ٹک اک پانوں رکھے چھاتی پہ جلاد رہے
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۸: ع ‏ ‏ خوبی بخت دیکھ کر خوبانِ بے وفا
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۸: ع ‏ ‏ اُٹھتے ہی آشیاں سے گرفتار ہو گئے
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۰۸: ع ‏ ‏ لاتی تھی شیشوں پر بھی خرابی تیری نگاہ
بے طالعی سے اپنی وہ ہشیار ہو گئے
[7] نسخۂ کلکتہ: ع ‏ ‏ کیسے ہیں وے کہ جیتے ہیں صد سال ہم تو میر
[8] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ

دل عجب جائے ہے ولیکن مفت ہاتھ سے یہ مکان جاتا ہے
گاہے آتا ہوں آپ میں سو بھی جیسے کوئی مہمان جاتا ہے [۱]
نہیں خرابات کی خرابی سہل [۲] محتسب اک جہان جاتا ہے
جب سر رہ پر آوتا ہے یار [۳] ایک عالم کا جان جاتا ہے
اس سخن ناشنو کو کیا کہیے غیر کی بات مان جاتا ہے [۴]
عشق کے داغ کا عبث ہے علاج کوئی اب یہ نشان جاتا ہے
گو وہ ہرجائی آوے اپنی اور سو طرف ہی گمان جاتا ہے
میر گو عمر طبعی کو پہنچا
عشق میں جوں جوان جاتا ہے

(۳۳۲)

گونگ آوتا ہے اسے میرے نام سے [۵] ہے میر کام میرے تئیں اپنے کام سے
دُرد صفر ہے خوں پیئیں جس میں صاف مے کیا مے کشوں کو اول ماہ صیام سے
صیاد عرض حال کروں اور تجھ سے کیا [۶] ظاہر اضطراب میرا زیر دام سے [۷]
پڑھتے نہیں نماز جنازے پہ اس کے میر
دل میں غبار جس کے ہو خاک امام سے

(۳۳۳)

اچنبھا [۸] ہے اگر چپکا رہوں مجھ پر عتاب آوے وگر نقصہ کہوں اپنا تو سنتے اس کو خواب آوے
بھرا [۹] ہے دل مرا جام لبالب کی طرح ساقی گلے لگ خوب روؤں میں جو مینائے شراب آوے

---

[۱] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے اور مصرع ثانی یوں ہے: ع
جُوں کوئی مہمان جاتا ہے
[۲] نسخۂ کلکتہ صفحہ ۱۰: ع کیا خرابی ہے میکدہ کی سہل
[۳] نسخۂ کلکتہ: ع جب سر راہ آوے ہے وہ شوخ
[۴] گلشن سخن [۵] نسخۂ کلکتہ صفحہ ۲۲۳: ع گونگ اس کو آوے ہے عاشق کے نام سے
عمدۂ منتخبہ: ع آتا ہے ننگ گو اسے میرے نام سے
[۶] غیر مطبوعہ [۷] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [۸] عمدۂ منتخبہ

بغل پہ دردہ طوفاں ہوں میں یہ موج ہے میری   بیاباں میں اگر روؤں تو شہروں میں بھی آب آوے

لپیٹا ہے دل سوزاں کو اپنے میر نے خط میں
الٰہی نامہ بر کو اس کے لے جانے کی تاب آوے[1]

(۳۳۴)

بسکہ دیوانگیِ حال میں چالاک ہوتے   سو گریباں میرے ہاتھ سے کل چاک ہوتے[2]

سر دگر پانو پہ قاتل کے کٹا گردن کو   اپنے ذمہ سے تو صد شکر کہ ہم پاک ہوتے

پائمالی سے فراغت ہی نہیں میر ہمیں
کوچے دلبر میں عبث آن کے ہم خاک ہوتے

(۳۳۵)

میرے درد دل کا تو یہ جوشش ہے   کہ عالم جوان سیہ پوشش ہے[3]

کیا رو برو اس کے کیوں آئینہ   کہ بیہوشی اس کا دم اور ہوشش ہے

کبھو تیر سا اس کماں میں بھی آ   کہ خمیازہ کش میری آغوشش ہے

بلاؤں میں اس دور بد کی تو نہیں
جہاں میں خوش حال مے نوش ہے

(۳۳۶)

صید افگنوں سے ملنے کی تدبیر کریں گے   اس دل کے تئیں پیشکش تیر کریں گے[4]

فریاد اسیران محبت نہیں بے ہیچ   یہ نالے کسو دل میں بھی تاثیر کریں گے

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۴، ع۲

سو گریباں مرے ہاتھ سے یہاں چاک ہوئے

[3] غزل کے یہ شعر کسی مطبوعہ نسخے میں درج نہیں ہیں۔ پہلا اور دوسرا شعر نکات الشعراء ص ۷۲-۱۷۱ اور چمنستان شعراء ص ۲۰۰ میں منقول ہیں۔ چمنستان شعراء میں دوسرا شعر یوں ہے: ؎

گیا رو برو اس سے کیوں آئینہ
کہ بیہوشش اس کا دم اور ہوش ہے

نسخۂ آصفیہ میں پہلے تین شعر درج ہیں۔

[4] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ

دیوانگی کی شورشیں دکھلائیں گے بلبل　　　آتی ہے بہار اب ہمیں زنجیر کریں گے
وا اس سے سر حرف تو ہو گو کہ یہ سر جاتے　　　ہم حلق بریدہ ہی سے تقریر کریں گے[1]
رسوائی عاشق سے تسلی نہ ہوں خوباں　　　مرجائے گا تو نعش کو تشہیر کریں گے[2]
یارب وہ بھی دن ہوئے گا جو مصر سے چل کر　　　کنعان کی طرف قافلہ شبگیر کریں گے
ہر چند کہ ان ترکوں میں ہو جلد مزاجی　　　پر کام میں ملنے کی یہ تاخیر کریں گے[3]
غصہ میں تو ہووے گی توجہ تیری ایدھر　　　ہر کام میں ہم اب تیری تقصیر کریں گے[4]
شب دیکھی ہے زلف اسکی ہیں اب صبح کے تئیں یار　　　اس خواب کی کیا دیکھیے تعبیر کریں گے[5]
نکلا نہ مناجاتیوں سے کام کچھ اپنا　　　اب کوئی خراباتی جواں پیر کریں گے[6]
مکھڑے کے تیرے دیکھنے والوں کے مقابل　　　لاوے گا کوئی مہ کو تو تعزیر کریں گے[7]
شیخوں کی نہ جا سبحہ و سجادہ پہ ہرگز　　　مقدور تلک اپنی یہ تزویر کریں گے[8]

بازیچہ نہیں میر کے احوال کا لکھنا
اس قصہ کو ہم کرتے ہی تحریر کریں گے

(۳۳۷)

بے یار شہر دل کا ویران ہو رہا ہے　　　دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے
اس منزلِ جہاں کے باشندہ رفتنی ہیں　　　ہر یک کے ہاں سفر کا سامان ہو رہا ہے[9]
اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے　　　آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے
تک زیر طاق نیلی وسواسیے رہا کر　　　مدت سے گرنے پر یہ ایوان ہو رہا ہے[10]
گل دیکھ کر چمن میں تجھ کو کھلا ہی چاہے　　　یعنی ہزار جی سے قربان ہو رہا ہے

---

[1] عمدۂ منتخبہ، منظوطہ گلشن بیخار، گلشن سخن　[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۴: ع
رسوائی عاشق سے تسلی نہیں خوباں
[3] غیر مطبوعہ۔ لیکن نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔　[4] گلشن سخن ص ۲۱۴
[5] نسخۂ کلکتہ: ع　　شب دیکھی ہے زلف اس کی بجز دام اسیری
کیا یار اب اس خواب کی تعبیر کریں گے
[6] عمدۂ منتخبہ　[7] غیر مطبوعہ　[8] غیر مطبوعہ　[9] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۶: ع
ہر اک سے یہاں سفر کا سامان ہو رہا ہے
[10] غیر مطبوعہ

حالِ تباہ اپنا پوشیدہ کچھ نہ تھا تو[1] — سنتا نہ تھا کہ یہ صیبے جان ہو رہا ہے
اب تو خبر لے ظالم جوں شمع صبحگاہی[2] — ایک آدھ دم کا عاشق مہمان ہو رہا ہے
قربان گہِ محبت وہ جا ہے جس میں ہر سو — دشوار جان دینا آسان ہو رہا ہے
ہر شب گلی میں اسکی روتے تو رہتے ہو تم[3]
اک روز میر صاحب طوفان ہو رہا ہے

(۳۳۸)

سینہ ہے چاک جگر پارہ ہے دل سب خوں ہے — تس پہ یہ جاں بلب آمدہ بھی محزوں ہے
اس سے آنکھوں کو ملا دل کو ہے کیونکر تاب[4] — چشم اعجاز مژہ سحر نگہ افسوں ہے
آہ یہ رسم وفا ہووے بر افتاد کہیں — اس ستم پر بھی میرا دل اسی کا ممنوں ہے
کبھو اس دشت سے اٹھتا جو ہے ایک ابر تنک — گردِ نمناک پریشاں شدہ مجنوں ہے
کیونکے بے بادہ لب جو پہ چمن میں رہتے — عکس گل آب ہے تکلیف مے گلگوں ہے[5]
پار بھی ہو نہ کلیجے کے تو پھر کیا بلبل — مصرعہ نالہ جگر کاوی ہے گو موزوں ہے
شہر کتنا جو کوئی اس میں سرشک افشاں ہو — ردکش گریۂ غم حوصلۂ ہاموں ہے
خون ہر ایک رقم شوق سے ٹپکے تھا دلے — وہ نہ سمجھا کہ میرے نامہ کا کیا مضموں ہے
میر کی بات پہ ہر وقت ہی جھنجھلایا نہ کر
سڑی ہے خبطی ہے وہ شیفتہ ہے مفتوں ہے[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع — حالِ زبوں اپنا پوشیدہ کچھ نہ تھا تو

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶، نسخۂ ندوہ: ع — ظالم ادھر کی سدھ لے جوں شمع صبحگاہی

[3] نسخۂ کلکتہ: ع — ہر شب گلی میں اس کی روتے رہے جو ہم تو

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۶: ع — اس سے آنکھوں کو ملا جی میں رہے کیونکر تاب

[5] نسخۂ کلکتہ:

کیونکر بے بادہ لب جو پہ چمن میں یہ رہے
عکس گل آب میں تکلیف مے گلگوں ہے

[6] طبقات الشعراء ص ۲۱۹ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے: ع

سڑی ہے خبطی ہے وہ شیفتہ ہے مجنوں ہے

(۳۳۹)

کہنا ترے مونھ پر تو نپٹ بے ادبی ہے | زاہد جو صفت تجھ میں ہے سو زن حلبی ہے
اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ | ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے[1]
ہر اک سے کہا ہندی میں پہ کوئی نہ سمجھا[2] | شاید کہ مرے حال کا قصہ عربی ہے
عزلت سے نکل شیخ کہ تیرے لیے تیار | کوتی ہفت گزی میخ کوئی وہ دجبی ہے

اے چرخ نہ تو روز سیہ میر پہ لانا
بے چارہ یہ ایک نعرہ زن نیم شبی ہے[3]

(۳۴۰)

دوں سونپ دو دل کو مجھ بعد یہ نشاں ہے[4] | ہوں میں چراغ کشتہ باد سحر کہاں ہے
بیٹھا جگر سے اپنے کھینچوں ہوں تیرے پیکاں | جینے کی اور سے تو خاطر میری نشاں ہے
روشن ہے جل کے مرنا پروانہ کا و لیکن | اے شمع کچھ تو تو کہہ تیرے بھی تو زباں ہے[5]
بھڑکے ہے آتش گل اے ابر تر ترحم | ہر گوشہ چمن میں میرا بھی آشیاں ہے
ہم زمزمہ تو ہو کے مجھ نالہ کش سے چپ آہ[6] | اے عندلیب گلشن تیرا لب و دنداں ہے
کس دور میں اتارا مجھ سینہ چاک کے تئیں[7] | پیوند ہو زمیں کا شیوہ یہ آسماں ہے[8]
کتنی ہی جی نے تجھ سے لی خاک گر اڑاتی | وابستگی کر اس سے پر وہی جہاں ہے[9] (کذا)

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۷: ع
ہر اک سے کہا نیند میں پر کوئی نہ سمجھا
شاید کہ میرے حال کا قصہ عربی ہے

[3] عمدۂ منتخبہ: ع
بے چارہ یہ اک نعرہ کش نیم شبی ہے

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۷، نسخۂ ندوہ: ع
دو سونپ دو دل کو میرا کوئی نشاں ہے

[5] نسخۂ کلکتہ: ع
اے شمع کچھ تو کہہ تو تیرے بھی تو زباں ہے

[6] نسخۂ کلکتہ: ع
ہم زمزمہ تو ہو کے مجھ نالہ کش سے چپ رہ

[7] نسخۂ کلکتہ: ع
کس دور میں اٹھایا مجھ سینۂ سوختہ کو

[8] نسخۂ کلکتہ: ع
پیوند ہو زمیں کا جیسا یہ آسماں ہے

[9] غیر مطبوعہ

ہے قتل گاہ کس کی کوچہ تیرا ستمگر یک عمر خضر ہو گئی خوں متصل رواں ہے[1]
پیر مغاں سعادت تیری جو ایسا آوے
یہ میر مے کشوں میں یک طرز کا جواں ہے

(٣٤١)

آہ میری زبان پر آئی پھر بلا آسمان پر آئی[2]
عالم جاں سے تو نہیں آیا ایک آفت جہان پر آئی
آتش رنگ گل سے کیا کہیے برق تھی آشیان پر آئی
پیری آفت ہے پھر نہ تھا گویا یہ بلا جس جوان پر آئی
ہم بھی حاضر ہیں کھینچیے شمشیر طبع گر امتحان پر آئی[3]
تب ٹھکانے لگی ہماری خاک جب تیرے آستان پر آئی[4]
طاقت دل برنگ نکہت گل پھر نہ اپنے مکان پر آئی[5]
غم جاناں ہو اور جہاں ہو میر[6]
جس سے عالم کی جان پر آئی

(٣٤٢)

تجھ سے دو چار ہوگا جو کوئی راہ جاتے پھر عمر چاہیے گی اس کو بحال آتے
گر دل کی بیقراری ہوتی یہی جواب ہے تو ہم ستم رسیدہ کاہے کو جینے پاتے
وے دن گئے کہ اٹھ کر جاتے تھے اس گلی میں اب سعی چاہیے ہے بالیں سے سر لاتے[7]

---

[1] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں مصرع یوں ہے: ع
گزری ہے ایک مدت خوں متصل رواں ہے

[2] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ، گلشن بیخار [3] گلشن سخن [4] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ اور گلشن سخن میں درج ہے۔ [5] گلشنِ سخن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ١٠٦ میں یوں ہے: ع
پھر اپنے مکان پر آئی

[6] گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یہ مصرع ہے: ع
ہو جہاں میر اور غم اس کا

[7] نسخۂ کلکتہ ص ١٠٧، نسخۂ ندوہ: ع اب سعی چاہیے ہے بالیں سے سر اٹھاتے

کب تھی یہاں تمنا اے ضعف یہ کہ تڑپیں   پو زیر تیغ اس کی ہم تک تو سر لاتے
گر جانتے کہ یوں ہی برباد جائیں گے تو   کاہے کو خاک میں ہم اپنے تئیں ملاتے
شاید کہ خون دل کو پہنچا ہے وقت آخر[1]   تھم جاتے ہیں کچھ آنسو آتوں کو آتے آتے
اس سمت کو پلٹتی تیری نگہ تو ساقی   حال خراب مسجد ہم شیخ کو دکھاتے[2]
جی دینا دلدہی سے بہتر تھا صد مراتب   اے کاش جان دیتے اور ہم نہ دل لگاتے[3]

شب کوتہ اور قصہ ان کا دراز ورنہ
احوال میر صاحب ہم تجھ کو سب سناتے

(۳۴۳)

ہمسایۂ چمن یہ نہیٹ زار کون ہے   نالان و مضطرب پس دیوار کون ہے
مژگاں بھی پھر گئیں تری بیمار چشم دیکھ   دکھ درد میں سوائے خدا یار کون ہے
آیا نہ آشیانۂ بلبل کے بھی ہیں کام[4]   مجھ سا تو خار باغ میں بیکار کون ہے
نالے جو آج سنتے ہیں سو ہیں جگر خراش   کیا جانیے قفس میں گرفتار کون ہے[5]
کیا فکر ملک گیری میں ہے تنے جو پیش ازیں   ان میں سے تو ہی دیکھ جہاندار کون ہے[6]

عرض وفا ہے میر عبث شوق دہر میں
یاں ایسی جنس بد کا خریدار کون ہے[7]

(۳۴۴)

گرم ہیں شور سے تجھ حسن کے بازار گئی   رشک سے جلتے ہیں یوسف کے خریدار گئی[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: مصرع
شاید کہ خون دل کا پہنچا ہے وقت آخر

[2] نسخۂ کلکتہ: مصرع
حال خراب مجلس ہم شیخ کو دکھاتے

[3] نسخۂ کلکتہ: مصرع
اے کاش جان دیتے ہم بھی نہ دل لگاتے

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۸: مصرع
آیا نہ آشیانۂ بلبل میں کام بھی

[5] گلشن سخن ص ۲۱۷۔ [6] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [7] نسخۂ آصفیہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں شعر یوں ہے: ؎
بازار دہر میں ہے عبث میر عرض مہر
یہاں ایسی جنس کا تو خریدار کون ہے

[8] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۶۔

کب تئیں داغ دکھاوے گی اسیری مجھ کو | مر گئے ساتھ کے میرے تو گرفتار کئی [1]
ٹے ہی چالاکیاں ہاتھوں کی ہیں جو اول تھیں | اور گریباں میں مرے رہ گئے ہیں تار کئی
خوف تنہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سفر [2] | ہر جگہ راہ عدم میں ملیں گے یار کئی
اضطراب و قلق و ضعف میں ہیں کیونکے جیوں | جان واحد ہے میری اور ہیں آزار کئی
کیوں نہ ہوں خستہ جگر میں کہ نگاہوں کے تیر تھے [3] | تیر ہیں پار کئی وار ہیں سو فار کئی

اپنے کوچے میں نکلیو تو سنبھالے دامن
یادگار مژہ میر ہیں وہاں خار کئی [4]

(۳۴۵)

مجھ سوز بعد مرگ سے آگاہ کون ہے | شمع مزار میر بن اب آہ کون ہے [5]
بیکس ہوں مضطرب ہوں مسافر ہوں بے وطن | دوری راہ بن میرا ہمراہ کون ہے [6]
لبریز جس کے حسن سے مسجد ہے اور دیر | ایسا بتوں کے بیچ وہ اللہ کون ہے
رکھیو قدم سنبھل کے تو کیا جانتا نہیں | مانند نقش پایہ سر راہ کون ہے

ایسا اسیر خستہ جگر میں سنا نہیں
ہر آہ میر جس کی ہے جانکاہ کون ہے

(۳۴۶)

دیکھا کروں تجھی کو منظور ہے تو یہ ہے | آنکھیں نہ کھولوں تجھ بن مقدور ہے تو یہ ہے
نزدیک تجھ سے سب ہے کیا قتل کیا جلانا | ہم غمزدوں سے ملنا اک دور ہے تو یہ ہے
رونے میں دن کٹیں ہیں آہ و فغاں سے راتیں | گر شغل ہے تو یہ ہے مذکور ہے تو یہ ہے [7]
چاک جگر کو میرے جو کچھ کہو سو ہے یہ | گر زخم ہے تو یہ ہے ناسور ہے تو یہ ہے

---

[1] تذکرۂ میر حسن، مصرعہ اول : ع
کب تک داغ دکھاتے گی اسیری مجھ کو

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۸ : ع
خوف تنہائی نہیں کر تو جہاں سے تو سفر

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۸ : ع
کیوں نہ ہو خستہ جلائیں کہ ستم کے تیر

[4] یہ شعر نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۸ : ع
شمع مزار میر بجز آہ کون ہے

[6] طبقات الشعراء [7] طبقات الشعراء

اٹھتے ہی صبح کے تئیں عاشق کو قتل کرنا   خوباں کی سلطنت میں دستور ہے تو یہ ہے [۱]
کہتا ہے کوئی سودا کوئی کہے ہے عاشق [۲]   دنیا سے اک نرالا رنجور ہے تو یہ ہے
کیا جانوں کیا کسل ہے طالع میں میرؔ کے تئیں
دو چار روز سے جو مشہور ہے تو یہ ہے

(۳۴۷)

سوائے سنگدلی اور کچھ ہنر بھی ہے   بتاں دلوں میں تمہارے خدا کا ڈر بھی ہے [۳]
ترے فراق میں کچھ کھا کے سو رہا ہوں میں   تو کس خیال میں ہے تجھ کو کچھ خبر بھی ہے

(۳۴۸)

رہی نہ پختگی عالم میں دور خامی ہے   ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے
نہ اُٹھ تو گھر سے اگر چاہتا ہے ہوں مشہور   نگین جو بیٹھا ہے گڑ کر تو کیسا نامی ہے
ہوئی ہیں فکریں پریشاں اس زمانے میں [۴]
جو اس خمسہ کرے جمع سو نظامی ہے

(۳۴۹)

ہو عاجز کہ جرم اس قدر زور سے   نہ نکلا کبھو عہدہ مور سے
بہت دور کوئی رہا ہے مگر   کہ فریاد میں ہے جرس شور سے
مری خاک تفتہ پر اے ابر تر   قسم ہے تجھے ٹک برس زور سے
ترے دل جلے کو رکھا جس گھڑی   دھواں سا اٹھا کچھ لب گور سے
نہ پوچھو کہ بے اعتباری سے ہیں   ہوا اس گلی میں بتر چور سے
نہیں سوجھتا کچھ جو اس بن ہمیں   بغیر اس کے رہتے ہیں ہم گور سے [۵]
جو ہو میرؔ بھی اس گلی میں صبا
بہت پوچھیو تو مری اور سے

---

[۱] غیر مطبوعہ   [۲] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۸، مصرع کہتا ہے کوئی عاشق کوئی کہے ہے خبطی
[۳] یہ دونوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۱۱۷، میں فردیات میں شامل ہیں۔
[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۰، مصرع   ہوئی ہیں فکریں پریشاں میرؔ یاروں کی
[۵] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

(۳۵۰)

سن کے صفت ہم سے خرابات کی — عقل گئی زاہد بد ذات کی[1]
جی میں ہمارے بھی تھا پیویں شراب — پیر مغاں تو نے کرامات کی
کوئی رمق جان بھی تن میں میرے — سو بھی تیرے غم کی مدارات کی
یاد میں تجھ زلف کے گریہ سے شوخ
روز میرا رات ہے برسات کی

(۳۵۱)

وعدہ وعید پیارے کچھ تو قرار ہوتے — دل کی معاملت ہے کیا کوئی خوار ہوتے
فتراک سے نہ باندھے دیکھے نہ تو تڑپتا — کس آرزو پہ کوئی تیرا شکار ہوتے
ازبس لہو پیا ہے اپنا میں تیرے غم میں — تربت سے میرا شاید حشر بہار ہوئے[2]
مرنا بھلا ہے ظالم اس زندگی بد سے — یوں چاہیے کہ کوئی تجھ سے نہ یار ہوئے[3]
میں مست مر گیا ہوں کرنا عجب نہ ساقی — گر سنگ شیشہ میرا سنگ مزار ہوتے
وابستہ آسماں کا ملتا ہے خاک ہی میں — اس بے مدار او پر کس کا مدار ہوئے[4]
اے غیرِ میرؔ تجھ کو گر جو بتاں نہ مارے
سیدؔ نہ ہوئے پھر تو کوئی چمار ہوتے

(۳۵۲)

نالہ عجز نقص الفت ہے — رنج و محنت کمال راحت ہے[5]
عشق ہی گریۂ ندامت ہے — ورنہ عاشق کو چشم خفت ہے[6]
تا دمِ مرگ غم خوشی کا نہیں — دل آزردہ گر سلامت ہے[7]
دل میں ناسور پھر جدھر چاہے — ہر طرف کوچۂ جراحت ہے

---

[1] یہ غزل غیر مطبوعہ ہے۔ صرف مطلع عمدۂ منتخبہ ص ۵۰۱ میں درج ہے۔

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۲۲۹ سے

ازبس لہو پیا ہے میں تیرے غم میں گرد
تربت سے میری شاید حشر بہار ہوئے

[3] غیر مطبوعہ [4] ایضاً [5] عمدۂ منتخبہ ص ۵۰۱

[6] عمدۂ منتخبہ [7] عمدۂ منتخبہ

فتنے رہتے ہیں جس کے سائے میں — قد و قامت ترا قیامت ہے
رونا آتا ہے دم بدم شاید — کسی حسرت کی دل سے رخصت ہے
نہ تجھے رحم نے اسے ٹک صبر — دل پہ میرے عجب مصیبت ہے
تو تو ناداں ہے نپٹ ناصح — کب موثر تری نصیحت ہے
دل پہ جب میرے آگئے یہ ٹھہرئے[1] — کہ مجھے خوش دلی اذیت ہے
رنج و محنت سے باز کیونکے رہوں — وقت جاتا رہے تو حسرت ہے
کیا ہے پھر کوئی دم کو کیا جانو — دم غنیمت ہے میاں جو فرصت ہے[2]
تیرا شکوہ مجھے نہ میرا تجھے — چاہیے یوں جو فی الحقیقت ہے
تجھ کو مسجد ہے مجھ کو میخانہ — واعظا اپنی اپنی قسمت ہے[4]
باطل السحر دیکھے باطل تھے[3] — تیری آنکھوں کا سحر آفت ہے
ابر تر کے حضور پھوٹ بہا — دیدۂ تر کو میرے رحمت ہے
گاہ نالاں طپاں گہے بیدم — دل کی میری عجب ہی حالت ہے[5]
کیا ہوا اگر غزل قصیدہ ہوئی — عاقبت قصۂ محبت ہے
تربت میر پر ہیں اہل سخن — ہر طرف حرف ہے حکایت ہے[6]

تو بھی تقریب فاتحہ سے چل
بخدا واجب الزیارت ہے[7]

(۳۵۴)

میری پرسش پہ تیری طبع اگر آوے گی — صورت حال تجھے آپ نظر آوے گی[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۱، ع — دل پہ جب میرے آگئے یہ ٹھہرا
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۱: ع — دم غنیمت میاں جو فرصت ہے
[3] عمدۂ منتخبہ [4] نسخۂ کلکتہ، ع — باطل السحر دیکھ باطل ہے
[5] غیر مطبوعہ [6] عمدۂ منتخبہ [7] عمدۂ منتخبہ

نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۲ میں ذیل کا شعر زیادہ ہے۔ یہ طبقات الشعراء ص ۲۱۵ اور عمدۂ منتخبہ ص ۱۰۵ میں بھی درج ہے:

ایسے ہنس مکھ کو شمع سے تشبیہ
تیری مجلس کی رونی صورت ہے

[8] عمدۂ منتخبہ

مست اس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شباب[1] — اس کے بیخود کی بہت دیر خبر آوے گی
کتنے پیغام چمن کو ہیں سو دل ہیں ہیں گرہ — کسو دن ہم تئیں بھی باد سحر آوے گی
ابر مت گورِ غریباں پہ برس غافل آہ — ان دل آزردوں کے جی ہیں بھی لہر آوے گی
میرؔ ہیں جیتوں میں آؤں گا اسی دن جس دن
دل نہ تڑپے گا مرا چشم نہ بھر آوے گی

(۳۵۴)

تیرا خرام دیکھے تو جا سے نہ ہل سکے — کیا جی تذرو کا جو ترے آگے چل سکے[2][3]
اس دل جلے کی بات کے لانے کو عشق ہے — فانوس کی سی شمع جو پردے میں جل سکے
کہتا ہے کون تجھ کو کہ اے سینہ رک نہ جا — اتنا تو ہو کہ آہ جگر سے نکل سکے
گر دوپہر کو اس کو نکلنے دے نازکی — حیرت سے آفتاب کی پھر دن نہ ڈھل سکے
کیا اس غریب کو ہوس سایۂ ہما — جو اپنی بے دماغی سے مکھی نہ جھل سکے[4]
بے جا ہے حیف بزم جہاں مل لے اے پتنگ — اپنے اوپر جو کوئی گھڑی ہاتھ مل سکے
کس کو ہے آرزوئے افاقت فراق میں — ایسا تو ہو کہ کوئی گھڑی جی سنبھل سکے
ہے وہ بلائے عشق کہ آئے ہو آئے ہے — کلول نہیں ہے ایسی محبت کہ ٹل سکے[5]
مت ابر چشم کم سے میری چشم تر کو دیکھ — چشمہ ہے وہ یہ جس سے کہ دریا اُبل سکے[6]
کہتا ہے وہ تو ایک کی دس میرؔ کم سخن — اس کی زباں کے عہدے سے کیونکر نکل سکے
تغییرِ قافیہ سے یہ طرحی غزل کہوں
تا جس میں زور کچھ تو طبیعت کا چل سکے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۳ : ع — محو اس کا نہیں ایسا کہ جو چیتے گا شتاب
[2] عمدۂ منتخب [3] طبقات الشعراء : ع — کیا جی تذرو کا کہ ترے آگے چل سکے
نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۳ میں بھی "تذرو" ہے۔
[4] عمدۂ منتخب [5] غیر مطبوعہ
[6] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی ص ۱۹۴ : س

مت ابر چشم کم سے مری چشم تر کو دیکھ
چشمہ ہے یہ وہ جس سے کہ دریا اُبل سکے

(۳۵۵)

خورشید تیرے چہرے کے آگے نہ آ سکے[1] — اس کو جگر بھی شرط ہے جو تاب لا سکے
ہم گرم رو ہیں راہِ فنا کے شررِ صفت — ایسے نہ جائیں گے کہ کوئی کھوج پا سکے
کیا دلفریب جائے ہے آفاق ہمنشیں — یکدم کو یاں جو آئے سو برسوں نہ جا سکے[2]
مشعر ہے اس پہ مردنِ دشوار رفتگاں — یعنی جہاں سے دل کو نہ آساں اٹھا سکے[3]
غافل نہ رہیو آہ ضعیفاں[4] سے سرکشاں — طاقت ہے اس کو یہ کہ جہاں کو جلا سکے
میرا جو بس چلے تو منادی کروں جلیس — تا اس ہیں دل نہ کوئی کسو سے لگا سکے[5]
تدبیرِ جیب پارہ نہیں کرتی فائدہ — چاک جگر سلاؤ جو ناصح سلا سکے[6]
اس کا کمال چرخ پہ سر کھینچتا نہیں — اپنے تئیں جو خاک ہیں کوئی ملا سکے
یہ تیغ ہے یہ طشت ہے یہ تو ہے بوالہوس[7] — کھانا تجھے حرام ہے جو زخم کھا سکے
اس رشکِ آفتاب کو دیکھے تو شرم سے — مہتاب پھر نہ شہر میں منہ کو دکھا سکے[8]

بدلوں گا اس غزل کی بھی میں قافیہ کو میر
پھر فکر گو نہ عہدہ سے اس کے بر آ سکے

(۳۵۶)

کیا غم میں دیلے خاک فتادہ سے ہو سکے — دامن پکڑ کے یار کا جو ٹک نہ رو سکے
ہم ساری ساری رات رہے گریہ ناک لیک — مانندِ شمع داغِ جگر کو نہ دھو سکے[9]
گریہ تو ابر کا سا ہمیں آتا نہیں[10] — اتنا تو روتیے کہ جہاں کو ڈبو سکے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۴: ع — خورشید تیرے چہرہ کے آگو نہ آ سکے
[2] نسخۂ کلکتہ میں دسواں شعر ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ میں گیارھواں شعر ہے۔ [4] نسخۂ کلکتہ: ضعیفوں
[5] نسخۂ کلکتہ: ؎
میرا جو بس چلے تو منادی کیا کروں
تا اب سے دل نہ کوئی کسو سے لگا سکے
[6] نسخۂ کلکتہ: ع — ناصح جگر کا چاک سلا جو سلا سکے
[7] نسخۂ آسی: بلہوس [8] نسخۂ کلکتہ: ع — ماہ فلک نہ شہر میں منہ کو دکھا سکے
[9] گلشن سخن ص ۱۴۷ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۴ میں مصرعۂ ثانی میں "کو" کے بجائے "کا" ہے۔
[10] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۵: ع — رونا تو ابر کا سا نہیں یار جانتے

تیغ برہنہ کھت ہیں وہ بیداد گر ہے آج — ہے مفت وقت اس کو جو کوئی جان کھو سکے[1]
برسوں ہی منتظر سر رہ پر ہمیں ہوئے — اس قسم کا تو صبر کسو سے نہ ہو سکے

رہتی ہے ساری رات میرے دم سے چہل میرؔ
نالہ رہے تو کوئی محلے میں سو سکے

(۲۵۷)

اے حُبِ جاہ والو جو آج تاجور ہے — کل اس کو دیکھیو تم نَے تاج ہے نہ سر ہے
اب کی ہوائے گل میں سیرابی ہے نہایت — جو ہے چمن[2] پہ سبزہ مژگان چشم تر ہے
اے ہمصفیر بے گل کس کو دماغ نالہ — مدت ہوئی ہماری منقار زیر پر ہے
شمع اخیرِ شب ہوں سن سرگزشت میری — پھر صبح ہونے تک تو قصہ ہی مختصر ہے
اب رحم پر اسی کے موقوف ہے کہ یاں تو — نَے اشک میں سرایت نے آہ میں اثر ہے[3]
تو ہی نام اپنی ناقہ توڑا کہ مجنوں[4] — مدت سے نقشِ پا کے مانند راہ پر ہے
ہم مستِ عشق واعظ بے ہیچ بھی نہیں ہیں — غافل جو بے خبر ہیں کچھ ان کو بھی خبر ہے
اب پھر ہمارا اس کا محشر میں ماجرا ہے — دیکھیں تو اس جگہ کیا انصاف داد گر ہے
آفت رسیدہ ہم کیا سر کھینچیں اس چمن میں — جوں نخل خشک ہم کو نے سایہ نے ثمر ہے

کر میرؔ اس زمین میں اور اک غزل تو موزوں
ہے حرف زن قلم بھی اور طبع بھی ادھر ہے[5]

(۲۵۸)

ڈھونڈا نہ پایئے جو اس وقت میں سو زر ہے — اور جس کی چاہ مطلق رہتی نہیں ہنر ہے[6]
ہر دم قدم کو اپنے رکھ احتیاط سے یاں — یہ کارگاہ ساری دُکانِ شیشہ گر ہے

---

[1] غیر مطبوعہ — [2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۰ میں "ہونے" ہے۔ — [3] مخطوطہ گلشن بیخار

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۰: مصرع
تو ہی نام اپنی ناقے تڑا کہ مجنوں

[5] نسخۂ کلکتہ میں غزل کے گیارہ شعر ہیں اور آغاز اس شعر سے ہوتا ہے: ؎

نالے کا آج دل سے پھر لب تک گزر ہے
ٹک گوش رکھیو ادھر ساتھ اس کے کچھ خبر ہے

یہ شعر زیر ترتیب نسخے میں درج نہیں ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۰: مصرع
پھر چاہ جس کی مطلق ہے ہی نہیں ہنر ہے

ڈھایا جنھوں نے اس کو ان پر خرابی آئی — جاتا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے[1]
تجھ بن شکیب کب تک بے فائدہ ہوں نالاں — مجھ نالہ کش کے تو اے فریاد رس کدھر ہے
صید افگنوں ہمارا دل اور جگر تو دیکھو[2] — اک تیر کا ہدف ہے اک تیغ کی سپر ہے
اہلِ زمانہ رہتے اک طور پر نہیں ہیں — ہر آن مرتبہ سے اپنے انھیں سفر ہے
کافی ہے مُہر قاتل محضر پہ خوں کے میرے — پھر جس جگہ یہ جاوے اس جا ہی معتبر ہے
تیری گلی سے بچ کر کیوں مہر و مہ نہ نکلے — ہر کوئی جانتا ہے اس راہ میں خطر ہے

وے دن گئے کہ آنسو روتے تھے میرؔ اب تو
آنکھوں میں لختِ دل ہے یا پارۂ جگر ہے

(۳۵۹)

شب شمع پر پتنگ کے آنے کو عشق ہے — اس دل جلے کی تاب کے لانے کو عشق ہے
سر مار مار سنگ سے مردانہ جی دیا — فرہاد کے جہان سے جانے کو عشق ہے
اٹھیو سمجھ کے جا سے کہ مانند گرد باد — آوارگی سے تیری زمانے کو عشق ہے
بس اے سپہر سعی سے تیری تو روز و شب — غم ہے ستانے کو جلانے کو عشق ہے[3]
مٹھی جو تیغ یار سو سب تجھ کو کھا گئی — اے سینہ تیرے زخم اٹھانے کو عشق ہے[4]
اک دم میں تو نے پھونک دیا دو جہاں کے تئیں[5] — اے عشق تیرے آگ لگانے کو عشق ہے

سودا ہو تب ہے میرؔ کو تو کریے کچھ علاج
اس تیرے دیکھنے کو دِوانے کو عشق ہے[6]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ؎
ڈھاہا جنوں نے اس کو ان پر خرابی آئی
جاتا گیا اسی سے دل بھی کسو کا گھر ہے

[2] نسخۂ کلکتہ: مصرع
صید افگنو ہمارے دل کو جگر کو دیکھو

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۱: مصرع
یہاں غم ستانے کو ہے جلانے کو عشق ہے

[4] نسخۂ کلکتہ: ؎
میٹھی جو تیغ یار تو سب تجھ کو کھا گئی
اے سینے تیرے زخم اٹھانے کو عشق ہے

[5] نسخۂ کلکتہ: مصرع
اک دم میں تو نے پھونک دیا دو جہاں تئیں

[6] نسخۂ کلکتہ: مصرع
اس تیرے دیکھنے کو دوانے کو عشق ہے

(۳۶۰)

یک مژہ اے دم آخر مجھے فرصت دیجے　　چشم بیمار کے دیکھ آنے کی رخصت دیجے[1]
تو گرفتار ہوں اس باغ کا رحم اے صیاد　　موسم گل رہے جب تک مجھے مہلت دیجے
خوار و خستہ کئی پامال تیری راہ میں ہیں　　کیجے رنجہ قدم ان کو بھی عزت دیجے[2]
اپنے دل ہی کا گنہ ہے یہ جو جی جاہے جلائے[3]　　کس کو لے مرئیے میاں اور کسے تہمت دیجے
چھوٹے ہیں قید قفس سے تو چمن تک پہنچے　　اتنی اے ضعف محبت ہمیں طاقت دیجے
مرگیا میر یہ آیا نہ تیرے جی میں شوخ[4]
اپنے محبت زدہ کو بھی کبھو راحت دیجے

(۳۶۱)

ہنس دے ہے دیکھتے ہی کیا خوب آدمی ہے　　معشوق بھی ہمارا محبوب آدمی ہے
ادراک سرِ لولاک گر ہے تو ہو انساں[5]　　ناداں زمیں زماں سے مطلوب آدمی ہے

(۳۶۲)

ملو کوئی دن ہم سے ہر رات جانی　　کہاں ہم کہاں تم کہاں پھر جوانی[6]
ادا کھینچ سکتا ہے بہزاد اس کی　　وہ تصویر کھینچے گا یہ ہم نے مانی[7]
میں شکوہ کروں ہوں وہ سونے لگے ہے　　میری سرگزشت اس کو ہوئی ہے کہانی[8]

---

[1] گلشن سخن ص ۲۱۲ - یہ غزل نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۴ دیوان دوم میں درج ہے۔ [2] غیر مطبوعہ [3] نسخۂ کلکتہ: مصرع

اپنے ہی دل کا گنہ ہے جو جلاتا ہے مجھے

[4] نسخۂ کلکتہ: مصرع

مرگیا میر نہ آیا ترے جی میں اے شوخ

[5] یہ دونوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۷۱ میں "فردیات" میں درج ہیں۔ پہلا شعر طبقات الشعراء ص ۲۹۸ میں بھی "فردیات" کے تحت درج ہے۔

[6] یہ غزل نسخۂ کلکتہ کے دیوان پنجم ص ۶۸۶ میں درج ہے۔ مصرع اول یوں ہے: مصرع

ملو ان دنوں ہم سے اک رات جانی

[7] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ اور گلزار ابراہیم میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے: مصرع

کھینچے صورت ایسی تو یہ ہم نے مانی

[8] نسخۂ کلکتہ: ؎

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے
میری سرگزشت اب ہوئی ہے کہانی

بسنتی قبا پر تیرے مر گیا ہے
کفنِ میرؔ کو دیجو زعفرانی

(۳۶۳)

یاں جو وہ نونہال آتا ہے		جی میں کیا کیا خیال آتا ہے
اس کے چلنے کی آن کا یے حال		مدتوں میں بحال آتا ہے
پر تو گزرا قفس ہی میں دیکھیں		اب کی کیسا یہ سال آتا ہے
شیخ کی تو نماز پر مت جا		بوجھ سر کا سا ڈال آتا ہے
آرسی کے بھی گھر میں شرم سے میرؔ
نہیں وہ بے مثال آتا ہے[1]

(۳۶۴)

نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے صد چمن نکلے		ہر اک لختِ جگر کے ساتھ کئی زخمِ کہن نکلے[2]
کہاں تک ناز برداری کروں شامِ غریباں کی		کہیں گردِ سفر سے جلد بھی صبحِ وطن نکلے
گماں کب تھا یہ پروانہ پر آتنا شمع روے گی		کہ مجلس میں سے جس کے اشک کے بھر بھر لگن نکلے
جنوں ان شورشوں پر ہاتھ کی چالاکیاں ایسی		میں ضامن ہوں اگر ثابت بدن سے پیرہن نکلے
حرم میں میرؔ جتنا بُت پرستی پر ہے تو مائل
خدا ہی ہو تو آتنا دیر میں کوئی برہمن نکلے[3]

(۳۶۵)

یہ رات ہجر کی یاں تک تو دکھ دکھاتی ہے		کہ صبح شکل میری سب کو بھول جاتی ہے[4]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۲ : ع
کم ہی وہ بے مثال آتا ہے
عمدہ منتخبہ ص ۹، ۵ : ع
نہیں وہ بے مثال آتا ہے (؟)

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۴، نسخۂ ندوہ، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ : ــــ
نہ تنہا داغ تو سینے پہ میرے اک چمن نکلے
ہر اک لختِ جگر کے ساتھ سو زخمِ کہن نکلے

[3] گلشن سخن میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے : ع
خدا ہی ہو تو آتنا بتکدے میں برہمن نکلے

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۴۳۴ دیوان دوم۔ پہلا شعر گلشن سخن میں بھی ایسا ہی ہے لیکن نسخۂ کلکتہ میں مصرع ثانی اس طرح ہے : ع
کہ شکل صبح مری سب کو بھول جاتی ہے

طپش کے دم ہی تئیں مجھ سے ہے یہ خوں گرمی   وگرنہ تیغ تیری کب گلے لگاتی ہے
ہنسے ہے چاک قفس کھلکھلا کے مجھ اُوپر   چمن کی یاد میں جب بے کلی رلاتی ہے
ہوا ہے میرؔ سے روشن کہ کلبھی ہے شمع
زباں ہلانے میں پروانہ کو جلاتی ہے[1]

(۳۶۶)

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے   پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے
تشک سال وفا میں اک مدت   پلکیں لوہو میں تر رہیں پیارے
یک نظر دیکھنے کی حسرت میں   آنکھیں تو پانی ہو بہیں پیارے
پہنچی ہے ضعف سے یہ اب حالت   جہاں پہنچا رہا وہیں پیارے
تجھ گلی میں رہے ہے میرؔ مگر
دیکھیں ہیں جب نہ تب نہیں پیارے[2]

(۳۶۷)

ہم رو رو کے دردِ دلِ دیوانہ کہیں گے   جی میں ہے کبھو حال غریبانہ کہیں گے[3]
موقوف غم میرؔ کہ شب ہو چکی ہمدم   کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

(۳۶۸)

چمن کو یاد کر مرغ قفس فریاد کرتا ہے   کوئی ایسا ستم دنیا میں اے صیاد کرتا ہے[4]
ہوا خانہ خراب آنکھوں کا اشکوں سے تو بہ جا ہے   رہ سیلاب میں کوئی بھی گھر بنیاد کرتا ہے

---

[1] گلشن سخن ص ۲۱۴   [2] نسخۂ کلکتہ دیوان دوم ص ۴۲۵   [3] نسخۂ کلکتہ دیوان ششم ص ۵۹، میں غزل کے سات شعر ہیں۔ حسب ذیل شعر زیر ترتیب نسخے میں درج نہیں ہیں: ؎

سودائی و رسوا و شکستہ دل و خستہ   اب لوگ ہمیں عشق میں کیا کیا نہ کہیں گے
دیکھے سو کہے کوئی نہیں جُرم کسو کا   کہتے ہیں بجا لوگ بھی بے جا نہ کہیں گے
ہوں دربدر و خاک بسر چاک گریباں   اس طور سے کیونکر مجھے رسوا نہ کہیں گے
ویرانے کو مدت کے کوئی کیا کرے تعمیر   اُجڑی ہوئی آبادی کو ویرانہ کہیں گے
میں رویا کُڑھا کرتا ہوں دن رات جو درویش   من بعد مرے تکیہ کو غم خانہ کہیں گے

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۴۴۴ دیوان دوم۔

ملایا خاک کر دامن سے اشکوں میں ڈوبایا پھر میرے ہاتھوں کی تردستی گریباں یاد کرتا ہے[11]

ابھرا ہے نقش شیریں بیستوں اوپر تماشا کر
کہ کارستانیاں تیرے لیے فرہاد کرتا ہے

(۳۶۹)

جب تک کہ تیرا گزر نہ ہوتے جلوہ میری گور پہ نہ ہوتے
بے تیغ و سپر کو تو جدھر ہو خورشید کا مونہہ ادھر نہ ہوتے[1]
گھر دود جگر سے بھر گیا آہ کب تک میری چشم تر نہ ہوتے[2]
رشنے کی ہے جا کہ آہ کر لیے اور دل میں تیرے اثر نہ ہوتے
کر بے خبر ایک نگہ سے ساقی لیکن کسو کو خبر نہ ہوتے[3]
بیمار رہے ہیں اس کی آنکھیں دیکھو کسو کی نظر نہ ہوتے[4]
رکتی نہیں تیغ نالہ ہرگز جب تک کہ جگر سپر نہ ہوتے
خستہ تیرے موئے عنبریں کے کیونکر جتیں جبر گر نہ ہوتے
رکھ دیکھ کے راہِ عشق میں پا
ہاں میرؔ کسو کا سر نہ ہوتے[5]

(۳۷۰)

کیا خط لکھوں میں اشک سے فرصت نہیں رہی لکھتا ہوں تو پھر ہے کتابت بہی بہی[6]

---

[1] غیر مطبوعہ۔ نسخہ آصفیہ میں درج ہے۔ [2] گلشن سخن [3] غیر مطبوعہ [4] گلشن سخن [5] سخن شعرا، ص ۴۸۶
[6] نسخہ کلکتہ ص ۲۲۰، نسخہ ندوہ: ع

یہاں میرؔ کسو کا سر نہ ہوئے

[6] نسخہ کلکتہ دیوان پنجم ص ۹۸۴ میں غزل کے پانچ شعر ہیں۔ پہلا شعر "فردیات" میں ص ۱۰۱۱ میں دوبارہ درج ہوا ہے۔ مصرع اول تذکروں میں یوں ہے: نکات الشعراء: ع کیا خط لکھوں میں گریہ سے فرصت نہیں رہی
طبقات الشعراء: ع کیا خط لکھوں کہ گریہ سے فرصت نہیں رہی
عمدۂ منتخبہ: ع کیا خط لکھوں کہ اشک سے فرصت نہیں رہی
نسخہ کلکتہ ص ۱۰۸۲، نسخہ ندوہ: ع کیا خط لکھوں میں رونے سے فرصت نہیں رہی
مخزن نکات ص ۴۲ میں بھی اسی طرح کا مصرع ہے جیسا کہ متن میں درج ہے۔

میدان غم میں قتل ہوئی آرزوئے وصل رہ گئی تھی خاندان تمنا میں اک یہی[۱]
مت ہو نمک حرام تو داغوں سے ساز کر[۲]
اے زخم کہنہ میر کی خاطر ہی یوں سہی

(۳۷۱)

ہم جنوں میں جو خاک اڑاویں گے دشت میں آندھیاں چلاویں گے[۳]
میرے دامن کے تار خاروں کو دشت میں پگڑیاں بندھاویں گے

(۳۷۲)

وصل کی جب سے گئی ہے چھوڑ دلداری مجھے ہجر کی کرنی پڑی ہے ناز برداری مجھے[۴]
میں گریباں پھاڑتا ہوں وہ سلا دیتا ہے میر خوش نہیں آتی نصیحت کرکے غمخواری مجھے[۵]

(۳۷۳)

جوں جوں ساقی تو جام بھرتا ہے میری توبہ کا جان ڈرتا ہے[۶]
میر کر عاشقوں کی جانبازی کوئی سکتا ہے کوئی مرتا ہے
میر ازبسکہ ناتواں ہوں میں
جی میرا ساتیں ساتیں کرتا ہے

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۶۸۴ : ع تھی اپنے خانمان تمنا میں اک یہی
نسخۂ آصفیہ : ع باقی تھی خاندان تمنا میں ایک یہی
۲ نسخۂ آسی ص ۹۰۵ دیوان پنجم : ع
مت بے نمک حرام تو داغوں سے ساز کر
نسخۂ کلکتہ میں ذیل کے دو شعر زائد ہیں، پہلا شعر نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے :-
اپنا لکھا ہے یاد مجھے میری بات بھول قاصد نے جا کے یار سے کچھ اور ہی کہی
شب شور کرنے میں جو سماجت کی تنگ ہو کہنے لگا کہ مار دو اسے یہ تو ہے وہی
۳ غیر مطبوعہ ۴ غیر مطبوعہ ۵ نسخۂ کلکتہ ص ۲۷۷، "فردیات" میں درج ہے۔
۶ یہ بھی فردیات میں درج ہے۔ مصرع یوں ہے : ع
خوش نہیں آتی نصیحت گو کہ غمخواری مجھے
۷ یہ غزل غیر مطبوعہ ہے۔

(۳۷۴)

تو گلے ملتا نہیں ہم سے تو کیسی خرمی　　عید آئی اور ہمارے بر ہیں جامہ ماتمی [1]

جی بھرا رہتا ہے یاں آٹھوں پہر مانند ابر　　سینکڑوں طوفاں بغل ہے یہ مژگاں کی کمی [2]

حشر کو زیر و زبر ہو گا جہاں سچ ہے ولے　　ہے قیامت شیخ جی اس کارگہہ کی برہمی

تجھ سے بھی محبوب آتش طبع اے ساقی نہیں [3]　　ہو پرستاروں میں تیری گر پری ہو آدمی

سامنے ہو جائیں اے قاتل تو دونوں ہیں برے [4]　　وہ دم شمشیر تیرا یہ ہماری بے دمی

اس قیامت جلوے سے بہتیرے ہم سے جی اٹھے　　مر گئے تو مر گئے ہم اس کے کیا ہو گی کمی

کچھ پریشانی سے ہے سنبل کی جو الجھے ہے میر [5]
یک جہاں برہم کرے زلفوں کی اس کی درہمی

(۳۷۵)

کیوں گردن ہلال ابھی سے ڈھلک چلی　　ابرو تو یک طرف پلک اس کی نہیں ہلی [6]

ہمت دے بادِ تند کو ایسی کہ بعد مرگ　　مشت غبار میر نجف پہنچے یا علیؑ [7]

(۳۷۶)

فصد اگر امتحان ہے پیارے　　اب تلک نیم جان ہے پیارے [8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۷: مع
عید آئی یہاں ہمارے بر میں جامہ ماتمی

[2] نسخۂ کلکتہ: مے
جی بھرا رہتا ہے اب آٹھوں پہر مانند ابر
سینکڑوں طوفاں بغل میں ہے یہ مژگاں ماتمی

[3] نسخۂ کلکتہ: مع
تجھ سوا محبوب آتش طبع اے ساقی نہیں

[4] نسخۂ کلکتہ: مع
سامنے ہو جائیں اے ظالم تو دونوں ہیں بُرے

[5] نسخۂ آسی ص ۷۴۱: مع
کچھ پریشانی سے ہے سنبل کی جو الجھے ہے گا میر

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۷۷ میں دونوں شعر "فردیات" میں شامل ہیں۔

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۷۷، نسخۂ آسی ص ۶۸۲: مع
مشت غبار میرا نجف پہونچے یا علیؑ

[8] یہ شعر نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ آسی میں مصرعہ اول یوں ہے: مع
فصد گر امتحان ہے پیارے

سجدہ کرنے میں سر کٹیں ہیں جہاں — وہ تیرا آستان ہے پیارے[1]
گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر — یہ ہماری زبان ہے پیارے
کام میں قتل کے مرے تن دے — اب تلک مجھ میں جان ہے پیارے
یاری لڑکوں سے مت کرے ان کا — عشق کچیا مسان ہے پیارے[2]
چھوڑے جاتے ہیں دل کو تیرے پاس[3] — یہ ہمارا نشان ہے پیارے
خشکلیں کیا کیا ہیں جن نے خاک — یہ وہی آسمان ہے پیارے
جا چکا دل تو یہ یقینی ہے — کیا اب اس کا بیان ہے پیارے
پر تبسم کے کرنے سے تیرے — کنج لب پر گمان ہے پیارے
میر عمداً بھی کوئی مرتا ہے
جان ہے تو جہان ہے پیارے[4]

(۳۶۷)

قبر عاشق پر مقرر روز آنا کیجیے — جو گیا ہوں جان سے اس کو بھی جانا کیجیے[5]
رات دارو پیجیے غیروں میں بے لیت و لعل — اور سحر سر دُکھنے کا ہم سے بہانا کیجیے
ٹک تمہارے ہونٹھ کے ہلنے میں یاں ہوتا ہے کلام[6] — اتنی اُتنی بات جو ہووے تو مانا کیجیے
گوشۂ چشم بتاں یا کنج لب اس وقت میں — جا کہیں یہ ہی ہیں دل اپنا ٹھکانا کیجیے[7]
سیکھتے غیروں کے ہاں چھپ چھپ کے علم تیر اور[8] — سارے عالم میں ہمارے تئیں نشانا کیجیے
رفتہ رفتہ قاصدوں کو رفتگی اس سے ہوئی — جی میں ہے اب کی مقرر جی کا جانا کیجیے[9]
نکلے ہے آنکھوں سے تو گرد کدورت جاتے اشک — تا کجا تیری گلی میں خاک چھانا کیجیے

---

[1] نکات الشعرا، طبقات الشعرا، چمنستان شعرا [2] غیر مطبوعہ [3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۴: ع
چھوڑ جاتے ہیں دل کو تیرے پاس
[4] نکات الشعرا، چمنستان شعرا، طبقات الشعرا [5] طبقات الشعرا، عمدۂ منتخبہ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۶: ع
ٹک تمہارے ہونٹھ کے ہلنے سے یہاں ہوتا ہے کام
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۶: ع — جا کہیں ہو تو دل اپنے کا ٹھکانا کیجیے
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۶: ع — سیکھیے غیروں کے ہاں چھپ چھپ کے علم تیر پھر
[9] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۶: ع — جی میں ہے اب کی مقرر اپنا جانا کیجیے

آبشار آنے لگے آنسو کی پلکوں سے تو میرؔ
کب تلک یہ آب چادر مونھ پہ تانا کیجے

(۳۷۸)

ہو گئی شہر شہر رُسوائی — اے مری موت تو بھلی آئی [1]
یک بیاباں برنگ صوت جرس — مجھ پہ ہے بیکسی و تنہائی
نہ کھنچے تجھ سے ایک جا نقاش — اس کی تصویر وہ ہے ہرجائی
سر رکھوں اس کی پانو پر لیکن — دست قدرت یہ میں کہاں پائی

میرؔ جب سے گیا ہے دل تب سے
میں تو کچھ ہو گیا ہوں سودائی [2]

(۳۷۹)

آہ جس وقت سر اٹھاتی ہے — عرش پر برچھیاں چلاتی ہے [3]
ناز بردار لب ہے جاں جب سے — تیرے خط کی خبر تو پاتی ہے
اے شب ہجر راست کہہ تجھ کو — بات کوئی صبح کی بھی آتی ہے [4]

چشم بد دُور چشم تر اے میرؔ
آنکھیں طوفاں کے تئیں دکھاتی ہے [5]

(۳۸۰)

نہ بک شیخ اتنا بھی واہی تباہی — کہاں رحمت حق کہاں بے گناہی [6]
ملوں کیونکے ہمرنگ ہو تجھ سے ظالم — ترا رنگ شعلہ مرا رنگ کاہی

مجھے تا لب گور کاندھا دے گئی
تمنا نے مجھ سے تو یاں تک نباہی [7]

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء [2] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [3] گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ
[4] یہ شعر گلشن سخن میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۲ میں مصرع یوں ہے: ع
بات کچھ صبح کی بھی آتی ہے
[5] گلشن سخن [6] یہ شعر نسخۂ کلکتہ ص ۴۸۴ میں دیوان پنجم میں ہے۔ [7] نسخۂ کلکتہ ص ۴۸۴، سے
مجھے میرؔ تا گور کاندھا دیا تھا
تمنائے دل نے تو یاں تک نباہی

(۳۸۱)

مجھ سا بیتاب ہوئے جب کوئی | بے قراری کو جانے تب کوئی
اب خدا مغفرت کرے اسکو | صبر مرحوم تھا عجب کوئی [1]
بعد میرے ہی ہو گیا سنسان | سونے پاتا تھا ورنہ کب کوئی [2]
تیرے کوچے میں حشر تھی مجھ تک[3] | آہ و نالہ کرے نہ اب کوئی
جان دے گو مسیح پر اس سے | بات کہتے ہیں تیرے لب کوئی
ایک غم میں ہوں میں ہی عالم میں | یوں تو شاداں ہے اور سب کوئی [4]
نا سمجھ یوں خفا بھی ہوتا ہے | مجھ سے مخلص سے بے سبب کوئی [5]
اور محزوں بھی ہم سنے تھے ولے | میر سا ہو سکے ہے کب کوئی

کہ نہ لفظ طرب کا سن کے کہے
شخص ہو گا کہیں طرب کوئی [6]

(۳۸۲)

تڑپتا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے | میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے
نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے | مصیبت کے مارے ہوئے دل کا اپنے [7]
دل زخم خوردہ کے اک اور لگاتی | مداوا کیا خوب گھاتل کا اپنے
جو خوشہ تھا صد خرمن برق تھا یاں | بلایا ہوا ہوں میں حاصل کا اپنے [9]
ٹک ابرو ادھر کو بھی کریے تامل | کبھو دل بھی رکھ لیجے مائل کا اپنے [10]

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء میں بھی شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں ص ۲۱۹ میں مصرعہ اول یوں ہے: ع

ہاں خدا مغفرت کرے اس کو

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۹: ع — سونے پایا تھا ورنہ کب کوئی

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۹: ع — اس کے کوچے میں حشر تھی مجھ تک

[4] غیر مطبوعہ [5] غیر مطبوعہ [6] نسخۂ کلکتہ میں اس شعر سے پہلے کا شعر بطور مقطع استعمال کیا گیا ہے۔ [7] نسخۂ آسی ص ۱۰۳۱ "تڑپنا"۔ یہ شعر طبقات الشعراء اور عمدۂ منتخبہ میں بھی ہے۔ [8] طبقات الشعراء [9] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔

[10] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۰: س

ٹک ابرو کو میری طرف کیجے مائل
کبھو دل بھی رکھ لیجے مائل کا اپنے

ہوا دفترِ قیس آخر ابھی یاں　　　سخن ہے جنوں کے اوائل کا اپنے
بنا کیا رکھی تھی عالم میں ہیں سنے[1]　　　ہوں بندۂ خیالاتِ باطل کا اپنے
مقامِ فنا واقعے ہیں جو دیکھا
اثر بھی نہ تھا گورِ منزل کا اپنے

(۳۸۳)

ڈھب ہیں تیرے سے باغ میں گل کے　　　بو گئی کچھ دماغ میں گل سے[2]
جاتے روغن دیا کرے ہے عشق　　　خونِ بلبل چراغ میں گل کے[3]
دل تسلی نہیں صبا ورنہ　　　جلوہ سب ہیں گے داغ میں گل کے
اس حدیقے کے عیش پر مت جا　　　کچھ نہیں ہے ایاغ میں گل کے
سیر کر میر اس چمن کی شتاب
ہے خزاں بھی سراغ میں گل کے[4]

(۳۸۴)

آگو ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی[5]　　　دیوانگی کسو کی بھی زنجیرِ پا نہ تھی
بیگانہ سا لگے ہے چمن اب خزاں میں ہائے　　　ایسی گئی بہار گویا آشنا نہ تھی
کب تھا یہ شورِ نوحہ تیرا عشق جب نہ تھا　　　دل تھا ہمارا آگو تو ماتم سرا نہ تھی[6]
آگے بھی تیرے عشق سے کھینچے تھے درد و رنج　　　لیکن ہماری جان پر ایسی بلا نہ تھی
کوئی اور ہو گی وقتِ سحر ہوئی جو مستجاب[7]　　　شرمندۂ اثر تو ہماری دعا نہ تھی
دیکھے دیارِ حسن کے ہیں کارواں بہت　　　لیکن کسو کے پاس بھی جنسِ وفا نہ تھی[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۰ : ع　　　بناتیں رکھیں میں نے عالم میں کیا کیا
[2] تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۴ ، طبقات الشعراء ، گلشن سخن
[3] تذکرۂ میر حسن ، گلشن سخن　　　[4] گلشن سخن ، تذکرۂ میر حسن
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۰ : ع　　　آگے ہمارے عہد سے وحشت کو جا نہ تھی
[6] نسخۂ کلکتہ : ع　　　دل تھا ہمارا آگے تو ماتم سرا نہ تھی
[7] نسخۂ کلکتہ : ع　　　وہ اور کوئی ہو گی سحر جب ہوئی قبول
[8] نسخۂ کلکتہ : ع　　　لیکن کسی کے پاس بھی متاعِ وفا نہ تھی

آئی پری سی پردۂ مینا سے جام تک   آنکھوں میں تیری دخترِ رز کیا حیا نہ تھی
اس وقت ہے گیا ہے میرے تئیں چراغِ وقت[1]   مخلوق جب جہاں میں نسیمِ صبا نہ تھی
پژمردہ اس قدر ہیں کہ شبہ ہے ہم کو میرؔ
تن میں ہمارے جان کبھو تھی بھی یا نہ تھی[2]

(۳۸۵)

اڑا برگِ گل کو دکھاتی ہے وادی   کہو کس طرح نہیں صبا چور بادی[3]
میں لبریز تجھ نام سے جو نگیں تھا   رہی لوحِ تربت میری کیونکے سادی
ترے غم میں ہے زیست اور موت یکساں   نہ مرنے کا ماتم نہ جینے کی شادی
میں ہوں بے نوا میرؔ ایسا کہ شب کو
فغاں سے کہوں ٹک کھڑی رہیو بادی

(۳۸۶)

سبھوں کے خط لیے پوشیدہ قاصد آج جاتا ہے   چلا ہے یار کے کوچے کو اور مجھ سے چھپاتا ہے[4]
تو خاطر جمع رکھ دامن کر اب شہرِ گریباں سے   تیری خاطر ہزاروں چاک تحفہ ہاتھ لاتا ہے[5]
بتاں کے ہجر میں روتا ہوں شب کو اور سحر ہر دم
ہنسے ہے دور سے مجھ پر خدا یہ دل دیکھاتا ہے[6]

(۳۸۷)

رات گزری ہے مجھے ہجر میں روتے روتے   آنکھیں پھر جائیں گی اب صبح کے ہوتے ہوتے

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع
اس وقت سے کیا ہے مجھے تو چراغِ وقت

[2] نسخۂ کلکتہ: ع
پژمردہ اس قدر ہیں کہ ہے شبہ ہم کو میرؔ
تن میں ہمارے جان کبھو تھی یا نہ تھی

[3] یہ غزل غیر مطبوعہ ہے۔ مخطوطہ دیوان پنجم میں صرف پہلا شعر درج ہے۔ مصرعہ ثانی یوں ہے: ع
صبا کس طرح سے نہیں چور بادی

[4] نکات الشعراء، چمنستان شعراء۔ نسخۂ ندوہ میں "فردیات" میں درج ہے۔ [5] غیر مطبوعہ [6] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۱، عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۵ مصرعہ اول: ع رات گزری ہے مجھے نزع میں رہتے روتے

کھول کر آنکھ اڑا دید جہاں کا غافل	خواب ہو جائے گا پھر جاگنا سوتے سوتے
داغ ہی اگتے رہے دل میں مری نومید سے	ہارا میں تخمِ تمنا کو بھی بوتے بوتے [1]
جی چلا تھا کہ ترے ہونٹھ مجھے یاد آئے	لعل پائیں ہیں میں اس جی ہی کے کھوتے کھوتے [2]
جم گیا خوں کفِ قاتل پہ ترا میر زبس [3]
اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

(۳۸۸)

شوخ عاشق قد کو تیرے سرو یا طوبیٰ کہے	کچھ ٹھہرتی ہی نہیں کوئی کہے تو کیا کہے [4]
کیا تفاوت ہے بڑے چھوٹے میں گر سمجھے کوئی	کیا عجب ہے مشک کو سقا اگر دریا کہے [5]

(۳۸۹)

یعقوب کے نہ کلبۂ احزاں تلک گئے	سو کاروان مصر سے کنعاں تلک گئے [6]
بارے نسیمِ ضعف سے کل ہم اسیر بھی	سناہٹے میں جی کے گلستاں تلک گئے [7]
رہنے نہ دیں گے دشت میں مجنوں کو چین سے	گر ہم جنوں کے مارے بیاباں تلک گئے
کو موسمِ شباب کہاں گل کے دماغ	بلبل دوشٹے پیچھے انہیں یاراں تلک گئے [8]
کچھ آبلے دیے تھے رہ آوردِ عشق نے	سو رفتہ رفتہ خارِ مغیلاں تلک گئے [9]
پھاڑا تھا جیب پی کے مئے شوق میں میں میر
مستانہ چاک ٹوٹتے داماں تلک گئے [10]

---

[1] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [2] غیر مطبوعہ [3] تذکرۂ ہندی ص ۲۵۰: ع

جم گیا خوں کفِ قاتل پہ زبس تیرا میر

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۷۷ میں "فردیات" میں شامل ہے۔ مصرع میں "ٹھہری" کے بجائے "ٹھہرتا" ہے۔

[5] غیر مطبوعہ [6] عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۰ [7] نکات الشعراء اور چمنستان شعراء: ع

سناہٹے میں جو کے گلستاں تلک گئے

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۱ و [9] عمدہ منتخبہ ص ۵۸۰

[10] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ ندوہ: ؎

پھاڑا تھا جیب پی کے مے شوق میں نے میر
مستانہ چاک لوٹتے داماں تلک گئے

(۳۹۰)

میرے رنگِ شکستہ پہ ہنستے ہیں مردماں سارے　　ہوا ہوں زعفراں کا کھیت تیرے عشق میں پیارے[۱]
عرق گرتا ہے تیری زلف سے اور دل سہمتا ہے　　کہ شب تاریک ہے اور ٹوٹتے ہیں دمبدم تارے

(۳۹۱)

راہ آنسو کی کب تلک تکیے　　خونِ دل ہی کا اب مزا چکھیے[۲]
آتشِ غم میں جل رہے ہیں ہما　　چشم مجھ استخواں پہ مت رکھیے[۳]
سو گیا وہ سمجھ کے افسانا　　دردِ دل اب کہاں تلک بکیے[۴]

بید سا کانپتا تھا مرتے وقت
میر کو رکھیو مجنوں کے تکیے[۵]

(۳۹۲)

چھن گیا دل بھی اور کلیجا بھی　　یار کے تیر جان لیجا بھی
کیوں تیری موت آتی ہے اے عزیز[۶]　　سامنے سے مرے ارے جا بھی
حال کہہ میں جو چپ رہا بولا　　کس کا قصہ تھا ٹک کہے جا بھی[۷]
میں کہا میر جاں بلب ہے شوخ　　تو نے کوئی خبر کو بھیجا بھی[۸]

کہنے لاگا نہ وا ہی بک آنا
کیوں ہوا ہے بڑی بلے جا بھی

(۳۹۳)

تمام اس کے قد میں سناں کی طرح ہے　　نکیلی نیٹ اس جواں کی طرح ہے[۹]

---

[۱] یہ دونوں شعر نسخۂ کلکتہ ص ۷۷، میں "فردیات" میں شامل ہیں۔ [۲] نسخۂ کلکتہ ص ۷۷، میں "فردیات" میں ہے۔ [۳] غیر مطبوعہ۔ [۴] غیر مطبوعہ [۵] طبقات الشعراء اور نسخۂ کلکتہ میں "فردیات" میں درج ہے۔ [۶] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۲: ع

کیوں تیری موت آئی ہے گی عزیز

[۷] نسخۂ کلکتہ: ع

کس کا قصہ تھا ہاں کہے جا بھی

[۸] نسخۂ کلکتہ میں مقطع کے طور پر درج ہے۔ [۹] نکات الشعراء ص ۱۷۳، مخزن نکات ص ۴۲، طبقات الشعراء ص ۲۱۹، گلشن سخن ص ۲۱۴ میں شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۲، نسخۂ ندوہ اور دیگر تمام مطبوعہ نسخوں میں مصرعہ ثانی یوں ہے: ع

زنگیلی نیٹ اس جواں کی طرح

برا کہنا احوال سن سن کے میرا — بھلا تو ہی کہہ یہ کہاں کی طرح ہے[1]
اڑے خاک گاہے رہے گاہ ویراں — خراب و پریشاں یہاں کی طرح ہے[2]
تعلق کرو میر اس پر جو چاہو
میری جان یہ کچھ جہاں کی طرح ہے[3]

(۳۹۴)

محمل تیرے کے ساتھ زبس شور میں کیے[4] — نالے نے میرے ہوش جرس کے اڑا دیے
فصاد خوں فساد پہ ہے مجھ سے اسی دم[5] — نشتر نہ تو لگاوے تو میرا لہو پیے
عشق بتاں سے نبض میری دیکھ کر حکیم — کہنے لگا خدا ہی ہو اب تو یہ جیے[6]
صوت جرس کی طرح بیاباں میں ہائے میر
تنہا چلا ہوں میں دل ناداں کے تئیں لیے[7]

(۳۹۵)

چل جاتی ہی نکلی جان ہے تدبیر کیا کریے — مداوا سے مرض گزرا کہو اب میر کیا کریے[8]
نہ رکھا کر کے زنجیری پریشاں دل ہمارے کو — ہوئی یہ اب تو تیری زلف سے تقصیر کیا کریے
کریں استادگی آیا تھا جی پہ قتل ہونے میں — یہ اپنا کام ہے قاتل یہ اس کو دیر کیا کریے
نہیں آتا ہے کوئی ڈھب ہمیں آسودہ ہونے میں
بھلا تو ہی بتا اے خاطر دلگیر کیا کریے

---

[1] گلشن سخن ص ۲۱۴ [2] نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ و دیگر مطبوعہ نسخوں میں مصرعہ اول یہ ہے، ع
اڑی خاک گاہے رہی گاہ ویراں
[3] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۲ : ع
محمل سے ساتھ اس کے بہت شور میں کیے
[5] نسخۂ کلکتہ : ع — فصاد خوں فساد پہ ہے مجھ سے ان دنوں
[6] غیر مطبوعہ [7] نسخۂ کلکتہ اور تمام مطبوعہ نسخوں میں شعر یوں ہے، ؎
صوت جرس کی طرز بیاباں میں ہائے میر
تنہا چلا ہوں میں دل پر شور کو لیے
[8] یہ پوری غزل غیر مطبوعہ ہے۔ پہلا اور دوسرا شعر نسخۂ آصفیہ میں بھی درج ہے۔

(۳۹۶)

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مرگئے
اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مرگئے [1]

ہوتا نہیں ہے تجھ لب نوخط پہ کوئی سبز [2]
عیسیٰ و خضر کیا سبھی یکبار مرگئے

مجنوں نہ دشت میں ہے نہ فرہاد کوہ میں
تھا جن سے لطف زندگی وے یار مرگئے [3]

صد کارواں وفا ہے کوئی پوچھتا نہیں
گویا متاع دل کے خریدار مرگئے

یوں کانوں کان گل نے نہ جانا چمن میں آہ
سر کو پٹک کے ہم پس دیوار مرگئے

گر زندگی یہی ہے جو کرتے ہیں ہم اسیر
تو وے ہی جی گئے جو گرفتار مرگئے [4]

افسوس وے شہید کہ جو قتل گاہ میں
لگتے ہی اس کے ہاتھ کی تلوار مرگئے

تجھ سے دوچار ہونے کی حسرت کے مبتلا
جب زندگی بلا ہوئی ناچار مرگئے [5]

گھبرا نہ میرؔ عشق میں اس سہل زیست پر
جب بس چلا نہ کچھ تو تیرے یار مرگئے [6]

(۳۹۷)

کہاں تک غیر جاسوسی کے لینے کو لگا آوے
الٰہی اس بلا پر ناگہانی اک بلا آوے [7]

رکا جاتا ہے جی اندر ہی اندر آج گرمی سے
بلا سے چاک ہی ہو جاتے سینہ تک ہوا آوے [8]

یہ فن عشق ہے آوے اسے طینت میں جس کی ہو
تو زاہد پیر نابالغ ہے بے تہ تجھ کو کیا آوے [9]

ترا ہی آنا مرکوز ہے مجھ کو دم آخر
یہ جی صدقے کیا تھا پھر نہ آوے تن میں یا آوے

---

[1] عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۰ [2] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۱ : ع۲

ہوتا نہیں ہے اس لب نوخط پہ کوئی سبز

[3] عمدۂ منتخبہ : ع۲

تھا جن سے لطف زندگی وہ یار مرگئے

[4] غیر مطبوعہ [5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۱ : ع۲

جب جی ہوئے وبال تو ناچار مرگئے

[6] نسخۂ کلکتہ : ع۲

جب بس چلا نہ کچھ تو میرے یار مرگئے

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۲ : ع۲

الٰہی اس بلائے ناگہاں پر بھی بلا آوے

[8] نسخۂ کلکتہ : ع۲

بلا سے چاک ہی ہو جائے سینہ تک ہوا آوے

[9] نسخۂ کلکتہ : ع۲

زاہد پیر نابالغ ہے بے تہ تجھ کو کیا آوے

یہ رسم آمد و رفت دیار عشق تازہ ہے — ہنسی دوڑن[1] جاتے میری اور رونا یوں چلا آوے
اسیری میں چمن سے میرے دل گرمی کو دھو ڈالا — وگرنہ برق جا کر آشیاں میرا جلا آوے
توقع رحم ان سے سخت نافہمی ہے عاشق کی — یہ بت سنگیں دلی اپنی نہ چھوڑیں گر خدا آوے[2]
ہمارے دل میں آنے سے تکلف غم کو بیجا ہے — یہ دولت خانہ ہے اسکا وہ جب چاہے چلا آوے
برنگ بوتے غنچہ عمر اک ہی رنگ میں گزرے
میسر میر صاحب گر دل بے مدعا آوے

(۳۹۸)

آتش کے شعلے سر سے ہمارے گزر گئے — بس اے تپ فراق کہ گرمی میں مر گئے[3]
منزل نہ کر جہاں کو کہ ہم نے سفر سے آہ — جن کا کیا سراغ سنا وے گزر گئے
مشت نمک سے بھی تو کبھو یاد کر ہمیں — اب داغ کھاتے کھاتے فلک جی تو بھر گئے
ناصح نہ روویں کیونکے محبت میں جی کو ہم — اے خانماں خراب ہمارے تو گھر گئے[4]
تلوار آپ کھینچے حاضر ہے یاں بھی سر — بس عاشقی کی ہم نے جو مرنے سے ڈر گئے[5]
کردیں گے آسمان وزمیں ایک حشر کو
اس معرکہ میں یار جی ہم بھی اگر گئے

قطعہ بند

یہ راہ و رسم دل شدگاں گفتنی نہیں — جانے دے میر صاحب و قبلہ جدھر گئے[6]
روز وداع اس کی گلی تک تھے ہم بھی ساتھ — جب درد مند ہم کو دے معلوم کر گئے
گر یک نگاہ یاس کی ٹپ دے سے رو دیا
پھر ہم ادھر کو آتے میاں دے ادھر گئے

---

[1] نسخۂ کلکتہ مصرع ثانی، ع: ہنسی وہ جائے میری اور رونا یوں چلا آوے
تذکرۂ میر حسن ص ۱۵۵، ؎ : یہ رسم آمد و رفت دیار عشق بازی ہے
ہنسی ووں جائے میری اور رونا یوں چلا آئے

[2] گلشن سخن اور نسخۂ کلکتہ مصرع اول، ع: امید رحم ان سے سخت نافہمی ہے عاشق کی

[3] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء، گلشن سخن، تذکرۂ عشقی [4] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [5] طبقات الشعراء، گلشن سخن [6] طبقات الشعراء۔

(۳۹۹)

ترے ہاتھ جیب تنگ کہ تیر د کماں ہے — شکار زبوں کی بھی خاطر نشاں ہے[1]
کہے تو کہ سشکل مثالی ہوں اپنی — مرا جسم اس لطف سے ناتواں ہے
ترے اور اسے سادہ رو بعد میرے — مرا نامہ ننوشتہ ہر استخواں ہے
اسیری میں سارا قفس بوئے گل سے — معطر ہوا گو دماغ اب کہاں ہے[2]
نہ پوچھ اس طلسمات عالم کی صنعت — کہ اس آشکارا میں کیا کیا نہاں ہے
خوشا مرگ بلبل کہ سایہ میں گل کے — کہیں مشت پر ہے کہیں آشیاں ہے
درود اس کے تئیں دیکھ کر بھیجتے ہیں — وہ تو گل بھی صل علیٰ کیا جواں ہے[3]
لگے ہے نہ کوئی عطرداں اس کے مونہہ کو — نہ اس بوئے خوش ساتھ گل کا دہاں ہے[4]
غرور و خرابات چل شیخ دیکھیں — جو ترسا بچہ ہے سو پیر مغاں ہے
ہے بس شاہد حال رنگ شکستہ — جو دل میں ہے میرے کہ مونہہ پر عیاں ہے[5]
نہ کہہ خانوادے تھے یاں کیسے کیسے — خرابہ ہی ہے جب تلک یہ جہاں ہے

دم امتحاں تیر ہم کیا کریں گے
ہماری گرہ میں تو اک نیم جاں ہے

(۴۰۰)

دل[6] کو تہیں ہے چین نہ ہے خواب شب مجھے — مرنا پڑا ضرور ترے غم میں اب مجھے[7]
ہنگامہ میری نعش پہ تیری گلی میں ہے — لے جائیں گے جنازہ کشاں یاں سے کب مجھے[8]
[9]تک داد میری اہل محلہ سے چاہیو — تجھ بن خراب کرتے رہے ہیں یہ سب مجھے

---

[1] نسخۂ کلکتہ میں ص ۱۳ پر قصیدہ مدحیہ شاہ وقت میں یہ اشعار بطور غزل کے درج ہیں۔ اشعار کی تعداد نو[9] ہے۔ لیکن زیر ترتیب نسخے میں یہ غزل کے طور پر بارہ[12] شعر میں درج ہے۔ قصیدہ کی ابتدا اس شعر سے ہوتی ہے : ؎

جو پہونچی قیامت تو آہ و فغاں ہے
میرے ہاتھ میں دامنِ آسماں ہے

[2] غیر مطبوعہ [3] ایضاً [4] نسخۂ کلکتہ مصرع اول : ع

لگے ہے نہ اب عطرداں اس کے منہ کو

[5] غیر مطبوعہ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۵ (ن) [7] گلشن سخن ص ۲۱۵ [8] نکات الشعراء ص ۱۴۳؛ چمنستان شعراء ص ۲۰۰

طوفاں بجائے اشک ٹپکتے تھے چشم سے — اے ابرِ تر دماغ تھا رونے کا جب مجھے
دو حرف اس کے مونھ کے تو لکھ بھیجو شتاب — قاصد چلا ہے چھوڑ کے تو جاں بلب مجھے[1]
کچھ ہے جواب گر میں کروں حشر کو سوال[2] — مارا تھا تو نے جان سے کہہ کس سبب مجھے
غیر از خموش رہنے کے ہونٹھوں کے سوکھنے — لیکن نہیں ہے یار جھگڑنے کا ڈھب مجھے
پوچھا تھا راہ جاتے کہیں ان نے میر کو
آتا ہے اس کی بات کا اب تک عجب مجھے

(۴۰۱)

کا نب کہاں دماغ جواب شکوہ ٹھانئے — بس ہے یہ ایک حرف کہ مشتاق جانئے[3]
غیروں کا ساتھ موجب صد وہم ہے بتاں — اس امر میں خدا ابھی کہے تو نہ مانئے[4]
شب خواب کا لباس ہے عریاں تنی میں یہ — جب سوئیے تو چادر مہتاب تانئے[5]
اپنا یہ اعتقاد ہے تجھ جستجو میں یار — لے اس سرے سے اس سرے تک خاک چھانئے
پھر یا نصیب یہ بھی ہے طالع کی یاوری — مر جائیں ہم تو اس پہ بھی ہم کو نہ جانئے
لوٹے ہے خاک و خوں میں غیروں کے ساتھ میر
ایسے تو نیم کشتہ کو ان میں نہ سانئے

(۴۰۲)

میرے اس رک کے مرجانے سے وہ غافل ہے کیا جانے — گزرنا جان سے آساں بہت مشکل ہے کیا جانے
کوئی سرِ سنگ سے مارہ کسو کا واپسیں دم ہو — وہ آئینے ہیں اپنے ناز پر مائل ہے کیا جانے
نظر مطلق نہیں ہجراں ہیں اس کو حال پر میرے — مرا دل اس کے غم میں گویا اس کا دل ہے کیا جانے
جنونی خبطی دیوانہ سڑی کوئی عشق میں سمجھے[6] — فلاطوں سے نہیں یاں بحث وہ عاقل ہے کیا جانے
تڑپنا نقش پائے ناقہ پر جانے ہے اک مجنوں — بیاباں میں وہ لیلیٰ کا کدھر محمل ہے کیا جانے
پڑھایا اس کو بہتیرا اگر مت لا رازِ دل مونہہ پر — یہ طفلِ اشک کو دیکھا تو نا قابل ہے کیا جانے

---

[1] عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۲ [2] نسخۂ کلکتہ: ع
کچھ ہے جواب جو میں کروں حشر کو سوال
[3] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [4] عمدۂ منتخبہ [5] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۶: ع
جنونی خبطی دیوانہ سڑا کوئی عشق کو سمجھے

طرف ہونا میرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن میں[1]
یونہیں سودا کبھو ہوتا ہے سو جاہل ہے کیا جانے

(۴۰۳)

کچھ تو کہہ وصل کی پھر رات چلی جاتی ہے — دن گزر جاتیں ہیں پر بات چلی جاتی ہے
ٹک تو وقفہ بھی کر اے گردشِ دوراں کہ یہ جان — عمر کے حیف ہی کے ساتھ چلی جاتی ہے[2]
گہ تبسم ہی پہ رہ گئے کبھو اک بات ہی پر — بارے اے ہمنشیں اوقات چلی جاتی ہے
یاں تو آتی نہیں شطرنجِ زمانہ کی چال — اور واں بازی ہوئی مات چلی جاتی ہے
روز آنے پہ نہیں نسبتِ عشقی موقوف — عمر بھر ایک ملاقات چلی جاتی ہے
شیخ بے نفس کو نزلہ نہیں ہے ناک کی راہ — یہ ہے جریانِ منی دحات چلی جاتی ہے[3]
ہے موذن جو بڑا مرغ مصلّی اس کے — مستوں سے نوک ہی کی بات چلی جاتی ہے
ہر سحر درپے آرام ہے آشاماں ہے — مکر و طامات کی اک گھات چلی جاتی ہے
پا نو رکھتا نہیں مسجد سے دمِ آخر بھی — مرنے پر آیا ہے اور لات چلی جاتی ہے

ایک ہم ہی سے تفاوت ہے سلوکوں میں میرؔ
یوں تو اوروں کی مدارات چلی جاتی ہے

(۴۰۴)

بات شکوہ کی ہم نے گاہ نہ کی — بلکہ دی جان اور آہ نہ کی[4]
گل و آئینہ ماہ و خور کتنے[5] — چشم اس چہرہ پہ سیاہ نہ کی
کعبہ سو بار وہ گیا تو کیا — جن نے یاں ایک دل میں راہ نہ کی
واہ اے عشق ان ستمگر نے — جاں فشانی پہ میری واہ نہ کی

---

۱ نسخۂ کلکتہ: ع

طرف ہونا میرا مشکل ہے میرؔ اس شعر کے فن ہے

۲ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۷: س — ٹک تو وقفہ بھی کر اے گردشِ دوراں کہ یہ جان
عمر کے حیف ہی کیا ساتھ چلی جاتی ہے

۳ غیر مطبوعہ — ۴ گلشن سخن ص ۲۱۸، عمدۂ منتخبہ ص ۷۰۵ — ۵ نسخۂ کلکتہ: ع

گل و آئینہ ماہ و خور کن نے

جس سے تھی چشم ہم کو کیا کیا میر
ان نے اس طرف یک نگاہ نہ کی

(۴۰۵)

کیا کروں شرح خستہ جانی کی — میں نے مر مر کے زندگانی کی[۱]
حال بدگفتنی نہیں میرا — تم نے پوچھا تو مہربانی کی[۲]
سب کو مرنا ہے یوں تو پر اے صبر — آتی ہے اک تیری جوانی کی[۳]
تشنہ لب مرگئے تیرے عاشق — نہ ملی ایک بوند پانی کی[۴]
بیت بخثی سمجھ کے کر بلبل — دھوم ہے میری خوش زبانی کی
جس سے کھوئی تھی نیند میر نے کل
پھر شروع آج وہ کہانی کی[۵]

(۴۰۶)

کب تلک جی رکے خفا ہوئے[۶] — آہ کرتے کہ ٹک ہوا ہوئے
سے کلی مارے ڈالتی ہے نسیم — دیکھیے اب کے سال کیا ہوئے[۷]
گر نمک سود سینہ مجروح — جی میں گر ہے کہ کچھ مزا ہوئے[۸]
مرگئے ہم تو مرگئے تو جئے — دل گرفتہ تری بلا ہوئے

---

۱ گلشن سخن، گلشن بیخار مخطوطہ
۲ گلشن سخن، طبقات الشعراء ص ۲۲۰
۳ طبقات الشعراء: ع

سب کو مرنا ہے یوں تو پر اے میر

۴ طبقات الشعراء
۵ نسخۂ کلکتہ ص ۲۳۷: ع

ابتداء پھر وہی کہانی کی

۶ نکات الشعراء، چمنستان شعراء: ع

کب تلک چپور کے خفا ہووے

عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۲ مصرع ثانی: ع

آہ گرمی کی ٹک ہوا ہوئے

طبقات الشعراء ص ۲۱۶: ع

آہ کرلے کہ ٹک ہوا ہوئے

نسخۂ کلکتہ ص ۲۳ میں یہ شعر متن جیسا ہے۔ ۷ نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء ۸ غیر مطبوعہ۔

شیخ ناصح کو عشق کیا ہے وے[1]　　جانے وہ جس کا دل لگا ہووے
پھر نہ شیطاں سجود آدم سے　　شاید اس پردہ میں خدا ہووے
نہ سنا رات ہم نے اک نالہ
غالباً میر مر رہا ہووے[2]

(۴۰۷)

غیر سے اب یار ہوا چاہیئے　　ملتجی ناچار ہوا چاہیئے[3]
جس کو میں ڈھونڈھوں ہوں وہ سب میں ہے آہ[4]　　کس کے طلبگار ہوا چاہیئے
تاکہ وہ ٹک آن کے پوچھے کبھو　　اس لیے بیمار ہوا چاہیئے[5]
تیغ بلند اس کی ہوئی بوالہوس　　مرنے کو تیار ہوا چاہیئے[6]
زلف کسو کی ہو کہ ہو خال و خط　　دل سے گرفتار ہوا چاہیئے[7]
مصطبۂ بیخودی ہے یہ جہاں　　جلد خبردار ہوا چاہیئے
کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی　　سایۂ دیوار ہوا چاہیئے[8]
کر نہ تعلق کہ یہ منزل نہیں　　آہ سبکبار ہوا چاہیئے
گو سفری اب نہیں ظاہر میں میر
عاقبت کار ہوا چاہیئے

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع　　عشق کیا ہے درست اے ناصح

[2] نسخۂ کلکتہ میں غزل کے نو شعر ہیں۔ ذیل کے تین شعر زیر ترتیب نسخے میں درج نہیں ہیں: سہ

جی ٹھہر جائے یا ہوا ہووے　　دیکھئے ہوتے ہوتے کیا ہووے
چپ کا باعث ہے بے تمنائی　　کہئے کچھ بھی تو مدعا ہووے
کاہش دل کی کیجئے تدبیر　　جان میں کچھ بھی جو رہا ہووے

نسخۂ آصفیہ ص ۲۰۶ میں غزل کا یہ شعر زائد ہے: سہ

دن میں سو سو کتابتیں لکھتے
یار جو حرف آشنا ہووے

[3] عمدۂ منتخبہ [4] نسخۂ آسی ص ۱۶۲: ع　　جس کے تئیں ڈھونڈھیں ہیں وہ سب میں ہے
[5] عمدۂ منتخبہ [6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۱ اکسی [7] عمدۂ منتخبہ [8] عمدۂ منتخبہ، گلشن سخن۔

(٤٠٨)

منصف ہو تو ہی کب تئیں یہ دکھ اٹھائیے[1] ‏ کیا کیجیے میری جان اگر مر نہ جائیے
اظہار راز عشق کیے بن رہے نہ اشک ‏ اس طفل نا سمجھ کو کہاں تک پڑھائیے
تم نے جو اپنے دل سے بھلایا ہمیں تو کیا ‏ اپنے تئیں تو دل سے ہمارے بھلائیے
فکر معاش یعنی غم زیست تا بہ کے ‏ مر جائیے کہیں کہ ٹک آرام پائیے
جاتے ہیں کیسی کیسی لیے دل میں حسرتیں ‏ ٹک دیکھنے کو جاں بہ لبوں کے بھی آئیے
لوٹوں ہوں جیسے خاک چمن پر میں اے نسیم ‏ گل کو بھی میری خاک پہ یونہیں لٹائیے[2]
ہوتا نہیں ہوں حضرت ناصح میں بے دماغ ‏ کر کر کے پوچ گوئی میری جان کھائیے[3]
پہنچا تو ہوگا سمع مبارک میں حال میر
اس پر بھی جی میں آوے تو دل کو لگائیے

(٤٠٩)

ہے یہ بازار جنوں منڈی ہے دیوانوں کی ‏ یاں دکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی[4]
خانقہ کا تو نہ کر قصد ٹک اے خانہ خراب ‏ یہی اک رہ گئی ہے بستی مسلمانوں کی[5]
کیونکے کہیے کہ اثر گریۂ مجنوں میں نہ تھا ‏ گرد نمناک ہے اب تک بھی بیابانوں کی[6]
یہ بگولا تو نہیں دشت محبت میں سے ‏ جمع ہو خاک اڑی کتنے پریشانوں کی
سیل اشکوں سے بہے صرصر آہوں سے اڑے ‏ مجھ سے کیا کیا نہ خرابی ہوئی ویرانوں کی
دل و دین کیسا کہ اس رہزن دلہا سے اب ‏ یہ پڑی ہے کہ خدا خیر کرے جانوں کی

---

١ نسخۂ کلکتہ ص ٢٣٨: ع ‏ منصف جو تو ہے کب تئیں یہ دکھ اٹھائیے

٢ نسخۂ کلکتہ: ع
لوٹوں ہوں جیسے خاک چمن پر میں اے اسیر
گل کو بھی میری خاک پہ دونہی لٹائیے

٣ غیر مطبوعہ ٤ طبقات الشعراء، گلشن سخن، نکات الشعراء، چمنستان شعراء ٥ طبقات الشعراء، نکات الشعراء، چمنستان شعراء میں ایسا ہی ہے۔ عمدۂ منتخبہ ص ٥٠٢ میں شعر یوں ہے: ع
خانقہ کا تو نہ کر قصد تو اے خانہ خراب
رہ گئی ہے یہی اک بستی مسلمانوں کی

٦ نکات الشعراء، چمنستان شعراء، گلشن سخن، طبقات الشعراء، عمدۂ منتخبہ۔

کتنے دل سوختہ ہم جمع ہیں اے غیرت شمع — کر قدم رنجہ کہ مجلس ہے کہ یہ پروانوں کی
سرگزشتیں نہ مری سن کہ اچٹتی ہے نیند — خاصیت یہ ہے مری جان ان افسانوں کی
میکدہ سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں تمیر
ہو نہ لغزش کہیں مجلس ہے یہ بیگانوں کی[1]

(۴۱۰)

نہیں وسواس جی گنوانے کے — ہائے رے ذوق دل لگانے کے[2]
میری تغئیر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے[3]
دم آخر ہی کیا نہ آنا تھا — اور بھی وقت تھے بہانے کے[4]
اس کدورت کو ہم سمجھتے ہیں — ڈھب ہیں یہ خاک میں ملانے کے[5]
بس ہیں دو برگ گل قفس میں صبا — نہیں بھوکے ہم آب دانے کے
مرنے پر بیٹھے ہیں سنو صاحب — بندہ ہیں اپنے جی جلانے کے[6]
اب گریباں کہاں کہ اے ناصح — چڑھ گیا ہاتھ مجھ دوانے کے[7]
چشم نجم سپہر جھپکے ہے — صدقے اس انکھڑیاں لڑانے کے[8]
دل و دیں ہوش و صبر سب ہی گئے — آگے آگے تمہارے آنے کے[9]
کب تو سوتا تھا گھر مرے آ کر — جاگے طالع غریب خانے کے[10]
مژہ ابرو نگہ سے اس کی تمیر — کشتہ ہیں اپنے دل لگانے کے[11]
تیر و تلوار و سیل یکجا ہیں
سارے اسباب مارے جانے کے[12]

---

[1] عمدۂ منتخب: سہ
مے کدے سے تو ابھی آیا ہے مسجد میں شیخ
ہو نہ لغزش کہیں صحبت ہے یہ بیگانوں کی

[2] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، تذکرۂ میرحسن ص ۱۵۶، عمدۂ منتخب، بہار بے خزاں، تذکرۂ عشقی [3] نکات الشعراء، تذکرۂ میرحسن، چمنستان شعراء میں شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۹ میں مصرع اول یوں ہے: ع
میرے تغئیر حال پر مت جا

[4] تذکرۂ میرحسن، مخطوطہ گلشن بیخار، گلشن ہند، سخن شعراء، بہار بے خزاں [5] عمدۂ منتخب، بہار بے خزاں، مخطوطہ گلشن بیخار، تذکرۂ عشقی [6] عمدۂ منتخب [7] نسخۂ کلکتہ: ع — چڑھ گیا ہاتھ اس دوانے کے

[8] بہار بے خزاں [9] عمدۂ منتخب، مخطوطہ گلشن بیخار [10] عمدۂ منتخب [11] ایضاً [12] نسخۂ کلکتہ: ع
سارے اسباب مار جانے کے

(۴۱۱)

تن ہجر میں اس یار کے رنجور ہوا ہے | بے طاقتی دل کو بھی مقدور ہوا ہے[۱]

پہنچا نہیں کیا سمع مبارک میں مرا حال | یہ قصہ تو اس شہر میں مشہور ہوا ہے

بے خوابی تری آنکھوں پہ دیکھوں ہوں مگر رات | افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

کل صبح ہی مستی میں سر رہ پہ نہ آتا[۲] | یاں آج مرا شیشۂ دل چور ہوا ہے

کیا سوجھے اسے جس کی ہو یوسف سا نظر میں | یعقوب بجا آنکھوں سے معذور ہوا ہے

پر شور سے ہے عشق مغنی پسراں کے | یہ کاستہ سر کاستہ طنبور ہوا ہے

تلوار لیے پھرنا تو اب اس کا سنا ہے[۳] | نزدیک مرے کب کا یہ سر دور ہوا ہے

خورشید میں محشر کی طپش ہوگی کہاں تک | یہ ساتھ مرے داغوں کے محشور ہوا ہے[۴]

اے رشک سحر بزم میں لے منہ پہ نقاب اب | اک شمع کا چہرہ تھا سو بے نور ہوا ہے[۵]

اس شوق کو ٹک دیکھ کہ ہے چشم نگراں ہے
جو زخم جگر میر کا ناسور ہوا ہے

(۴۱۲)

چل قلم غم کی رقم کوئی حکایت کیجے | ہر سر حرف پہ فریاد نہایت کیجے[۶]

گو کہ سر خاک قدم پر ترے لوٹے اس میں | اپنا شیوہ ہی نہیں یہ کہ شکایت کیجے

عشق میں آپ کے گزرے نہ ہماری تو مگر | عوض جور و جفا ہم پہ عنایت کیجے

مت چلا عشق کی رہ کی کر کے بے پاں خضر | آپ ہی گمرہ ہیں ہم کس کو ہدایت کیجے

ہم جگر سوختہ کے جی میں جو آوے تو ابھی | دود دل ہو کے فلک تجھ میں سرایت کیجے

کس سے کہنے کو ہے تاثیر کہ اک میر ہی سے
رمز و ایما و اشارات و کنایت کیجے

---

۱ عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۳ ۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱۲ : ع

کل صبح ہی مستی میں سر راہ نہ آیا

۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱۲ : ع تلوار لیے پھرنا تو اب اس کا سنا میں

۴ نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱۲ ، س خورشید کی محشر میں طپش ہوگی کہاں تک

کیا ساتھ میرے داغوں کے محشور ہوا ہے

۵ عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۳ ۶ نکات الشعراء، چمنستان شعراء

(۴۱۳)

رہی نہ گفتہ میرے دل میں داستاں میری[1] ۔۔۔ نہ اس دیار میں سمجھا کوئی زباں میری
برنگ صوت جرس تجھ سے دور ہوں تنہا ۔۔۔ خبر نہیں ہے تجھے آہ کارواں میری
ترے نہ آج کے آنے میں صبح کے مجھ پاس ۔۔۔ ہزار جان گئی طبع بدگماں میری[2]
وہ نقش پا تے ہوں مٹ گیا ہو جو رہ میں ۔۔۔ نہ کچھ خبر ہے نہ سدھ ہے گی رہرواں میری
شب اس کے کوچہ میں جاتا ہوں اس توقع پر ۔۔۔ کہ ایک دوست ہے واں خواب پاسباں میری
اسی سے دور رہا ہے اصل مدعا جو تھا ۔۔۔ گئی یہ عمر عزیز آہ رائیگاں میری
ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا ۔۔۔ گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری
نہیں ہے تاب و تواں کی جدائی کا اندوہ ۔۔۔ کہ ناتوانی بہت ہے مزاج داں میری[3]
رہا میں درپس دیوار باغ مدت لیک ۔۔۔ گئی گلوں کے نہ کانوں تلک فغاں میری
ہوا ہوں گریۂ خونیں کا جب سے دامنگیر ۔۔۔ نہ آستیں ہوئی پاک دوستاں میری

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میر
پڑی جہان میں جا کر نظر جہاں میری

(۴۱۴)

غافل میں رہا تجھ سے نپٹ تا بہ جوانی[4] ۔۔۔ اے عمر گزشتہ میں تیری قدر نہ جانی
تھی آبلۂ دل سے ہمیں تشنگی میں چشم ۔۔۔ پھوٹا تو نہ آیا نظر اک بوند بھی پانی
مدت سے ہیں یک مشت پر آوارہ چمن میں ۔۔۔ نکلی ہے یہ کس کی ہوس بال فشانی[5]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱: ع
رہی نہ گفتہ میرے دل میں داستاں میری
(تذکرۂ میر حسن میں بھی ایسا ہی ہے)

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۱: ع
ہزار جاتے گی طبع بدگماں میری

[3] غیر مطبوعہ۔ نسخۂ آصفیہ میں ص ۱۵۱ پر درج ہے۔

[4] یہ شعر نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول یوں ہے: ع
غفلت میں گئی آہ میری ساری جوانی
مخزن نکات میں مصرع ہے: ع
طفلی سے ہوا پیر گیا عہد جوانی

[5] نکات الشعراء، مخزن نکات، چمنستان شعراء۔

بھاتی ہے مجھے اک طلب بوسہ میں یہ آن ❊ لکنت سے الجھ جا کے اسے بات نہ آنی [1]
کیا جانئے کیا کیا میں لکھوں شوق بن قاصد ❊ پڑھنا نہ کرے خط کا کہیں اس پہ گرانی [2]
تکلیف نہ کر نامہ کے لکھنے کی تو مجھ کو ❊ آ جائے جو کچھ جی میں ترے کہیو زبانی [3]
یہ جان اگر ہبد موّلہ کہیں دیکھے ❊ رہ گئی ہے کسو موئے پریشاں کی نشانی [4]
دیکھیں تو سہی کب تئیں نبھتی ہے یہ صحبت ❊ ہم جی سے ترے دوست ہیں تو دشمن جانی
مجنوں بھی نہ رسوا تے جہاں ہوتا نہ وہ آپ ❊ مکتب میں جو کم آتی یہ لیلیٰ بھی دیوانی [5]
اک شخص مجھی سا تھا کہ تجھ سے یہ تھا عاشق ❊ وہ اس کی وفا پیشگی وہ اس کی جوانی [6]

یہ کہہ کے میں رویا تو لگا کہنے نہ کہہ میرؔ
سنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی [7]

(۴۱۵)

دل جو پُر بے قرار رہتا ہے [8] ❊ آج کل مجھ کو مار رہتا ہے
جبر یہ ہے کہ تیری خاطر دل ❊ روز بے اختیار رہتا ہے
تیرے بن دیکھے میں مکدر ہوں ❊ آنکھوں پہ اب غبار رہتا ہے
دل کو مت بھول جانا میرے بعد ❊ مجھ سے یہ یادگار رہتا ہے
بسکہ تیرا ہوا بلا گرداں ❊ سر کو میرے دوار رہتا ہے
دور میں چشم مست کے تیرے ❊ فتنہ بھی ہوشیار رہتا ہے
ہر گھڑی رنجش ایسی باتوں میں ❊ کوئی اخلاص و پیار رہتا ہے
تجھ بن آئے ہیں تنگ جینے سے ❊ مرنے کا انتظار رہتا ہے
دل کو گو ہاتھ میں رکھو اب تم ❊ کوئی دم ہی وہ یار رہتا ہے [9]

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء [2] غیر مطبوعہ [3] ایضاً [4] نکات الشعراء، چمنستان شعراء
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۲ : ع مکتب میں جو کم آتی یہ لیلیٰ تھی دیوانی
[6] مخطوطہ گلشن بیخار۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول اس طرح ہے : ع
اک شخص مجھی سا تھا کہ وہ تجھ پہ تھا عاشق
[7] مخطوطہ گلشن بیخار [8] عمدۂ منتخبہ ص ۵۸۳ : ع دل جواب بیقرار رہتا ہے
[9] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۳ : ع کوئی یہ بیقرار رہتا ہے

پی نہ ہرگز شراب جیسا چاہ ۔۔۔ اس کے نشہ کا تار رہتا ہے[1]
پر ہو پیمانہ عمر کا جب تک ۔۔۔ تب تلک یہ خمار رہتا ہے[2]
دلبرد دل چراؤتا ہر دم[3] ۔۔۔ یوں کہیں اعتبار رہتا ہے
کیوں نہ ہوئے عزیز دلہا میر
کس کے کوچے میں خوار رہتا ہے[4]

(۴۱۶)

بسکہ ہے گردونِ دوں پرورد نی ۔۔۔ ہوئے پیوند زمیں یہ کشتنی[5]
بزم میں سے اب تو چل اے رشکِ صبح ۔۔۔ شمع کے مونہہ پر تو پھر گئی مُردنی[6]
میں چراغِ صبحگاہی ہوں نسیم ۔۔۔ مجھ سے یکدم کے لیے کیا دشمنی
میں گدا شاعر نہیں ہوں بے طمع
تھا میر اسر مشق دیوان غنی

(۴۱۷)

جانگداز اتنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے[7] ۔۔۔ دل کے سے نالوں کا ان پردے میں کچھ آہنگ ہے
رشتۂ وخط و زلف ہی ہیں سنبل و سبزہ و گل[8] ۔۔۔ آنکھیں ہوں تو یہ چمن آئینۂ نیرنگ ہے

---

[1] غیر مطبوعہ [2] ایضاً، نسخۂ آصفیہ ص ۷۱ میں درج ہے۔ [3] نسخۂ کلکتہ، مصرع

دلبرد دل چراتے ہو ہر دم

[4] نسخۂ کلکتہ میں درج ذیل شعر زیادہ ہے، سہ

غیرمت کھا فریب خلق اس کا
کوئی دم میں وہ مار رہتا ہے

[5] نکات الشعراء، چمنستان شعراء

[6] نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۶۸۳ دیوان پنجم میں مصرع یوں ہے، مصرع

شمع کے منھ پر پھری ہے مردنی

نسخۂ آسی ص ۷۰۴ دیوان پنجم: مصرع ۔۔۔ شمع کے اوپر پھری ہے مردنی

[7] عمدۂ منتخبہ: مصرع ۔۔۔ دل گداز اپنی کہاں آوازِ عود و چنگ ہے

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۵: مصرع ۔۔۔ رشتے و خال و زلف سے ہیں سنبل و سبزہ و گل

بیتوں کھودے سے کیا آخر ہوئے سب کار عشق — بعد ازیں اے کوہکن سر ہے ترا اور سنگ ہے[1]
آہ ان خوش قامتوں کو کیونکے بر میں لایئے — جن کے ہاتھوں سے قیامت پر بھی عرصہ تنگ ہے[2]
عشق میں وہ گھر ہے اپنا جس میں سے مجنوں یہ ایک — ناخلف سارے قبیلہ کا ہمارے ننگ ہے[3]
چشم کم سے دیکھ مت قمری تو اس خوش قد کے تئیں[4] — آہ بھی سرو گلستان شکستِ رنگ ہے
ہم سے تو جایا نہیں جاتا کہ یکسر دل ہیں واں — دو قدم اس کی گلی کی راہ سو فرسنگ ہے
ایک بوسہ پریں کی ہے صلح پر اے زود رنج — تجھ کو مجھ سے اتنی اتنی بات پر بھی جنگ ہے[5]
پانو میں چوٹ آنے کے پیارے بہانے جانے دے — پیش رفت آتے ہمارے کب یہ عذر لنگ ہے[6]
فکر کو نازک خیالوں کی کہاں پہنچیں ہیں یار — ورنہ ہر مصراع یہاں معشوق شوخ و شنگ ہے
سرسری کچھ سن لیا اور واہ وا کر اٹھ گئے — شعر یہ کم فہم سمجھے ہیں خیال بنگ ہے

صبر بھی کرئے بلا پر میر صاحب جی کبھو
جب نہ تب رونا ہی کڑھنا یہ بھی کوئی ڈھنگ ہے

(۴۱۸)

اس ستم دیدہ کی صحبت سے جگر لوہو ہے — آب ہو جائے کہ یہ دل خلد پہلو ہے[7]
خون ہوتا نظر آتا ہے کسو کو مجھ کو — ہر نگہ ساتھ تیرے معلت ابرو ہے[8]

---

[1] عمدۂ منتخبہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرعِ ثانی میں "بعد ازیں" کے بجائے "بعد ازاں" ہے۔

[2] گلشن سخن

[3] عمدۂ منتخبہ

[4] نسخۂ کلکتہ: مصرع — چشم کم سے دیکھ مت قمری تو اس خوش قد کو ٹک

[5] یہ شعر گلشن سخن ص ۲۱۵ میں بھی اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں یوں ہے: ؎

اے بوسہ پر تو کی ہے صلح پر اے زود رنج
تجھ کو مجھ کو اتنی اتنی بات اوپر جنگ ہے

[6] نسخۂ کلکتہ: مصرع — پیش رفت آگے ہمارے کب یہ عذر لنگ ہے

[7] نکات الشعراء ص ۱۰۵ اور چمنستان شعراء ص ۲۸۱ میں بھی اسی طرح درج ہے لیکن نسخۂ کلکتہ ص ۷۷۳ میں "فردیات" کے تحت مصرع ثانی یوں ہے: مصرع — آب ہو جاتے کہ یہ دل غلش پہلو ہے

[8] غیر مطبوعہ

(۴۱۹)

آج مُیر بے قرار ہیں ہم بھی | بیٹھ جا چلنے ہار ہیں ہم بھی[1]
آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں | تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی
منع گریہ نہ کر کہ اے ناصح | اس میں بے اختیار ہیں ہم بھی
درپے جاں ہے قراول مرگ | کسو کے تو شکار ہیں ہم بھی
نالہ کریو سمجھ کے اے بلبل | باغ میں اک کنار ہیں ہم بھی
مدعی کو شراب ، ہم کو زہر | عاقبت دوستدار ہیں ہم بھی
مضطرب گریہ ناک ہے یہ گل | برق ابر بہار ہیں ہم بھی[2]
گر ز خود رفتہ ہیں ترے نزدیک | اپنے تو یادگار ہیں ہم بھی

میرؔ نام اک جوان سنا ہوگا
اسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی[3]

(۴۲۰)

دہر بھی میرؔ طرفہ مقتل ہے | جو ہے سو کوئی دم کو فیصل ہے[4]
دم رکا جا ہے کثرت غم سے | حضرت دل میں آج دنگل ہے
روز کہتے ہیں ملنے کو خوباں | لیکن اب تک تو روز اول ہے[5]
چھوڑ مت نقد وقت کو تس پر | آج جو کچھ ہے سو کہاں کل ہے
بند ہو تجھ سے پھر کھلا نہ کبھو | دل ہے یا خانۂ مقفل ہے
سینہ چاکی بھی کام رکھتا ہے[6] | یہی کر جیب تلک معطل ہے

---

[1] طبقات الشعراء ص ۲۲۰ مصرع اول: ع آج پھر بیقرار ہیں ہم بھی
نسخۂ کلکتہ ص ۱۴۳: ع آج کل بیقرار ہیں ہم بھی

[2] غیر مطبوعہ [3] عمدۂ منتخب ص ۵۸۳ [4] یہ شعر نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۴ میں مصرع یوں ہے: ع

جو ہے سو کوئی دم کا فیصل ہے

[5] نکات الشعراء اور چمنستان شعرا میں اسی طرح ہے نسخۂ کلکتہ میں "ملنے" کے بدلے "چلنے" ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ: ع سینہ چاکی بھی کام رکھتی ہے

ایک ہاتھوں میں شوق کے تیرے — دامن بادیہ کا آنچل ہے
ٹک گریباں میں سر کو ڈال کے دیکھ — دل بھی کیا لق و دق جنگل ہے
ہجر باعث ہے بدگمانی کا — غیرت عشق ہے تو کب کل ہے
مرگیا کوہکن اسی غم میں
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے[۱]

(۴۲۱)

ساقی گھر چاروں اور آیا ہے — دے بھی مے ابر زور آیا ہے[۲]
ذوق تیرے وصال کا میرے — ننگے سر تا بہ گور آیا ہے[۳]
بوجھ اٹھاتا ہوں ضعف کا شاید — ہاتھ پانؤں میں زور آیا ہے[۴]
غارت دل کرے ہے خال سیاہ — بے طرح گھر میں چور آیا ہے[۵]
آج تیری گلی سے ظالم میر
لوہو میں شور بور آیا ہے[۶]

(۴۲۲)

خنجر بکف وہ جب سے سفاک ہو گیا ہے — ملک ان ستم زدوں کا سب پاک ہو گیا ہے[۷]
جس سے لیے لگاؤں رو کھا ہی ہو ملے ہے — سینے میں جل کراز بس دل خاک ہو گیا ہے
صحبت سے اس جہاں کی کم کوئی خلاص ہو گا — اس فاحشہ پہ سب کو امساک ہو گیا ہے
کیا جانے لذت درد اس کی جراحتوں کی — یہ جانوں ہوں کہ سینہ سب چاک ہو گیا ہے
دیوار کہنہ ہے یہ مت بیٹھ اس کے سائے — اٹھ چل کہ آسماں سب کا داک ہو گیا ہے[۸]
شرم و حیا کہاں کی ہر بات پر ہے شمشیر — اب تو بہت وہ ہم سے بیباک ہو گیا ہے
بے حرف لبسکہ رویا ہے حال پہ ہمارے — قاصد کے ہاتھ میں خط نمناک ہو گیا ہے[۹]

---

[۱] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء، تذکرۂ میر حسن، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ [۲] گلشن سخن [۳] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ ص ۲۲۵ اور نکات الشعراء ص ۱۷۹ میں درج ہے۔ [۴] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ میں درج ہے۔ [۵] گلشن سخن۔
[۶] گلشن سخن [۷] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [۸] نکات الشعراء، طبقات الشعراء اور چمنستان شعراء میں ایسا ہی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۵ میں مصرع ثانی یوں ہے: ع

اٹھ چل کہ آسماں تو کا داک ہو گیا ہے

[۹] غیر مطبوعہ

زیر فلک بھلا تو روئے ہے آپ کو میر
کس کس طرح کا عالم یاں خاک ہو گیا ہے[1]

(۴۲۳)

کل بارے ہم سے اس سے ملاقات ہو گئی ۔ دو دو بچن کے ہونے میں اک بات ہو گئی[2]
کن کن مصیبتوں سے ہوئی صبح شام ہجر ۔ سو زلفیں ہی بناتے اسے رات ہو گئی[3]
گردش نگاہ مست کی موقوف ساقیا ۔ مسجد تو شیخ جی کی خرابات ہو گئی[4]
ڈر ظلم سے کہ اس کی جزا بس شتاب ہے ۔ آیا عمل میں یاں کہ مکافات ہو گئی
خورشید سا پیالۂ مے بے طلب دیا ۔ پیر مغاں سے رات کرامات ہو گئی
کتنا خلاف وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یاں ۔ نومیدی اور امید مساوات ہو گئی[5]
آ شیخ گفتگو تے پریشاں پہ تو نہ جا ۔ مستی میں اب تو قبلۂ حاجات ہو گئی
دیدار کی گرسنگی اپنی یہیں سے دیکھ ۔ اک ہی نگاہ یاروں کی اوقات ہو گئی[6]
ٹک شہر سے نکل کے میرا گریہ سیر کر ۔ گویا کہ کوہ و دشت پہ برسات ہو گئی

اپنے تو ہونٹھ بھی نہ ہلے اس کے رو برو
رنجش کی وجہ میر وہ کیا بات ہو گئی[7]

(۴۲۴)

خوب تھے وے دن کہ ہم تیرے گرفتاروں میں تھے ۔ غمزدوں، اندوہ گین وظلم کے ماروں میں تھے[8]
دشمنی جانی ہے ہم سے اب تو غیروں کے لیے[9] ۔ اک سماں سا ہو گیا وہ بھی کہ ہم یاروں میں تھے

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [2] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، تذکرۂ میر حسن، طبقات الشعراء، عمدۂ منتخبہ، گلشن سخن۔
[3] نکات الشعراء، چمنستان شعراء [4] نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں مصرع ثانی میں "جی" کے بجائے "جیو" ہے۔
[5] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، تذکرۂ میر حسن میں شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۱ میں مصرع یوں ہے: ع
نومیدی و امید مساوات ہو گئی
[6] غیر مطبوعہ [7] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، طبقات الشعراء، عمدۂ منتخبہ [8] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۷: ع
غمزدوں اندوہ گینوں ظلم کے ماروں میں تھے
[9] طبقات الشعراء میں بھی ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع یوں ہے: ع
دشمنی جانی ہے اب تو ہم سے غیروں کے لیے

مت تنتنے سے گزر قمری ہماری خاک پر — ہم بھی اک سرو رواں کے ناز برداروں میں تھے
مر گئے لیکن نہ دیکھا تو نے اودھر آنکھ اٹھا — آہ کیا کیا لوگ ظالم تیرے بیماروں میں تھے [1]
شیخ جی مندیل کچھ بگڑی سی ہے کیا آپ بھی — رندوں بانکوں میکشوں آشفتہ دستاروں میں تھے [2]
گرچہ جرم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا ولے — قتل کرنا تھا ہمیں ہم ہی گنہگاروں میں تھے

اک رہا مژگاں کی صف میں ایک کے ٹکڑے ہوئے
دل جگر جو میر دونوں اپنے غم خواروں میں تھے

(۴۲۵)

بیتابیوں میں تنگ ہم آتے ہیں جان سے — وقت شکیب خوش کہ گیا درمیان سے
داغ فراق و حسرت وصل آرزوئے دید — کیا کیا لیے گئے ترے عاشق جہان سے [3]
ہم خامشوں کا ذکر تھا شب اس کی بزم میں — نکلا نہ حرف خیر کسو کی زبان سے
آب خضر سے بھی نہ گئی سوزش جگر — کیا جانئے یہ آگ ہے کس دودمان سے
جز عشق جنگ و مہر سے مت پڑھ کہ خوش ہیں ہم — اس قصہ کی کتاب میں اس داستان سے
آنے کا اس چمن میں سبب بے کلی ہوئی — جوں برق ہم تڑپ کے گرے آشیان سے
کینہ کے میرے تجھ سے نچاہیگا کوئی داد — میں کہہ مروں گا[4] اپنے ہر اک مہربان سے
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ عاشق ہے تو کہیں — القصہ خوش گزرتی ہے اس بدگمان سے [5]

داغوں سے ہے چمن جگر میر دہر میں
ان نے بھی گل چنے بہت اس گلستان سے

(۴۲۶)

جس جگہ دور جام ہوتا ہے — واں یہ عاجز مدام ہوتا ہے
ہم تو یک حرف کے نہیں ممنون — کیسا خط اور پیام ہوتا ہے
تیغ ناکاموں پہ نہ کھینچ اے شوخ [6] — اک کرشمہ میں کام ہوتا ہے
شیخ کی سی ہی شکل ہے شیطان — جس پہ شب احتلام ہوتا ہے

---

[1] طبقات الشعراء [2] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ ص ۲۳۲ میں درج ہے۔ [3] غیر مطبوعہ، گلشن سخن میں درج ہے۔ [4] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ ص ۲۳۲ میں درج ہے۔ [5] سخن شعراء، مخطوطہ گلشن بیخار [6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۰: ع
تیغ ناکاموں پر نہ ہر دم کھینچ

پوچھ مت آہ عاشقوں کی معاش — روز ان کا بھی شام ہوتا ہے
زخم بن، غم بن اور غصہ بن — ان پہ کھانا حرام ہوتا ہے[1]
قتل کو میں کہا تو اٹھ بولا — آج کل صبح و شام ہوتا ہے[2]
آخر آؤں گا نعش پر اب آہ — کہ یہ عاشق تمام ہوتا ہے[3]
میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے پر
جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

(۴۲۷)

غم سے یہ میں نے طرح نکالی نجات کی — سجدہ اس آستاں پہ کیا اور وفات کی[4]
نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے پر ایک دن — ناموس یوں ہی جائے گی آب حیات کی
صد حرف زیر خاک تہ دل چلے گئے — مہلت نہ دی اجل نے ہمیں ایک بات کی
ہم تو ہی اس زمانے میں حیرت سے چپ نہیں — اب بات جا چکی ہے سبھی کائنات کی
پژمردہ اس کلی کے تئیں وا شدن سے کیا — آہ سحر نے دل پہ عبث التفات کی
حور و پری فرشتہ بشر مار ہی رکھا — دزدیدہ دیکھنے نے ترے جب یہ گھات کی
اس لب شکر کے ہیں سبھی جہاں ذائقہ شناس — اس جا دعا پہنچتی نہیں ہے نبات کی
عرصہ ہے تنگ چال نکلتی نہیں ہے اور — جو چال پڑتی ہے سو وہ بازی کی مات کی
برقع اٹھا تھا یار کے موںھ کا سو شرم سے
کل میر آفتاب نے جوں توں کی رات کی[5]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع — اپنا کھانا حرام ہوتا ہے
[2] غیر مطبوعہ، نسخۂ آصفیہ ص ۲۳۱ میں درج ہے۔ [3] غیر مطبوعہ [4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۰ میں شعر یوں ہے: ؎

غم سے یہ راہ میں نے نکالی نجات کی
سجدہ اس آستاں کا کیا پھر وفات کی

[5] طبقات الشعراء ص ۲۲۱: ؎

برقع اٹھا تھا یار کے منہ سے سو شرم سے
کل میر آفتاب نے جوں تیوں کے رات کی

نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۰: ؎

برقع اٹھا تھا یار کے منہ کا سو میر کل
سنتے ہیں آفتاب نے جوں توں کی رات کی

(۴۲۸)

اب دل کو دھوری آہ کی صبح و مسا لگی[1] — پژمردہ اس گلی کے تئیں بھی ہوا لگی
کیونکر بجھاؤں آتشِ سوزانِ عشق کو — اب تو یہ آگ دل سے جگر کو بھی جا لگی
دل کو گئے ہی یاں سے بنی اب کہ ہر سحر — کوچہ میں تیرے زلف کی آنے صبا لگی[3]
زلف سیاہ یار کی رہتی ہے چیت چڑھی — یہ تازہ میرے جی کو کہاں کی بلا لگی[4]
بیتابی و شکیب دسفر الغرض ندیم[5] — اس دل مریضِ غم کو نہ کوئی دوا لگی
ڈر مجھ نفس سے غیر کہ پھر جی سے ہی گیا — جس کو کسو ستم زدہ کی بد دعا لگی
تھا صید ناتواں میں لٹے میرے خون سے — پانو میں صید بندوں کے پھر کر حنا لگی[6]
لگ جائے چپ نہ تجھ کو کہیو تو عندلیب[7] — گر بے گلی نے کی ہمیں تکلیف نا لگی

کشتہ کا اس کے زخم نہ ظاہر ہوا کہ میر
کس جائے اس شہید کی تیغِ جفا لگی

(۴۲۹)

کس حسن سے کہوں میں اس کی خوش اختری کی — اُس ماہ رو کے آگے کیا تاب مشتری کی
رکھنا نہ تھا قدم یاں جوں باد بے تامل — سیر اس جہاں کی رہرو پر تو نے سرسری کی
شبہا بحال سگ میں یک عمر صرف کی ہے — مت پوچھ اُن نے مجھ سے جو آدمی گری کی
پاتے گل اس چمن میں چھوڑا گیا نہ ہم سے — سر پر ہمارے اب بھی منت ہے بے پری کی[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۰: ع
اب دل کو آہ کرنی ہے صبح و مسا لگی
[2] عمدۂ منتخبہ: س
اب دل سے آہ اٹھنے جو صبح و مسا لگی
پژمردہ اس گلی کو بھی شاید ہوا لگی
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۰: ع
کوچہ میں تیرے زلف کے آنے صبا لگی
[4] غیر مطبوعہ گلشنِ سخن ص ۲۱۵ میں درج ہے اور مصرع ثانی یوں ہے: ع
یہ تازہ میرے جی کو کہاں سے بلا لگی
[5] نسخۂ کلکتہ: ع
بیتابی و شکیب و سفر حاصل کلام
[6] غیر مطبوعہ۔ [7] نسخۂ کلکتہ: ع
لگ جائے چپ نہ تجھ کو تو کہیو عندلیب
[8] عمدۂ منتخبہ میں بھی اسی طرح ہے۔

پیشہ تو ایک ہی تھا اپنا اور اس کا لیکن　　مجنوں کے طالعوں نیں شہرت میں یاوری کی[1]
خوباں تمہاری خوبی تا چند نقل کر یے　　ہم رنجہ خاطروں کی کیا خوب دلبری کی
گریہ سے داغ سینہ تازہ ہوئے ہیں سارے　　یہ کشتِ خشک تونے اے چشم پھر ہری کی
یہ دور تو موافق ہوتا نہیں مگر اب　　رکھیے بنائے تازہ اس چرخ چنبری کی

ہم سے جو میرؔ اتر کر افلاک چرخ میں ہیں
خاک افتادگاں سے کاہے کو ہمسری کی[2]

(۴۳۰)

نے صبر ہے نہ ہوش ہے گل بن نہ تاب ہے　　بے طاقتی ہے بے کلی ہے اضطراب ہے[3]
ہے خاک جیسے ریگ رواں سب نہ آب ہے　　دریائے موج خیز جہاں کا سراب ہے
اس شہرِ دل کو تو بھی جو دیکھے تو اب کہے　　کیا جانیے کہ بستی یہ کب کی خراب ہے
مونہہ پر لیے نقاب تو اے ماہ کیا چھپے　　آشوب شہر حسن تیرا آفتاب ہے
کس رنگ گل کی باغ میں زلف سیہ کھلی　　موج ہوا میں آج نپٹ پیچ و تاب ہے[4]
کیا دل مجھے بہشت میں لے جائے گا ندیم[5]　　جس کے سبب یہ جان پہ میری عذاب ہے
سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول[6]　　غافل یہ زندگانی فسانہ ہے خواب ہے
رہ آشنائے لطف حقیقت کے بحر کا　　ہے رشک زلف و چشم جو موج و حباب ہے[7]

آتش ہے سوز سینہ ہمارا مگر کہ میرؔ
نامہ سے عاشقوں کے کبوتر کباب ہے

---

[1] عمدۂ منتخبہ: مصرع
مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں یاوری کی

[2] یہ شعر عمدۂ منتخبہ میں بھی اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۱۵۱ میں یوں مندرج ہے: ؎
ہم سے جو میرؔ اڑ کر افلاک چرخ میں ہیں
ان خاک میں طلوں کی کاہے کو ہمسری کی

[3] غیر مطبوعہ [4] گلشن سخن [5] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۲: مصرع
کیا دل مجھے بہشت میں لے جائے گا بھلا

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۲: مصرع　　سن کان کھول کر کہ تنک جلد آنکھ کھول

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۲: مصرع　　ہے رشک زلف و چشم جو موج حباب ہے

(۴۳۱)

بوکہ ہو طرف باغ نکلے ہے — باؤ میں اک دماغ نکلے ہے[1]
ہے جو اندھیر شہر میں خورشید — دن کو لے کر چراغ نکلے ہے[2]
چو بکاری ہی سے رہے گا شیخ — اب تو لے کر چماغ نکلے ہے
ہر سحر حادثہ مری خاطر — پھر کے خوں کا ایاغ نکلے ہے
اس گلی کی زمین تفتہ سے — دل جلوں کا سراغ نکلے ہے
دے ہے جنبش جو واں کی خاک کو باؤ — جگر داغ داغ نکلے ہے

شاید اس زلف سے لگی ہے میر
باؤ میں اک دماغ نکلے ہے

(۴۳۲)

ایدھر سے ابر اٹھ کر جو گیا ہے — ہماری خاک پر بھی رو گیا ہے[3]
مقامِ خانۂ آفاق وہ ہے — کہ جو آیا ہے یاں کچھ کھو گیا ہے
کچھ آؤ زلف کے کوچے میں درپیش — مزاج اپنا ادھر اب تو گیا ہے
مصائب اور تھے پر دل کا جانا — عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے

سرہانے میر کے کوئی نہ بولو
ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے[4]

(۴۳۳)

دن دوری چمن میں جو ہم شام کریں گے — تا صبح دو صد نالہ سر انجام کریں گے
ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کنایہ — وہ شخص جہاں شکوۂ ایام کریں گے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۵۷ ا سے
بوکہ ہو سوئے باغ نکلے ہے
باؤ سے ایک دماغ نکلے ہے

[2] اصل "دل"۔ [3] گلشن سخن اور نسخۂ کلکتہ میں مصرعہ اوّل میں "ایدھر" کے بجائے "ادھر" ہے۔ [4] طبقات الشعراء، عمدۂ منتخبہ اور مخطوطہ گلشن بیخار میں شعر اسی طرح ہے۔ سخن شعراء میں مصرع اوّل یُوں ہے: ع
سرہانے میر کے آہستہ بولو
گلشن سخن مصرعہ ثانی: ع — ابھی وہ روتے روتے سو گیا ہے

آمیزش بے جا ہے تجھے جن سے ہمیشہ　　وے لوگ ہی آخر تجھے بد نام کریں گے
نالوں سے میرے رات کے غافل نہ رہا کر　　اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے
گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میرؔ
ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

(۴۳۴)

عمر بھر ہم رہے شرابی سے　　دل پرخوں کی اک گلابی سے[1]
جی ڈھا جاہے آج صبح سے آہ　　رات گزرے گی کس خرابی سے[2]
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے　　اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے[3]
برقع اٹھتے ہی چاند سا نکلا　　داغ ہوں اس کی بے حجابی سے[4]
کام تھے عشق میں بہت کہ میرؔ[5]
ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

(۴۳۵)

برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے　　کہ ہمراہ صبا ٹک سیر کرتے اور ہوا ہوتے[6]
سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو　　وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتے
فلک اے کاش ہم کو خاک ہی رکھتا کہ اس میں ہم　　غبارِ راہ ہوتے یا کسو کی خاکِ پا ہوتے[7]

---

[1] تذکرۂ میر حسن، گلشن سخن اور عمدۂ منتخبہ میں ایسا ہی ہے۔ آبِ حیات ص ۲۲۸ میں مصرع ثانی مصرع اول کے بجائے مندرج ہے۔ [2] گلشن سخن میں اسی طرح ہے۔ تذکرۂ میر حسن میں مصرع اول یوں ہے: ع

جی ڈہا جاہے آج صبح سے ہائے

نسخۂ کلکتہ ص ۲۲۵: ع　　جی ڈہا جائے ہے سحر سے آہ

آبِ حیات ص ۲۲۸: ع　　جی ڈھا جائے ہے سحر سے آج

[3] گلشن سخن، بہار بے خزاں، آبِ حیات　[4] بہار بے خزاں، آبِ حیات　[5] تذکرۂ میر حسن، نسخۂ کلکتہ اور آبِ حیات میں مصرع یوں ہے: ع

کام تھے عشق میں بہت پہ میرؔ

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۱: ع

کہ ہمراہ صبا ٹک سیر کرتے پھر ہوا ہوتے

گلشن سخن میں متن جیسا ہے۔ [7] گلشن سخن۔

تو ہے کس ناحیہ سے اے دیارِ عشق کیا جانوں[1] تیرے باشندگاں ہم کاش سارے بے وفا ہوتے
الٰہی کیسے ہوتے ہیں جنہیں ہے بندگی خواہش ہمیں تو شرم دامنگیر ہوتی ہے خدا ہوتے
اب ایسے ہیں کہ صانع کے مزاج اوپر بہم پہنچے جو خاطر خواہ اپنے ہم ہوئے ہوتے تو کیا ہوتے
کہے جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانے
انہیں معلوم تب ہوتا کہ ایسے سے خدا ہوتے[2]

(۴۳۶)

زندگی ہوتی ہے اپنی غم کے مارے دیکھیے موند لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھیے[3]
راہ دورِ عشق میں اب تو رکھا ہم نے قدم رفتہ رفتہ پیش کیا آتا ہے بارے دیکھیے
ہو چکا روزِ جزا اب اے شہیدانِ وفا چونکتے ہیں خونِ خفتہ کب ہمارے دیکھیے[4]
خنجرِ بیداد کو کیا دیکھتے ہو دم بدم چشم سے انصاف کی سینے ہمارے دیکھیے[5]
شستشو کا اس کے پانی جمع ہو کر مہ بنا اور موتھ دھونے کے چھینٹوں کے ستارے دیکھیے[6]
لختِ دل کب تک الٰہی چشم سے ٹپکا کریں خاک میں تا چند ایسے لعل پارے دیکھیے
رہ گئے سوتے کے سوتے کارواں جاتا رہا
ہم تو میر اس راہِ خوابیدہ میں ہارے دیکھیے[7]

---

[1] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی ص ۱۵۰ جانوں [2] نسخۂ کلکتہ، گلشنِ سخن : ۔

کہیں جو کچھ ملامت گر بجا ہے میر کیا جانے
انہیں معلوم تب ہوتا کہ ویسے سے جدا ہوتے

[3] عمدۂ منتخبہ : ع
پھیر لیں آنکھیں ادھر سے تم نے پیارے دیکھیے
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۰ : ع
چونکتے ہیں خون خفتہ کب تمہارے دیکھیے
[5] عمدۂ منتخبہ، گلشنِ سخن [6] نسخۂ کلکتہ : ع
اور مُونھ دھونے کے چھینٹوں سے ستارے دیکھیے
[7] نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی ص ۱۵۶ : ع ہم تو میر اس رہ کے خوابیدہ ہیں ہارے دیکھیے
نسخۂ کلکتہ میں غزل کے ۹ شعر ہیں۔ ذیل کے دو شعر زیرِ ترتیب نسخے میں درج نہیں ہیں، ۔

سینۂ مجروح بھی قابل ہوا ہے میر کے ایک دن تو آن کر یہ زخم سارے دیکھیے
ایک خوں ہو بہ گیا دو رہ تے ہی رہتے گئے دیدۂ دل ہو گئے ہیں سب کنارے دیکھیے

(۴۳۷)

چمن یار تیرا ہوا خواہ ہے ❊ گل اک دل ہے جس میں تری چاہ ہے
تری آہ کس سے خبر پوچھیے[1] ❊ وہی بے خبر ہے جو آگاہ ہے
میرے لب پہ رکھ کان ٹک درد سن[2] ❊ کہ اب تک بھی اک ناتواں آہ ہے
کبھو وادیٔ عشق دیکھلاتیے ❊ بہت خضر بھی دل میں گمراہ ہے
جہاں سے تو رخت اقامت کو باندھ ❊ یہ منزل نہیں بے خبر راہ ہے
سراپا میں اس کے نظر کرکے تم ❊ جہاں دیکھو اللہ ہی اللہ ہے[3]
نہ شرمندہ کر اپنے مونھ سے مجھے ❊ کہا میں نے کب یہ کہ تو ماہ ہے
یہ وہ کارواں گاہ دلکش ہے میر
کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

(۴۳۸)

عشق میں بے خوف و خطر چاہیے ❊ جان کے دینے کو جگر چاہیے[4]
قابل آغوش ستم دیدگاں ❊ اشک سا پاکیزہ گہر چاہیے[5]
شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں ❊ عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے[6]
سینکڑوں مرتے ہیں سدا پھر بھی یاں ❊ واقعہ اک شام و سحر چاہیے[7]
حال یہ پہنچا ہے کہ اب ضعف سے ❊ اٹھتے پلک ایک پہر چاہیے[8]
کم ہیں شناسائے زر داغ دل ❊ اس کے پرکھنے کو نظر چاہیے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۲: ع
تیری آہ کس سے خبر پاتیے
[2] نسخۂ کلکتہ و ع
میرے لب پہ رکھ کان آواز سن
[3] نسخۂ کلکتہ، ع
جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے
[4] گلشن سخن، گلشن ہند، عمدۂ منتخبہ [5] طبقات الشعراء، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ میں ایسا ہی ہے۔ گلشن ہند میں مصرع اول غلط درج ہے: ع
باقل آغوشش ستم دیدگاں
[6] طبقات الشعراء، گلزار ابراہیم، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ
[7] غیر مطبوعہ [8] طبقات الشعراء: ع
ملتے پلک ایک پہر چاہتے

جیسے جرس پارہ گلو کیا کروں   نالہ و فغاں میں اثر چاہیے[1]

خوف قیامت کا یہی ہے کہ میر
ہم کو جیا بار دگر چاہیے[2]

(۴۳۹)

شمع صفت جب کبھو مر جائیں گے   ساتھ کئی داغ جگر جائیں گے[3]
تند نہ ہو ہم جو موئے پھرتے ہیں   کیا تری ان باتوں سے ڈر جائیں گے[4]
کھل گئے رخسار اگر یار کے   شمس و قمر جی سے اتر جائیں گے[5]
خالی نہ چھوڑیں گے ہم اپنی جگہ   گر یہی رونا ہے تو بھر جائیں گے

راہ دم تیغ پہ ہو کیوں نہ میر
جی پہ رکھیں گے تو گزر جائیں گے[6]

(۴۴۰)

اب ظلم ہے اس خاطر تا غیر بھلا مانے   پس ہم نہ برا مانیں تو کون برا مانے[7]
سرمایۂ صد آفت دیدار کی خواہش ہے   دل کی تو سمجھ لیجے گر چشم کہا مانے
مسدود ہے اے ہمدم بہتر ہے رہ نامہ   کیا کیا نہ لکھیں ہم تو جو یار لکھا مانے
حکم حال شکستہ کی سننے ہی میں سب کچھ ہے   پڑھ تو سخن رس ہے اس بات کو کیا مانے

بے طاقتی دل نے سائل بھی کیا ہم کو
پر میر فقیروں کی یاں کون صدا مانے[8]

(۴۴۱)

گئے جی سے چھوٹے بتوں کی جفا سے   یہی بات ہم چاہتے تھے خدا سے[9]

---

[1] غیر مطبوعہ [2] گلشن سخن، نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳ میں ذیل کا شعر زیادہ ہے:

عشق کے آثار ہیں اے بوالہوس
داغ بہ دل دست لبستہ چاہیے

[3] گلشن سخن میں بھی ایسا ہی شعر ہے۔ عمدۂ منتخبہ میں مصرع ثانی یہ ہے: ع

ساتھ لیے داغ جگر جائیں گے

[4] گلشن سخن [5] عمدۂ منتخبہ [6] گلشن سخن [7] ایضاً [8] ایضاً [9] طبقات الشعراء، سخن شعراء

وہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں — مرو یا جیو کوئی اُس کی بلا سے
کوئی ہم سے کھلتے ہیں بند اس قبا کے — یہ عقدے کھلیں گے کسو کی دعا سے
پشیماں توبہ سے ہوگا عدم میں — کہ غافل چلا شیخ لطف ہوا سے
نہ رکھی میری خاک بھی اس گلی میں — کدورت مجھے ہے نہایت صبا سے
جگر کچھ بھی چاہے مژگاں کی جانب[۱] — مگر دیدۂ تر ہیں لوہو کے پیاسے
اگر چشم ہے تو وہی عین حق ہے — تعصب عبث ہے تجھے ماسوا سے[۲]
طبیب سبک عقل ہرگز نہ سمجھا — ہوا دردِ عشق اور دُونا دوا سے[۳]
ٹک اے مدعی چشم انصاف وا کر — کہ بیٹھے ہیں یہ قافیے کس ادا سے
نہ شکوہ شکایت نہ حرف و حکایت
کہو میر جی آج کیوں ہو خفا سے[۴]

(۴۴۲)

رنج کھینچے تھے داغ کھائے تھے — دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے
پاسِ ناموسِ عشق تھا ورنہ — کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
وہی سمجھا نہ ورنہ ہم نے تو — زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے
کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے — کس توقع پہ دل لگائے تھے
فرصتِ زندگی سے مت پوچھو — سانس بھی ہم نہ لینے پاتے تھے
میر صاحب رولا گئے سب کو
کل وے تشریف یاں بھی لاتے تھے[۵]

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۹: ع — جگر سوتے مژگاں کھنچا جائے ہے کچھ
۲؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۹: ع — تعصب تجھے ہے عجب ماسوا سے
۳؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۷۹: ع — دردِ عشق آہ دُونا دوا سے
۴؎ طبقات الشعراء: ع — کہو میر جیو آج کیوں ہو خفا سے
نسخۂ کلکتہ اور سخن شعرا میں یہ مصرع ایسا ہی ہے جیسا کہ متن میں درج ہے۔ ۵؎ عمدۂ منتخبہ: ع
کل وہ تشریف یہاں بھی لائے تھے

(۴۴۳)

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے — زمیں سخت ہے آسماں دوُر ہے[۱]
جرس راہ میں جملہ تن شور ہے — مگر قافلے سے کوئی دُور ہے
تمنائے دل کے لیے جان دی — سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے[۲]
نہ ہو کس طرح فکر انجام کار — بھروسا ہے جس پر سو مغرور ہے
پلک کی سیاہی میں ہے وُہ نگاہ — کسو کا مگر خون منظور ہے
دل اپنا نہایت ہے نازک مزاج — گرا گر یہ شیشہ تو پھر چوُر ہے
کہوں گر تسلی ہوا ہو یہ دل[۳] — وہی بے قراری بدستور ہے
نہ دیکھا کہ لوہو تھنبا ہو کبھو — مگر چشم خوں بار ناسور ہے
تنک اک گرم تو سنگریزے کو دیکھ — نہاں اُس میں بھی شعلۂ طور ہے

بہت سعی کرتے تو مر رہتے میرؔ
بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

(۴۴۴)

کل وعدہ گاہ میں سے جوں توں کے ہم کو لائے — ہونٹھوں پہ جان آتی پر آہ وے نہ آتے[۴]
زخموں پہ زخم جھیلے داغوں پہ داغ کھاتے — یک قطرہ خونِ دل نے کیا کیا ستم اٹھائے[۵]
اس کی طرف کو ہم نے جب نامہ بر چلائے — ان کا نشاں نہ پایا خط راہ میں سے پائے
خوں بستہ جب تلک تھے دیوار کے کھڑائے تھے — آنسو گرے کرِ دڑوں پلکوں کے تک ہلاتے
اس جنگجو کے زخمی اچھے نہ ہوتے دیکھے — گل جب چمن میں آتے[۷] زخم سب دکھاتے[۶]
پھرتی نہیں پلک سے تاہم تلک بھی پہنچیں[۸] — پھرتی ہیں وُہ نگاہیں مژگاں کے سائے سائے

---

۱ عمدۂ منتخبہ، سخن شعراء ۲ عمدۂ منتخبہ ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۴ : ع
کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل
۴ سخن شعراء ۵ عمدۂ منتخبہ ۶ تذکرۂ عشقی ص ۱۹۹ ۷ نسخۂ کلکتہ، نسخۂ آسی ص ۱۸۰ : ع
گل جب چمن میں آئے زخم اپنے سب دکھائے
۸ نسخۂ کلکتہ ص ۲۱۵ : س
بڑھتیں نہیں پلک سے تاہم تلک بھی پہنچیں
پھرتی ہیں وے نگاہیں پلکوں کے سائے سائے

پر کی بہار میں جو محبوب جلوہ گر تھے ۔۔۔ سو گردشِ فلک نے سب خاک میں ملائے
ہر قطرۂ چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر ۔۔۔ بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول گل بناتے لہ
یک حرف کی بھی مہلت ہم کو نہ دی اجل نے ۔۔۔ تھا جی میں آہ کیا کیا پر کچھ نہ کہنے پاتے
چھاتی سراہ ان کی پاتیز میں جنھوں نے ۔۔۔ خار و خسِ چمن سے ناچار دل لگاتے
آگے بھی مجھ سے تھا یاں تصویر کا سا عالم ۔۔۔ بیدردیِ فلک نے وہ نقش سب مٹاتے
مدت ہوئی تھی بیٹھے جوشش و خروش دل کو ۔۔۔ ٹھوکر نے اس نگہ کی آشوب پھر اٹھاتے
اعجاز عشق ہی سے جیتے رہے وگرنہ ۔۔۔ کیا حوصلہ کہ جس میں آزار یہ سماتے
دل گرمیاں انھوں کی غیروں سے جب تب تھیں ۔۔۔ مجلس میں جب گئے ہم غیرت نے جی جلاتے

جیتے تو میرؔ ہر شب اس طرح عمر گزری ؎
پھر گور پر ہماری بے شمع گو کہ آتے

(۴۴۵)

خوش سرانجام تھے وے جلد جو ہشیار ہوتے ۔۔۔ ہم تو اے ہم نفساں دیر خبردار ہوتے
بے قراری سے دل زار کی آزار ہوتے ۔۔۔ خواہش اس حد کو کھنچی آہ کہ بیمار ہوتے ؎
جنس دل دونوں جہاں جس کی بہا تھی اس کا ۔۔۔ یک نگہ مول ہوا تم نہ خریدار ہوتے
عشق وہ ہے کہ جو تھے خلوتیِ منزلِ قدس ۔۔۔ وے بھی رسوائے سرِ کوچۂ بازار ہوتے
سیرِ گلزار مبارک ہو صبا کو ہم تو ۔۔۔ ایک پرواز نہ کی تھی کہ گرفتار ہوتے
وعدہ حشر سو موہوم نہ سمجھے ہم آہ ۔۔۔ کس توقع پہ ترے طالبِ دیدار ہوتے
اس ستمگار کے کوچے کے ہوا داروں ہیں ۔۔۔ نامِ فردوس کا ہم لے کے گنہگار ہوتے
سستیِ بخت تو ٹک دیکھ کہ اس چاہت پر ۔۔۔ معتقد غیر ہوتے ہم نہ وفادار ہوتے ؎

لہ نسخۂ آسی: س ۔۔۔ ہر قطرۂ چمن پر ٹک گاڑ کر نظر کر
بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول یہ بناتے
نسخۂ کلکتہ ص ۵۱۵ مصرعِ ثانی: ع ۔۔۔ بگڑیں ہزار شکلیں تب پھول کے بناتے
؎ نسخۂ کلکتہ ص ۵۱۱: ع ۔۔۔ آگے بھی تجھ سے تھا یاں تصویر کا سا عالم
؎ نسخۂ کلکتہ ص ۵۱۲: ع ۔۔۔ جیتے تو میرؔ ہر شب اس طرز عمر گزری
؎ غیر مطبوعہ ؎ غیر مطبوعہ

میرؔ صاحب سے خدا جانے ہوئی کیا تقصیر
جس سے اس ظلم نمایاں کے سزاوار ہوتے

(۴۴۶)

بغیر دل کے بے قیمت ہے سارے عالم کی — کسو سے کام نہیں رکھتی جنس آدم کی
کوئی ہو محرم شوخی ترا تو میں پوچھوں — کہ بزم عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی
ہمیں تو باغ کی تکلیف سے معاف رکھو — کہ سیر و گشت نہیں رسم اہلِ ماتم کی
تنک اک لطف سے کچھ کہہ کر جاں بلب ہوں میں — رہی ہے بات میری جاں اب کوئی دم کی[1]
گزرنے کو تو کج دواج اپنی گزری ہے — جفا جوان نے بہت کی تو کچھ وفا کم کی
گھرے ہیں درد و الم میں فراق کے ایسے — کہ صبح عید بھی یاں شام ہے محرم کی
قفس میں میرؔ نہیں جوشش داغ سینے پر
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم کی[2]

(۴۴۷)

فقیرانہ آئے صدا کر چلے — کہ میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے[3]
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم — سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی — کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ جس کے لیے — ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے[4]
پڑے ایسے اسباب پایان کار — کہ ناچار یوں جی جلا کر چلے[5]

---

[1] نسخۂ آسی ص ۱۵۶: ع
تنک تو لطف سے کچھ کہہ کہ جاں بلب ہوں میں
رہی ہے بات مری جاں بلب کوئی دم کی

[2] نسخۂ عبادت بریلوی میں اس شعر کی ردیف غلط دکھائی گئی ہے ؎
قفس میں میرؔ نہیں جوشش داغ سینے میں
ہوس نکالی ہے ہم نے بھی گل کے موسم میں

[3] یہ شعر تذکرۂ عشقی اور کئی قلمی نسخوں میں ایسا ہی درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ، تذکرۂ میر حسن اور طبقات الشعراء میں مصرعۂ ثانی یوں ہے: ع
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے

[4] تذکرۂ میر حسن، طبقات الشعراء

[5] غیر مطبوعہ۔

کوئی نا امیدانہ کرتے نگاہ — سو تم ہم سے مونہہ بھی چھپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تیری — سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے
دکھائی دیئے یوں کہ بے خود کیا — ہمیں آپ سے بھی جدا کر چلے
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی — حقِ بندگی ہم ادا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بت تجھے — نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے
جھڑے جس طرح پھول گلبن سے یوں — چمن میں جہاں کے ہم آ کر چلے
نہ دیکھا غمِ دوستاں شکر ہے — ہمیں داغ اپنا دکھا کر چلے
گئی عمر در بند فکر غزل — سو یہ کام ایسا بڑا کر چلے

کہیں کیا جو پوچھے کوئی ہم سے میرؔ
جہاں میں تم آتے تھے کیا کر چلے

(۴۴۸)

کیونکر کے ہمیں کوئی فریبندہ لبھا لے — آخر ہیں تری آنکھوں کے ہم دیکھنے والے
وے دن گئے جو ضبط کی طاقت تھی ہمیں بھی — اب دیدۂ خونبار نہیں جلتے سنبھالے
سو ظلم اٹھاتے تو کبھو دور سے دیکھا — ہرگز نہ ہوا یہ کہ ہمیں پاس بلا لے
اس شوخ کی سر تیز پلک ہے کی وہ کانٹا — گڑ جاتے اگر آنکھ میں سر دل سے نکلے
عشق ان کو ہے جو یار کو اپنے دم رفتن — کرتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے
کہتے ہیں حجاب رخ دلدار ہے ہستی — دیکھیں گے اگر یونہی بھلا جان بھی جلے
احوال بہت تنگ ہے اے کاش محبت — اب دستِ تلطف کو میرے سر سے اٹھا لے

---

[1] تذکرۂ میر حسن، طبقات الشعراء [2] تذکرۂ میر حسن [3] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۶: ع
جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
[4] نسخۂ کلکتہ و آسی ص ۲۰۲: ع — پرستش کی یہاں کہ اے بت تجھے
[5] نسخۂ کلکتہ: ع — جھڑے پھول جس رنگ گلبن سے یوں
[6] طبقات الشعراء [7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۶: ع
سو اس فن کو ایسا بُرا کر چلے
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۰: ع — کس طور ہمیں کوئی فریبندہ لبھالے

دعویٰ قیامت کا میرے خوف اسے کیا ‌ ‌ ‌ ‌ اگ لطف میں وُہ مجھ سے تنک رُو کو مٹالے[۱]

میرؔ اس سے نہ مل آہ کہ ڈرتے ہیں مبادا
بیباک ہے وہ شوخ کہیں مار نہ ڈالے

(۴۴۹)

چاک پر چاک ہوا جوں جوں سلایا ہم نے ‌ ‌ ‌ ‌ اب گریباں ہی سے ہاتھ اٹھایا ہم نے[۲]
حسرت لطفِ عزیزانِ چمن جی میں رہی ‌ ‌ ‌ ‌ سر پہ دیکھا نہ گل و سرو کا سایا ہم نے
جی میں تھا عرش پہ جا باندھیے تکیہ لیکن ‌ ‌ ‌ ‌ بسترا خاک ہی میں اب تو بچھایا ہم نے
بعد یک عمر کہیں تم کو جو تنہا پایا ‌ ‌ ‌ ‌ ڈرتے ڈرتے کچھ اک احوال سُنایا ہم نے[۳]
یاں فقط ریختے ہی کہنے نہ آئے تھے ہم ‌ ‌ ‌ ‌ چار دن یہ بھی تماشا سا دکھایا ہم نے
بارے کل باغ میں جا مرغِ چمن سے مل کر ‌ ‌ ‌ ‌ خوبیٔ گل کا مزا خوب اڑایا ہم نے
تازگی داغ کی ہر شام کو بے ہیچ نہیں ‌ ‌ ‌ ‌ آہ کیا جانے دیا کس کا بجھایا ہم نے
دشت و کہسار میں سر مار کے چندے تجھ بن ‌ ‌ ‌ ‌ قیس و فرہاد کو پھر یاد دلایا ہم نے
بے کلی سے دلِ بے تاب کی مرگزرے تھے ‌ ‌ ‌ ‌ سو تہِ خاک بھی آرام نہ پایا ہم نے

یہ ستم تازہ ہوا اور کہ پائیز میں میرؔ[۴]
دل خس و خار سے ناچار لگایا ہم نے

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۱: ع ‌ ‌ ‌ ‌ اک لطف میں وہ مجھ سے تنک رو کے مٹالے

۲ گلشن سخن ص ۲۱۶ اور عمدۂ منتخبہ ص ۴۵۵ میں یہ شعر ایسا ہی ہے۔ مخطوطۂ گلشن بیخار اور نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۹ میں مصرع ثانی یوں ہے: ع
اس گریباں ہی سے اب ہاتھ اٹھایا ہم نے

۳ نسخۂ کلکتہ ص ۲۴۹: ع ‌ ‌ ‌ ‌ ڈرتے ڈرتے ہی کچھ احوال سنایا ہم نے

۴ اصل نسخہ میں مصرع یوں ہے: ع ‌ ‌ ‌ ‌ میرؔ یہ ستم تازہ ہوا اور کہ پائیز میں

فردیات متفرقہ

دل گیا، رسوا ہوئے، آخر کو سودا ہو گیا
اس دو روزہ زیست میں ہم پر بھی کیا کیا ہو گیا

کس طور تو نے باغ میں آنکھوں کے تیئں ملا
نرگس کا جس سے رنگ شکستہ بھی اڑ چلا

ہر شب جہاں میں جلتے گزرتی ہے اے نسیم
گویا چراغ وقف ہوں میں اس دیار کا[1]

ہے لب نمکیں علاج میرا
پر بے مزہ ہے مزاج میرا

فاتحہ کو نہ آیا بعد مرگ[2]
میر کے یار کی طرح دیکھو

نور نظر کو کھو کے میں سوؤں گا دیکھیو
دل بھر رہا ہے خوب ہی روؤں گا دیکھیو

عمر گزری کہ ترے کوچے کے آنے سے گئے
دور سے ایک نظر دیکھ کے جانے سے گئے

حیران اس بجھو کے پر سب دوش ہو گئے[3]
شمع و چراغ بزم میں خاموش ہو گئے

جو سیل سرشک کا چلے ہے
دریا کے بھی ہونٹھ جالے ہے

---

[1] غیر مطبوعہ
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۷۷۶ : مص — فاتحہ کو نہ آیا بعد از مرگ
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۷۷۲ : ع — حیران اس بجھو کے سب دوش ہو گئے

رباعیات

ایسا نہ ہوا کہ ہم نے شادی کی ہو　　　یا سیر بہار باغ وادی کی ہو[1]
پژمردہ کلی کی طرح اس گلشن میں[2]　　　غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو

مدت کے جو بعد جی بحال آتا ہے　　　خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے
وے دن گئے جان یوں چلی جاتی ہے آہ[3]　　　رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے[4]

تجھ سے[5] محال ہے اٹھانا مجھ کو　　　پھر خجلی کیے کوئی کہ سیانا مجھ کو
سر میرا لگا ہے نقشِ پا سے تیرے　　　سجدہ کو خدا کے بھی بچانا مجھ کو[6]

اتنے بھی نہ ہم خراب ہوتے رہتے　　　کاہے کو جہاں میں میر روتے رہتے[7]
سب خواب عدم سے چونکنے کے ہیں وبال　　　بہتر تھا یہی کہ وہیں سوتے رہتے

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۲۸۹ : مؔ　　　یا سیر بہار و باغ و وادی کی ہو
[2] نسخۂ کلکتہ : مؔ　　　پژمردہ کلی کے رنگ اس گلشن میں
[3] تذکرۂ میر حسن　　[4] نسخۂ کلکتہ ص ۲۸۸ : مؔ
ہے تجھ سے محال جی اٹھانا مجھ کو
[5] یہ رباعی نکات الشعراء میں بھی درج ہے۔ نسخۂ آسی ص ۱۰۲، میں مصرع یوں ہے : مؔ
پھر جتنی کے کوئی سیانا مجھ کو
[6] نسخۂ آسی : مؔ　　　سجدہ کو خدا کے بھی بجانا مجھ کو
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۲۸۹ : مؔ　　　کاہے کو غم و الم سے روتے رہتے

جس وقت شروع یہ حکایت ہو گی　　　رنجیدگی بیحد گر نہایت ہو گی
احوال وفا کا اپنے ہرگز مجھ سے　　　مت پُوچھ کہ کہنے ہی شکایت ہو گی

گزرا یہ کہ شکوہ و شکایت کیجے　　　یا بیٹھ کے حرف اور حکایت کیجے[1]
خُوب اتنی تو مجھ پہ اب رعایت کیجے　　　دل میرا میرے تئیں عنایت کیجے

کاہیکو کوئی خراب خواری ہوتا　　　کاہیکو کبھو یہ جان بھاری ہوتا
دلخواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے　　　اے کاش کے عشق اختیاری ہوتا[2]

یک مرتبہ دل پہ اضطرابی آئی　　　یعنی کہ اجل مری شتابی آئی[3]
بکھرا جاتا ہے ناتوانی میں جی[4]　　　عاشق نہ ہوئے کہ اک خرابی آئی

اک وقت ہی ہم بھی خوش معاشی کرتے[5]　　　ہر نالہ سے اپنے دل خراشی کرتے
آتا جو کبھو ادھر کو سنتے اس کو[6]　　　ہم گریہ سے اپنے آب پاشی کرتے

مت مال کسو کا یار تل کر رکھنا　　　اور داؤ نہ یاں بہت سا جل کر رکھنا[7]
آیا ہے قمار خانۂ عشق میں تو[8]　　　سربازی ہے یاں قدم سنبھل کر رکھنا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۹۲، ع　　　یا آگے سخن اور حکایت کیجے
تذکرۂ عشق میں بھی یہ مصرع متن جیسا ہے۔ [2] نکات الشعراء، چمنستان شعراء اور طبقات الشعراء میں بھی یہ رباعی اسی طرح درج ہے۔
نسخۂ کلکتہ ص ۹۲، مصرع ثانی یُوں ہے: ع کاہیکو ہیں یہ جان بھاری ہوتا
[3] تذکرۂ عشق: ع　　　شاید کہ اجل میری شتابی آئی
[4] تذکرۂ عشق: ع　　　بکھرا جاتا ہے ناتوانی سے جی
[5] نسخۂ کلکتہ: ع　　　ایک وقت تھے ہم بھی خوش معاشی کرتے
[6] نسخۂ کلکتہ: ع　　　آتے جو کبھو ادھر کو سنتے اس کو
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۹۲: ع　　　تو داؤ نہ یاں بہت سا جل کر رکھنا
[8] نسخۂ کلکتہ: ع　　　آیا تو قمار خانۂ عشق میں تو

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا — میخانہ میں جوشِ بادہ نوشاں دیکھا
یک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے — دیکھا سو محلہ خموشاں دیکھا[1]

اغلب ہے وہ غم کا بار کھینچے گا میر — مونہہ دیکھو کہ شکل یار کھینچے گا میر
بیٹھا ہے بنانے اس کی چشمِ میگوں — نقاش بہت خمار کھینچے گا میر

یکسو یہ کہ عیش و کامرانی کرتے — یا خوب طرح سے زندگانی کرتے
سگ کا نہ ہوا ہمیں تو رتبہ حاصل — تا کوچے کی اس کے پاسبانی کرتے[2]

کیا کریے بیاں مصیبت اپنی پیارے[3] — دن عمر کے مری غم میں گزرے پیارے[4]
رنج و ضعف و بلا مصیبت محنت[5] — پیپا ہی نہیں توان دکھوں کے مارے

دل تجھ پہ جلے نہ کیوں کہ میرا بے تاب — یاں تجھ کو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
واں اُن نے شراب پی کے مستی میں میر — کر کھاتے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب[6]

پیغمبر حق کہ حق دیکھایا اُس کا — معراج ہے کمتریں پایا اُس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے گا — کل حشر کو ہو گا سب پہ سایا اُس کا[7]

---

[1] نکات الشعراء، چمنستان شعراء، گلشن سخن، عمدۂ منتخبہ۔ [2] آسی نے "کرتے" کے بجائے "کریے" کی ردیف لکھی ہے۔

[3] یہ رباعی نکات الشعراء اور چمنستان شعراء میں بھی اسی طرح درج ہے۔ [4] نسخۂ آسی: ع

دن عمر کے تیرے غم میں گزرے پیارے

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۹۲، ع — رنج و ضعف و بلا اذیت محنت

[6] طبقات الشعراء، نکات الشعراء، چمنستان شعراء

[7] نکات الشعراء اور طبقات الشعراء میں بھی اسی طرح ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۹۲، میں آخری مصرع یوں ہے: ع

کل حشر کو سب پہ ہو گا سایا اُس کا

کہتا ہے یہ اپنی آنکھوں دیکھیں گے فقیر   بینش نہیں رکھتے یاں کے برنا اور پیر[1]
اندھے ہیں جہاں کے لوگ سارے اے میر   سوجھے نہ جسے اسے یہ کہتے ہیں بصیر

ہر گل کو اس سے عشوہ سازی ہے گی   ہر خار کو اس سے سر فرازی ہے گی
یہ دشمن و دوست سب ہیں اس کے مظہر   درگاہِ خدا میں بے نیازی ہے گی[2]

پھر عشق میں میر پانو دھرتا ہے گا   اور زیست منغض اپنی کرتا ہے گا
سب مل کے چلو بلا سے سمجھا آویں   افسوس کہ یہ جواں مرتا ہے گا[3]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۹۲ : ع   بینش نہیں رکھتے کیا جوان ہوں کیا پیر
[2] غیر مطبوعہ   [3] یہ رباعی گلشن عشق میں اسی طرح درج ہے۔ نسخۂ کلکتہ ص ۹۳، میں دوسرا اور چوتھا مصرع یوں درج ہے: ع

جی اور منغض اپنا کرتا ہے گا
افسوس کہ وہ جوان مرتا ہے گا

مخمسات

بے خودانہ ہیں کئی حرف زباں پر کر گوشش   آج کہتا ہوں کہ ہے خمکدہ دل میں جوشش
پائے رفتن تو نہ تھے پہ بمددگاری ہوشش[1]   سرخوشش از کوئے خرابات گزر کردم دوشش
بہ طلبگاری ترسا بچہ باده فروشش

ہوش و صبر و خرد و دیں گئے یہ سارے   میں تھا سو مجھ میں بھی[2] کچھ تھا نہ ستم کے مارے
بعدیک چشم زدن پھر جو میں دیکھا بارے   پیشم آمد بسر کوچہ پری رخسارے
کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوشش

ایک ساعت میں رہا محو نشست و برخاست[3]   بارے پھر ٹھہر گیا دل بھی میرا بے کم و کاست
درمیاں جس گھڑی آتے سخن راست براست   گفتم ایں کوئے چہ کوئیست ترا خانہ کجاست[4]
اے مہ نو خم ابروئے ترا حلقہ بگوشش

تار اس دشمن ایماں کی زلفوں کی کمند   پارسائی کو میں صد جاں سے واں پایا بند
آنکھیں سختی سے دیکھا مجھ کو باآوار بلند   گفت تسبیح بخاک افگن و زنار بہ بند
سنگ بر شیشۂ تقویٰ زن و پیمانہ بنوشش[5]

رہیو ہشیار کہ ہے ضعف سے بیگانہ طلب   قوت پا ہی تلک رکھتی ہے یاران طلب
جاکے ہر پیر مغاں سے کوئی خمخانہ طلب   تو بہ بکھو بنہ و ساغر مستانہ طلب
خرقہ بیروں فگن و کسوت رندانہ بپوشش

---

1. نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۶ : عہ   پاتے رفتن تو نہ تھے لیک مجھے تھا کچھ ہوشش
2. نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۶ : عہ   میں تھا سو مجھ میں تو کچھ تم تھا نہ ستم کے مارے
3. نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۶ : عہ   ایک ساعت تو رہا محو نشست و برخاست
4. نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۶ : عہ   گفتم ایں کوچہ چہ کوئیست و ترا خانہ کجاست
5. نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۶ : عہ   سنگ بر سینۂ تقویٰ زن و پیمانہ بنوشش

بسکہ نقاد ہیں یاں کھوٹے ہیں سب تیرے کھرے   قابل خدمت مستاں نہیں تو رہیو پرے
پہلے یہ باتیں ہیں ان پر تو عمل کر لے ارے   بعد ازاں سوئے من آ، تا بتو گویم خبرے
راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش

مجھ کو بھڑکا کے چلا واں سے وہ کافر سرکش   پانو سے لے کے گئی سر تئیں جلتی آتش
ہاتھ سے جاتا ہی تھا گو تھی مجھے حالت غش   ویں برافتادہ و بیہوش ودیدم بہ پیش[۱]
تا رسیدم بہ مقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش

جاتے بے خدشۂ غیرے کہ نہ تھا غیر نمود   خط باطل سے لکھا دیکھا ہے واں صفحہ بود
تو بھی واں ہو تو یہی مونہہ سے نکل جاوے زود   محو گشت از ورق کون و مکاں حرف وجود
نہ پری ماند و نہ آدم نہ طیور و نہ وحوش

بے خود و بے خرد و مست مئے صاف الست[۲]   آتش مے سے برافروختہ کچھ بادہ پرست
یکد گر پانو کی لغزش کے سبب سے بدست   دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست
از تف بادۂ شوق آمدہ در جوش و خروش

گرچہ ظاہر تھا خراب ان کا و لے سب معمور   کاسۂ سر پہ ہٹے پھرتے تھے سارے فغفور
بے لباسِ طرب اور جامۂ اندوہ سے عور   بے دف و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرور
بے مئے و جام و صراحی ہمہ در نوشا نوش

نام اور ننگ کا دفتر تھا سب اُن کا برہم[۳]   دیکھ کر پہلے کیا میں نے تامل یک دم
پھر جو دیکھا تو مجھے بد کہے گا کیا عالم   چوں سر رشتۂ ناموس برفت از دستم
خواستم تا خبرے پرسم از و گفت خموش

عقل رکھتا ہے تو ٹک رہیو ادب کا پابند   یاں فراغت ہے دو عالم کی ہر ایک جام میں بند
یہ وہ جا ہے کہ نہ فردوس ہو اس کے مانند   ایں خرابات مغانست و درو مستانند
از دم صبح ازل تا بہ قیامت مدہوش

---

۱ نسخۂ آسی ص ۶۹۲ ، نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۰ : مصرع
ویں برافتادہ بیہودہ ودیدم بہ پیش

۲ نسخۂ کلکتہ : مصرع
بے خود و بے خبر و مست مئے صاف الست

۳ نسخۂ کلکتہ : مصرع
نام و ناموس کا دفتر تھا سب ان کا برہم

میرانِ مستوں میں کوئی نہیں پابستۂ زلیست　　کیونکہ یہ زلیست بہت ہوئے تو دہ روز کہ بیست
جتنے یہ ہست نظر آدتے ہیں سب ہیں نیست[1]　　گر تبرانیز باہیں فرق سر یکر نگیست
دین و دنیا بہ یکے جرعۂ عصمت بفروش

○

کیا کہوں مجھ پہ جو گزرے ہے جفا کاریٔ دل　　در پئے دشمنی جاں ہے یہی یاریٔ دل
ایک شب ہو تو کروں شرحِ غم و زاریٔ دل　　دوستاں چند کنم نالہ ز بیماریٔ دل
کس گرفتار مبادا بہ گرفتاریٔ دل

آتی ہے ایک نہایت ہی جگر سوز صدا　　یعنی پھر رات سے چھاتی میں میری درد اٹھا
مہرِ خاموشی جو لب پر ہے مرے اس پہ نجا　　اے کہ بر زاریٔ دل مے کنی انکار بیا
گوش بر سینۂ من نہ بشنو زاریٔ دل

آہ مت پوچھ کہ کیوں ٹپکے ہے ان آنکھوں سے خوں　　ایسے قضیے سے چکوں کاش کہیں مر بھی چکوں
میں مصیبت زدہ حیراں ہوں کیا فکر کروں　　صبر و آرام یکے نیست ازیں ہر دو کنوں
کہ دریں واقعہ صعب کند یاریٔ دل

سیل سے پار گزر جاتی تھی آہ سحری　　اس لیے جان پہ میں کی ہے یہ بیدادگری
ہو سو ہو اس کو ہنر جانتے یا بے ہنری　　گو ہمہ نیزہ ببارد کہ من از بے سپری
دادم اکنوں جگرے را بہ سپہ داری دل

تل دمن لیلیٰ و مجنوں یہ جو ہیں تمنویاں　　ایک مدت رہی ہیں میرے تئیں نوک زباں
خود بخود کی یہ جگر خواری و بیتابی کہاں　　خواندہ ام قصۂ عشاق بسے بیت دراں
جز جفا کاری دلدار و وفا داریٔ دل

یاں چلے گر کوئی آنکھوں سے بھی تا ماچہ رسد[2]　　مذہب عشق میں واجب ہے اسے کرنا حسد
جیتے جی میں تو نہ جاؤں گا عبث مت کر کد[3]　　کوتے تو منزلِ دلہاست کسے چوں گزرد
کہ نیاید بزمیں پاتے ز بسیاریٔ دل

---

[1] نسخۂ کلکتہ : مصرع　　جتنے یہ ہست نظر آتے ہیں سب ہیں نیست
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۹ : مصرع　　یاں چلے گر کوئی آنکھوں سے بھی ہا ماچہ رسد
[3] نسخۂ کلکتہ : مصرع　　جی سے جی میں تو نہ جاؤں گا عبث مت کر کد

تیر اس دل سے ستم لوگوں پہ کیا کیا نہ ہوا   کوئی آوارہ کوئی خستہ کوئی جی سے گیا
آؤ خاموش ہو کوئی نہیں ہمدرد تیرا   عمرہا شد کہ نشاں نیست زجائے پیدا[1]
کہ کند با تو دمے شرح دل آزارئ دل

○

واں ان نے دل کیا ہے مانند سنگ خارا   یاں تن ہوا ہے پانی ہو کر گداز سارا
کیا پوچھتا ہے ہمدم احوال تو ہمارا   نے رمز نے کنایہ ایما ہے نے اشارا
اُس کے تغافلوں نے ان روزوں ہم کو مارا
ہو شہر یا کہ صحرا بارے مکان تو ہو   غم میں نہ ہوئے کچھ تو اک تن میں جان تو ہو
حالت تغیر گو ہو مونہہ میں زبان تو ہو[2]   سو بار دیکھ صورت ہو مہربان تو ہو
اپنے تئیں نہیں ہے اب گفتگو کا یارا
امید تھی کہ ترکاں اکثر سوار ہوں گے[3]   اور ہم انھوں کے رہ کے گرد و غبار ہونگے[4]
یہ جانتے نہ تھے ہم اس طرح خوار ہوں گے[5]   اب کہتے ہیں کہ یارب کیونکر دوچار ہونگے
اس طرف کو بھی ہو گا ان کا کبھو گزارا[6]
ہجراں میں یکشت پرچے کوہ اور راغ میں ہم   بو تے وفا نہ باقی دل میں دماغ میں ہم
مدت رہے اگرچہ گلگشت باغ میں ہم   پر لطف کچھ نہ دیکھا سینہ کے داغ میں ہم[7]
تجھ بن جو گل چنے تھے ان کا کیا نظارا[8]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع   عمرہا شد کہ نشاں نیست زجائے پیدا
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۲۹، ع   حالت تغیر ہو کر منہ میں زبان تو ہو
[3] نسخۂ کلکتہ: ع   یہ چشم تھی کہ ترکاں اکثر سوار ہونگے
[4] نسخۂ کلکتہ، ع   ہم لوگ ان کے رہ کے گرد و غبار ہونگے
[5] نسخۂ کلکتہ، ع   یہ جانتے تھے ہم اس طور خوار ہوں گے
[6] نسخۂ کلکتہ، ع   اس بھی طرف کو ہو گا ان کا کبھو گزارا
[7] نسخۂ کلکتہ، ع   پر لطف کچھ جو دیکھا سینے کے داغ میں ہم
[8] نسخۂ کلکتہ: ع   اس بن جو گل چنے تھے ان کا کیا نظارا

تشنہ ہیں اپنے خوں کے لے ہمدماں نہ آؤ[1]   ہوتے طبیب گر خضر اس کو بھی یاں نہ لاؤ
اب ٹھانی ہم سو ٹھانی گو اس کو بھی جان جاؤ[2]   آب بزدہ اس کی شمشیر کا پلاؤ
آب حیات اپنے جی کو نہیں گوارا

تنگ اس قدر نہیں ہیں اس زندگی سے ہم اب   جو آرزو کریں پھر اُٹھنے کی حشر کو تب
ہونٹوں پہ یہ دعا ہے ہر روز اور ہر شب   یک حرف کاش کے ہو روزِ جزا بھی یارب
کس کو دماغ اتنا جو پھر جئے دوبارا

ہوش اور دل اور ایماں یہ تو گئے تھے سارے[3]   موجب تو زندگی کو تی اپنا نہ تھا پیارے[4]
تجھ سے کہیں سو کیا اب کہ ہم ستم کے مارے   آنسو سے پونچھتا تھا کچھ جو کبھو ہمارے
سو صبر ظلم دیدہ بھی رات سے سدھارا[5]

اب دل اٹھا تو منعم تعمیر خانماں سے[6]   کیا فائدہ رہا بھی گر کچھ نشاں مکاں سے[7]
رہنا تجھے ملے گا جانا یہ تیتیس کہاں سے[8]   آواز بھی نہ آئی اک در جو لب واں سے
کسریٰ کے در پہ جا کر کل میں بہت پکارا

موت اس کے ہاتھ سے ہو اس کو کیا ہے بہتر   پر جی ہیں حسرتیں ہیں تب آتے ہے یہ جی پر
غیروں سے کوئی کہے یہ کاسے مدعیو اکثر[9]   تلوار اس کو دے کر بھیجا کرو مت ادھر[10]
جی جاتے ہے ہمارا کیا جاتے ہے تمہارا

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع   تشنے ہیں اپنے خوں کے اے ہمدمو نہ آؤ
[2] نسخۂ کلکتہ: ع   اب ٹھانی ہم سو ٹھانی گو اس میں جان جاؤ
[3] نسخۂ کلکتہ: ع   ہوش دل اور ایماں یہ تو گئے تھے سارے
[4] نسخۂ کلکتہ: ع   موجب تو زندگی کا اپنا نہ تھا پیارے
[5] نسخۂ کلکتہ: ع   سو صبر ظلم دیدہ کل رات سے سدھارا
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۳۰: ع   اب دل اٹھا تو منعم تعمیر خانماں سے
[7] نسخۂ کلکتہ: ع   کیا فائدہ رہا ہے گر کچھ نشاں مکاں سے
[8] نسخۂ کلکتہ: ع   رہنے تجھ کو دیں گے جانا گیا کہاں سے
[9] نسخۂ کلکتہ: ع   غیروں سے ٹک کہو یہ کاسے مدعیو اکثر
[10] نسخۂ کلکتہ: ع   تلوار اس کو دے کر بھیجا کرو نہ ادھر

اب وہ نہیں کہ ہر سو طوفان کا خطر ہے — یا میر سیل آیا ابر سیاہ بتر ہے
مت پوچھ رود خانہ آتا جو کوئی نظر ہے[1] — اس گریہ ہی کا اب تک کچھ کچھ کہیں اثر ہے
دریا نے تو جہاں سے کب کا کیا کنارا

مسدس

سچ کہو شہر میں صحرا میں کہاں رہتے ہو — یاں بہت رہتے ہو خوش ہو گئے کہ وہاں رہتے ہو[2]
ان دنوں یاروں کی آنکھوں سے نہاں رہتے ہو — خوش رہو میر مری جان جہاں رہتے ہو
یک طرف بیٹھے ہوئے ہم بھی لہو پیتے ہیں
عشق کی جان کو دیتے ہیں دعا جیتے ہیں

دل خوشی ہوتی نہیں سبزہ سے اور سنبل سے[3] — یعنی اب عشق نہیں مجھ کو خط و کاکل سے
ہمنشیں داغ کھلے دل پہ مرے سب گل سے — آؤ اب باغ میں گلبازی کروں بلبل سے[4]
شاخ گل اوپر وہ ہو اور لب جو پر میں[5]
داغ کو دل پہ دھرے گل کے تئیں اوپر میں

ہے زمیں خشک میرے دیدۂ تر سے نایاب — شہر اور کوہ و بیابان سبھی ہیں سیراب[6]
ہر طرف اشک کے میرے ہیں رواں صد سیلاب[7] — کام کرتی ہے جہاں تک کہ نظر ہے گا آب[8]
ہے عبث جیتے جی میرے تجھے بارش کا خیال
میں تو روتا ہوں ترے غم میں علیٰ قدر حال

---

[1] نسخۂ کلکتہ: مع — مت پوچھ رود کوئی آتا جو یاں نظر ہے
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۰: مع — یاں بہت رہتے ہو خوش باش کہ واں رہتے ہو
[3] نسخۂ کلکتہ: مع — دل خوشی ہوتا نہیں سبزے سے یا سنبل سے
[4] نسخۂ کلکتہ: مع — آ چمن زار میں گل بازی کروں بلبل سے
[5] نسخۂ کلکتہ: مع — شاخ گل پر تو وہ ہو اور لب جو پہ میں
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱: مع — شہر و کوہسار و بیابان سبھی ہیں شاداب
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱: مع — ہر طرف اشک سے میرے ہیں رواں صد سیلاب
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱: مع — کام کرتی ہے جہاں تک کہ نظر اب ہے آب

مدتیں گزریں کہ اے شوخ یہ خواری ہے مجھے　　تجھ سے بے رحم و ستم گاری سے یاری ہے مجھے[1]
روز و شب کام و غم و نالہ و زاری ہے مجھے　　بلکہ ہر روز کی شب ہجر میں بھاری ہے مجھے

اہل دل جان کے رکھتا ہے مجھے عشق بتنگ[2]
کاشکے دل کے عوض کوئی ملا ہوتا سنگ

ریزۂ الماس کے ہیں مشت نمک مشک کی بو　　کس کو یہ سارے بہم پہونچے ہیں ان سے مل تو
لذت درد سے مقدور ہو جب تک کر خو　　دیکھ زنہار نہ دے مرہم بد رو کو رد[3]

ننگ و ناموس کو مجروحوں کی رکھ مد نظر
مونہہ بھراتی ہیں مری جان لے اے زخم جگر

عاقبت کا نہ نظر آیا ٹک آثار ہمیں[4]　　دل کی بیتابی نے ہر چند کیا خوار ہمیں[5]
حیف صد حیف میسر نہ ہوا یار ہمیں　　تیرے کوچے ہیں کہیں سایۂ دیوار ہمیں

تا کہ واں نالہ و فریاد کیا کرتے ہم
یک طرف بیٹھ تجھے یاد کیا کرتے ہم

کب تلک ہاتھ سے خوباں نہ جفاکاری دیں　　اس وفاداری کے بدلے یہ ہمیں خواری دیں
تم کہو کب تئیں ہم داد وفاداری دیں[6]　　عشق بن جرم جو کچھ ہو تو گنہگاری دیں[7]

قصد فریاد ہے گر یار ٹک انصاف کریں
پھر دے گو سن کے کدورت سے ہمیں صاف کریں

مت برس خاک ہماری پہ تو ہم کیا کم تھے[8]　　حرف دیروزہ ہے یہ دیدہ ہمارے نم تھے[9]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱ : ع　　تجھ سے بے رحم ستمگار سے یاری ہے مجھے
[2] نسخۂ کلکتہ : ع　　اہل دل جان سے رکھتا ہے مجھے عشق بہ تنگ
[3] نسخۂ کلکتہ : ع　　دیکھو زنہار نہ دے مرہم بد رو کو رو
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱ : ع　　عاقبت کا نظر آیا نہ ایک آثار ہمیں
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱ : ع　　دل کی بیتابی نے ہر چند رکھا خوار ہمیں
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱ : ع　　تم کہو کب تئیں یہ داد وفاداری دیں
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۱ : ع　　عشق بے جرم جو کچھ ہو تو گنہگاری دیں
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۲ : ع　　مت برس خاک پہ عشاق کی ہم کیا کم تھے
[9] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۲ : ع　　حرف دیروزہ ہے یہ دیدے ہمارے یم تھے

موج سیلاب پر آنسو کے کئی عالم تھے[1] یعنی اے ابر کسو عہد میں ہم بھی ہم تھے
عزم کر رونے کا شہر سے گر اٹھتے تھے[2]
بیٹھ کر دشت میں طوفان ہی کر اٹھتے تھے
کون تھا یاں کہ مجھے کرکے ملامت رکھے[3] یا مرے سر پہ نصیحت سے قیامت رکھے
تو نہ ہووے نہ مجھے دے کے ندامت رکھے[4] میر صد سال خدا تجھ کو سلامت رکھے[5]
ورنہ اب تک تو میری خاک بھی ہو جاتی ہوا
لے گئی ہوتی تبرک کی طرح باد صبا

ترکیب بند

عمر گزری ہو چکا آسودگی کا روزگار رنج اور محنت کو ہے آرام سے اب ننگ و عار[6]
معرکہ ہے یک طرف دونوں ہوئے ہیں سامنے خندۂ زخم جگر اور گریۂ بے اختیار[7]
مجملہ ہے گھورہے ہیں یک طرف کتنے جو یہ[8] صبر اور بے طاقتی دل اور درد بے شمار[9]
عاشقی جب کی تھی میں نے تب نہ تھیں یہ خواریاں کیا کہوں کیا ہی دیکھاتا ہے مجھے اب ہجر یار[10]
سینہ دیکھو چاک منہ ناخن سے سب نوچا ہوا آنکھیں دیکھو ڈوبی خوں میں دل کو دیکھو داغدار[11]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۲ : ع موج سیلاب پہ آنسو کے گئے عالم تھے
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۲ : ع عزم کر رہنے کا آبادی سے گر اٹھتے تھے
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۸۶۲ : ع کون تھا یاں کہ مجھے دیکھ ندامت رکھے
[4] نسخۂ کلکتہ : ع تو نہ ہووے نہ مجھے کرکے ملامت رکھے
[5] تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ مصرع دوسرے شعر کا پہلا مصرع دکھایا گیا ہے۔
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۷ : ع رنج و محنت کے تئیں آرام سے ہے ننگ و عار
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۷ : ع زخم دل کی یہ ہنسی وہ گریۂ بے اختیار
[8] نسخۂ کلکتہ : ع مجملہ ہے گھورہے یک طرف ہیں کتنے جو یہ
[9] نسخۂ کلکتہ : ع صبر سے بے طاقتی دل اور درد بے شمار
[10] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۷ : ع کیا کہوں کیا کچھ دکھاتا ہے مجھے اب ہجر یار
[11] نسخۂ کلکتہ : ع آنکھیں دیکھو ڈوبی خوں میں جی کو دیکھو بے قرار

اے کہ گفتی عشق را درماں بہ ہجراں کردہ اند
کاش مے گفتی کہ ہجراں را چہ درماں کردہ اند

ایک کنائے سے تو جو ہیں گے زمیں کے زیر یاں ۔۔۔ خاک پر بسمل پڑے ہیں کیسے کیسے شیر یاں
دو قدم پہ ہے یہ ہنگامہ تیرے کوچے کے بیچ ۔۔۔ آشنا بی کچھ نہیں لگنے کی تجھ کو دیر یاں
مونہہ پہ کھانیوالی تلواروں کے بھوکے موت کے ۔۔۔ سیکڑوں بیجا ہیں ٹے جینے سے جیتے سیر یاں
دھڑ نہیں سر ہی پڑا ہے سر نہیں تو دھڑ ہی ہے ۔۔۔ ہیں زیارت کردنی صد کشتۂ شمشیر یاں
غم دوے بے خانماں بے وارثے بیکس غریب ۔۔۔ زخم کے دامن نے مونہہ پہ ہو رہے ہیں ڈھیر یاں[1]

گر تو ہم آئی پئے طوف شہیداں دور نیست
گریہ می آید دریں جا داہ چنداں دور نیست

لے لپیٹ اک آن میں دشت سے یہ سارا جہاں ۔۔۔ خاک اڑا ہر ایک دم میں کارواں در کارواں
تیرہ کر عالم کو رہ سرمایۂ گرد و غبار ۔۔۔ چشم ما روشن تو ہو آوارۂ کون و مکاں
یُمن بخشے سے کیا کرنا زمیں کا تیرے تئیں ۔۔۔ کھینچنا سر کا مبارک ہو تجھے تا آسماں
لیک اتنا ہی بر آشفتہ نہ ہو جانا کہوں[2] ۔۔۔ پیش رو رکھتے ہیں سارے خاطر واماندگاں
سو خدا ناکردہ ہم رکھتے نہیں اس راہ سے ۔۔۔ کوئی دم وقفہ کرے یا دیر ہوے تجھ کو یاں

یک قدم اے گردباد دامن صحرا بایست
در قفا ماندہ است مشت خاک ما تنہا بایست

گرچہ ہجراں میں تیرے جاتا[3] تھا میرا جی چلا ۔۔۔ پر یہ تھا دل میں کہ شاید دیوے تو داد وفا
وصل خاطر خواہ تو معلوم تھا میرے تئیں ۔۔۔ آس دل کو لگ رہی تھی جب تلک تھا میں جدا
گاہ باشد رحم کو بھی کام فرما دے وہ شوخ[4] ۔۔۔ دیکھ مجھ ناکام کو یکدم کرے ترک دفا
ایک ساعت پاس بیٹھے درد دل میرا سنے ۔۔۔ کر کے غمخواری کرے یہ تیرے تئیں کیا ہو گیا
سو تو سب یہ ہو چکا اے کاشکے ملتا نہ تو ۔۔۔ ایسے تیرے آنے کا کون یاں مشتاق تھا[5]

آمدی و حسرت وصل از دلم برداشتی
حسرتے بود از وصال آں ہم بمن نہ گذاشتی

---

[1] نسخۂ کلکتہ : ع ۲ ۔ زخموں کے دامن سے منہ پر ہو رہے ہیں ڈھیریاں
[2] نسخۂ کلکتہ : ع ۲ ۔ لیکن اتنا ہی بر آشفتہ نہ ہو جاتا کہیں
[3] نسخۂ کلکتہ : ع ۔ گرچہ ہجراں میں تیرے جاناں تھا میرا جی چلا
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۱۸ ، ع ۔ گاہ باشد رحم کو بھی رحم فرمائے وہ شوخ
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۱۸ ، ع ۔ ایسے آجانے کا تیرے کون یاں مشتاق تھا

ہیں خرابے آج جتنے کل یہ تھے لوگوں کے گھر
مت بناتے خانہ میں منعم رہا کر اس قدر

طاق کسریٰ تو سنا ہوگا کہ کیسا تھا محل
اب کہیں اس طاق اور کسریٰ کا پیدا ہے اثر

گھر کا صاحب تو اڑایا کر کے یکساں خاک سے
اینٹ ماری اینٹ سے یہ کچھ ہوا اس گھر او پڑ[۱]

خط باطل سے لکھا ہے صفحۂ کون و مکاں
کیوں دماغ اپنا جلاتا ہے رہے ہے تو کدھر[۲]

کیسے کیسے خانوادے خاک میں یاں رل گئے
جائے عبرت ہے یہ معمورہ جہاں کا بے خبر

ہر کجا افتادہ بینی خشت در ویرانۂ
ہست فرد دفتر احوال صاحب خانۂ

کم بہت سنتے ہیں آتا ہے کوئی رنجور ہے
یا کسو مجروح کا زخم جگر ناسور ہے

روشنی آنکھوں کی ہے منظور ساری خلق کو
نوٹ دل کا جدھر دیکھو تدھر مذکور ہے

ہم کنے بھی تھے یہی آتش کے پرکالے کہیں[۳]
ان سے ہم ایذا جو کھینچی ہے کسے مقدور ہے

ایک نے مارا ہمیں جی سے جھڑک کر آب داغ[۴]
ایک نے جیسا جلایا اب تلک مشہور ہے

ہم کو حیرت آتی ہے جس کو سنتے ہیں اشتے[۵]
ان ہی دونوں آفتوں کی پرورش منظور ہے

ما سرشک گرم و آہ آتشیں دیدیم و بس
بہرہ کز چشم و دل دیدیم ایں دیدیم و بس

دل نہیں مجھ کو ملا یہ کوئی جی کا ہے وبال
گفتنی ہو تو کہوں اے میرؔ میں کچھ اس کا حال

خود بخود کہتا ہے جا ہے آرزدگیا ہے اسے
چاہتا ہے سیم و زر یا کوئی دلبر خوش جمال

یاد میں میری ہوا ہو کچھ سبب تو ہے بجا
عشق بازی مفلسی آزردگی رنج و ملال

نے کسو کی زلف اور کاکل کا وابستہ ہوں میں[۶]
نے کسو کے چاند سے مکھڑے کا مجھ کو ہے خیال

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۹ : ع۲ — اینٹ ماریں اینٹ سے یہ کچھ ہوا اس گھر اوپر

۲ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۹ : ع۲ — کیوں دماغ اتنا جلاتا ہے رہے ہے تو کدھر

۳ نسخۂ کلکتہ : ع۱ — ہم کنے بھی تھے یہ دو آتش کے پرکالے کبھو

نسخۂ آسی : ع۱ — ہم کنے بھی تھے ایسے آتش کے پرکالے کبھو

۴ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۹ : ع۱ — ایک نے مارا جھڑک کر جی سے ہم کو آب داغ

۵ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۹ : ع۱ — ہم کو حیرانی ہے اس میں جس کو سنتے ہیں اسے

۶ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۹ : ع۱ — نے کسو کے گیسو و کاکل کا وابستہ ہوں میں

کیا کروں ایذائے بے موجب غرض تجھ سے بیاں[1]   نے غم دورو جدائی ہے نہ اندوہِ وصال

نیستم عاشق بظاہر لیک مے کاہد دلم
عمر بگذشت و نمی دانم چہ می خواہد دلم

ترکیب بند

میری تو لبالب چشم تر ہے   سو ندر ہے اس پہ گر نظر ہے
اس دشت میں جیتا ہوں جس میں[2]   ہر گام پہ جان کا خطر ہے
گرمی تو کر اے صنم کہ آخر   پتھر کے جگر میں بھی شرر ہے
پیری میں بھی بوجھ تک نہ پکڑا   زاہد تو تو ہنوز خر ہے
مرتا ہوں جو میں تو عیب مت کر   عاشق میں تو ایک بھی ہنر ہے
کہہ تو ہی کہاں تلک کریں صبر   ہم ہیں دشنہ اور جگر ہے
آنے سے ڈرو نہ دل میں میرے   خوباں یہ تو تمہارا گھر ہے
لبریز گلہ ہوں گرچہ لیکن   ہونٹھوں پہ نہ حرف کا اثر ہے

چپ ہوں گویا ہوں بے زباں ہیں
رکھتا ہوں عجب لب و دہاں میں

تقصیر ہے بوالہوس کی اور مفت   مارا جاتا ہوں درمیاں میں
اکسا بھی نہ تیغ کھا کے بارے   فارغ ہوا وے کے امتحاں میں
اے طفل کے گا بعد میرے   مارا کاہے کو یہ جواں ہیں
ہوں میں تو چراغ اخیر شب کا   کوئی دم کا ہوں میہماں میں
دل سوزی میری کر اے صبا تک   ہونے تئیں صبح کے کہاں میں
کوئی نہیں شہر غم میں میرا   بیچارہ غریب ہوں گا یاں میں

---

[1] اصل "بات"   [2] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۳ : مع

اس دشت میں زندہ ہوں میں جس میں

ایک اور قدیم مخطوطہ دیوان پنجم میں یہ مصرع یوں ہے : مع

جس بادیہ میں جیوں ہوں جس میں

غم کہہ کے رلاتا ہوں سب کو[۱] تجھ غم میں ہوا ہوں روضہ خواں میں
پائی نہ وفا کسو میں دیکھا غربال تمام کر جہاں میں

بارے یہ میں سب دیار دیکھا[۲]
ہر کوچہ کو بار بار دیکھا

شب ہی عالم میں ہو گئی تھی اپنے دل کا غبار دیکھا
کیا جہنم ہے اور غم کو ہم سے دل کو اپنے تو مار دیکھا[۳]
آنکھیں گئیں روتے روتے لیکن تو نے نہ ادھر کو بار دیکھا
اب وعدہ نہ کر زیادہ بس ہم جانا تیرا اعتبار دیکھا
کہتے نہ تھے ہم نہ کر تمنا[۴] اے جان امیدوار دیکھا
دامن میں گرا ہو ٹکڑے ٹکڑے ہم نے جگر فگار دیکھا[۵]
آنکھوں سے اٹھایا آبلوں کے صحرا میں جدھر کو خار دیکھا
پوچھا نہ ہمارے بعد ہم کو یاران جہاں کا پیار دیکھا[۶]
مدت تئیں دید کر جہاں کا طرز و وضع و شعار دیکھا

دیکھا تو ملا نہ کوئی ہم فن
دیکھے ہم شیخ و ہم برہمن[۷]

عقل اول کو اک سنا تھا نکلا سو معارضے ہیں کو دن
آنکھوں میں بھرا کریں ہیں آنسو ہونٹھوں پہ دھرا رہے ہے شیون
شیوہ ہے ہمارا نالہ کرنا یاں سے کچھ سیکھ مرغ گلشن

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۴، ع غم کہہ کے رلاتا ہوں میں سب کو
۲ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۴، ع بارے میں یہ سب دیار دیکھا
۳ غیر مطبوعہ
۴ نسخۂ کلکتہ، ع کہتے تھے یہ ہم نہ کر تمنا
۵ نسخۂ کلکتہ، ع ہم نے جی کو فگار دیکھا
۶ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۴، ع یارو جہاں کا پیار دیکھا
۷ نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۴، ع دیکھے یہاں ہم نے شیخ اور برہمن

تجھ بن نہیں سانس اور جو کچھ ہے — چبھتی ہے جگر میں ہو کے سوزن[1]
اے برق ایدھر نہ آ ہمارے — ہر خوشے میں شعلوں کے ہیں خرمن
ہم شے ہیں جو باغ کر دیکھا دیں[2] — اشک گلگوں سے طرف دامن
سختی ایام کی جو کہیے — ہو دیں ابھی موم سنگ و آہن
کیا تجھ سے سپہ گری جتا دیں — گو خود نہ زرہ نہ ہو نہ جوشن[3]
مجروح نہ تھے ہم جو اڑ جائیں — بھاگے ابھی جان لے تہمتن

ایسے تو ہیں پر وفا میں ڈیلے
خوبان تم ہو جفا میں جیسے

پھر جاتے ہیں غیر اس سے ملنے — آتے نہیں باز ایسے تیسے
ہم رستم عشق ہیں گے کیونکر — مونہہ موڑیں ہزاروں پایسے سے
سرکش نہ ہو زیر چرخ اون نے — پامال کیے ہیں کیسے کیسے
ہے بندہ نواز ظلم مجھ پر — ہم نالہ کرو نہ مجھ کو نے سے[4]
گو موسم دَے خنک ہو مجھ سے — دل گرمی ہے مجھ کو زور مے سے[5]
سر نیچے سو عشق میں رکھے پا — واقف نہیں دل تو یاں کے ریسے
ہاتھوں ہیں میرے ہیں داغ خوباں — کہتے ہیں کہ اس کنے ہیں پیسے
کیا تجھ سے کہوں معاش اپنی — بارے گزرے ہے جیسے تیسے

رہتا ہے غرض ہمیشہ سودا
کوچہ کوچہ ہوا ہوں رسوا

وہ تشنہ دہن دل جلا میں[6] — لب چش جس کا نہ ہوے دریا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۸ : ؎
تجھ بن نہیں سانس اور کچھ ہے
چبھتا ہے جگر میں ہو کے سوزن

[2] نسخۂ کلکتہ : ع
ہم وے ہیں کہ باغ کر دکھائیں

[3] نسخۂ کلکتہ : ع
گر خود و زرہ نہ ہو نہ جوشن

[4] نسخۂ کلکتہ : ع
ہم نالہ نہ کر تو مجھ کو نے سے

[5] اس شعر کے بعد نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۸ اور مخطوطہ دیوان نجم میں ذیل کا شعر زیادہ ہے : ؎
ٹک دیکھو فلک نے شاہ خوباں
کیا کچھ کئے خاندان کیسے

[6] نسخۂ آسی ص ۱۲۷ : ع
وہ تشنہ دہن ہوں دل جلا ہوں

کہتے ہو جسے فلک ہوا ہے — میرے ہی غبار دل سے پیدا
کھلتا تو سہی کبھو بلا سے — دل میرا بھی کاشکے غنچہ ہوتا[1]
اب جان سے جانا آ رہا ہے — موقوف اشارۂ تقاضا
ہو جس کی خراب عاقبت کی — وہ میں ہوں کہ میں ہوں اور دنیا[2]
میں ہوں کہ سر آمد جنوں ہوں — مجنوں کو حلقہ میں کیا تھا[3]
وہ خستہ ہوں میں ہی جس کو کہتے — رونق افزائے کوہ و صحرا
یہ کچھ جو میں کہہ گیا بتاں اب[4] — خاطر میں تمہاری بھی کچھ آیا
یا یونہیں بکا میں کچھ تو بولو — خواہاں ہو تو خاموشی پھر کیا[5]
سودا نہیں کچھ وگرنہ مجھ کو — کرتا ہے کوئی زیان جی کا

گر اپنے پہ دل برا ہے میرا
موقوف کرو خدا ہے میرا

تم کو تو ہے کیا میرے ملے سے — پر اس میں بتاں بھلا ہے میرا
مرنے سے ڈرا نہ مجھ کو قاتل — جی دینا تو مدعا ہے میرا
زنہار حنا کہ اس کے پا پہ — مدت سے یہ سر لگا ہے میرا
سودا بر خاہے مل ہر اک سے — لگتا صنم اس میں کیا ہے میرا
یک نیم نگہ سے مول لے یک — ٹک دیکھو تو یہ بہا ہے میرا
میں ہوں کہ ہلاہل الم نے — کٹ کٹ کے جگر گرا ہے میرا

جاؤ کہ رہو یہ جی جفا سے — کچھ ہو شیوۂ وفا ہے میرا

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ؎
کھلتا تو سہی کبھی بلا سے
دل میرا ہی کاشکے غنچہ ہوتا

[2] نسخۂ آسی: شعر
وہ میں ہوں کہ دین ہے نہ دنیا
نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۵: شعر
وہ میں ہوں کہ میں اور دنیا

[3] نسخۂ نولکشوری: شعر
مجنوں کو خلیفہ میں کیا تھا
نسخۂ کلکتہ میں بھی اسی طرح ہے۔

[4] نسخۂ آسی: شعر
یہ کچھ جو میں کہہ گیا بتاں میں

[5] نسخۂ آسی: شعر
خواہاں ہو تو خامشی ہے یہ کیا

کاکل کو نہ کھول الجھے ہی گا[1] — دل زور ہی من چلا ہے میرا
جوں توں کر کے طپش سے شب کو — مژگاں پہ جگر رہا ہے میرا

کل تک تو میرا یہ دل بجا تھا
اپنا دل خواہ مدعا تھا

تھے جن و ملک جلو میں میری — اقبال میرا بھی کوئی بلا تھا[2]
تھا رُتے زمیں پہ شاد و خرم — کیا جانوں فلک کے جی میں کیا تھا
ایسا ہی نہ تھا بتوں میں آ گئے — آخر کوئی میرا بھی خدا تھا
رہتے تھے جدا غم و الم سے — کا ہے کو کسی سے دل لگا تھا[3]
ہوتا جو شہید یک تمنا[4] — سو سو طرفوں سے خوں بہا تھا
یک روز چنانچہ ہول دل سے — اندوہ تنک مجھے ہوا تھا
مضطر میں ہوا تھا یاسے آنا — ٹک اور رہے تو جی گیا تھا[5]
لوہو دیا اپنا دوستوں نے — جس جاگہ میرا عرق گرا تھا
ہوں اب جو بلا میں مبتلا میں — بیگانہ ہے جو کہ آشنا تھا

یہ رنج و بلا و درد و محنت
اے وائے حواس و صبر و طاقت

ایدھر بھی کبھو تو ایک چشمک[6] — ہم سے بھی ضرور ہے مروت
مت فرصت وقت سے ہو غافل — آخر کو نہ کھینچے تا خجالت
ہر آن میں اپنی تربیت کر — دیتا ہے زمانہ کس کو فرصت

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۶ : ع — کاکل کو نہ کھول الجھنے کو
[2] نسخۂ آسی : ع — اقبال مرا کوئی بلا تھا
نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۶ : ع — اقبال مرا ہی کوئی بلا تھا
[3] غیر مطبوعہ
[4] نسخۂ آسی : ع — ہوتے جو شہید یک تمنا
[5] غیر مطبوعہ
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۸۱۷ : ع — ایدھر بھی کبھو ٹک ایک چشمک

غیروں کے رہو گے دیر تک تم — ہم کو تو سویرے کرکے رخصت[۱]
کیا تم سے کہیں سلوک ہجراں — دل میں نہ رکھی ہماری حسرت
قطرہ تو ہے پر نہ ہاتھ اٹھاؤ — دریا کو کرے ہے یہ کفایت
لیتے گو حصار چرخ خوباں — دل میرا ہے کوچہ سلامت[۲]
خالی دل کو پُر ہم بھی کرتے — افسوس نہ دی اجل نے مہلت
بس میرا جو تو کروں منادی — کوئی نہ کرے کہیں محبت

گردن ماریں شتابی اس کو
رکھے جو کسو سے میرؔ الفت

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۱۸۱، ۲۷۰ — ہم کو تو سویرے کریے رخصت
[۲] غیر مطبوعہ

مثنویات

مثنوی عاشق و معشوق[1]

ثنائے جہاں آفریں ہے محال — زباں اس میں جنبش کرے کیا مجال
کمالات اس ہی کے ہیں سب پر عیاں — کرے کوئی حمد اس کی کیا کوئی بیاں[2]
کہوں کیا میں اس کی صفات کمال — کہ ہے عقل کل ں پریشاں خیال
خود گنہ میں اس کی حیران ہے — گماں یاں پریشاں پشیمان ہے
زمین و فلک سب ہیں اس کے ظہور — مہ و خور ہیں اس ہی سے لبریز نور[3]
یہ صنعت گری اس ہی صانع سے آئے — کف خاک کو آدمی کر دکھائے
نہ آوے کسو کے جو ادراک میں[4] — سو رکھ جائے وہ اس کف خاک میں
بری ہے گا تمثیل و تشبیہ سے — منزّہ ہے وہ بلکہ تنزیہ سے
وہ ہے حاصل مزرع آسماں — کیے ان نے دانہ میں خرمن نہاں
سفید و سیہ کو نہیں اس کی بار
درے ہے زمانے کی لیل و نہار

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹ میں "مثنوی با عجاز عشق" درج ہے۔
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹، حکو — کرے کوئی حمد اس کی سو کیا بیاں
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹، حکو — مہ و خور ہیں اس سے ہی لبریز نور
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹، حکو — نہ آوے کسی کے جو ادراک میں

در توحید انشاطراز یکہ قطرہ بیکتائی او بعالم دویدہ[1]

سوا اس کے نقصاں ہے گر دیکھیے — کمال اس ہی کے ہیں جدھر دیکھیے
ہے سررشتہ سب خلق کا اس کے ہاتھ — وہ شب بازان پتلیوں کے ہے ساتھ
سبھوں میں نمود اس ہی کی شان ہے[2] — یہ قالب ہیں سارے وہی جان ہے
گل و غنچہ و رنگ و بو و بہار — یہ سب رنگ اللہ ہی کے ہیں گے یار[3]
اگرچہ ہیں یاں طرحیں سب کی جدا[4] — یہ سب طرحیں ہیں ایک نام خدا
سما ارض و خورشید و یا ماہ ہے — جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے
نظر کرکے ٹک دیکھ ہر جا ہے وہ[5] — نہان و عیاں سب میں پیدا ہے وہ
بہر صورت آئینہ ہے گا جہاں — یہ سب عکس اس ہی کے پڑتے ہیں یاں
ملک جن و حیواں جماد و نبات — جو اس بن ہے توحیف ہے کائنات[6]
عدم اور وجود اس سے دونوں ہیں شاد — وہ ہے گا مبدأ وہی ہے معاد[7]
مجھے ساقی دے کوئی جام عتیق — ولیکن لبالب ہو اس میں رحیق
رکھے آپ میں حبس کی آمد مجھے — کہ در پیش ہے نعت احمدؐ مجھے

فی النعت حضرت سید کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم[8]

ثنا جانِ پاک محمدؐ کے تئیں — درود و تحیات احمدؐ کے تئیں

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹ میں "در توحید انشاطراز حنیے کہ فقرۂ یکتائی او بعالم دویدہ" لکھا ہے۔
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹: مصرع — سبھوں میں نمود اس کی ہی شان ہے
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۴۹: مصرع — یہ سب رنگ اللہ ہی کے ہیں یار
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰: مصرع — اگرچہ ہیں یاں سب کی طرحیں جدا
نسخۂ آسی ص ۹۳۷: مصرع — اگرچہ سبھوں کی ہیں طرحیں جدا
[5] نسخۂ آسی: مصرع — نظر کرکے ٹک دیکھو ہر جا ہے وہ
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰: مصرع — جو اس بن ہیں توحیف ہے کائنات
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰: مصرع — وہی ہے گا مبدأ وہی ہے معاد
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰ میں عنوان یہ ہے: "در نعت سید المرسلین"

رسولِ خدا اور سرِ انبیا[1] — زہے حشمت و جاہ صل علیٰ

دیا مجلسِ کبریا کا ہے وہ — شرف دو د مان قضا کا ہے وہ

ہے اس صفحہ میں سب ظہور خدا[2] — پر اس سے عبارت ہے نورِ خدا

جہاں وہ ہے واں جبرئیل امیں — اڑے حشر تک تو پہنچتا نہیں

کرے اس کی قربت کا کیا کوئی بیاں[3] — کہ تھا قاب قوسین او ادنیٰ مکاں

میر از برپا اس کے فرق نیاز — کیا جس کی خلقت پہ صانع نے ناز

بصورت اگر عبد مشہود ہے — حقیقت کو پوچھو تو معبود ہے[4]

نہیں پاشکستوں کا اب دستگیر — محمدؐ بن اور آل بن اس کے میرؔ

گنہگار ہوں چشم لیک اس سے ہے[5] — توقع شفاعت کی ایک اس سے ہے

درود آل پر اس کی ہو صبح و شام — وہ ہے شافع حشر و خیر الانام

پلا ساقیا بادۂ لالہ گوں — کہ ہو جائیں سرخ آنکھیں مانند خوں

ہے اب حرف مستانہ کا دل میں جوش

کر آویزۂ گوش گر کچھ ہے ہوش

مناجات بطور و طرز عاشقاں مورد آفات و حادثات[6]

میر از خم یارب نمایاں رہے — پس از مرگ صد سال خنداں رہے

رہے دشمنی جیب سے چاک کو — صبا دوست رکھے میری خاک کو

---

[1] نسخۂ آسی ص ۹۲۷ : مصرع — رسولِ خدا اور سرِ انبیاء

نسخۂ کلکتہ : مصرع — رسولِ خدا و سرِ انبیاء

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰ : مصرع — سب اس صفحے میں ہے ظہورِ خدا

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۰ : مصرع — کروں اس کی قربت کا کیا میں بیاں

[4] نسخۂ آسی : مصرع — حقیقت کو پہنچو تو معبود ہے

[5] نسخۂ آسی : مصرع — گنہگار ہوں چشم ایک اس سے ہے

نسخۂ ص ۱۰۵۱ میں بھی اسی طرح ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۱ میں "مناجات بطور عاشقاں زار و در بلائے جدائی گرفتار" درج ہے۔

مژہ اشک خونیں سے سازش کرے
غم دل بھی مجھ پر نوازش کرے

جگر سے طپیدن موافق رہے
میرا درد دل مجھ پہ عاشق رہے

جو نالہ ہو شبگیر کا روشناس
وہ آٹھوں پہر ہی رہے میرے پاس

مژہ گرم اشکوں سے نمناک ہو[1]
کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو

کرے نیزہ بازی یہ آہ سحر
کہ خورشید کی پھوٹ جاوے سپر

خموشی سے مجھ کو رہے گفتگو
اڑے پر لگا کر مرا رنگ و بو[2]

نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل
شگفتہ رہے یہ گل باغ دل

سدا چشم و حیرت میں نسبت رہے[3]
مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے

اگر ضعف ٹک کسب طاقت کرے
میری ناتوانی قیامت کرے

میری بے کسی ناز بردار ہو
مروں میں تو مرنے کو تیار ہو

بیاباں میں آشفتہ حالی کروں
کہیں تو دل پر کو خالی کروں

کریں دونوں عالم ملامت مجھے
ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے[4]

جنوں میرے سر پر سلامت رہے
بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے

بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وار ہی[5]
بھلا دے خضر کو میری گمرہی

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع — مژہ گرم افسوس نمناک ہو

نسخۂ آسی ص ۹۳۸: ع — مژہ گرم افسوس و نمناک ہو

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۱: ع — اڑے پر لگا کر مرا رنگ رد

[3] نسخۂ کلکتہ: ع — سدا چشم حیرت سے نسبت رہے

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۱ میں اس شعر کے بعد ذیل کا شعر درج ہے۔ یہ زیر نظر نسخے میں درج نہیں ہے۔ البتہ ایک اور قدیم دیوان اول میں مندرج ہے: ؎

میرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار
کہ تا جیب و دامن ہوں قرب و جوار

نسخۂ آسی میں مصرع ثانی یوں ہے: ع

کہ تا جیب دامن ہو قرب و جوار

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: ع — بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وار ہی

جو ہو گرم وہ پائے پُر آبلہ[۱] تو ہو جاتے سرد آتش قافلہ
ارے ساقی اے غیرت آفتاب کہاں تک پیوں خون دل کی شراب
کبھو جام مے سے بھی دادید ہو محرم ہمارا کبھو عید ہو[۲]

در تعریف عشق خانماں کز و راز دلہا بر زبان افتاد[۳]

زہے عشق نیرنگ سازی تیری کہ ہے کھیلنا جی پہ بازی تیری
تجھی سے ہے اب رخ میرا رنگ زرد[۴] تجھی سے میرے دل میں اٹھتا ہے درد
تجھے ربط کفار و دین دار سے تجھے رشتہ تسبیح و زنار سے
تجھی سے ہے بلبل کو نوحہ گری تجھی پر ہے قمری بھی خاکستری
ترا جذب دریا کو بہنے نہ دے ترا شور صحرا کو رہنے نہ دے
تجھی سے دل شاد غمناک ہے تجھی سے میرا سینہ صد چاک ہے
تجھی پر تمنا جواں ہوتی شہید[۵] تجھی سے نہ بر آئی میری امید
تجھی سے ہے مجنوں بھی صحرا نورد تجھی سے ہے فرہاد کوہوں پہ مرد
تجھی سے کھلے بند ہے خستگی[۶] تجھی سے ہے وابستہ دل بستگی
تجھی سے دل عاشقاں ہے خراب تجھی سے ہے پروانہ آتش کا باب
تجھی سے تھا وامق کا احوال بد غرض نیکیاں ہیں تیری لاتعد[۷]
ترا کام دیتا ہے بدنامیاں تیری ریجھ دیکھیں ہیں ناکامیاں

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: مصرع جو ہو گرم رہ پاسے پر آبلہ
[۲] نسخۂ کلکتہ: مصرع کبھو ساغر بادہ کا دید ہو
محرم ہمارا کبھو عید ہو
[۳] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ میں "در تعریف عشق خانماں آباد آزادگاں بر نہاد" درج ہے۔
[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: مصرع تجھی سے ہے آب رخ زرد زرد
[۵] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: مصرع تمنا کو تو نے کیا ہے شہید
[۶] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: مصرع تجھی سے گلو بند ہے خستگی
[۷] غیر مطبوعہ

تجھی میں ہیں یہ کار پردازیاں — تجھی پر ہیں موقوف جانبازیاں
تجھی سے سراسیمہ ہیں یار لوگ — تیری تیغ سے قیمہ ہیں یار لوگ
مجھے اس کے چھپنے کا سودا رہا — ولیکن تیرا راز رسوا رہا
لہو اپنا عاشق پیا ہی کیے — تیرے جرم پر جی دیا ہی کیے
ترا ہی نمک خوار ہے زخم دل — کہ مرہم سے بیزار ہے زخم دل
تجھے تک ہی مژگاں سے یہ ربط اشک[1] — کہ مشکل ہوا ہے مجھے ضبط اشک
کدھر ہے تو اے ساقیٔ لالہ فام — نہ لغزش ہے تجھ بن نہ بہکا کلام
کہاں تک کوئی خون دل کو پیے
کوئی کیونکے اس طرح ظالم جئے[2]

شروع در قصہ جانکاہ کہ پیش یکی نقل کردہ درویش آگاہ[3]

کسو معتبر سے روایت ہے ایک — کہ درویش سے یہ حکایت ہے ایک
کہ ایک ملک میں میں قضا را گیا — جواں ایک واں مفت مارا گیا
وہ جس طرح مارا گیا اب کہوں[4] — تعجب میں اس کے میں کب تک رہوں[5]
سن اب آ جو کچھ اس کے جی پر ہوا — مصیبت زدہ بن اجل ہی موا
چلا تھا سیاحت کو میں ایک روز — ندامت ہے جس کی مجھے تا ہنوز[6]
نظر جا پڑی جو میری ایک سو — سر راہ بیٹھا تھا اک خوبرو
فقیروں کی سی جھولی اک اس کے پاس[7] — گلے میں نہایت مکلف لباس

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : تجھی اک ہی مژگاں سے یہ ربط اشک

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : کوئی کیونکہ اس رنگ ظالم جئے

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ میں عنوان یہ ہے : "زبانی درویش جگر ریش کہ ایں بلا در سر آمد"۔

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : وہ جس طور مارا گیا اب کہوں

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : تعجب میں اس کے کہاں تک رہوں

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : اٹھا سیر کرنے کو میں ایک روز
پشیمانی اس کی ہے مجھ کو ہنوز

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲ : فقیروں کی سی جھولی ایک اس کے پاس

تھا ہنگامہ ایک اسکے اوپر یوں جمع[۱] — پتنگے اکٹھے ہوں جوں گرد شمع
لقب اُس کا دیوانۂ عشق تھا — کہ شہرت میں افسانۂ عشق تھا
جوانی کے گلشن کا وہ تازہ گل — کرے جس کی خاک قدم غازہ گل
اسی کے سے مقدور تک سب کہیں — سدا اُس کا مونھ دیکھتے ہی رہیں
وہ اک دودماں کا تھا روشن چراغ — جلاتے تھے سارے اسی پر دماغ
ولے اُس کے دل میں اک آتش نہاں — کہ دیجے جلا اس سے سارا جہاں
سب آرام چاہیں اسے اضطرار — سراپائے تک ایک دل بے قرار[۲]
نہ کچھ ہوش گھر جانے کا اس کو تھا — تشفی نہ مر جانے کا اُس کو تھا
نہ طاقت تھی تن میں نہ کچھ جی کو تاب[۳] — نہ دل پاس نے صبر و آرام و خواب
سر راہ دل قیمہ قیمہ لیے — یہ کہتا تھا مرجائیے بس جیے
سن اُس نوگل عشق کی بے کلی — رہا کرتی ماتم سرا وہ گلی
دل و صبر و ہوش و خرد اور حواس[۴] — رہیں اس کی وحشت سے سارے اداس
نہ ناموس کا ننگ نے نام کا — میرا دوست دشمن تھا آرام کا
شب و روز فریاد کرنا اُسے — کئی بار اک دم میں مرنا اُسے
تماشا کا دیوانہ پیدا ہوا — زمانے کو چندے تماشا ہوا
جو دم لے طپش کو شتابی کرے — تسلّیٔ دل کی خرابی کرے
کرے طرح داغوں سے وہ باغ کو — روانی اسی سے نزر داغ کو
گر نہ کر اپنے داغوں سے دور (کذا) — تو نزدیک ہے دو رخوں کا ظہور[۵]
سحر سرخ آنسو وہ رویا کرے — رخ زرد کو اپنے دھویا کرے[۶]
دل غمزدہ سے محبت اسے — قیامت خوشی سے عداوت اُسے
وہ بیتابیوں سے بہت کم فراغ — کہاں صبر کرنے کا اُس کو دماغ

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۲: ع — سر اوپر تھا ہنگامہ اک اسکے جمع
۲؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۳: ع — سراپا تلک ایک دل بے قرار
۳؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۳: ع — نہ طاقت تھی تن میں نہ کچھ جی میں تاب
۴؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۴: ع — دل و صبر و ہوش و توان و حواس
۵؎ و ۶؎ غیر مطبوعہ

بدن گرد آلود بن بن کرے ‏ ‏ ‏ لباس اپنا عریانیِ تن کرے[1]
کرے جیب تنک وہ گریباں دری ‏ ‏ ‏ تو دامن کی تب تک کرے دلبری[2]
فراغ اس کو ہو جیب چاکی سے جب ‏ ‏ ‏ خدا حافظِ حالِ دامن ہے تب[3]
اٹھی اس کو جی پہ فغاں کش کر ‏ ‏ ‏ رہی برچھیاں سختی آہ سحر[4]
وہ ہر چند ہر صبح کو ہو ملول ‏ ‏ ‏ ولیکن دعا اس کی کیا ہو قبول
نہ آنسو کو اس کے تھی اس پر نظر ‏ ‏ ‏ نہ آہ سحر میں تھا اس کے اثر
کے رنگ رو کیوں میرا زرد ہے ‏ ‏ ‏ رکھے ہاتھ دل پر کہ کچھ درد ہے
کرے اپنی مژگانِ تر پہ وہ ناز[5] ‏ ‏ ‏ بدے لختِ دل رونے کی وہ نیاز[6]
وہ کاندھا دے نعشِ تمنا کے تئیں ‏ ‏ ‏ کرے تعزیت خانہ دنیا کے تئیں
سنے نہ کسو کی نہ اپنی کہے ‏ ‏ ‏ بیاں اس کا کچھ گو مگو ہی رہے
لے آ ساقی گر بادہ کا شوق ہے ‏ ‏ ‏ مے مستی کا ہم کو بھی ذوق ہے

کھلا چاہتا ہے گل رازِ عشق
کہ پردے میں کب تک بجے سازِ عشق

مقولہ درویش سیاح واقف راز بعد مقولہ شاعر زباں دراز[7]

یہ قصہ جہاں میں فسانہ ہوا ‏ ‏ ‏ مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا
دلے گاہ وہ شمع مجلس فروز ‏ ‏ ‏ کئی بیتیں پڑھتا تھا یہ سینہ سوز
کہ جن کا یہ مضموں تھا دوستاں ‏ ‏ ‏ جلے ہے گی تقریر کرتے زباں

---

[1] و [2] و [3] غیر مطبوعہ

[4] ایک اور قلمی نسخے میں یہ شعر ایسا ہی ہے۔ نسخۂ کلکتہ میں مصرع اول یُوں ہے: ؎

اٹھے اس کے دل سے فغاں کش کر

نسخۂ آسی ص ۹۴۰: ؎ ‏ ‏ ‏ اٹھی اس کے جی سے فغاں کی شرر

وہی برچھیاں سہنی آہِ سحر

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۴: ؎ ‏ ‏ ‏ کرے دیدۂ اشک افشاں پہ ناز

[6] نسخۂ کلکتہ: ؎ ‏ ‏ ‏ بدے لختِ دل رونے کی کچھ نیاز

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۴ میں عنوان یہ ہے: "رفتن درویش پیش آں جوانِ رفتہ از خویش و دلدہی کردن او بیش از بیش۔"

تیری آتش عشق سرکش ہے یاں[1]　　جگر کیوں نہ جل جائے آتش ہے یاں
نظر آ کہیں حب رہا ہے یہ جی　　کہ آنکھوں میں اب آ رہا ہے یہ جی
زن و مرد کی ہوں زباں سے بتنگ　　ہوا ہوں میں سارے قبیلے کا ننگ
سدا خونِ دل میں طپیدہ ہوں میں　　کہ آہ بلب نارسیدہ ہوں میں
تیری دوری میں پہنچی ہے اے حبیب　　وداع دم والپسیں بھی قریب
جگر لوہو پانی بہا غم کے بیچ　　یہ دم بھی ہوا ہے کوئی دم کے بیچ
دیا دل یونہیں جانا میں نے تجھے　　نہ جانا پہچانا میں نے تجھے[2]
نہ سمجھا یہ تھی اے میرے سر پہ خاک[3]　　کس امید پر میں ہوا ہوں ہلاک
تو جب سے در اوپر نظر آ گئی　　رہیں آفتیں میرے سر پر بنی[4]
رہا بابِ ذلت میں شام و سحر　　پھرا خاک مونہہ پر ملے در بدر[5]
نہ نامہ نہ پیغام نے رسم و راہ　　یونہیں ہوتی جاتی ہے حالت تباہ
دل و دیدہ سب مدعی ہو گئے　　تماشائی مجھ پر بہت رو گئے
کتی بار جاں لب پہ آ پھر گئی　　کہاں ہے تو اے گل ہوا پھر گئی
بہ حیراں ہوں صبر آتا نہیں　　تصور تیرا جی سے جاتا نہیں
خراش جگر سے ہے سینے میں درد[6]　　کہ جس سے ہوا جاتا ہے رنگ زرد
رہا کرتی ہے دادِ بیداد یاں　　دلِ شب سے گزرے ہے فریاد یاں
سر رہ پہ آ دیکھ یہ خستہ حال[7]　　کہ ہوں نقشِ پا کی طرح پا تمال[8]
تیرے دورِ غم میں ہیں جوں کیمیا　　سنا ہی گیا نام مہر و وفا

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　بڑی آتش عشق سرکش ہے یاں
۲ غیر مطبوعہ
۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　سمجھا یہ بھی اے میرے سر پہ خاک
۴ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　رہیں آفتیں میرے سر پہ نتی
۵ غیر مطبوعہ ۶ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　خراش جگر سے ہے چھاتی میں درد
۷ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　سر رہ بھی آ دیکھ یہ خستہ حال
۸ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵: ع　　کہ ہے نقش پا کی طرح پاتمال

نہ آتا نظر بھی ادا ہے و لیک[1] — نہ آتا کہ جاتا رہے جی سے ایک
ترے غم میں اے آفت روزگار — ہزاروں بلائیں ہیں یاں رو بکار
کہاں ہے تو محمل نشین صبا[2] — سرِرہ میں نالا ہوں مثل درا[3]
کہ اس طرح سے حال دل کا تمام — خموشی کے تئیں ان نے فرمایا کام[4]
کہاں ہے تو اے ساقی گلعذار — کہ دے مجھ کو جام مے خوشگوار
کہوں قصۂ عشق بے کیف و کم — قلم بے خوداَنہ کرے کچھ رقم

مقولہ درویش و رفتن او پیش آں جوان و دلجوئی کردن و پیغام دادن[5]

مجھے آہ اک اس کی دل کی لگی — کہے تو کہ سینہ میں برچھی لگی
گیا زہرۂ تاب دل آب ہو — کہا آگے جا کر ہیں بیتاب ہو
کہ اے ناز پروردہ مہر و وفا — کوئی اپنے جی پر کرے ہے جفا
مثل ہے کہ جی ہے تو ہے گا جہاں — وگرنہ ہوتے پر ہے کیا میری جاں
تلف یوں نہیں جان کرتا کوئی — نہیں اس سلیقے سے مرتا کوئی
تہ دل ہو معلوم تا بول ٹک — تو مژگان خوں بستہ کو کھول ٹک
سخن حسرت آلود کہنے پہ آ — کچھ اک دل کی باتیں زباں اوپر لا[6]
تو مُہر خموشی کو اب دُور کر — سخن خون آلودہ مذکور کر[7]
وگرنہ تو رک رک کے مرجائے گا — یہ ہے عشق کام اپنا کر جائے گا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵ : ع — نہ آتا نظر ہی ادا ہے و لیک

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۵ : ع — کہاں ہے تو محمل نشیں حیا

[3] نسخۂ کلکتہ : ع — سرِ راہ نالاں تھا مثل درا

[4] نسخۂ کلکتہ : ع — کہہ اس طرز سے حال دل کا تمام
خموشی کو پھر ان نے فرمایا کام

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۶ پر کوئی عنوان درج نہیں ہے۔

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۶ : ع — کچھ اک دل کی باتیں زباں پر بھی لا

[7] غیر مطبوعہ

توہے صرصرِ غم سے آتش بجاں — دیا سا نہ بجھ جائیو اے جواں
تو اے شمعِ خامش زباں ٹک ہلا — کہ کس مجلس افروز سے تو جلا
تو کس آتشِ تند پر ہے سپند — تیرا دود دل یہ ہوا ہے بلند
جلاتی ہے آتش تری میرے تئیں — کیا داغ کس شعلہ نے تیرے تئیں
تیرے سوزِ دل نے جلایا مجھے — تیرے دل کی آتش یہ کیونکر بجھے ^ا^
تیرے داغ آتشکدہ گرچہ ہوں — پہ یہ کہہ بھبھوکے بجھا سا ہے کیوں ^۲^
گھٹا پاتے ہیں تجھ کو ہر صبح و شام — نہ کا ہید ہو جانا ماہ تمام ^۳^
تیرا درد پنہاں ہے گو آشکار — یہ مجھ سے بیاں کر کہ ہوں رازدار
کہیں دل لگا ہو تو یہ مجھ سے کہہ — کہوں اس سے جا کر غمیں تو نہ رہ
جہاں کو مجھے بھیجے واں جاؤں میں ^۴^ — کہے کام جو تو بجا لاؤں میں
جو حورِ بہشتی بھی ہو تیری یار — کروں میں ملک کی طرح واں گزار
خدا جانے کیا جی میں بات آ گئی — کہ میری یہ دلجوئی ہی بھا گئی ^۵^
یہ سن کر جوانِ زخود رفتہ نے — جگر سوختہ اور دل تفتہ نے
کیا سوزِ دل کو لبوں پر نمود — زباں تاب کھانے لگی جیسے دود
سخن ہونے لاگے نمودار کچھ — لگا کرنے پیچیدہ گفتار کچھ
کہ جس سے یہ معنی ہوئے مستفاد — کہ اے غمگسارِ دلِ نامراد
جو دلجوئی میری ہے مدِ نظر — تو یاں ایک محلہ ہے ٹک قصد کر
نہیں اس کو درکار کچھ جستجو — سرا ایک ترسا کی ہے قبلہ رو
زباں سے میری در پہ یہ جا کے کہہ — کہ احوال سے میرے غافل نہ رہ
تیرے واسطے خوب رسوا ہوا — میرے سر پہ ہنگامہ برپا ہوا
تسلی شکیبائی مطلق نہیں — اور اب تاب تنہائی مطلق نہیں

ا و ۲ غیر مطبوعہ ۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۶ : مصرع

نہ کا ہیدہ ہو تو ہے ماہ تمام

۴ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۷ : مصرع

جہاں کو تو بھیجے وہاں جاؤں میں

۵ نسخۂ کلکتہ : مصرع

کہ یہ میری دلجوئی ہی بھا گئی

رہی جب تلک تن میں تابِ تواں　　اٹھایا تحمل کا بارِ گراں
دے ساقی شتابی سے اک جامِ جم　　کہ لکھنے لگا ہوں میں پیغامِ غم
ہوا آخر دل سب کا خونِ ناب
پیوں کب تلک اک گلابی شراب

پیغام بردن درویش بر درِ ترسا[1]

کہے سے جواں کے غرض قصد کر　　گیا بندہ ترسا کے دروانے پر
سن آوازِ دستک کی اک رشکِ حور　　برس چودہ اک کے نپٹ باشعور[2]
دو چار آکے مجھ سے ہوئی ایک بار　　گیا جس کے دیکھے سے صبر و قرار
ہوئی دیکھنے سے جب حقیقت عیاں　　کہا میں کہ آخر بشر تھا جواں[3]
بشر کیا ہے دیکھ ایسی آفت کے تئیں　　فرشتہ بھی رہ بیٹھے عصمت سے تئیں
کہا میں نے پیغام جوں آیا بن[4]　　یہ خوبی سے اس کی کروں کیا سخن
مژہ بخت عاشق کی برگشتگی　　نگہ ایک عالم کی سر گشتگی
قد و قامت اس کا کروں کیا بیاں　　قیامت کا ٹکڑا ہوا تھا عیاں
وہ جس طرف کو اچپلی آوتی　　قیامت جلو میں چلی آوتی[5]
میں سودائی اس زلفِ تاریک کا　　ہر اک مو سبب رنجِ باریک کا
شکن اس کی کاکل کا دامِ بلا　　ہر اک حلقۂ زلف کامِ بلا
بھووں کی کمانوں سے نگہ نے لفتار　　الٹتے تھے اڑا اڑ کے جوں تیر مار

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۷، میں عنوان کی کوئی عبارت نہیں ہے۔

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۷: مصرع　　مہ چاردہ سی نپٹ باشعور

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۷: مصرع　　کہا میں کہ تا حشر پر تھا جہاں

[4] نسخۂ آسی: مصرع　　کہا میں نے پیغام جو آیا بن

[5] نسخۂ کلکتہ: مصرع

وہ نازاں جدھر آتی تھی اچپل
قیامت بھی آتی جلو میں چل

ہلے اس کی ابرو جدھر کر کے ناز — کرے اس طرف ایک عالم نماز[1]
جدھر ابرو اس کی جھک جاوتی — مہِ نو کی گردن ڈھلک جاوتی[2]
کماں اس کے ابرو کی عاشق کمیں — خدنگ اس کے مژگاں کے سب دلنشیں
نہ آنکھوں کی مستی کی اس کو خبر — خرابی نہ عاشق کی مدِ نظر
نگہدار تھی سرخیِ چشم کی — طرفدار تھی اپنے ہی خشم کی
شہید اسکی چشمک کے دل خستگاں — ہدف ہیں نگاہوں کے دل بستگاں
مژہ موجب قتل جمع کثیر — غرض سب میں یہ اک ہی کش کے تیر[3]
چھپیں اس کے غمزہ میں کتنی سناں — کو ظاہر ہوئے سب یہ مرگ جہاں
جبیں تھول دی ان پری زاد نے — کہ جیں مانی خوبان نوشاد نے
رواں اس شب افروز سے اشک شمع — یہیں سے ہے روشن کہ تھی رشک شمع
وہ مردوں کو زندہ دوبارہ کرے — مسیحا جہاں سے کنارہ کرے
پری منفعل رنگِ رخسار سے — خجل کبک انداز رفتار سے
خضر[4] تشنہ اس ہی کے دیدار کا — مسیحا شہید اس کے بیمار کا
سوا اس کی باتوں کے سب باتیں ہیں — جسے سن کے مردے بھی جی جاتے ہیں
لب سرخ اس کے دو گلبرگ ترشہ[5] — چھپیں جن میں دنداں کے سلک گہر
تبسم ہی وے برق ابر بہار[6] — دم حرف موتی گئے آبدار
دہن غنچہ ناشگفتہ سے کم — سخن راہرو راہ تنگ عدم

---

[1] ایک اور شعر میں میر نے ایسا ہی مضمون باندھا ہے: ؎

تیرے ابرو جدھر کو ہوں مائل
ایک عالم اودھر نماز کرے

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۸: ؎

اگر ابرو اس کی جھک جاتی تھی
نو کی گردن ڈھلک جاتی تھی

[3] نسخۂ کلکتہ ۱۰۵۸: ع غرض سب تھے یہ اک ہی کش کے تیر

[4] اصل "خرد" ہے۔ [5] نسخۂ آسی: ع لب سرخ اس کے دو گلبرگ تر

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۸: ع تبسم میں اپنے دے برق بہار

تبسم ٹک اک گر وہ دلکش کرے[1] — تو گلشن میں گل صد چمن غش کرے
نہ دیکھا کنھیں نے حسن اسکا صاف — نظر گر نہ ٹھہرے تو رکھیے معاف
کہ اُس کی ممکن نہیں ہاتھ آئے — مگر دستِ غیب ہو جسے وُہ تو پائے[2]
کیا ان نے پامال فتنوں کا خون — حنا اسکے ہاتھوں میں کتنوں کا خون
نہ رنگ حنا ہے فقط تن پہ تھا — کہ مینا کا خون اُس کی گردن پہ تھا
ادا اس کی عاشق کی جی کی بلا — نہ میری تمہاری سبھی کی بلا
اگر جلوہ گر ہو وہ محشر خرام — تو معلوم ہے بھر جہاں کا قیام
خراماں خراماں جدھر آ گئی — قیامت ہی گویا ادھر آ گئی
اسے لغزشِ پائے ناز سے — وہ مست سر انداز انداز سے
نہ ہووے وہ دن جس میں ہو بے نقاب — چلا جاتے پڑے ہی ہیں آفتاب
اسی بت کا ہر یک کے تئیں ذکر ہے[3] — خدا کو خدائی کی اب فکر ہے
چڑھاوے اگر ہاتھ سے آستیں — تو پھر دستِ موسیٰ بھی کچھ ہے نہیں
ہوئیں طرح اس سے جفا کاریاں — نکالیں ہیں ان نے دل آزاریاں
ترحم کو پانو تلے وہ ملے — ستم اس کے کوچہ سے بچ کر چلے
گلی اُس کی فردوس کا تھی شرف — بہشت اک گنہگار سی یک طرف
زمیں اس کی یکدست گلزار تھی — نسیم چمن واں گرفتار تھی
جو آمد ہو اس کی نصیب چمن — کرے ترک گل عندلیب چمن
گلی اس کی وہ قتل گاہ عجیب — شہادت جہاں ہوتے خضر کو نصیب[4]
وہی جائے باش دل عاشقاں — اسی پر معاش دل عاشقاں
صبا گر اڑا دے ٹک اک واں کی خاک[5] — تو نکلیں زمیں سے دل چاک چاک

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۹: ع — تبسم تنک گر وہ دلکش کرے
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۹: ع — مگر صاحب دستِ غیب اس کو پائے
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۶: ع — اسی بت کا ہر اک تئیں ذکر ہے
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۵۹: ع — شہادت جہاں خضر کو ہو نصیب
[5] نسخۂ کلکتہ: ع — صبا گر اڑا دے تنک واں کی خاک

کئی نالہ کش[1] واں کئی نعرہ زن   کئی خوں گرفتہ کئی بے کفن
کئی بے وطن واں سفر کر گئے   سسکتے ہیں کتنے کئی مر گئے
ہر اک جان ہر شخص ناکام کی   ہوا دار اس کے لب بام کی
پھروں گرد ساقی نشے ہیں تیرے   گلابی ہی مونہہ کو لگا دے میرے
مجھے مست آب سیہ دے کے کر   چلوں خامہ ساں پھر میں مطلب اوپر[2]

باز آمدن درویش و جواب پیغام دادن و مردن آں جواں[3]

سنا وہ جگر سوز پیغام جب   کہے آشنا حرف سے لعل لب
پڑھی اک رباعی نہ کر اعتنا   کہ مضمون جس کا یہ موزوں ہوا
کہ ہجراں میں جو بے قراری کرے   سر راہ فریاد و زاری کرے
محبت کی رہ میں یہ پہلا ہے کام   کہ سر سے گزر جائے ناشاد کام[4]
نہیں شرط الفت میں چین جبیں   اگر پیش آوے دم واپسیں
جو چھوٹا ہی پڑتا ہوں جوں آبلہ   وہ ہے غم میں واماندۂ قافلہ[5]
نہ سونے دے نالوں سے ہمسایہ کو   بھلی مرگ ایسے فرومایہ کو[6]
نہ ہو جو سکے ہجر کا پائمال   تو بہتر ہی ہونا ہے اس کا وصال
حقیقت بیاں کی ہیں اس جاتے کی[7]   جواں نے یہ سنتے ہی اک ہائے کی
گئی ساتھ اس ہاتے کے اسکی جان   گرا خاک پر ہو کے بیدم جواں
تکے تھا مگر وہ سفر کر گیا   کہ اک بات کی بات میں مر گیا
نہ ہوئی دیر اسے جان سے اپنے سیر[8]   مجھے بات کے کہنے بھی لاگی دیر[9]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: نعرہ کش   [2] نسخۂ کلکتہ: ع چلوں جوں قلم پھر بھی مطلب اوپر
[3] نسخۂ کلکتہ میں یہ عبارت درج نہیں ہے۔   [4] نسخۂ کلکتہ: ع
کہ سر سے گزر جائیے شاد کام
[5] نسخۂ آسی ص ۱۹۴۵: ع   وہ ہے دم میں واماندۂ قافلہ
[6] غیر مطبوعہ   [7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۰: ع   حقیقت بیاں کی سب اس جاتے کی
[8] نسخۂ کلکتہ: ع   نہ دیر اس کو ہوتے ہوئے جی سے سیر
[9] نسخۂ کلکتہ: ع   مجھے بات کے کہنے لاگی بھی دیر

میری بابت میں خونِ بلبل ہوا | دیا سادہ جلتا جو تھا گُل ہوا
میں یہ واقعہ دیکھ گھبرا گیا | کہ یوں یہ گُلِ تازہ مرجھا گیا
نہ سوجھا مجھے اور کچھ اس سوا | کہ کرئے بیاں طرفِ ثانی سے جا
ملامت کروں اسکے تئیں یک جہاں[1] | کہ اے بے حقیقت گئی اس کی جاں
تیرے نازِ بیجا کا تو کیا گیا | پر اک بیگنہ اس میں مارا گیا
رہی گھر میں خوبی پہ تجھ کو نظر | بسر رہ گیا ایک جی سے گزر[2]
ہے اب مشتِ خاک اسکی ذلت کا باب | تیرے آستاں بن ہے مٹی خراب[3]
یہ ٹھہرا میں اودھر روانا ہوا | ایدھر مرنا اس کا فسانا ہوا[4]
دے اے ساقی ماہ وش ایک جام | گیا کاستن ہی میں یہ مہ تمام[5]

کہاں ہے وہ خونِ کبوتر سی مے
کہ پی کر فغاں کیجئے مثل نے

باز رفتن درویش بر در ترسا و حقیقت مرگ جواں گفتن
واز شنیدن ایں واقعہ مردن دختر نیز[6]

غرض جوں توں کر قطع میں راہ کی | گیا تھی جہاں منزل اس ماہ کی

---

[1] نسخۂ کلکتہ: حگ
ملامت کروں اس کو میں اک جہاں

[2] نسخۂ کلکتہ: حگ
سر رہ گیا ایک جی سے گزر

[3] نسخۂ کلکتہ: سے
کف خاک اس کی ہے ذلت کا باب
تیری آستاں بن پہ ہے گی ہے خراب

[4] نسخۂ کلکتہ: سے
یہ ٹھہرا ادھر میں روانہ ہوا
اُدھر مرنا اس کا فسانہ ہوا

[5] نسخۂ کلکتہ: سے
پلا ساقی ماہ وش ایک جام
گیا کاستن ہی میں ماہ تمام

(نوٹ:) نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۰ میں یہ شعر زیادہ ہے: سے

گیا میں جواب اسے لے کر اُدھر
سر رہ تھا پامال غم وہ جدھر

[6] نسخۂ کلکتہ میں اس عنوان کی کوئی عبارت نہیں ہے۔

کی آواز دستک کی بار دگر — ہوئی گھر میں القصہ میری خبر
نکل آئی دراو پر اک پیر زن — لگی کرنے عشق جواں سے سخن
کہ کیوں دوسری بار آیا ہے تو — شگوفہ مگر اور لایا ہے تو
کوئی رہ گیا تھا پیام جواں — جو پھر تو شتابی سے آیا ہے یاں[1]
بیاں کر جو کہنا ہو تجھ کو شتاب — کہ ہے منتظر غیرت مہتاب
کہا میں نے اے پیر زن کیا کہوں — عزادار اس نوجواں کا میں ہوں
پیام اس کا لایا تھا میں اس لیے — کہ وہ بے اجل مرتا ہے حکم بجے
سو یاں سے گیا لے میں ایسا جواب[2] — کہ جس سے نکلتا تھا ناز و عتاب
نہ تھی تاب حرف درشت اسکے تئیں — کیا غم نے تھا نیم کشت اسکے تئیں
نہ مشغول وہ یونہیں زاری سے تھا[3] — وہ بے تاب بے اختیاری سے تھا
نہ سمجھی یہ رشک پری اس کے تئیں — دکھائی وے عشوہ گری اسکے تئیں
پڑھا ان نے تیوری اک انداز سے — کہا مجھ سے اغماض اور ناز سے[4]
کہ جس کو نہ ہو تاب لانے کی تاب — ہے اس کا شتابی سے مرنا صواب[5]
ہوا سامنے اس کے میں حرف زن — یہ اس کی زباں سے کہا میں سخن
جواں سنتے ہی کر کے ادھر نگاہ — سرہ گیا جان سے بھر کے آہ[6]
میں یہ ماجرا کہنے آیا ہوں یاں — خبر اس کے مرنے کی لایا تھا یاں[7]
کہا اس سے کہ اے کشتۂ غم کی جاں — گیا آخر الامر جی سے جواں
یہ کہہ دو قدم واں سے تھا غم چلا[8] — کہ اک شور کانوں میں میرے پڑا

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۱ : ع — جو تو پھر شتابی سے آیا یہاں
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۱ : ع — سو یہاں سے گیا ایسا لے کر جواب
[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۱ : ع — نہ مشغول یونہیں وہ زاری سے تھا
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۱ : ع — کہا بے مزہ ہو کے یوں ناز سے
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۱ : ع — شتابی سے مرنا ہے اس کا صواب
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع — سفر کر گیا جان سے بھر کر آہ
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع — یہی ماجرا کہنے آیا ہوں یاں / خبر اس کے مرنے کی لایا ہوں یاں
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع — یہ کہہ دس قدم واں سے میں تھا چلا

گزرنے لگی دل سے آواز آہ
لگا ہونے آنکھوں میں عالم سیاہ

صدا ایک نوحہ کی آنے لگی
کہ یعنی وہ دختر ٹھکانے لگی

محبت نے کام اپنا پورا کیا
کہ ان دونوں لعلوں کا چورا کیا

میں اس عشق کے بیچ نادم ہوا[1]
کہ میرے سبب دونوں کا جی گیا

یہ تھی رونے کی جا ہے ساقی سنا[2]
کہ بدلے گزک کے ہے یاں دل بھنا

تھوڑی دارو دے سایۂ تاک میں
برنگ گل اب لوٹئے خاک میں

مقولہ شاعر

عجب کچھ نہیں جان کھا پیچ و تاب
یہ اے میر ہے عشق خانہ خراب[3]

سنا نہیں کہ فرہاد پر کیا ہوا
اور اس عشق نے شیریں سے کیا کیا[4]

ہے مجنوں کے ماتم کا نوحہ پڑا[5]
سیہ خیمہ لیلیٰ کا بھی ہے کھڑا

گئی جان وامق کی کس رنگ سے
ہوا چاک عذرا کا سر سنگ سے[6]

گئی آہ نل کی فلک سے اودھر
دمن ہوتی بگولا زمیں کے اوپر[7]

بہت عشق کی آگ میں جل گئے
بہت اٹھتے جاتے ہیں شعلے نئے

گئی جل کے کتنے پتنگوں کی جان
ہے شمعوں سے اک دود دل ہی نشان[8]

ہے بیتاب ذرہ اسی سے کباب
جلے ہے اسی آگ میں آفتاب

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع۲
فقیر آن کر سخت نادم ہوا

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع۲
یہ بھی جائے گریہ ہے ساقی بنا

[3] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع۲
یہ میر اب جو ہے عشق خانہ خراب

[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : س
سنا ہے کہ فرہاد پر کیا ہوا
پر اس عشق نے شیریں سے کیا کیا

[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع۲
عزا کا ہے مجنوں کی نوحہ پڑا

[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : ع۲
ہوا خاک عذرا کا سر سنگ سے

[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : س
گئی آہ نل کی فلک سے ادھر
دمن ہے بگولہ زمیں کے اوپر

[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۲ : س
گئی جل کے آخر پتنگوں کی جان
چراغوں سے اک دود دل ہے نشاں

دل اس داغ سے رکا بھنتا ہی ہے | کتاں کا جگر چاک سنتا ہی ہے
سیہ رنگ اگتا ہے سرو سہی | وہی رنگ قمری ہے خاکستری[1]
کوئی نالۂ بلبل سے ہے یادگار | خزاں اس چمن میں ہے گل کی بہار
کہیں ساقی دے آب گلرنگ کو | کشادہ بھی کر اس دل تنگ کو

گلے لگ کے مینا کے اب روئیے
فسانہ بھی آخر ہے ٹک سوئیے[2]

مثنوی در ہجو پُرخور[3]

ایک پُرخور ہے آشنائے میر[4] | سینہ سوراخ جس سے ہے کف گیر
صدمنی دیگ ہے شکم اس کا | نفس اژدہا ہے دم اس کا
آنت شیطان کی ہے اس کی آنت | دانت ہاتھی کا سا ہے اس کا دانت[5]
خستۂ جوع وہ جو آوے نہار | مونہہ ہے گویا کہ زخم دامن دار
شکل مت پوچھ کھانے کا ہے بلی | مونہہ ہے چھٹوں سے جیسے روٹی جلی[6]
گال کلچے سے اور توے سے سیاہ[7] | کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ
توند کالی جو کھول جاوے لیٹ | آہنیں ہے تنور اس کا پیٹ

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۳ میں اس شعر کے بعد یہ شعر زاید ہے: ؎
بھنور کے بھی جی پر پڑے گل گئی
کنول کی کھل آنکھ پھر مند گئی

۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۶۳: ؎
گلے لگ کے مینا کے ٹک روئیے
فسانہ بھی آخر ہے اب سوئیے

۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲ میں یہ عنوان ہے: "مثنوی در ہجو اکول"۔

۴ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: مصرع — ایک ہے پر خور آشنا بے پیر

۵ نسخۂ کلکتہ ص ۳۲: مصرع — دانت اس کا ہے ہاتھی کا سا دانت

۶ نسخۂ آسی ص ۳۲: مصرع — منہ ہے چھپوں سے جیسے روٹی جل

۷ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: مصرع — گال کلچے سے پھر توے سے سیاہ

راہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی ‌ ‌ ‌ ‌ چاٹ جاتا ہے دیگوں تک بھی
کھینچے باورچیوں کے کیا کیا ناز ‌ ‌ ‌ ‌ گو کٹی اس کے چوتڑوں پہ پیاز[۱]
کھانا نکلے پر آوے ہے جیسے[۲] ‌ ‌ ‌ ‌ چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے
وقت کھانے کے ہاتھ ہے اس کا ‌ ‌ ‌ ‌ قاب پر نان پنجہ کش گویا
کیا دو پیازہ وہ کھا کے ہو تازہ ‌ ‌ ‌ ‌ ایک تو ان تھا ملا دو پیازہ[۳]
گوشت ہانڈی کا بھرے خشک میں ‌ ‌ ‌ ‌ ہنڈیا گویا تھی اس کی سہنک میں[۴]
خام طمعی سے اک کرے سے آہ ‌ ‌ ‌ ‌ دیکھ کر شب کو نان ہالۂ ماہ
نہ ٹلے دیکھ کر وہ قاب پلاؤ ‌ ‌ ‌ ‌ مونہہ ہی مونہہ میٹھا گرچہ کھاوے گھاؤ
کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے
پہنچتا نہیں جو کھانا کھانے تگ ‌ ‌ ‌ ‌ ہڈیوں پر لڑے ہے مثلِ سگ[۵]
بھوک کا باولا جو آتا ہے[۶] ‌ ‌ ‌ ‌ لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
دھوں میں دشمنوں سے بھی وہ لئیم ‌ ‌ ‌ ‌ جاتے گھل مل اگرنے بھے حلیم
آتش لغرا پہ مار بھی کھاوے ‌ ‌ ‌ ‌ اس میں گو بوغرا نکل جاوے
کسو مفلس کے گھر جو جاتا ہے ‌ ‌ ‌ ‌ کچھ نہیں خفتیں ہی کھاتا ہے
بھوک سے جب کہ غصہ میں آوے ‌ ‌ ‌ ‌ بز کوہی کی طرح جھنجھلاوے
ٹھڈیوں کو نہ کہہ کر کھا جاوے[۷] ‌ ‌ ‌ ‌ چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

---

[۱] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: ع ‌ ‌ کتری گئی اس کے چوتڑوں پہ پیاز
[۲] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: ع ‌ ‌ کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے
[۳] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: ع ‌ ‌ اک نوالا ملا ہے دو پیازہ
[۴] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: س ‌ ‌ گوشت ہانڈی بھرا ہے خنک میں
ہنڈیاں گویا تھیں اس کی خشنک میں
[۵] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: س ‌ ‌ نہیں پہونچے جو کھانا کھانے تگ
ہڈیوں پر لڑے ہے جیسے سگ
[۶] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۲: ع ‌ ‌ بھوکھ کا باؤلا جو آتا ہے
[۷] نسخۂ آسی: ع ‌ ‌ ٹھڈیوں کو نگہ سے کھا جاوے

دہر کا جلنا آگ سے مانوں بھوک اس کی جلے تو ہیں جانوں
نکلے بازار میں وہ جب چربوز سر ہی پھوڑے ہے دیکھ کر تربوز
گھاس پات اور کانس کھاتا ہے نیشکر پر وہ بانس کھاتا ہے
اس کے آنے کو سن کے بازاری[۱] کرتے ہیں سودوں کی خبرداری
کوئی تختہ کرے ہے دوکاں کو کوئی لاتے بلا گزرباں کو
کنجڑے ڈھانکے ہیں ساگ پات اپنا تکتے ہیں بنئے داؤ گھات اپنا
کہ مبادا ادھر کو آ جاوے سوٹے یکسو ہیں نہ کھا جاوے
اینٹ پتھر بھی کھا گزر جاوے الغرض پیٹ اپنا بھر جاوے
کیا کیا جینے کے لیے چکتا ہے لیک پیٹ اس کو مارے رکھتا ہے
پیٹ اپنا بڑا جو پاتا ہے گوہ یک کا بھی جیٹ کھاتا ہے
وہ قضا را ہوا میرا مہمان کھا گئی اس کی میزبانی جان
گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوایا کھانا اس کے لیے ہیں پکوایا
کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے جس پہ سو میہماں کروں تجھ سے
مجھ سے تھی روزگار سے ان بن خوب کھانا تو تجھ پہ تھا روشن[۲]
چار من گاجروں کا قلیا تھا دہ منی دیگ بیچ دلیا تھا
روٹیاں کس قدر بتاؤں ہیں جن کو دو چار سال کھاؤں میں[۳]
چاہ کر کے گرا جو وہ بلّاع مدد روح اشعث طمّاع
کہنے لاگا میں ہو کے بجوالا کیا ہوا یہاں سے قلیہ کا پیالا[۴]
تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ میں رہا تکتا کھا گیا وہ سمیٹ
کھانا کوئی اور کیا کہے اُس کا نفری مونھہ دیکھتی رہی اس کا[۵]

۱؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۳ س — اس کے آنے کی سن کے بازاری
کرتے ہیں سودوں کی خریداری

۲؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۴ : ۶ — خوب کھانا تو تجھ پہ ہے روشن

۳؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۴ : ۶ — جس کو دو چار سال کھاؤں میں

۴؎ غیر مطبوعہ (ایک دوسرے مخطوطہ میں بھی یہ شعر اسی طرح ہے)

۵؎ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۳۴ : ۶ — سارے مونھہ دیکھتے رہے اس کا

جب مرے گا وہ بھوک کا رو گی　　روح توشہ کی روٹی میں ہو گی
کھانے کی بو جو ناک میں بیٹھے　　مرگیا ہوتے تو بھی اٹھ بیٹھے
عقل باور اگرچہ کرتی نہیں　　وہ مرے بھوک اس کی مرتی نہیں

بھوکے اس کا جو جی نکل جاوے
گور میں بھی کفن نگل جاوے

مثنوی[1]

کرتا ہوں معاش دل کے خون سے　　پیدا میں ہُوا تھا کس شگون سے
گرگوں سے ہے یاراب کی ہم کف　　بھائی ہیں برادرانِ یوسف
مشفق ہیں میرے بھی ایک صاحب　　کیا ان کے بیاں کروں معائب
چہرے پہ ہیں داغ چیچک ایسے　　گوبر پہ پڑی ہیں بوندیں جیسے
وہ گندہ دہن جو ہوئے گویا　　سنڈاس کا مونہہ کھلا ہے گویا
وہ ہے بجہاں بنی امیّہ　　اس تک ہی ہیں یہاں بنی امیّہ
اس کے جو یزید خوب کچھ تھا　　کب تھا وہ لعیں چھپکلی سا
بیزار ہیں اسکے مونہہ سے ایسے　　گھنیاوے ہے جیسے کوئی ہیضے
آدے نہ ادھر رہے ادھر وُہ　　ہے شہر میں جنگلی سور وہ
کب ہوں گے سیاہ اتنے بھتنے　　صدقے گئے اس پر کتنے بھتنے
مت پوچھ اسے کہ ہے وُہ کیسا　　کیا کہیے غرض ہے ایسا تیسا
آئینہ دکھاؤ اس کو جا کر　　جوتی سی لگاؤ اس کے مونہہ پر
گو جان کثیف وہ نہ کھوئے　　شرمندہ تو اپنے مونہہ سے ہووے
گو کپڑے پہن سفید جاوے　　دھوبی ہے وُہ سمجھے جس کے آوے
مدت رہا یار ڈومنی کا　　دیکھا نہ تھا اور گھر کسو کا
عاشق تھا خراب و شیفتہ تھا　　اس پر یہ بہت فریفتہ تھا
اسبابِ معاش اس کی وُہ زن　　آدم گری[2] اس کی اس کی گردن

---

[1] یہ مثنوی بغیر کسی عنوان کے غیر مطبوعہ ہے اور کسی دوسرے مخطوطہ میں درج نہیں ہے۔
[2] آدم گری - ایجاد کردن آدم۔ (فرہنگ آنند راج ص ۳۶)

سب اس کی مؤنث اس کے اوپر — یہ ساری رعونت اس کے اوپر
بھڑوا اسے وہ جانتی تھی — کہتا یہ جو کچھ وہ مانتی تھی
وہ گاتی بجاتی اس کی خاطر — خرچی بھی جو پاتی اس کی خاطر
ڈھولک یہ بجاتا گر وہ گاتی — رومال یہ رکھتا گر چہ داتی
گھر اس کا تھا جائے باش اس کی — مدت رہی یہ معاش اس کی
کیا جانئے بات کیسی چل گئی — وہ فاحشہ جس کو سن ادو ڈھل گئی
مت پوچھیو یہ کہ وہ گئی اب — لاوے گی وہ آفتیں نئی اب
دھگڑا بھی کرے گی کوئی ڈھب کا — اس علتی کو کرے گی چینکا
چیونٹی سا ہے اس سے لڑ دل جا — بس ہے اسے موت ہی کا رلا
کب تک کوئی اس کی گانڈ پھاڑے — یہ کوہ گرے ہوئے اکھاڑے

پیزار میری کو ہو کدورت
کیا ہے وہ چمار کی سی صورت

مثنوی در ہجو خانۂ خود[1]

جسم خاکی میں جس طرح جان ہے — اس طرح خانہ ہم پہ زندان ہے
ظلمتیں اس کی سب ہی روشن ہیں[2] — زندہ درگور ہم کئی تن ہیں
ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار — واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار
بخت بد دیکھ سارے پرنالے — اس کے معمار نے ایدھر ڈھالے[3]
اب جو آیا ہے موسم برسات — دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات
صحن میں آب نیزہ بالا ہے — کوچۂ موج ہے کہ نالا ہے
مینہ میں گھر کے پانچ چھ چھپر — ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر
پر تنک تنکے تھے کچھ اک نئے — سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے
دل ہے کچھ مکڑیوں کا احسان مند — کہ جنھوں نے کیے ہیں جالے بند

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۵ میں یہ عنوان درج ہے: "مثنوی در ہجو خانہ خود بسبب شدت باراں خراب شدہ"

[2] نسخۂ کلکتہ: مصرع — ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں

[3] نسخۂ کلکتہ: مصرع — اُس کے معمار نے اُدھر ڈالے

پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے / بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے
اڑ گیا گھانس مٹی ہے والا[1] / ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا
اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے / ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے
کیا کہوں آہ گھر کے کہنے کو[2] / باندھتا ہوں مچان رہنے کو
بندجھانکوں کو کیجئے تا کے / یاں ایک آسمان ٹوٹا ہے
ٹھیکے دینے کو جا اڑے ہیں ہم / سر پہ ٹھٹھر لئے کھڑے ہیں ہم[3]
ٹٹیاں تھیں جو آ کے چھپر کے / بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے
تا گلو سب کھڑے ہیں پانی میں[4] / خاک ہے ایسی زندگانی میں
اب جو اپنے بھی حال بد تر ہے / سر پہ گھٹڑی ہے تسپہ چھپر ہے[5]
پانی جد کر چکا جو ہے دالان[6] / سر پہ رہتا ہے طرۂ ایوان
چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار / جیسے چھاتی پہ عاشقوں کے فگار[7]
متصل ٹپکے ہے نہ باراں ہے / گریۂ زار سوگواراں ہے
گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے / چھت بے اختیار روتی ہے[8]
مینہ یکبارگی جو ٹوٹ پڑا / کڑی تختہ ہر اک چھوٹ پڑا
داسے پایان کار ٹوٹ بہے / طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے[9]

---

[1] نسخۂ کلکتہ: ع — اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
[2] نسخۂ کلکتہ: ع — کیا کہوں آہ گھر ہے رہنے کو
[3] نسخۂ آسی ص ۸۱۵: ع — سر پہ ٹھٹر لیے کھڑے ہیں ہم
[4] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۵: ع — تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں
[5] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۵: س — اب تو اپنا بھی حال ہے بد تر / سر پہ گٹھری ہے تسپہ ہے چھپر
[6] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۵: ع — پانی بہہ کر جھکا جو ہے دالان
[7] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶: ع — جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار
[8] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶: ع — چھت بھی بے اختیار روتی ہے
[9] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶: س — در سے پایان کار ٹوٹ گئے / طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ گئے

بہہ گئے گولے تختے ڈوب گئے — غرض اجزائے سقف خوب گئے
کچھ نہ بوسیدگی نے چھوڑا تھا — گھر نہ تھا ایک پکا پھوڑا تھا[۱]
موج خشتی ستون میں بیٹھی[۲] — جان غمناک خون میں بیٹھی
لے گیا پیچ و تاب پانی کا — کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں ڈہا گھر کہ بار خاطر تھا[۳] — آہ کس کا غبار خاطر تھا
اکھڑی دہلیز اور منڈیری گری[۴] — لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری
جھک گئے سب ستوں و در بیٹھا[۵] — وہی چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آکے چھت ٹھہری — ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں — کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب مرنے سے ڈوب مرنا خوب — ہے کنارا ہی یاں سے کرنا خوب[۶]
سن کے ہر اک کے جی میں ڈر آیا — خاطروں میں یہ حرف تیر آیا[۷]
گٹھری کپڑوں کے میں اٹھائی تھی — سر پہ بھائی کے چارپائی تھی
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا — کوئی سر پر ایاغ لے نکلا
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا — اس کا سارا افگار کاندھا تھا
چھاج کی کر کے کوئی اوٹ چلا — مینہ کے مارے کوئی لوٹ چلا
مونہہ پہ چھلنے کو ایک نے رو پا — ایک نے سر کے کا کیا گھوپا
ایک نے چھینکے حال حال لیے — پٹی پائے گلے میں ڈال لیے[۸]

---

۱ غیر مطبوعہ — ۲ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶ : ع
موج خشتی ستون میں پیٹھی
۳ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶ : ع — یوں دھنسا گھر کہ بار خاطر تھا
۴ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶ : ع — اکھڑی دہلیز سب منڈیر گرے
۵ نسخۂ آسی : ع — جب گئے سب ستون در بیٹھا
۶ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶ : ع — ہے کنارا یہاں سے کرنا خوب
۷ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۶ : ع — خاطروں میں یہ حرف ٹھہرایا
۸ نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۷ : ع — پائے پٹی گلے میں ڈال لئے

ایک نے بوریا لپیٹ لیا ——— اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
یہ کچھ اسباب گھر سے ہم لے کر[1] ——— الگنی سب کی ہاتھ ہیں دے کر
صف کی صف نکلی اس خرابی سے ——— تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے
جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا ——— ہنس کے بے اختیار وُہ بولا
میر جی اس طرح سے آتے ہیں ——— جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں
سن کے اس بات کو زلتے ہم ——— بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم
تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب ——— نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب
جس میں خوش یک نفس معاش کریں
وضع پر اپنے بود و باش کریں[2]

---

[1] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۰ : ع ——— اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر
[2] نسخۂ کلکتہ ص ۱۰۲۰ : ع ——— طور پر اپنے بود و باش کریں

اشعارات[1] (کذا)

نہ اسکندر ہے نے دارا نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے[2] یہ بیت المال ملک بے وفا بے وارثہ گھر ہے

لہٗ

جہان کہنہ خلقے را بدل داغ ہوس ماندہ بیا ساقی کہ ایں ویرانہ از بسیار کس ماندہ

لہٗ

خود بخود کھویا گیا ہے کتنے روزوں سے فقیر وہ نہیں ہے اب جو تم نے پیشتر ازیں دیکھا تھا میرؔ

لہٗ

دوستان ظلمے بحال نامرادم رفتہ است داشتم چیزے کہ من بودم زیادم رفتہ است

لہٗ

نہ اپنے در سے مجھے دور کر شتابی سے کہ آہ یاں تئیں پہنچا ہوں کس خرابی سے

لہٗ

ز ضعف دست بدیوار دادہ آمدہ ام بہر دو گام زمانے ستادہ آمدہ ام

لہٗ

مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم[3] القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم

لہٗ

عنقا سر دبر گیم مپرس از فقرا ہیچ عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

---

[1] اسی طرح نسخۂ کلکتہ ص ۱ پر قصائد کے بجائے "قصائدات" درج ہے۔ مزید برآں نسخہ کے ص ۷۶، پر اشعار بالا "تضمین مطلع خود با مطلع استاد" کے عنوان کے تحت نقل کیے گئے ہیں۔

[2] نسخۂ کلکتہ ص ۷۶ : ع نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے

[3] یہ شعر مرزا غالب نے بھی اردوئے معلیٰ ص ۲۵ میں نقل کیا ہے۔ مصرع اول یوں ہے، ع

مشہور ہیں عالم میں مگر ہوں بھی کہیں ہم

لہ

رہے ہم تشنگاں کے ذمّے منت یار کی کیسی ۔۔۔ کہ پھر پانی نہ مانگا ہم لگاتی ایک ہی ایسی

لہ

بامید کے نگذاشت بیدادش دل ما را ۔۔۔ خدا اجرے دہد در کشتنِ ما قاتل ما را

لہ

دوری ہی میں طاقت نہ رہی بات کی آخر ۔۔۔ روزی نہ ہوتی رات ملاقات کی آخر

لہ

زہرِ غم ہجر تو بجاں کارگر افتاد ۔۔۔ امید وصال تو بعمرِ دگر افتاد

لہ

آشنا تے کفر و دیں عاشق نہیں ہوتے ہیں میرؔ ۔۔۔ جانتے ہیں گے چنانچہ اس کے تئیں برنا و پیر[۱]

لہ

کعبہ و بتخانہ را بیگانہ میدانیم ما ۔۔۔ یا درِ دل یا درِ میخانہ میدانیم ما

لہ

اے خوش وہ کہ یاں سر بہ گریباں ہی رہا ہے[۲] ۔۔۔ اس باغ میں وا ہونے کو بد مین کہا ہے

لہ

بسیار ز دل تنگیِ خود غنچہ غمین است ۔۔۔ غافل کہ شگفتن نفس باز پسین است

لہ

متاع دل نہ لے جاؤں جو واپس کیا کروں جاناں ۔۔۔ خریداری نہ کی تو نے رہا مدت میں سرگرداں[۳]

لہ

لبو دائے ہوس عمرے دریں بازار گہ دیدم ۔۔۔ کنوں گرد سرم گرداں کہ من بسیار گہ دیدم

لہ

حواس و ہوش و خرد جان و دل شکیب و تواں ۔۔۔ چلے ہیں عزم سفر کرنے سے تیرے سب یہاں

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۸۰۰ ؛ ع۲ ۔۔۔ جانتے ہیں طور میرے سب چنانچہ خورد و پیر

۲ نسخۂ آسی ص ۶۸۷ ؛ ع۲ ۔۔۔ ہے خوش وہ کہ یاں سر بگریباں ہی رہا ہے

۳ نسخۂ کلکتہ ص ۸۰۰ ؛ ع۲ ۔۔۔ خریداری نہ کی تُو نے رہا میں دیر سرگرداں

لہ

زرفتن تو کسے باز پس نمی ماند　　تو میروی و دریں شہر کس نمی ماند

لہ

کہاں کرنے ہیں خوں تیزی نہیں کی　　یہیں کچھ ان نے خونریزی نہیں کی

لہ

سرکش گردم کہ ہر جا جلوہ گر بود　　سر بازار او بازار سر بود

لہ

اس آستانے کے سگ کے نہیں برابر ہم　　کہیں زیادہ سخن اپنے مونہہ سے کیوں کر ہم

لہ

میان ما و سگ یار فرق بسیار است　　چرا کہ ما سگ اوئیم او سگ یار است

لہ

محرماں کیا کہوں میں اپنے نوشتے کی بدی　　بخت نے آہ میری بات تنک کنے ندی

لہ

دل کہ طومار وفا بود من محزوں را　　پارہ کردند ندانستہ بتاں مضموں را

لہ

کتے نہیں خلوت میں تو بار دے عالم کو　　یا آئینہ ساں ہوتے دیدار تیرا ہم کو[1]

لہ

تاچند نہاں باشی جاناں نفسے بنما　　دیوانہ شدن تنہا خود را بکسے بنما[2]

---

[1] نسخۂ آسی : مصرع　　یا آئینہ سا ہوسے دیدار تیرا ہم کو

[2] نسخۂ کلکتہ : مصرع　　دیوانہ شدے تنہا خود را بکسے بنما

نسخۂ کلکتہ میں حسب ذیل شعر "تضمین مطلع خود با مطلع استاد" کے تحت زائد ہیں : س

اکنوں کہ تنہا دیدمت لطف ار نہ آزارے بکن　　تلخ بگو سنگے بزن تیغے بکش کارے بکن

چمن میں دہر کے ہنستا نہ رہ برنگ گل　　کہ صبح شاخ پہ یہ بیت پڑھتی تھی بلبل

نہ لاگے وہم جس جا کچھ وہاں ہوتا در اندازی　　ہدف ہونا خدنگ جور کا تیرے نہیں بازی

ز شست صاف اے ابرو کماں از بس خطر دارم　　تو مے بینی بسوئے تیر من فکر دگر دارم

مثلث بطورِ نو

ٹک یہ بھی رکھو سن تم اے ارباب تعلق　　اوقات خوش آں بود کز اسباب تعلق
آزردہ دلے داشتم آنہم دگرے داشت

آہ مت پوچھ عاشق و معشوق کا راز و نیاز[1]　　ناقہ را میر اند لیلیٰ سوئے خلوت گاہ ناز
ساربان دررہ حدی می خواند و مجنوں میگریست

مرہی جاؤں کسو گلشن میں جو میں غم سے بھرا　　تخلبندی بگلے کن سر تابوت مرا
کہ بدوراں تو از گلشن عالم چیدم

کل تک تو فریبندہ ملاقات تھی پہلی　　امروز یقیں شد کہ نداری سر اہلی
بے چارہ ز لطفِ تو بدل داشت گمانہا

اے وفائے گل کے عاشق سب ہیں یہ راز فاش　　جوں صبا بیہودہ سرگرداں ایں گلشن مباش
من چہ گل چیدم کہ عمرے باغبانی کردہ ام

میر اس وادی سے بیدردانہ گزرا تو بذوق　　گردلت می داشت شورے چوں جرس در راہ شوق
ہر کف خاکی کہ طے میگشت جاتے نالہ بود

باب ذلت رہوں کہاں تک میر　　بجا سر نہم کہ چوں زنجیر
ہر درے حلقۂ در دگر است

نالہ بلبل غنچہ غم شمشاد آہ دلفگار　　باغباں جاروب و گل خمیازۂ من انتظار
ہر کسے چیزے زیادت در گلستاں مے کشد

آئی تھی ملاقات کی رات اس کے پہ کیا سود[2]　　تا چشم کنم باز شب وصل سحر بود[3]
عمری گزراں بر سر انصاف نیامد

---

[1] نسخۂ آسی ص ۶۸۸ ؛ ج　　کیا کہوں میں عاشق و معشوق کا راز و نیاز

[2] نسخۂ آسی ؛ ج　　آئی تھی ملاقات کی راہ اس کے ٹلے سود

[3] نسخۂ آسی ؛ ج　　تا چشم کنم بار شب وصل سحر سود

جہاں سے اے کہ تمنا تجھ کو مجھ سے سن　　　یکے بگور عزیزانِ شہر سیرے کن[1]
بہ بیں کہ نقشِ الماچہ باطل افتاد است[2]

اگرچہ اب دم آخر ہے لیکن اے غمخوار　　　بہ ہجر زندہ ام آئینہ بہ پیش من مگزار
جدا ز یار بجز روبرو شدن ستم است

ہے بھی جو کوئی یاں سو نہیں کہ ہے وہ مانند　　　نیک و بد عالم ہمہ عنقا صفتا نند
یعنی خبر از ہر کہ گرفتم خبرے بود

قطعہ[3]

ایک جو خوجے سے ملا ایک حکیم　　　دونوں وے آپس میں ہوتے ہم کلام
خوجے نے یوں اس سے کہا تجھ سے ہے　　　مرشے حکیموں کا ہوا زندہ نام
کتنے دنوں سے ہے مجھے درد سر　　　اس کی میں پاپائی ہیں ہوں صبح و شام
نیند نہیں رات کو نہ دن کو چین　　　خواب و خورش مجھ پہ ہوئی ہے حرام
تیری توجہ ہے ضروری ایدھر　　　کیونکہ یہ ناکام کا آتا ہے کام[4]
کہنے لگا سن کے وہ حاذق طبیب　　　مجھ کو یہی کام رہے ہے مدام
تیرے تملق کی نہیں احتیاج　　　اور نہ دے درد سر اے تلخ کام
نسخہ میں پا شوتے لکھ دوں تجھے　　　کر تو اسے جاوے اذیت تمام[5]
سن کے عجب کر کے کہا خوجی نے[6]　　　پختہ تجھے جانا تھا نکلا تو خام

---

۱ نسخۂ آسی: ع　　　یکے بگور غریبان شہر سیرے کن
۲ نسخۂ آسی: ع　　　بہ بین کہ نقش بلاہا چہ باطل افتادہ است
۳ نسخۂ کلکتہ میں ص ۸۸۳ پر "قطعہ در ہجو خواجہ سرائے" کے عنوان کے تحت یہ شعر درج ہیں۔
۴ نسخۂ کلکتہ: سہ　　　تیری توجہ ہے ضروری ایدھر
کیونکہ یہ ناکام کا ہے آتا کام
۵ نسخۂ کلکتہ ص ۸۸۴: ع　　　کر تو اسے جا کے اذیت تمام
۶ نسخۂ کلکتہ: ع
سن کے تعجب سے کہا خوجے نے

کچھ بھی ہے سرپا نو تیری بات کا　　چپ نہ ہیں سن کے کہیں خاص و عام[۱]
سن کے بر آشفتہ ہو بولا حکیم　　ہوتا نہیں خوجوں میں ہوش ایک دام[۲]
نقل ہے ایک یاد چنانچہ مجھے　　رات کو خوجے کو ہوا احتلام
آلت جنبش تو منی کی نہ تھی　　بہہ کے گئی اس کی دُبر کو تمام[۳]
اس کو لیا زعم نے کوئی گند مرا[۴]　　دے گیا تکلیف ہی یہ لا کلام
صبح کو اٹھ قلیچی گھڑی گھر میں کی　　کیا کہوں میں کیسی ہوئی دھوم دھام
ٹھہرے امین آ کے کئی معتبر　　ایک حویلی میں ہوا اژدھام[۵]
باس تلک ٹوٹ چکے نفروں پر　　پوچھ چکے لوگوں کا لے لے کے نام
نسبت پا سرے ہے کیا پوچھ مت　　اپنی طرف دیکھ ٹک اے تیرہ فام
خوجے کے اپنے ہی سے کر لے قیاس　　ریش کجا خایہ کجا اے غلام[۶]

سمجھے نہ سمجھے تو میرے خایہ سے
میں تو نظیر اس کی کہی السلام[۷]

---

۱ نسخۂ کلکتہ ص ۹۰۸ میں اس شعر کے بعد ذیل کا شعر زاید ہے: ؎

پاؤں کہاں سر کہاں ناداں کہ ہیں
تجھ سے تو دانا براتب عوام

۲ نسخۂ کلکتہ ص ۹۰۸: ؎
سخت تر آشفتہ ہو بولا طبیب
خوجوں میں ہوتا نہیں ہوش ایک دام

۳ نسخۂ آسی ص ۸۰۷: ع
بہہ کے گئی اس کی دُبر پہ تمام

۴ نسخۂ آسی: ع
اس کو کہا زعم نے لوطی کیا

۵ نسخۂ آسی: ع
ایک حویلی میں ہوا اژدھام

نسخۂ ندوہ: ؎
ایک حویلی میں ہوا اژدھام
پوچھ چکے لوگوں کا لے کے نام

۶ نسخۂ آسی: ع
ریش کجا کب اے غلام

۷ نسخۂ آسی: ؎
سمجھے نہ سمجھے مرے خایہ سے
میں تو نظیر اس کی کہی والسلام

خاتمہ کتاب

حق تعالیٰ حسن اخلاق و مروت و وسعت جود و سخاوت و مرتبہ علم و اقبال و رتبہ فضل و کمال بذات ستودہ صفات لالہ بھوانی پرشاد صاحب کرامت فرمودہ و نظر ہمتش در فیض رسانی ہر کس و قدر دانی مردم اہل ہنر و غریب نوازی خاکسارانِ جہان بغایت معروف است۔ فقیر حقیر ہیچمداں موتی لعل نیز در زمرۂ خیر اندیشانش جا یافتہ۔ بموجب فرمایش آں والا منش کتاب دیوان بزبان ہندی تصنیف میر تقی صاحب در عہد وزارت نواب فلک اقتدار سکندر منش جم جاہ حاتم عصر نواب آصف الدولہ بہادر دام اقبالہٗ بخط خود بتاریخ بیست و یکم شہر جمادی الاول سن یک ہزار و دو صد و سہ ۱۲۰۳ ہجری باتمام رسانیدہ۔

میر نمبر

میر پر جتنے اہم مضامین چھپے ہیں

اُن کا

اِنتخاب دوسری جلد میں پیش کیا جا رہا ہے

علاوہ ایں

نئے موضوعات پر نئے مضامین لکھوائے

جا رہے ہیں

ادارۂ "نقوش" لاہور

انتخاب

غزلیاتِ

میر

ادارۂ نقوش
لاہور

تذکرے سب کے پھر رہیں گے دھرے
جب میرا انتخاب نکلے گا
(غیر مطبوعہ)

ایک یاد

ہمارے ایک دوست تھے حبیب اشعر دہلوی، جو حکیم اجمل خان کے خاندان سے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے طبیب تھے۔ اصلاً ادیب تھے۔

وہی حبیب اشعر جو عربی زبان کے عالم تھے جنہوں نے عربی کی متعدد کتابوں کے تراجم کئے اور اس شان سے کئے کہ گمان اصل کا ہوا۔

جب میں نے سنہ ۱۹۵۴ء میں غزل نمبر پیش کرنے کی ٹھانی تو کچھ کام دوستوں کے بھی سپرد کئے (جن کا ذکر میں نے غزل نمبر میں کیا بھی تھا) چنانچہ ہم نے دواوین پر دواوین پڑھنے شروع کئے۔

میں نے جن دواوین کو پڑھا تھا۔ اُن میں میں نے، اپنی ضرورت کی پوری پوری غزلوں کے علاوہ اپنی پسند کے اشعار پر بھی پنسل سے نشانات لگائے تھے۔ غیر ارادی طور پر بغیر کسی منصوبے کے اُن میں سے کچھ دواوین حبیب اشعر صاحب سے حاصل کئے تھے۔

جب میں نے وہ دواوین حبیب اشعر صاحب کو واپس کئے تو حبیب صاحب دواوین پر لگے نشانات کو دیکھ کر سٹپٹائے۔ وہ ڈرک انداز میں کہا "اگر آپ نے آئندہ بھی ایسا کیا تو آپ کو میرے ہاں سے کوئی کتاب نہ ملے گی"۔

اس واقعہ کے کوئی دو برس بعد حبیب اشعر صاحب تشریف لائے۔ اُن کے ہاتھ میں چند کتابیں تھیں۔ کہنے لگے "انھیں پڑھیں اور اپنے پسندیدہ اشعار پر نشانات لگائیں"۔

میں نے استفسار کیا "آخر کیوں؟"

کہنے لگے "ایک ضرورت ہے"۔

وہ ضرورت، ہماری مشترکہ کوششوں کی صورت میں آج آپ کے سامنے ہے۔ منصوبہ کچھ تھا۔ اظہار کچھ اور انداز میں ہو رہا ہے۔

محمد طفیل

انتخاب

غزلیاتِ میرؔ

پیش لفظ

میر ہماری زبان کے "خدائے سخن" ہیں اور سخن کی یہ خدائی ——— جسے میں لازوال اقتدار کے معنی میں استعمال کر رہا ہوں ——— اُن کی شخصیت اور فن کے ایک عجیب امتزاج نے انھیں بخشی ہے۔ شخصیت وراثت، ماحول، تعلیم و تربیت اور تجربات سے اُبھرتی اور فن شخصیت کے پرتو سے نکھرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں جتنے عظیم فن کار آج تک گزرے ہیں، اُن میں زمان و مکاں اور مزاج و مذاق کے بیّن اختلاف کے باوجود شخصیت اور فن کی ہم آہنگی یکساں طور پر پائی جاتی ہے۔

جو میر کی فکر میں ایک سادگی اور گہرائی ان کے بیان میں ایک کسک اور انیلاپن ہے، اُس کی سوتیں ان کی شخصیت ہی کے سرچشمے سے پھوٹی ہیں اور اُسی نے اُن کے شعر کو وہ دلکش اور انوکھا اسلوب دیا ہے جو رہتی دنیا تک آنکھوں سے آنسوؤں اور دلوں سے ہوکوں کے خراج وصول کرتا رہے گا۔ خود میر نے بھی اسلوب ہی کو اپنی شاعری کا سرمایۂ کمال قرار دیا ہے،

میر شاعر بھی زور کوئی تھا
دیکھتے ہو نا بات کا اسلوب

زیرِ نظر انتخاب میں آپ کو ایسے اشعار بہ کثرت نظر آئیں گے، جن کے خیالات و مضامین تقریباً وہی ہیں، جو ہماری شاعری میں عامۃ الورود ہیں۔ لیکن یہ صرف میر کے اسلوب کی سحر کاری ہے جس نے ان میں زندگی کی رعنائی اور دوام کی توانائی پیدا کر دی ہے۔

غالب گمان ہے کہ منتخب اشعار کے اس مجموعے میں ایسے نقوش آپ کو جگہ جگہ ملیں گے، جو میر کی شخصیت کی ترجمانی اور ان کے فن کی نمائندگی بہ وجہِ احسن کرتے ہیں۔

مقدمہ

احساسِ کم تری کی بات اور ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا شعری ادب دنیا کی کسی ترقی یافتہ زبان کے شعری ادب سے ہیٹا نہیں ہے۔ پھر اس کے ساتھ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا یہ سرمایہ، صرف تین سو برس کی کمائی ہے، جو لسانیات کی تاریخ میں بہت ہی مختصر مدت ہے، تو اپنی زبان اور اس کے بنانے سنوارنے والوں کی عظمت کا احساس ہمارے دلوں میں دہ چند ہو جاتا ہے۔

جن بزرگوں نے اُردو کی نوک پلک نکالی ہے، عام بول چال کی زبان کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ وُہ ہر علم اور ہر فن کے جواہر ریزے اپنے اندر جذب کر سکے، اُن میں میرزا مظہر جانِ جاناں، شاہ حاتم، خواجہ میر درد، میر تقی میر، میرزا محمد رفیع سودا، میر غلام حسن حسن، سید انشاء اللہ خاں انشا، میرزا اسد اللہ خاں غالب، حکیم مومن خاں مومن، شیخ محمد ابراہیم ذوق، محمد سراج الدین بہادر شاہ ظفر، شیخ امام بخش ناسخ، خواجہ حیدر علی آتش، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، میر ببر علی انیس، منشی امیر احمد امیر مینائی، خواجہ الطاف حسین حالی اور نواب مرزا خاں داغ کے اسمائے گرامی تاریخ ادب میں نُمایاں تر ہیں۔ ان حضرات نے واقعی معنیٰ میں زبان کے چمن کو اپنے خونِ جگر سے سینچا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ان بزرگوں کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا رہا ہے اور ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔

اردو زبان کے جن معماروں کی فہرست اوپر پیش کی گئی ہے ان میں سرِ فہرست میر تقی میر کا نام ہے۔ اس لیے نہیں کہ زبان کی تشکیل و ترقی کے سلسلے میں ان کی خدمات اپنے ہم بزموں سے زیادہ ہیں۔ اس خصوص میں میرزا مظہر جانِ جاناں، شاہ حاتم، ناسخ، ذوق اور داغ کا نام لیا جا سکتا ہے، بلکہ اس لیے کہ اُنھوں نے اپنے شعر کے لیے جو لہجہ اور جو اسلوب اختیار کیا، اُس نے اُنھیں دنیا کے بڑے بڑے فن کاروں کی صفِ اوّل میں شامل کر دیا۔ اور اس طرح اُن کی تخلیقات اردو شاعری کی آبرو قرار پا گئیں۔

میر کی شخصیت اور اُن کے فن پر، مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر، اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ ان کے متعلق کوئی نئی بات کہنی بہت دشوار ہے۔ سوائے اس کے کہ چبائے ہوئے نوالے چبائے جائیں اور جو کچھ سوچ بچار مختلف ناقدینِ ادب نے اب تک میر پر کیا ہے، اس کے نتائج، الفاظ بدل کر اپنے اسلوب میں پیش کر دیے جائیں۔ اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ میر کے حالاتِ زندگی کا ایک نظری جائزہ لے کر اُن کے فن سے متعلق بعض ایسے اشارے کر دیے جائیں، جن کی روشنی میں اس انتخاب کا مطالعہ زیادہ مفید اور قریب الفہم ہو جائے کہ اردو غزل کے اس سلسلۂ انتخاب کے مقدمات کا مقصد اس سے زیادہ کچھ ہے بھی نہیں۔

میر صاحب کے آباو اجداد، جیسا کہ میر صاحب نے اپنی خود نوشت سوانح "ذکرِ میر" میں صراحت کی ہے۔ حجاز سے ترکِ وطن کر کے، اپنے قبیلے کے ساتھ ہندوستان آئے، اور سرحدِ دکن سے ہوتے ہوئے احمد آباد (گجرات) پہنچے۔ لیکن

میر صاحب کے جدِ کلاں نے اکبر آباد — آگرہ — کو اپنا وطن بنایا۔ اور یہیں ۱۱۳۵ھ میں میر صاحب پیدا ہوئے۔

میر صاحب نے ایک ایسے باپ کی آغوشِ شفقت میں آنکھ کھولی جس کی زندگی عشق و تصوف، درویشی و نیکوکاری اور توکل و استغنا کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ "ذکرِ میر" میں میر صاحب اپنے والد کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

"..... طبعش مشکل پسند، جانش دردمند، مژگاں نم، حال درہم!"

شفیق باپ نے اپنے چہیتے بیٹے کو جو تلقین کی، وہ بھی میر صاحب ہی کی زبان سے ہم تک پہنچی ہے کہ

"بیٹا! عشق اختیار کر کہ عشق ہی کا اس کارخانے پر تسلط ہے۔ اگر عشق نہ ہوتا تو یہ تمام نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بے عشق کے زندگی وبال ہے اور عشق میں دل کھونا اصلِ کمال ہے عشق بر سازد و عشق بر سوزد۔ عالم میں جو کچھ ہے، وہ عشق ہی کا ظہور ہے...... بیٹا! زمانہ سیّال ہے یعنی بہت کم فرصت۔ اپنی تربیت سے غافل نہ ہو۔ اس رستے میں بہت نشیب و فراز ہے۔ دیکھ کر چلو..... ایسے پھول کا بلبل بنو، جو سدا بہار ہو...... فرصت کو غنیمت سمجھو اور اپنے تئیں پہچاننے کی کوشش کرو۔"

یہ تلقین ایک آئینہ ہے، جس میں میر صاحب کے والد، میر علی متقی کی سیرت کے خطوط اور اس ماحول کے اثرات نمایاں طور پر نظر آتے ہیں، جس میں میر صاحب نے ہوش سنبھالا اور جسے بنیاد بنا کر میر صاحب نے اپنی شخصیت اور فن کو انفرادیت و مزیت کے سانچے میں ڈھال لیا۔

میر صاحب ابھی لڑکپن ہی کی منزل میں تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور کارکنانِ قضا و قدر کی طرف سے یتیمی کا وہ داغ میر صاحب کو نصیب کیا گیا، جسے مصائب و شدائد کی پیہم اور مسلسل رگڑ نے سپہرِ کمال کا آفتاب بنا کر چمکا دی ہے۔

غربت و بے چارگی کا حملہ ایک گیارہ سال کے لڑکے سے بھلا کیسے برداشت ہو سکتا تھا۔ میر صاحب گھبرا کر اپنے وطن — اکبر آباد — سے نکلے اور دِلّی کا رُخ کیا، جو نہ صرف یہ کہ اہلِ دولت و کمال کا مرجع تھی، بلکہ وہاں علم و ہنر کے سِکّے بھی ڈھالے جاتے تھے اور کمال دوست امراء کی قدر دانیاں بے چاروں اور درماندوں کی دستگیری بھی کرتی تھیں۔ چنانچہ میر علی متقی کے ایک صاحبِ ثروت ارادت مند، نواب صمصام الدولہ امیر الامراء نے اپنے مُرشد کے اس لختِ جگر کا ایک روپیہ روزانہ اپنی سرکار سے، مقرر کر دیا اور اس یتیم بچے کو بھوک اور افلاس کے عفریت کے ہلاکت خیز چنگل سے بچا لیا۔ لیکن میر صاحب کو آگے چل کر کمال و ہنر کے جس مرتبۂ عالی پر فائز ہونا تھا، اس کی راہ راحت و آرام کے گہواروں سے نہیں، مصائب و آلام کی گھاٹیوں سے ہو کر گزرتی ہے۔ نواب صمصام الدولہ نے اپنے مرشد زادے کی جو قدر افزائی کی وہ اُن کی شرافت و نجابت اور اخلاق و مروّت کا نشان سہی، لیکن اس یتیم بچے کے لیے مفید و مطلوب نہ تھی، جس کی فطرت اپنے کمال کی نمود اور اپنے جوہر کے نکھار کے لیے فلاکت و نکبت کی آنچ سہنا چاہتی تھی۔ چنانچہ نواب موصوف ۱۱۵۱ھ کے نادر شاہی حملے میں مارے گئے اور وہ روزینہ بند ہو گیا، جو میر صاحب کی فراغت کا واحد ذریعہ تھا۔ اب انھیں دوبارہ دِلّی آنا پڑا۔ اس وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ دِلّی میں میر صاحب نے سراج الدین علی خاں آرزو کے ہاں قیام کیا، جو رشتے میں اُن کے سوتیلے ماموں تھے۔ اور دِلّی کے بعض صاحبوں سے

چند کتابیں پڑھیں۔ میر صاحب کو خان آرزو کے ہاں رہتے کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ان کے سوتیلے بھائی نے جو خان آرزو کے حقیقی بھانجے تھے، ماموں کو ایک خط کے ذریعے ان کے خلاف بھڑکا دیا اور خان آرزو نے بقول میر صاحب کے ان پر ظلم و ستم کے ایسے ایسے پہاڑ توڑے کہ ان کی تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ غرض خان آرزو کی اس بدسلوکی سے میر صاحب کو اس قدر رنج پہنچا، اور اتنی تکلیف ہُوئی کہ وُہ دروازہ بند کیے پڑے رہتے تھے اور اس رنج و غم میں اُن کی حالت جنُوں کی سی ہو گئی تھی۔

میر صاحب نے زمانہ تعلیم ہی میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ان کا اپنا بیان ہے کہ

"میر جعفر نامی ایک صاحب سے اتفاقاً ملاقات ہو گئی اور اُنھوں نے بڑی عنایت اور دل سوزی سے مجھے پڑھانا شروع کیا۔ اچانک ایک روز اُن کے وطن، عظیم آباد سے خط آیا اور وُہ اُدھر چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد سعادت علی سے جو امروہے کے سید تھے، ملاقات ہو گئی۔ انھوں نے مجھے ریختے میں شعر موزوں کرنے کی ترغیب دی۔ میں نے جان توڑ کے محنت کی اور ایسی مشق بہم پہنچائی کہ میں شہر کے موزوں گویوں میں مستند سمجھا جانے لگا اور میرے شعر سارے شہر میں مشہور ہو گئے اور چھوٹے بڑے سب شوق سے پڑھتے تھے۔"

کتنے خوش نصیب تھے امروہے کے سعادت علی، کہ میر صاحب کو ریختہ گوئی کی ترغیب دینے کی سعادت اُنھیں ملی اور کتنا مبارک تھا وہ لمحہ، جس میں سعادت علی کی ترغیب سے متاثر ہو کر میر صاحب نے ریختہ گوئی اختیار کی اور اپنی ذہنی کاوشوں اور جگر پاشیوں سے اُس میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ ساری دنیا اُس کے آوازے سے گونج اُٹھی:

اگرچہ گوشہ نشیں ہُوں میں شاعروں میں میر
پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

میر صاحب جب تک دلّی میں رہے، سرگشتہ و پریشان ہی رہے۔ اگرچہ اُمراد کی طرف سے ناقدردانی کی شکایت اُنھیں کبھی نہیں ہُوئی، تاہم اُن کے دَور میں دلّی جس سیاسی زوال کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھی، اُس نے خود اُمراد و رؤسا کے اوسان گُم کر رکھے تھے جاگیردارانہ نظام میں ایک فن کار کی آسُودگی و فراغت کا انحصار اس پر تھا کہ وہ کسی رئیس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو اور رئیس کو بزم آرائیوں کی فرصت اُسی وقت میسّر آتی تھی، جب گردِ و پیش کی فضا پُرسکون اور ریاست داخلی بے چینیوں سے پاک ہو۔ میر صاحب کے زمانے میں یہ دونوں باتیں ناپید تھیں۔ ملک کی سیاسی فضا پر نحوست کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور افلاس و بے کاری نے مجبور و بے کس رعایا کی کمر توڑ رکھی تھی۔ ان حالات میں میر صاحب کا مختلف رئیسوں کی سرکار سے یکے بعد دیگرے متوسل رہنا بالکل فطری تھا۔ چنانچہ اوّل اوّل میر صاحب نے کچھ دن رعایت خاں کی رفاقت و مصاحبت میں بسر کیے۔ رعایت خاں، عظیم اللہ خاں کے بیٹے اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کے نواسے تھے۔ اس کے بعد اُن کا تعلق نواب بہادر کی سرکار سے ہو گیا۔ یہ محمد شاہ رنگیلے کا خواجہ سرا تھا اور بادشاہ کی وفات کے بعد جب احمد شاہ تخت نشین ہوا تو سلطنت کے کاروبار میں اس کا دخل و اثر بہت بڑھ گیا۔ نواب بہادر کے قتل کر دیے جانے کے بعد میر صاحب پھر بے سہارا ہو گئے۔ انجام کار دیوان مہانرائن نے انھیں بڑے اشتیاق سے بُلا بھیجا۔ لیکن زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ دیوان صاحب بھی گردشِ روزگار کی زد میں آ گئے اور

میر صاحب کو مجبوراً اپنے گھر بیٹھنا پڑا۔

راجہ جگل کشور، محمد شاہ رنگیلے کے عہدِ حکومت میں بنگالہ کے دیوان تھے۔ میر صاحب کو خانہ نشین ہوئے ابھی دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ اُنھوں نے قدر دانی کا ہاتھ بڑھایا اور میر صاحب کو گھر سے اٹھا کر لے گئے اور اُن کے ساتھ بڑے لطف و مرحمت سے پیش آتے رہے۔ جب زمانے نے ان سے بھی آنکھیں بدلیں، تو اُنھوں نے میر صاحب کی تقریب راجہ ناگر مل سے کرا دی، جو اُس وقت نائب وزیر اور عمدۃ الملک اور مہاراجا کے خطاب سے ممتاز تھے۔ میر صاحب اس سرکار سے مدتوں وابستہ رہے۔ لیکن راجہ کے ایک اہانت آمیز طرزِ عمل سے بد دل ہو کر اس سے علاحدگی اختیار کر لی اور دلّی میں خانہ نشین ہو گئے۔

اس خانہ نشینی کے زمانے میں بادشاہ کی طرف سے انھیں اکثر طلب کیا گیا، لیکن اُنھوں نے ہمیشہ معذرت پیش کر دی۔ ابو القاسم خاں پسر ابو البرکات خاں صوبہ دار کشمیر اور عبد الاحد خاں کا (جو اس وقت بادشاہ کی ناک کا بال تھا) بھائی میر صاحب کے ساتھ سلوک کرتا رہتا تھا۔ میر صاحب بھی گاہے ماہے اس کی ملاقات کو چلے جاتے تھے اور بادشاہ بھی کبھی کبھی انھیں کچھ بھیج دیتے تھے۔

آخر کار جب دِلّی آئے دن کی شورشوں اور بیرونی حملوں سے بالکل بے جان ہو گئی، تو میر صاحب کے پائے استقامت میں بھی لغزش آ گئی اور وہ ۱۱۹۰ھ میں نواب آصف الدولہ کی دعوت پر دلّی چھوڑ کر لکھنؤ جا بسے۔

"ذکرِ میر" میں میر صاحب نے اپنے لکھنؤ جانے کا پورا حال لکھا ہے، جسے ہم مولوی عبد الحق صاحب کی وساطت سے یہاں نقل کرتے ہیں:

"فقیر خانہ نشین تھا اور چاہتا تھا کہ شہر سے نکل جائے لیکن بے سامانی کی وجہ سے معذور تھا۔ میری عزت و آبرو کی حفاظت کے لیے نواب وزیر الممالک آصف الدولہ بہادر آصف الملک کے دل میں خیال آیا کہ میر میرے پاس چلا آئے، تو اچھا ہو۔ میری طلبی کے لیے نواب سالار جنگ پسر اسحٰق خاں موتمن الدولہ اور نواب اسحٰق خاں کے چھوٹے بھائی نجم الدولہ نے، جو وزیر اعظم کے خالو ہوتے تھے اُن قدیم تعلقات کی وجہ سے جو میرے ماموں سے تھے، کہا کہ اگر نواب صاحب از راہِ عنایت کچھ زادِ راہ عنایت فرمائیں تو البتہ میر صاحب آ سکتے ہیں۔ نواب صاحب نے اجازت دی اور انھوں نے سرکار سے زادِ راہ لے کر مجھے خط لکھا کہ نواب والا جناب آپ کو یاد فرماتے ہیں، جس طرح ہو سکے آپ یہاں آ جائیے۔ میں پہلے ہی سے دل برداشتہ بیٹھا تھا، خط کے آتے ہی لکھنؤ روانہ ہو گیا۔ چوں کہ خدا کا یہی منشا تھا میں بے یار و مددگار، بغیر قافلے اور رہبر کے فرخ آباد کے رستے سے گزرا۔ وہاں کے رئیس مظفر جنگ تھے۔ اُنھوں نے ہر چند چاہا کہ کچھ روز وہاں ٹھہر جاؤں۔ مگر میرے دل نے قبول نہ کیا، دو ایک روز کے بعد روانہ ہو کر منزلِ مقصود پر پہنچ گیا۔ اوّل سالار جنگ کے ہاں گیا، خدا انھیں سلامت رکھے، بڑی عزت و توقیر سے پیش آئے اور جو کچھ مناسب تھا، بندگانِ عالی کی جناب میں کہلا کے بھیجا۔ چار پانچ روز بعد اتفاقاً نواب عالی جناب مُرغوں کی لڑائی کے لیے تشریف

لائے، میں بھی وہاں تھا، ملازمت حاصل کی۔ محض فراست سے دریافت فرمایا کہ میر تقی ہو؟ اور نہایت لطف و عنایت سے بغل گیر ہوئے اور اپنے ساتھ نشست کے مقام پر لے گئے۔ اپنے شعر مجھے مخاطب کر کے سنائے۔ سبحان اللہ! "کلامُ الملوکِ ملوکُ الکلام" اس کے بعد فرطِ مہربانی سے مجھ سے فرمائش کی۔ اس روز میں نے اپنی غزل کے صرف چند شعر عرض کیے۔ رخصت کے وقت نواب سالار جنگ نے کہا کہ اب میر صاحب حسب الطلب حاضر ہو گئے ہیں، بندگانِ عالی مختار ہیں اُنھیں کوئی جگہ عنایت فرما دی جائے۔ جب مرضیِ مبارک ہو، یاد فرمائیں۔ فرمایا کہ میں کچھ مقرر کر کے آپ کو اطلاع کر دُوں گا۔ دو تین روز بعد یاد فرمایا، حاضر ہُوا اور جو قصیدہ میں نے مدح میں کہا تھا، پڑھا، سماعت فرمایا اور کمالِ لطف کے ساتھ اپنے ملازموں کے سلسلہ میں داخل فرمایا اور ہمیشہ میرے حال پر عنایت و مہربانی فرماتے رہے۔"

میر صاحب کا لکھنؤ پہنچنا تھا کہ وہاں کی ادبی اور مجلسی زندگی میں جان سی پڑ گئی۔ لوگوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اُن کے دم قدم سے مشاعروں کی رونق دوبالا ہو گئی۔ محفلیں شعر و سخن کے ہنگاموں سے گونجنے لگیں۔ گلی گلی، کُوچے کُوچے شاعری کے چرچے ہونے لگے۔ لوگ دُور دُور سے اس خدائے سخن کی زیارت کو آتے اور غزلیں نقل کر کر کے سوغات کے طور پر لے جاتے۔ غرض لکھنؤ میں میر صاحب کی شاعری نے وہ عزت و شہرت پائی کہ اس کی گونج رہتی دنیا تک سنائی دیتی رہے گی۔

میر صاحب نے ۱۲۲۵ھ میں انتقال کیا۔ جمعہ کا دن تھا اور شام کا وقت، جب ۱۲ شعبان المعظم کو اردو شاعری کا یہ آفتاب لکھنؤ میں غروب ہوا اور وفات کے دُوسرے دن، دوپہر کے وقت، لکھنؤ کے مشہور قبرستان "بھیم کے اکھاڑے" میں اُسے اَن تُلے بوجھ میں دبا دیا گیا۔

میر صاحب کی زندگی کے حالات آپ نے پڑھ لیے اور وہ پس منظر آپ کی نگاہوں کے سامنے آ گیا، جس سے اُن کا کمال اُبھرا تھا۔ وہ ایک خانوادۂ سلوک و تصوف کے چشم و چراغ تھے، جسے نسلی شرافت اور خاندانی نجابت نے اور بھی معزز و محترم بنا دیا تھا۔ اُن کے والد ایک صاحب باطن بزرگ تھے۔ اُن کی تربیت سید امان اللہؒ کی نگرانی میں ہوئی تھی جو اُن کے والد کے نہایت عزیز مرید تھے اور جنھیں میر صاحب اپنی کتاب میں ہر جگہ "عمِّ بزرگوار" لکھتے ہیں۔ ابھی ان کے بچپن نے لڑکپن کی سرحد میں قدم رکھا ہی تھا کہ عم بزرگوار اور باپ دونوں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جان چھڑکنے والے باپ اور شفیق سرپرست کی جدائی، اس پر نوعُمری۔ دِلّی میں سوتیلے ماموں ——— خان آرزو ——— کا سہارا تلاش کیا۔ لیکن سوتیلے بھائی کی مہربانی سے یہ سہارا بھی کانٹوں کی سیج بن گیا۔ ان تمام حالات کا جو ناگوار اثر میر صاحب کی طبیعت پر پڑا، "ذکرِ میر" کے مطالعہ سے اس کا پورا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے۔ ذاتی زندگی کی شدت آفرینیوں کے ساتھ ساتھ خارجی فضا کی ہنگامہ خیزیاں بھی روز بروز بڑھ رہی تھیں۔ ملک بے چین۔ قوم تباہ حال، بادشاہی رو بہ زوال، اُمرا اُئے دن کی شورشوں اور ہنگاموں سے پریشان، اہلِ کمال مفلسی و کس مپرسی کے ہاتھوں سرگرداں۔ اس فضا میں میر صاحب غم و افسردگی کے سوا، زمانے سے اور کیا حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن یہ

میر صاحب کی فطرت کی بلندی تھی کہ پیہم ناسازگاریوں اور مسلسل شکست خوردگیوں کے بعد اُنھوں نے زندگی سے فرار اختیار نہیں کیا۔ اور دُنیا سے بغاوت کا وہ جذبہ اُن کے دل میں پیدا نہیں ہوا، جو برگشتہ بختی کے لگاتار حملوں سے ناپختہ ذہانتوں میں بھڑک اُٹھتا ہے۔

انسان کی بے وفائیوں اور طوطا چشمیوں کے چرکے کھاکر بھی انسان سے محبت کیے جانا، انسانی سیرت کا منتہائے کمال ہے جس تک انسان تزکیۂ قلب اور صفائے باطن کے رستے پہنچتا ہے۔ میر صاحب کی خوش قسمتی تھی کہ اُنھیں میر علی متقی جیسا باپ اور سید امان اللہ جیسا اتالیق مل گیا۔ یہ دونوں بزرگ راہِ سلوک و تصوف کے رہرو تھے اور بلاشبہ یہ انہی دونوں کی تربیت و صحبت کا نتیجہ تھا کہ میر صاحب نے رنج و غم کی چوٹیں سہہ سہہ کر اپنی شخصیت کی تکمیل کی اور اس شخصیت نے ایک ایسے فن کو جنم دیا، جس کی جوت، انسانی جذبات و احساسات کو ہمیشہ تابناکی بخشتی رہے گی۔

اس صُوفیانہ ماحول اور اس ذہنی تربیت کے علاوہ، جو بچپن میں میر صاحب کو حاصل ہُوئی، اُن کا وہ فطری گداز بھی اُن کے فن کی ترقی اور نکھار میں کارفرما رہا، جو اُن کے عشق پرست ضمیر میں شامل تھا۔ وہ طبعاً محبت پیشہ تھے اور ان کا دل خلقی طور پر درد و سوز کا گہوارہ۔ اس کا ثبوت "ذکر میر" کی یہ چند سطریں پیش کرتی ہیں:

"در شب ماہ پیکرے خوش صورت باکمال خوبی از جرم قمر انداز طرف من می کرد و موجب بے خودی می شد۔ بہ ہر طرف کہ چشم می افتاد، بر آں رشک پری می افتاد، بہ ہر جا کہ نگاہ می کردم تماشائے آں غیرت حور می کردم۔ در و بام و صحنِ خانۂ من ورق تصویر شدہ بود یعنی از حیرت افزائی از شش جہت رُو می نمود۔ گاہے چوں ماہِ چہاردہ مقابل۔ گاہے سیر گاہ او منزلِ دل اگر نظر بر گلِ مہتاب می افتاد، آتش در جانِ بے تاب می افتاد، ہر شب بہ او صحبت، ہر صبح بے او وحشت، دمے کہ سفیدۂ صبح می دمید، از دلِ گرم آہِ سرد می کشید یعنی آہ می کرد و انداز ماہ می کرد۔ تمام روز جنوں می کردم، و دل دریادِ اُو خون می کردم۔ کف بر لب چوں دیوانہ مست، پارہ ہائے سنگ در دست، من اُفتاں و خیزاں، مردم از من گریزاں۔ تا چار ماہ آں گل شب افروز رنگِ تازہ می ریخت و از فتنہ خرامی ہا قیامت می انگیخت۔ ناگاہ موسمِ گل رسید، داغ سودا سیاہ گردید، یعنی چوں پری دار شدم، مطلق از کار شدم، صورت آں شکل وہمیں در نظر، خیالِ شکیلش در سر، شائستہ کنارہ گیر شدم زندانی و زنجیری شدم۔"

محبوب کا یہ خیالی پیکر میر صاحب کے تصور نے تراشا تھا۔ اور تصور کی اس صورت گری میں دل کے وہ مبہم تقاضے شامل تھے، جنھوں نے ہوش سنبھالتے ہی میر صاحب کے چُٹکیاں لینی شروع کر دی تھیں۔ اس طرح عشق اور تصوف یہ دو بنیادی محرک ہیں، جنھوں نے میر صاحب کی سیرت کو انسانیت کے اعلیٰ معیار تک پہنچانے میں سب سے زیادہ حصّہ لیا اور اس اعلیٰ سیرت نے اُس فن کی تخلیق کی جو دُنیا کے ادب عالیہ میں اپنا ایک الگ مقام رکھتا ہے۔

میرؔ صاحب کے مجموعۂ کلام میں غزل کے علاوہ قصیدہ، مثنوی، رباعی، مخمس، مستزاد غرض ہر وہ صنفِ سخن پائی جاتی ہے، جو اس زمانے میں مقبول و مروّج تھی۔ لیکن حق یہ ہے کہ غزل اور اس کے بعد مثنوی کے سوا، باقی اصنافِ شعر میں میرؔ صاحب کو اپنے پیش رووں اور ہم عصروں پر کوئی خاص فضیلت حاصل نہیں اور قصیدے میں تو انھیں سوداؔ کے مقابلے میں وہ حیثیت بھی حاصل نہیں، جو غزل میں سوداؔ کو اُن کے مقابلے میں حاصل ہے۔ اصل یہ ہے کہ قصیدہ گوئی میرؔ صاحب کے بس کی بات ہی نہ تھی۔ اس کے لیے ایک خاص مزاج اور زندگی کے متعلق ایک الگ نقطۂ نظر درکار ہے، جو نہ میرؔ صاحب کی فطرت سے مطابقت رکھتا ہے، نہ ماحول و تربیت سے۔ ایک ایسے ساز سے، جس کے تار وقت کی انگلیوں نے ڈھیلے کر دیے ہوں۔ مدح و تحسین کے بلند آہنگ نغموں کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

رباعی میرؔ صاحب نے اچھی خاصی کہی ہے۔ لیکن خواجہ میر دردؔ کی رباعی ہم ان سے بہتر پاتے ہیں۔ رباعی میں بھی میرؔ صاحب کا آہنگ غزل کا سا ہے۔ دو رباعیاں نمونے کے طور پر پیش کی جاتی ہیں:

دل جن کے بجا ہیں، اُن کو آتی ہے خواب
آرام خوش آتا ہے، سُہاتی ہے خواب
میں غم زدہ، کیا اپنے دنوں کو روؤں
میری تو جہاں شب ہوئی، جاتی ہے خواب

ہم میرؔ سے کہتے ہیں: نہ تُو رویا کر!
ہنس کھیل کے ٹک چین سے بھی سویا کر
پایا نہیں جانے کا وُہ دُرِ نایاب
کُڑھ کُڑھ کے عبث جان کو مت کھویا کر

اردو میں مثنویوں کا سب سے پہلا اور عمدہ نمونہ میرؔ صاحب کی مثنویاں ہیں۔ اس صنفِ سخن کو قبولِ عام بخشنے میں میرؔ صاحب کی فکری کاوشوں کو بہت دخل ہے اور بجا طور پہ کہا جا سکتا ہے کہ میر حسنؔ اور نواب مرزا شوقؔ جیسے کامیاب مثنوی نگار، میرؔ صاحب کی تقلید ہی سے پیدا ہُوئے۔

میرؔ صاحب کی عشقیہ مثنویوں میں "شعلۂ عشق" اور "دریائے عشق" ممتاز ہیں۔ "شعلۂ عشق" قصے اور بیان کی خوبیوں کے اعتبار سے بہتر ہے اور اس میں منقبت نگاری کا دامن کہیں ہاتھ سے نہیں چھوٹا، سوا انجام کے، جسے بقول مولوی عبدالحق صاحب: تخیُّل کی پرواز، حقیقی سے خیالی زندگی میں اُڑا لے گئی ہے۔ بہرحال بیان کی سادگی، بے تکلُّفی اور تسلسل کے اعتبار سے یہ دونوں مثنویاں قابلِ قدر ہیں۔

ان دو مثنویوں کے علاوہ مثنوی "شکار نامہ"، "جوشِ عشق" اور خواب و خیال بھی پڑھنے کے قابل ہیں میرؔ صاحب کے

مشاہدے کی قوت اور بیانِ واقعہ کی قدرت اگر دیکھنی ہو تو اُن کی وہ دو مثنویاں پڑھیے، جو اُنھوں نے اپنے گھر کی خرابی اور برسات کی شکایت میں لکھی ہیں۔ یہ دونوں مثنویاں محاکات کی بڑی مؤثر اور عمدہ مثالیں ہیں، جن کے مطالعہ سے میر صاحب کی بے سروسامانی اور برسات میں غریبوں کی بدحالی کا حقیقی نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

غزل گوئی میر صاحب کی تیغِ کمال کا اصل جوہر ہے۔ اُن کی غزلیں سوز و گداز اور درد کی تصویریں ہیں جنھیں بیان کی تاثیر نے چار چاند لگا دیے ہیں۔ اُن کا منتخب کلام سلاست و فصاحت کا ایک ایسا مرقع ہے، جس کی آب و تاب کبھی ماند ہوتی نظر نہیں آتی۔ اور انھی محاسن نے میر صاحب کو "خدائے سخن" بنایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیوانِ اوّل

ردیف (الف)

تھا مستعار حُسن سے اُس کے ، جو نور تھا
خورشید میں بھی اُس ہی کا ذرّہ ظہور تھا

آتش بلند دل کی نہ تھی، ورنہ اے کلیم !
یک شعلہ ، برقِ خرمنِ صد کوہِ طُور تھا

ہم خاک میں ملے ، تو ملے ، لیکن اے سپہر !
اُس شوخ کو بھی راہ پہ لانا ضرور تھا

ق

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یک سر وہ استخوان شکستوں سے چُور تھا

کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ ، بے خبر !
میں بھی کبھو کسو کا سرِ پُر غرور تھا

تھا وہ تو رشکِ حورِ بہشتی ہمیں میں میرؔ
سمجھے نہ ہم ، تو فہم کا اپنے قصور تھا

کیا میں بھی پریشانیِ خاطر سے قریں تھا
آنکھیں تو کہیں تھیں، دلِ غم دیدہ کہیں تھا

آیا تو سہی وہ کوئی دم کے لیے ، لیکن
ہونٹوں پہ مرے جب نَفَسِ باز پسیں تھا

شب ، کوفت سے ہجراں کی، جہاں تن پہ رکھا ہاتھ
جو درد و الم تھا، سو کہے تُو ، کہ وہیں تھا

مسجد میں امام آج ہوا آ کے کہاں سے
کل تک تو یہی میرؔ ، خرابات نشیں تھا

کفر کو چاہیے اسلام کی رونق کے لیے
حُسن زنّار ہے تسبیحِ سلیمانی کا

درہمی حال کی ہے ، سارے مرے دیواں میں
سیر کر تُو بھی یہ مجموعہ پریشانی کا

اُس کا مُنہ دیکھ رہا ہوں، سو وہی دیکھوں ہُوں
نقش کا سا ہے سماں ، میری بھی حیرانی کا

دیر میں کعبہ گیا، میں خانقہ سے اب کی بار
راہ سے مے خانے کی، اس راہ میں کچھ پھیر تھا

بلبلوں نے کیا گل افشاں میر کا مرقد کیا
دور سے آیا نظر، تو پھولوں کا اک ڈھیر تھا

اس عہد میں، الٰہی! محبت کو کیا ہوا ؟
چھوڑا وفا کو اُن نے مروت کو کیا ہوا؟

امیدوارِ وعدۂ دیدار، مر چلے
آتے ہی آتے یارو! قیامت کو کیا ہوا؟

بخشش نے مجھ کو ابرِ کرم کی کیا خجل
اے چشم! جوشِ اشکِ ندامت کو کیا ہوا؟

جاتا ہے یار تیغ بہ کف، غیر کی طرف
اے کشتۂ ستم! تری غیرت کو کیا ہوا؟

کہا میں نے : گُل کا ہے کتنا ثبات ؟
کلی نے یہ سُن کر تبسّم کیا

جگر ہی میں یک قطرہ ہے سرشک
پلک تک گیا تو طلاطم کیا

کسُو وقت پاتے نہیں گھر اُسے
بہت میر نے آپ کو گُم کیا

اُلٹی ہوگئیں سب تدبیریں، کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا : اس بیماریِ دل نے آخر کام تمام کیا

عہدِ جوانی رو رو کاٹا، پیری میں لیں آنکھیں مُوند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی، آرام کیا

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہتے ہیں، سو آپ کریں ہیں، ہم کو عبث بدنام کیا

سرزد ہم سے بے ادبی تو وحشت میں بھی کم ہی ہوئی
کوسوں اس کی اور گئے، پر سجدہ ہر ہر گام کیا

کس کا کعبہ، کیسا قبلہ، کون حرم ہے، کیا احرام!
کُوچے کے اس کے باشندوں نے، سب کو یہیں سے سلام کیا

یاں کے سپید و سیہ میں ہم کو، دخل جو ہے، سو اتنا ہے
رات کو رو رو صبح کیا، اور دن کو جوں توں شام کیا

صبح، چمن میں اس کو کہیں تکلیفِ ہوا لے آئی تھی
رُخ سے گُل کو مول لیا، قامت سے سرو غلام کیا

ساعدِ سیمیں دونوں اُس کے، ہاتھ میں لا کر چھوڑ دیے
بھولے اُس کے قول و قسم پر، ہائے! خیالِ خام کیا

ایسے آہوئے رم خوردہ کی وحشت کھونی، مشکل تھی
سحر کیا، اعجاز کیا، جن لوگوں نے تجھ کو رام کیا

میر کے دین و مذہب کو اب پُوچھتے کیا ہو؟ ان نے تو
قشقہ کھینچا، دَیر میں بیٹھا، کب کا ترک اسلام کیا

چمن میں گُل نے جو کل دعوئ جمال کیا
جمالِ یار نے مُنہ اس کا خوب لال کیا

بہار رفتہ پھر آئی ترے تماشے کو
چمن کو یُمنِ قدم نے ترے نہال کیا

لگا نہ دل کو کہیں، کیا سُنا نہیں تُو نے
جو کچھ کہ میر کا اس عاشقی نے حال کیا

جانے کا نہیں شور، سخن کا مرے ، ہرگز :
تا حشر جہاں میں مرا دیوان رہے گا

دل دینے کی ایسی حرکت ان سنے نہیں کی
جب تک جئے گا میرؔ، پشیمان رہے گا

تا گور کے اوپر وہ گل اندام نہ آیا
ہم خاک کے آسودوں کو آرام نہ آیا

کس دل سے ترا تیرِ نگہ پار نہ گزرا
کس جان کو یہ مرگ کا پیغام نہ آیا

دیکھا نہ اسے دُور سے بھی منتظروں نے
وہ رشکِ مہِ عید ، لبِ بام نہ آیا

سَو بار بیاباں میں گیا ناقۂ لیلیٰ
مجنوں کی طرف ناقہ کوئی گام نہ آیا

اب کے جو ترے کُوچے سے جاؤں گا، تو سُنیو!
پھر جیتے جی اس راہ وہ بدنام نہ آیا

سَئے خون ہو آنکھوں سے بہا ٹک، نہ ہوا داغ
اپنا تو یہ دل میرؔ ، کسی کام نہ آیا

جس سر کو غرور آج ہے یاں تاج وری کا
کل اس پہ یہیں شور ہے پھر نوحہ گری کا

آفاق کی منزل سے گیا کون سلامت ؟
اسباب لُٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

زنداں میں بھی شورش نہ گئی ، اپنے جنوں کی
اب سنگ مداوا ہے اس آشفتہ سری کا

ہر زخمِ جگر ، داورِ محشر سے ، ہمارا
انصاف طلب ہے تری بیدادگری کا

اپنی تو جہاں آنکھ لڑی ، پھر وہیں دیکھو
آئینے کو لپکا ہے پریشاں نظری کا

صد موسمِ گُل ہم کو ، تہِ بال ہی گزرے
مقدور نہ دیکھا کبھی بے بال و پری کا

لے سانس بھی آہستہ ، کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہِ شیشہ گری کا

ٹک میرؔ جگر سوختہ کی جلد خبر لے !
کیا یار بھروسا ہے چراغِ سحری کا

مُنہ تکا ہی کرے ہے جس تِس کا
حیرتی ہے یہ آئینہ کس کا

شام ہی سے بُجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا

فیض اے ابر! چشمِ تر سے اُٹھا
آج دامن وسیع ہے اس کا

تاب کس کو جو حالِ میرؔ سُنے
حال ہی اور کچھ ہے مجلس کا

قامت خمیدہ ، رنگ شکستہ ، بدن نزار
تیرا تو میرؔ غم میں عجب حال ہوگیا

بے تاب جی کو دیکھا ، دل کو کباب دیکھا　　جیتے رہے تھے کیوں ہم ، جو یہ عذاب دیکھا
آباد جس میں تجھ کو دیکھا تھا ایک مدت　　اس دل کی مملکت کو اب ہم خراب دیکھا
لیتے ہی نام اس کا سوتے سے چونک اٹھے ہو　　ہے خیر، میر صاحب! کچھ تم نے خواب دیکھا

آگ سی اک دل میں سلگے ہے کبھو بھڑکی تو میر　　دے گی میری ہڈیوں کا ڈھیر ، جوں ایندھن جلا

حالِ دل میر کا رو رو کے سب اے ماہ ! سنا　　شب کو القصہ عجب قصۂ جاں کاہ سنا

ان سے پہچان کر ہمیں مارا　　منہ نہ کرنا ادھر تجاہل تھا
شہر میں جو نظر پڑا ، اس کا　　کشتۂ ناز یا تغافل تھا
اب تو دل کو نہ تاب ہے ، نہ قرار　　یادِ ایام جب تحمل تھا

شاید کسو کے دل کی لگی اس گلی میں چوٹ　　میری بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا
دیکھا جو میں نے یار! تو وہ میر ہی نہیں　　تیرے غمِ فراق میں رنجور ہو گیا

رکھ ہاتھ دل پہ میر کے دریافت کر ، کیا حال ہے ؟　　رہتا ہے اکثر یہ جواں کچھ ان دنوں بے تاب سا

مر رہتے جو گل بن تو سارا یہ خلل جاتا　　نکلا ہی نہ جی ورنہ کانٹا سا نکل جاتا

اس فریبندہ کو نہ سمجھے آہ !　　ہم نے جانا کہ ہم سے یار ہوا
وہ جو خنجر بکف نظر آیا　　میر تو جان سے نثار ہوا

مانندِ شمعِ مجلس ، شب ، اشک بار پایا　　القصہ میر کو ہم بے اختیار پایا
شہرِ دل ایک مدت اجڑا بسا غموں میں　　آخر اجاڑ دینا اس کا قرار پایا
آہوں کے شعلے جس جا اٹھتے تھے میر سے شب　　واں جا کے صبح دیکھا ، مشتِ غبار پایا

شکوہ کروں میں کب تک اُس اپنے مہرباں کا   القصہ رفتہ رفتہ دشمن ہوا ہے جاں کا
یا روئے یا رُلایا اپنی تو یُوں ہی گزری   کیا ذکر ہم صفیراں، یارانِ شادماں کا
پُوچھو تو میرؔ سے کیا کوئی نظر پڑا ہے؟   چہرہ اُتر رہا ہے کچھ آج اُس جواں کا

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا   دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا
خراب رہتے تھے مسجد کے آگے مے خانے   نگاہِ مست نے ساقی کی انتقام لیا
وہ کج روش نہ ملا راستے میں مجھ سے کبھی   نہ سیدھی طرح سے اُن نے مرا سلام لیا
مرے سلیقے سے، میری نبھی محبت میں   تمام عُمر میں ناکامیوں سے کام لیا
اگرچہ گوشہ گزیں ہوں میں شاعروں میں میرؔ   پہ میرے شور نے روئے زمیں تمام لیا

سیر کے قابل ہے دل صد پارہ اُس نخچیر کا   جس کے ہر ٹکڑے میں ہو پیوست پیکاں تیر کا
بوئے خوں سے جی رُکا جاتا ہے اے بادِ بہار!   ہو گیا ہے چاک دل شاید کسو دلگیر کا
خُون سے میرے ہوئی یہ دم خوشی تم کو تو، لیک   مفت میں جاتا رہا جی ایک بے تقصیر کا
لختِ دل سے جُوں چھڑی پھولوں کی گوندھی ہے ولے   فائدہ کچھ اے جگر! اُس آہِ بے تاثیر کا؟
کس طرح سے مانئے یارو! کہ یہ عاشق نہیں   رنگ اڑا جاتا ہے ٹک چہرہ تو دیکھو میرؔ کا

دل سے مرے لگا نہ ترا دل ہزار حیف!   یہ شیشہ ایک عمر سے مشتاقِ سنگ تھا
مت کر عجب جو میرؔ ترے غم میں مر گیا   جینے کا اُس مریض کے کوئی بھی ڈھنگ تھا

ٹک دیکھ آنکھیں کھول کے اس دم کی حسرتیں   جس دم یہ سُوجھے گی کہ یہ عالم بھی خواب تھا

کیا طرح ہے! آشنا گاہے، گہے ناآشنا   یا تو بیگانے ہی رہیے، ہو جیے یا آشنا

گل کو محبوب ہم قیاس کیا   فرق نکلا بہت، جو باس کیا
دل نے ہم کو، مثالِ آئینہ   ایک عالم کا روشناس کیا
کچھ نہیں سُوجھتا ہمیں اُس بن   شوق نے ہم کو بے حواس کیا

صبح تک شمع ، سر کو دُھنتی رہی   کیا پتنگے نے التماس کیا
ایسے وحشی کہاں ہیں ؛ اے خوباں!   میرؔ کو تم عبث اداس کیا

داغِ فراق و حسرتِ وصل ، آرزوئے شوق   میں ساتھ زیرِ خاک بھی ہنگامہ لے گیا

چھوٹا جو میں قفس میں ، تو سب نے مجھے کہا   بے چارہ کیوں کہ تا سرِ دیوار جائے گا
دے گی نہ چین لذتِ زخم اس شکار کو   جو کھا کے تیرے ہاتھ کی تلوار جائے گا
تدبیر میرے عشق کی کیا فائدہ ؟ طبیب !   اب جان ہی کے ساتھ یہ آزار جائے گا
کوچے میں اس کے بیٹھنے سے باز آ ، وگرنہ میرؔ   اک دن تجھے وہ جان سے بھی مار جائے گا

بے کسی مدت تلک برسا کی اپنی گور پر   جو ہماری خاک پر سے ہو کے گزرا ، رو گیا

جو سُنا ہشیار ، اس مے خانے میں تھا بے خبر   شوق ہی باقی رہا ہم کو دلِ آگاہ کا
باندھ مت رشتے کا تار ، اے ناقباحت فہم چشم !   اس سے پایا جاتے ہے سررشتہ جی کی چاہ کا

آزار نہ دے اپنے کانوں کے تئیں اے گل !   آغاز مرے غم کا ، انجام نہیں رکھتا
ناکامیِ صد حسرت ، خوش لگتی نہیں ، ورنہ   اب جی سے گزر جانا کچھ کام نہیں رکھتا

کس کو نہیں ہے شوق ترا ؛ پر نہ اس قدر   میں تو اسی خیال میں بیمار ہو گیا
میں نو دمیدہ بال چمن زاد طیر تھا   پر گھر سے اُٹھ چلا سو گرفتار ہو گیا
ٹھہرا گیا نہ ہو کے حریف اُس کی چشم کا   سینے کو توڑ ، تیرِ نگہ پار ہو گیا
تو وہ متاع ہے کہ پڑی جس کی تجھ پہ آنکھ   وہ جی کو بیچ کر بھی خریدار ہو گیا

دل سے مت جا ! کہ حیف اس کا وقت   جو کوئی اس مکان سے نکلا
نامرادی کی رسم میرؔ سے ہے   طور یہ اس جوان سے نکلا

ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر — تیوری چڑھائی تو نے کہ یاں جی نکل گیا
مستی میں چھوڑ دَیر کو ، کعبے چلا تھا میں — لغزش بڑی ہوئی تھی ، و لیکن سنبھل گیا

سنا ہے حال ترے کشتگاں بچاروں کا — ہوا نہ گور گڑھا ان ستم کے ماروں کا
ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں — نکل کے شہر سے ، ٹک سیر کر مزاروں کا
تڑپ کے مرنے سے دل کے کہ مغفرت ہو اسے — جہاں میں کچھ تو رہا نام بے قراروں کا
تڑپ کے خرمنِ گل پر کبھی گر اے بجلی ! — جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

حال نہیں ہے عشق سے مجھ میں کس سے میرؔ اب حال کہوں! — آپ ہی چاہ کر اس ظالم کو ، یہ اپنا میں حال کیا

آنکھوں میں جی مرا ہے ، اِدھر دیکھتا نہیں — مرتا ہوں میں تو ، ہائے رے صرفہ نگاہ کا

اک قطرہ خون ہو کے پلک سے ٹپک پڑا — قصّہ یہ کچھ ہُوا دلِ غفراں پناہ کا

دل سے شوقِ رُخِ نکو نہ گیا — جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا
ہر قدم پر تھی اس کی منزل ، لیک — سر سے سودائے جستجو نہ گیا
سب گئے ؛ ہوش و صبر تاب و تواں — لیکن اے داغ ! دِل سے تُو نہ گیا
دل میں کتنے مسودے تھے ، ولے — ایک پیش اس کے رُو برو نہ گیا
سبحہ گرداں ہی میرؔ ہم تو رہے — دستِ کوتاہ تا سبُو نہ گیا

جل گیا دل ، سفید ہیں آنکھیں — یہ تو کچھ انتظار میں دیکھا
جن بلاؤں کو میرؔ سنتے تھے — اُن کو اس روزگار میں دیکھا

کئی دن سلوک وداع کا ، مرے درپئے دلِ زار تھا — کبھو درد تھا ، کبھو داغ تھا ، کبھو زخم تھا ، کبھو وار تھا
دلِ خستہ جو لہو ہو گیا ، تو بھلا ہوا کہ کہاں تلک — کبھو سوزِ سینہ سے داغ تھا ، کبھو دردِ غم سے فگار تھا
یہ تمھاری ان دنوں دوستاں ، مژہ جس کے غم میں ہے خوں چکاں — وہی آفتِ دلِ عاشقاں ، کسو وقت ہم سے بھی یار تھا

نہیں تازہ دل کی شکستگی، یہی درد تھا، یہی خستگی   اُسے جب سے ذوقِ شکار تھا، اسے زخم سے سروکار تھا
کبھو جانے گی جو ادھر صبا، تو یہ کہیو اس سے کہ بے وفا   مگر ایک میرِ شکستہ پا، ترے باغِ تازہ میں خار تھا

داغ ہوں اشکِ محبت سے کہ اتنا بے تاب   کس کی تسکیں کے لیے گھر سے تُو باہر نکلا
دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پُوچھ!   جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا

گلی میں اس کی، پھٹے کپڑوں پر مت جا   لباسِ فقر ہے واں فخرِ بادشاہوں کا
تمام عمر رہیں خاکِ زیرِ پا اس کے   جو زور کچھ چلے ہم عجز دست گاہوں کا
تری جو آنکھیں ہیں تلوار کے تلے بھی ادھر   فریب خوردہ ہے تو میر کن نگاہوں کا؟

ہم راہ روانِ راہِ فنا ہیں برنگِ عمر   جاویں گے ایسے کھوج بھی پایا نہ جائے گا
پھوڑا سا ساری رات جو پکتا رہے گا دل   تو صبح تک تو ہاتھ لگایا نہ جائے گا
اب دیکھ لے کہ سینہ بھی تازہ ہوا ہے چاک   پھر ہم سے اپنا حال دکھایا نہ جائے گا
یاد اس کی اتنی خوب نہیں میر، باز آ   نادان! پھر وہ جی سے بھلایا نہ جائے گا

کیا ان نے نشہ میں مجھ کو مارا   اتنا بھی تو بے خبر نہ ہو گا
اب دل کے تئیں دیا، تو سمجھا   محنت زدوں کے جگر نہ ہو گا

مت رنجہ کر کسی کو کہ اپنے تو اعتقاد   دل ڈھائے کر جو کعبہ بنایا، تو کیا ہوا؟
میں صیدِ ناتواں بھی تجھے کیا کروں گا یاد   ظالم! اک اور تیر لگایا، تو کیا ہوا؟

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے   یہ نگر سَو مرتبہ لُوٹا گیا

اتنی گزری جو ترے ہجر میں، سو اُس کے سبب   صبرِ مرحوم عجب مونسِ تنہائی تھا

سوراخ ہے سینے میں ہر اک شخص کے، تجھ سے   کس دل کے، ترا تیرِ نگہ، پار نہ پایا

چشمِ خوں بستہ سے کل رات لہو پھر ٹپکا   ہم نے جانا تھا کہ بس اب تو یہ ناسُور گیا
نالۂ میرؔ نہیں رات سے سُنتے ہم لوگ   کیا ترے کُوچے سے اے شوخ! وہ رنجور گیا

اپنے ہی دل کو نہ ہو وا شُد، تو کیا حاصل نسیم!   گو چمن میں غنچہ پژمردہ تجھ سے کھل گیا
دل سے آنکھوں میں لہو آتا ہے، شاید رات کو   کش مکش میں بے قراری کی۔ یہ پھوڑا اچھل گیا

تا بہ مقدور انتظار کیا   دل نے اب زور بے قرار کیا
یہ توہّم کا کارخانہ ہے   یاں وہی ہے، جو اعتبار کیا
ہم فقیروں سے بے روائی کیا؟   آن بیٹھے، جو تم نے پیار کیا
سخت کافر تھا، جن نے پہلے میرؔ   مذہبِ عشق، اختیار کیا

شب کو اس کا خیال تھا دل میں   گھر میں مہماں عزیز کوئی تھا

ان صحبتوں میں آخر جانیں ہی جاتیاں ہیں   نَے عشق کو ہے صرفہ، نَے حسن کو محابا

جیتے جی کوچۂ دل دار سے جایا نہ گیا   اُس کی دیوار کا سر سے مرے سایا نہ گیا
وہ تو کل دیر تلک دیکھتا ایدھر کو رہا   ہم سے ہی حالِ تبہ اپنا دکھایا نہ گیا
مرنے آ، سامنے، شب، یاد دلایا تھا اسے   پھر وہ تا صبح مرے جی سے بُھلایا نہ گیا

دل کے تئیں آتشِ ہجراں سے بچایا نہ گیا   گھر جلا سامنے، پر ہم سے بجھایا نہ گیا
دل جو دیدار کا قاتل کے بہت بُھوکا تھا   اُس ستم گشتہ سے اک زخم بھی کھایا نہ گیا
شہرِ دل آہ! عجب جائے تھی، پر اُس کے گئے   ایسا اُجڑا کہ کسی طرح بسایا نہ گیا

گُل میں اس کی سی جو بُو آئی، تو آیا نہ گیا   ہم کو بِن دوشِ ہوا، باغ سے لایا نہ گیا
گُل نے ہر چند کہا: باغ میں رَہ! پر اُس بِن   جی جو اُچٹا تو کِسُو طرح لگایا نہ گیا
میرؔ مت عذر گریباں کے پھٹے رہنے کا کر!   زخمِ دل، چاکِ جگر تھا کہ سِلایا نہ گیا

چمن میں ہم بھی زنجیری رہے ہیں — سُنا ہو گا کبھو شیون ہمارا
کیا تھا ریختہ ، پردہ سخن کا — سو ٹھہرا ہے یہی اب فن ہمارا

سحرگہ ، عید میں دَورِ سبُو تھا — پر اپنے جام میں تجھ بن لہُو تھا
جہاں پُر ہے ، فسانے سے ہمارے — دماغِ عشق ہم کو بھی کبھُو تھا
کہیں ، کیا بال تیرے کُھل گئے تھے ؟ — کہ جھونکا باؤ کا کچھ مشک بُو تھا

ابتدائے عشق ہے ، روتا ہے کیا ؟ — آگے آگے دیکھیے ! ہوتا ہے کیا ؟
قافلے میں صبح کے اک شور ہے — یعنی غافل ! ہم چلے ، سوتا ہے کیا ؟
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سرزمیں — تخمِ خواہش دل میں تُو بوتا ہے کیا ؟
یہ نشانِ عشق ہیں ، جاتے نہیں — داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا ؟
غیرتِ یُوسف ہے یہ وقتِ عزیز — میرؔ اس کو رائگاں کھوتا ہے کیا ؟

پہلو میں اک گرہ سی تہِ خاک ساتھ ہے — شاید کہ مر گئے پہ بھی خاطر میں کچھ رہا
کس کس طرح سے میرؔ نے کاٹا ہے عمر کو — اب آخر آخر اُن کے یہ ریختہ کہا

آہ ! کس انداز سے گزرا بیاباں سے کہ میرؔ — جی ہر اک نخچیر کا اُس صید افگن میں رہا

رنگ اُڑ چلا چمن میں گُلوں کا ، تو کیا نسیم ! — ہم کو تو روزگار نے بے بال و پر کیا
نافع جو تھیں مزاج کو اوّل ، سو عشق میں — آخر اُنھی دواؤں نے ہم کو ضرر کیا
کیا جانوں بزمِ عیش کہ ساقی کی چشم دیکھ — میں صحبتِ شراب سے آگے سفر کیا
جس دم کہ تیغِ عشق کھنچی ، بوالہوس کہاں ؟ — سُن لیجیو : کہ ہم ہی نے سینہ سپر کیا
ہیں چاروں طرف خیمے کھڑے گرد باد کے — کیا جانیے : جنُوں نے اِرادہ کدھر کیا

کچھ نہ دیکھا پھر بجُز اک شعلۂ پُر پیچ و تاب — شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروانہ گیا
دُور تجھ سے میرؔ نے ایسا تعب کھینچا کہ شوخ — کل جو ہیں دیکھا اُسے ، مطلق نہ پہچانا گیا

وصل و ہجراں سی جو دو منزل ہیں راہِ عشق کی   دل غریب ان میں خدا جانے ! کہاں مارا گیا

نہ پُوچھ اپنی مجلس میں ہے میر بھی یاں !   جو ہو گا ، تو جیسے گنہ گار ہو گا

اشک آنکھوں میں کب نہیں آتا   لہُو آتا ہے ، جب نہیں آتا
ہوش جاتا نہیں رہا ، لیکن   جب وہ آتا ہے ، تب نہیں آتا
دل سے رخصت ہُوئی ، کوئی خواہش   گریہ کچھ بے سبب نہیں آتا
دُور بیٹھا غبار میر اس سے   عشق بن ، یہ ادب نہیں آتا

کیا ہے ؟ جو اُٹھ گیا ہے ، پر بستۂ وفا ہے   قیدِ حیات میں ہے تو میر آ رہے گا

ہزاروں کی یاں لگ گئیں چھت سے آنکھیں   تُو اے ماہ ! کس شب لبِ بام ہو گا ؟

نہ پُوچھ ! خوابِ زلیخا نے کیا خیال لیا   کہ کاروان کا کنعاں کے ، جی نکال لیا
رہِ طلب میں گرے ہوتے سر کے بل ہم بھی   شکستہ پائی نے اپنی ، ہمیں سنبھال لیا

نہ ہو کیوں ریختہ بے شورش و کیفیت و معنی ؟   گیا ہو میر دیوانہ ، رہا سودا ، سو مستانا

بارہا ، گور ، دل ، جھنکا لایا   اب کے شرطِ وفا بجا لایا
قدر رکھتی نہ تھی متاعِ دل   سارے عالَم میں ، مَیں دِکھا لایا
دل کہ یک قطرہ خوں نہیں ہے بیش   ایک عالَم کے سر بَلا لایا
دل مجھے اُس گلی میں لے جا کر   اور بھی خاک میں مِلا لایا
اب تو جاتے ہیں بُت کدے سے میر   پھر ملیں گے اگر خدا لایا

بُرقع اُٹھے پہ اُس کے ، ہو گا جہان روشن   خورشید کا نکلنا کیوں کر چُھپا رہے گا ؟
اک وہم سی رہی ہے اپنی نمود تن میں   آتے ہو اب ، تو آؤ ، پھر ہم میں کیا رہے گا ؟

خیال اُس بے وفا کا ہم نشیں آنا نہیں اچھا　　گُماں رکھتے تھے ہم بھی یہ کہ ہم سے آشنا ہو گا

کیا کیا عزیز، خلیق بدن، ہائے! کر گئے　　تشریف تم کو یاں تئیں لانا ضرور تھا

ہے حال جائے گریہ جانِ پُر آرزو کا　　روتے نہ ہم کبھو ٹک دامن پکڑ کسو کا
بُلبل! غزل سرائی آگے ہمارے مت کر　　سب ہم سے سیکھتے ہیں انداز گفتگو کا

بیٹھ کر میرؔ جہاں خوب نہ رویا ہووے　　ایسی، کُوچے میں نہیں ہے ترے جاناں! ایک جا

فلک کا مُنہ نہیں اس فتنے کے اُٹھانے کا　　ستم شریک ترا یار! ہے زمانے کا
سراہا اُن نے ترا ہاتھ، جن نے دیکھا زخم　　شہید ہوں میں تری تیغ کے لگنے کا

شُہرۂ عالَم اسی یُمنِ محبت نے کیا　　ورنہ مجنوں ایک خاک افتادۂ ویرانہ تھا
شب، فروغِ بزم کا باعث ہوا تھا حُسنِ دوست　　شمع کا جلوہ، غبارِ دیدۂ پروانہ تھا

اُس آئینے کے مانند، زنگار جس کو کھا دے　　کام اپنا اس کے غم میں دیدار تک نہ پہنچا

کب تلک یہ ستم اٹھائیے گا　　ایک دن یُونہی جی سے جائیے گا

کچھ میں نہیں اس دل کی پریشانی کا باعث　　برہم ہی مرے ہاتھ لگا تھا یہ رسالا

دَیر و حرم سے گزرے، اب دل ہے گھر ہمارا　　ہے ختم اس آبلے پر سیر و سفر ہمارا

غم رہا جب تک کہ دم میں دم رہا　　دل کے جانے کا نہایت غم رہا
حُسن تھا تیرا، بہت عالَم فریب　　خط کے آنے پر بھی اک عالَم رہا
دل نہ پہنچا گوشۂ داماں تلک　　قطرۂ خوں تھا، مژہ پر جم رہا

جامۂ احرامِ زاہد پر نہ جا   تھا حرم میں ، لیک نامحرم رہا
زُلفیں کھولے تُو ، تو ٹک آیا نظر   عُمر بھر یاں کامِ دل برہم رہا
میرے رونے کی حقیقت جس میں تھی   ایک مُدّت تک وہ کاغذ ، نم رہا
صبحِ پیری ، شام ہونے آئی میرؔ   تُو نہ چیتا ، یاں بہت دن کم رہا

———

چوری میں دل کی وہ ہنر کر گیا   دیکھتے ہی ، آنکھوں میں گھر کر گیا
حیف! جو وہ نسخۂ دل کے اُوپر   سرسری سی ایک نظر کر گیا
کس کو مرے حال سے تھی آگہی!   نالۂ شب ، سب کو خبر کر گیا

———

تھی مصلحت کہ رُک کر ہجراں میں جان دیجے   دل کھول کر نہ غم میں ، میں ایک بار رو یا
اک عجز عشق اس کا اسباب صد الم تھا   کل میرؔ سے بہت میں ہو کر دُچار، رو یا

———

اِک عمر مجھے خاک میں ملتے ہوئے گزری   کُوچے میں ترے آن کے لوہُو میں نہایا
یا قافلہ در قافلہ ان رستوں میں تھے لوگ   یا ایسے گئے یاں سے کہ پھر کھوج نہ پایا

———

دل جو زیرِ غبار اکثر تھا   کچھ مزاج ان دنوں مکدّر تھا
سرسری تم جہان سے گزرے   ورنہ ہر جا ، جہانِ دیگر تھا

ق

بے زری کا نہ کر گِلہ غافل!   رہ تسلّی کہ یُوں مقدّر تھا
اتنے مُنعِم جہان میں گزرے   وقتِ رحلت کے کس کنے زر تھا
صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال   اک ازاں جُملہ اب سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیرِ نگیں   ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا
لعل و یاقوت ہم زر و گوہر   چاہیے جس قدر ، میسّر تھا
آخرِ کار جب جہاں سے گیا   ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا

———

جہاں کو فتنے سے خالی کبھُو نہیں پایا   ہمارے وقت میں تو آفتِ زمانہ ہُوا

کُھلا نشے میں جو پگڑی کا پیچ اُس کی میر　　سمندِ ناز پہ اک اور تازیانہ ہوا

قاصد جو واں سے آیا، تو شرمندہ میں ہُوا　　بے چارہ گریہ ناک گریباں دریدہ تھا
مت پُوچھ! کس طرح سے کٹی رات ہجر کی　　ہر نالہ میری جان کو تیغِ کشیدہ تھا

کس کی ہوا؟ کہاں کا گُل؟ ہم تو قفس میں ہیں اسیر　　سیرِ چمن کی روز و شب تجھ کو مبارک، اے صبا!

کہاں آتے میسّر تجھ سے مجھ کو خود نما اتنے　　ہوا یُوں اتفاق آئینہ میرے رُوبرو ٹوٹا

آنکھوں میں جی مرا ہے، اِدھر یار دیکھنا　　عاشق کا اپنے آخری دیدار دیکھنا
کیسا چمن! کہ ہم سے اسیروں کو منع ہے　　چاکِ قفس سے باغ کی دیوار دیکھنا
صیّاد! دل ہے داغِ جدائی سے رشکِ باغ　　تجھ کو بھی ہو نصیب یہ گلزار دیکھنا
گر زمزمہ یہی ہے کوئی دن، تو ہم صفیر!　　اس فصل ہی میں ہم کو گرفتار دیکھنا
اُس خوش نگہ کے عشق سے پرہیز کیجو میر　　جاتا ہی لے کے جی ہی یہ آزار' دیکھنا

جو اس شور سے میر روتا رہے گا　　تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا
میں وہ رونے والا جہاں سے چلا ہوں　　جسے ابر ہر سال روتا رہے گا
بس اے میر! مژگاں سے پونچھ آنسوؤں کو　　تُو کب تک یہ موتی پروتا رہے گا

دل عشق کا ہمیشہ حریفِ نبرد تھا　　اب جس جگہ کہ داغ ہے یاں آگے درد تھا
عاشق ہیں ہم تو میر کے بھی ضبطِ عشق کے　　دل جل گیا تھا اور نفس لب پہ سرد تھا

گئے قیدی ہو ہم آواز جب صیّاد آ ٹوٹا　　یہ ویراں آشیانے دیکھنے کو ایک میں چھُوٹا

نقش بیٹھے ہیں کہاں خواہشِ آزادی کا　　ننگ ہے نام رہائی تری صیّادی کا
ریختہ رتبے کو پہنچایا ہوا اُس کا ہے　　معتقد کون نہیں میر کی استادی کا

تیرے کوچے کے رہنے والوں نے　　یہیں سے کعبے کو سلام کیا

اب زیرِ خاک رہنا مشکل ہے کشتگاں کو　　آرام کھو چلا تو ان آرمیدگاں کا

کیا میرؔ ہے یہی؟ جو ترے در پہ تھا کھڑا　　نم ناک چشم و خشک لب و رنگ زرد سا

ترے عشق میں آگے سودا ہوا تھا　　پر اتنا بھی ظالم! نہ رسوا ہوا تھا
خزاں التفات اس پہ کرتی بجا تھی　　یہ غنچہ چمن میں ابھی وا ہوا تھا
زہے طالع! اے میرؔ! اُن نے یہ پوچھا　　کہاں تھا تو اب تک؟ تجھے کیا ہوا تھا

اب تو جاتا ہی ہے کعبے کو تو بُت خانے سے　　جلد پھر پہنچیو اے میرؔ! خدا کو سونپا!

یار عجب طرح نگہ کر گیا　　دیکھنا! وہ دل بھی جگہ کر گیا
تنگ قبائی کا سماں یار کی　　پیرہنِ غنچہ کو تہ کر گیا

آہِ سحر نے سوزشِ دل کو مٹا دیا　　اس باد نے ہمیں تو دیا سا بجھا دیا
پوشیدہ رازِ عشق چلا جائے تھا سو آج　　بے طاقتی نے دل کی، وہ پردہ اٹھا دیا
تھی لاگ اس کی تیغ کو ہم سے، سو عشق نے　　دونوں کو معرکے میں گلے سے ملا دیا
آوارگانِ عشق کا پوچھا جو میں نشاں　　مُشتِ غبار لے کے صبا نے اڑا دیا

ردیف ب

کس کے لگا ہے تازہ تیرِ نگاہ اُس کا　　اک آہ میرے دل کی ہوتی ہے پار ہر شب

کس کی مسجد! کیسے بُت خانے! کہاں کے شیخ و شاب!　　ایک گردش میں تری چشمِ سیہ کے سب خراب!

میرؔ شاعر بھی زور کوئی تھا　　دیکھتے ہو نہ بات کا اسلوب

ردیف ت

جاتی ہے غشی بھی کبھو، آتے ہیں بخود بھی ——— کچھ لطف اُٹھے بارے اگر اب ہو ملاقات
وحشت ہے بہت میرؔ کو، مل آئیے چل کر ——— کیا جانیے! پھر یاں سے گئے، کب ہو ملاقات

اُٹھ گیا پردہ نصیحت گر کے لگ پڑنے سے میرؔ ——— پھاڑ ڈالا میں گریباں رات کو داماں سمیت

پلکوں پہ تھے پارۂ جگر رات ——— ہم آنکھوں میں لے گئے بسر رات
مکھڑے سے اُٹھائیں اُن نے زُلفیں ——— جانا بھی نہ ہم، گئی کدھر رات
واں تم تو بناتے ہی رہے زُلف ——— عاشق کی بھی یاں گئی گزر رات
دن وصل کا یُوں کٹا، کہے تُو ——— کاٹی ہے جدائی کی مگر رات

بے کار نہ رہ عشق میں تُو رونے سے ہرگز ——— یہ گریہ ہی ہے آبِ رُخِ کارِ محبت

دل خراشی و جگر کاوی و خوں افشانی ——— ہوں تو ناکام، پہ رہتے ہیں مجھے کام بہت

کہتے ہیں: آگے تھا بتوں میں رحم ——— ہے خدا جانیے: یہ کب کی بات!

ردیف ج

آئے ہیں میرؔ منہ کو بنائے، خفا سے آج ——— شاید بگڑ گئی ہے کچھ اُس بے وفا سے آج
ساقی! ٹک ایک موسمِ گل کی طرف بھی دیکھ! ——— ٹپکا پڑے ہے رنگ، چمن میں، ہوا سے آج
تھا جی میں اس سے ملیے، تو کیا کیا نہ کہیے میرؔ ——— پر کچھ کہا گیا، نہ غمِ دل جیا سے آج

ردیف چ

چشم ہو تو آئینہ خانہ ہے دہر ——— مُنہ نظر آتا ہے دیواروں کے بیچ
ہیں عناصر کی یہ صورت بازیاں ——— شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ

جب سے لے نکلا ہے تو یہ جنسِ حُسن — پڑ گئی ہے دُھوم ، بازاروں کے بیچ
عاشقی و بے کسی و رُفتگی — جی رہا کب ایسے آزاروں کے بیچ
جو سرِ شک اُس ماہ بِن جھمکے ہے شب — وہ چمک کاہے کو ہے تاروں کے بیچ
یارو ! مت اُس کا فریبِ مہر کھاؤ — میرؔ بھی تھے اُس کے ہی یاروں کے بیچ

تُو نہ تھا ، مُردنِ دشوار میں عاشق کی ، آہ ! — حسرتیں کتنی گرہ تھیں رمق اک جان کے بیچ
حال گلزارِ زمانہ کا ہے ، جیسے کہ شفق — رنگ کچھ اور ہی ہو جائے ہے اک آن کے بیچ
تاک کی چھاؤں میں ، جُوں مست پڑی سوتی ہیں — اینڈتی ہیں نگہیں ، سایۂ مژگان کے بیچ

کر نہ تاخیر تُو ، اک شب کی ملاقات کے بیچ — دن نہ پھر جائیں گے عشاق کے ، اک رات کے بیچ
زندگی کس کے بھروسے پہ ، محبت میں کروں — اک دل غم زدہ ہے ، سو بھی ہے آفات کے بیچ

ردیف ح

ہونے لگا گدازِ غمِ یار بے طرح — رہنے لگا ہے دل کو اب آزار بے طرح

سب طرحیں اُس کی ، اپنی نظر میں تھیں ، کیا کہیں — پر ہم بھی ہو گئے ہیں گرفتار اک طرح

ق

گر گُل ہے ، گاہ رنگ ، گہے باغ کی ہے بُو — آتے نہیں نظر وہ طرح دار اک طرح
نیرنگِ حسن دوست سے کر آنکھیں آشنا — ممکن نہیں وگرنہ ہو دیدار اک طرح

ردیف د

ایک شب پہلو کیا تھا گرم اُن نے تیرے ساتھ — رات کو رہتا ہے اکثر میرؔ کے پہلو میں درد

بن گُل نوا ہی میں تو ، پہ تُو جا کے نو بہ نو — صحنِ چمن میں اے پر پرواز ! میرے بعد

نہ پڑھا خط کو ، یا پڑھا قاصد ! — آخر کار کیا کہا ؟ قاصد !

اب غرض خامشی ہی بہتر ہے   کیا کہوں تجھ سے ماجرا، قاصد!

ایذا ہے میر پر جو وہ تو کہوں ہی گا میں   بارے یہ کہہ! کہ تیری خاطر میں کیا ہے، شاہد!

اے گل نو دمیدہ کے مانند   ہے تو کس آفریدہ کے مانند
ہم امیدِ وفا پہ تیری، ہوئے   غنچۂ دیر چیدہ کے مانند
خاک کو میری، سیر کرکے پھرا   وہ غزالِ رمیدہ کے مانند
ہم گرفتارِ حال ہیں اپنے   طائرِ پَر بُریدہ کے مانند
دل تڑپتا ہے اشکِ خونیں میں   صید در خوں تپیدہ کے مانند
میر صاحب بھی اُس کے ہاں تھے لیک   بندۂ زر خریدہ کے مانند

قفس تو یاں سے گئے، پر مدام ہے صیاد   چمن کی صبح، کوئی دم کو، شام ہے صیاد!
بہت ہیں ہاتھ ہی تیرے، نہ کر قفس کی فکر   مرا تو کام انھیں میں تمام ہے صیاد!
چمن میں مَیں نہیں ایسا پھنسا کہ یُوں چھُوٹُوں   مجھے تو ہر رگِ گُل، تارِ دام ہے صیاد!
یہی، گُلوں کو تنک دیکھوں، اتنی مہلت ہو   چمن میں اور تو کیا مجھ کو کام ہے صیاد!
ابھی کہ وحشی ہے؛ اِس کش مکش کے بیچ ہے میر   خدا ہی اُس کا ہے، جو تیرا دام ہے صیاد!
میرے سنگِ مزار پر فرہاد   رکھ کے تیشہ، کہے ہے: یا استاد!

خاک بھی سر پہ ڈالنے کو نہیں   کس خرابے میں ہم ہوئے آباد
ہر طرف ہیں اسیر ہم آواز   باغ ہے گھر ترا تو اے صیاد!

ردیف ر

ہم تو اسیرِ کنجِ قفس ہو کے مر چلے   اے اشتیاقِ سیرِ چمن! تیری کیا خبر؟
آئی ہی بُو جیو تو بلا اپنے سر صبا!   دے مشکِ خام زلفیں پریشاں ہوئیں اگر
کیا جانوں! کس کے تیئں لبِ خنداں کے بے تُلُق   میں نے جو آنکھیں کھول کے دیکھیں؛ سو چشمِ تر
کرتا ہے کون منع کہ سج اپنی، تُو نہ دیکھ   لیکن کبھی تو میر کے کر حال پر نظر

غیروں سے وے اشارے، ہم سے چھپا چھپا کر　　پھر دیکھنا اِدھر کو آنکھیں مِلا مِلا کر!
ہر گام سدِ راہ تھی بُت خانے کی محبت　　کعبے تلک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر
نخچیر گہ میں تجھ سے جو نیم کُشتہ چھوٹا　　حسرت نے اُس کو مارا آخر تڑپا تڑپا کر
میں منع میر تجھ کو کرتا نہ تھا ہمیشہ　　کوئی نہ جان تُو نے دل کو لگا لگا کر

نہ ہو ہرزہ دَرا اتنا، خموشی، اے جرس! بہتر　　نہیں اس قافلے میں اہلِ دل، ضبطِ نفس بہتر!
سدا ہو خار خار باغباں گل کا جہاں مانع　　سمجھ، اے عندلیب! اس باغ سے کُنجِ قفس بہتر

کیا زمزمہ؟ کروں ہوں خوشی تجھ سے ہم صفیر!　　آیا جو میں چمن میں، تو جاتی رہی بہار
کس ڈھب سے راہِ عشق چلوں، ہے یہ ڈر مجھے　　پُھوٹیں کہیں نہ آبلے، ٹُوٹیں کہیں نہ خار

ہے جائے، ہر دل میں، تری آ، درگزر کر، بے وفا!　　کر رحم ٹک اپنے اُپر، مت ہو دل آزار اس قدر

پَر افشانی قفس ہی کی بہت ہے　　کہ پروازِ چمن قابل نہیں پر

گُلِ پژمُردہ کا نہیں ممنون　　ہم اسیروں کا گوشۂ دستار
سیکڑوں حرف ہیں گرہ دِل میں　　پر کہاں پایئے لبِ اظہار
بحثِ نالہ بھی کیجیو بُلبل!　　پہلے پیدا تو کر لبِ گفتار
شکر کر داغِ دل کا اے غافل!　　کس کو دیتے ہیں دیدۂ بیدار

ق

واں، جہاں خاک کے برابر ہے　　قدرِ ہفت آسمانِ ظلم شعار
یہی درخواست پاسِ دل کی ہے　　نہیں روزہ نماز کچھ درکار

ہوئیں کس ستم دیدہ کے پاس یک جا　　نگاہیں شرر ریز، پلکیں جگر بار
کہو! کوئی دیکھے اسے سیر کیوں کر　　کہ ہے اُس تنِ نازک اوپر نظر بار
سبک کر دیا دل کی بے طاقتی نے　　نہ جانا تھا اُس کی طرف ہم کو ہر بار

دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہو سکے　　پچھتاؤ گے، سُنو ہو! یہ بستی اُجاڑ کر

افسوس! وُے کہ منتظر اک عمر تک رہے　　پھر مر گئے ترے تئیں اک بار دیکھ کر
جاتا ہے آسماں لیے کُوچہ سے یار کے　　آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر
جی میں تھا اس سے ملیے تو کیا کیا نہ کہیے میر　　پر جب ملے، تو رہ گئے ناچار دیکھ کر

دُوری میں دل کی بُروں کی کٹتی ہے کیوں کہ سب کی　　آدھا نہیں رہا ہوں، تجھ سے تو مَیں بچھڑ کر
دیکھو نہ چشمِ کم سے معمورۂ جہاں کو　　بنتا ہے ایک گھر یاں نقشِ صُورتیں بگڑ کر

وہ تنگ پوش اک دن دامن کش ہو گیا تھا　　رکھی ہیں جا نمازیں اہلِ وَرع نے تہ کر
برسوں عذاب دیکھے، قرنوں تعب اٹھائے　　یہ دل حزیں ہوا ہے کیا کیا جفائیں سہ کر

وعدے برسوں کے جن نے دیکھے ہیں　　دم میں عاشق کا حال ہے کچھ اور
سہل مت بُوجھ! یہ طلسمِ جہاں　　ہر جگہ یاں خیال ہے کچھ اور
تُو رگِ جاں سمجھتی ہو گی نسیم!　　اُس کے گیسو کا بال ہے کچھ اور
نہ ملیں گو کہ ہجر میں مر جائیں　　عاشقوں کا وصال ہے کچھ اور

شکوۂ آبلہ ابھی سے میر　　ہے پیارے! ہنوز دِلّی دُور

دل سے میرے شکستیں اُلجھی ہیں　　سنگ باراں ہے آبگینے پر
چاکِ سینہ سے کُھل گئے ٹانکے　　کیا رفو کم ہوا ہے سینے پر
جورِ دل بر سے کیا ہوں آزردہ　　میر! اس چار دن کے جینے پر

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے　　یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
اس کے اُوپر کہ دل سے تھا نزدیک　　غمِ دُوری چلے ہیں ہم لے کر
بارہا صیدگہ سے اس کے گئے　　داغِ یاسِ آہوئے حرم لے کر

دل پہ کب اکتفا کرے ہے عشق　　جائے گا جان بھی، یہ غم، لے کر
میر صاحب ہی چُوکے، اے بدعہد!　　ورنہ دینا تھا دل، قسم لے کر

سوتا تھا بے خبر تُو نشہ میں جو رات کو　　سَو بار میر نے تری اُٹھ اُٹھ کے لی خبر

فرصتِ عیش اپنی یُوں گزری　　کہ مصیبت پڑی تمنّا پر
میر! کیا بات اس کے ہونٹوں کی　　جینا دُوبھر ہوا مسیحا پر

مٹے لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دئے　　پیدا کئے تھے چرخ نے جو خاک چھان کر!

آزار دیکھے کیا کیا اُن پلکوں سے اٹک کر　　جی لے گئے یہ کانٹے، دل میں کھٹک کھٹک کر
سرو و تدرو دونوں پھر آپ میں نہ آئے　　گلزار میں چلا تھا وہ شوخ ٹک لٹک کر
کب آنکھ کھول، دیکھا ترے تئیں سرہانے؛　　ناچار مر گئے ہم سر کو پٹک پٹک کر
حاصل بجز کدورت اس خاکداں سے کیا ہے؛　　خوش وہ کہ اُٹھ گئے ہیں داماں جھٹک جھٹک کر
ٹک منہ سے اس کے دی شب برقع سرک گیا تھا　　جاتی رہی نظر سے مہتاب سی چھٹک کر

ردیف ز

غنچے چمن چمن کھلے اس باغِ دہر میں　　دل ہی بُرا ہے، جو نہیں ہوتا ہے وا ہنوز!
غنچہ نہ بوجھ! دل بے کسی مجھ سے زار کا　　کھُلتا نہیں جو سعی سے تیری، صبا! ہنوز
ٹوٹا تھا کس کا شیشۂ دل، تُو نے سنگ دل!　　ہے دل خراش کوچے میں تیرے صدا ہنوز

آتشِ دل نہیں بُجھی شاید　　قطرۂ اشک ہے شرارہ ہنوز
اشک جھمکا ہے جب، نہ نکلا تھا　　چرخ پہ صبح کا ستارہ ہنوز

بارہا چل چکی تلوار، تری چال پہ شوخ　　تو نہیں چھوڑتا اس طرز کی رفتار ہنوز
کوئی تو آبلہ پا دشتِ جنوں سے گزرا　　ڈوبا ہی جائے ہے لوہو میں سرِ خار ہنوز

آنکھوں میں آن رہا جی، جو نکلتا ہی نہیں   دل میں میرے ہے گرہ، حسرتِ دیدار ہنوز

اشک کی لغزشِ مستانہ پہ مت کیجو نظر   دامنِ دیدۂ گریاں ہے مرا، پاک ہنوز

ردیف س

حرماں تو دیکھ، پھول بکھیرے تھی کل صبا   اِک برگِ گل گرا نہ جہاں تھا مرا قفس
حیراں ہوں میرؔ نزع میں اب کیا کروں بھلا؟   احوالِ دل بہت ہے، مجھے فرصت اک نفس

بوئے خوں آتی ہے بادِ صبح گاہی سے مجھے   نکلے ہے بے درد شاید ہو کسی گھائل کے پاس

مرگیا میں، ملا نہ یار، افسوس!   آہ، افسوس! صد ہزار افسوس!!
رخصتِ سیرِ باغ تک نہ ہوئی   یُوں ہی جاتی رہی بہار، افسوس!

ردیف ش

ابرِ شُرٹے کچ ہے موج کوئی چشم ہے حباب   موتی کسی کی بات ہے، سیپی کسی کا گوش
ان مُغ بچوں کے کُوچے ہی سے میں کیا سلام   کیا مجھ کو طوفِ کعبہ سے میں رندِ دُرد نوش
حیرت سے ہوئے پرتوِ مہ نورِ آئینہ   تو چاندنی میں نکلے اگر ہو سفید پوش

ردیف غ

ہم اور تیری گلی سے سفر، دروغ، دروغ   کہاں دماغ ہمیں اس قدر، دروغ، دروغ
تم اور ہم سے محبت تمھیں، خلاف، خلاف   ہم اور اُلفتِ خوبِ دِگر، دروغ، دروغ
کِسُو کے کہنے سے، مت بدگماں ہو میرؔ سے تُو   وہ اور اس کو کِسُو پہ نظر، دروغ، دروغ

شیخ! سچ، خوب ہے! بہشت کا باغ   جائیں گے، گر وفا کرے گا دماغ

ردیف ف

جو دیکھو مرے شعرِ تر کی طرف　　تو مائل نہ ہو پھر گہر کی طرف
کوئی دادِ دل آہ! کس سے کرے؟　　ہر اک ہے، سو اس فتنہ گر کی طرف
محبت نے شاید کہ دی دل میں آگ　　دھواں سا ہے کچھ اس نگر کی طرف
بہت رنگ ملتا ہے، دیکھو کبھو　　ہماری طرف سے سحر کی طرف
ٹپکتا ہے پلکوں سے خوں متصل　　نہیں دیکھتے ہم جگر کی طرف

ردیف ک

بے لطف تیرے، کیوں کر تجھ تک پہنچ سکیں ہم　　ہیں سنگِ راہ اپنے کتنے یہاں سے واں تک

ابرو ہی کی جنبش نے یہ ستھراؤ کیے ہیں　　مارا نہیں ان نے کوئی تلوار سے اب تک
برسوں ہوئے، دل سوختہ بلبل کو موئے، لیک　　اک دُود سے اُٹھتا ہے چمن زار سے اب تک
کیا جانئے! ہوتے ہیں سخن لطف کے کیسے؟　　پُوچھا نہیں اُن نے تو ہمیں پیار سے اب تک

میرِ گم کردہ چمن، زمزمہ پرداز ہے ایک　　جس کی لے دام سے تا گوشِ گُل آواز ہے ایک
کچھ ہو، اے مرغِ قفس! لطف نہ جائے اس سے　　نوحہ یا نالہ، ہر اک بات کا انداز ہے ایک
ناتوانی سے نہیں بال فشانی کا دماغ　　ورنہ تا باغ، قفس سے مری پرواز ہے ایک
گوشش کو ہوش کے ٹک کھول کے، سُن شورِ جہاں　　سب کی آواز کے پردے میں، سخن ساز ہے ایک
چاہے جس شکل سے تمثال صفت اس میں در آ　　عالَمِ آئینہ کے مانند درِ باز ہے ایک

نقاش! کیوں کہ کھینچ چکا تو شبیہِ یار　　کھینچوں ہوں ایک ناز ہی اُس کا میں اب تلک
باقی یہ داستان ہے اور کل کی رات ہے　　گر جان میری میرؔ نہ آ پہنچے لب تلک

شوق ہے، تو ہے اس کا گھر نزدیک　　دوریٔ رہ ہے راہ بر نزدیک
آہ کرنے میں، دم کو سادھے رَہ!　　کہتے ہیں: دل سے ہے جگر نزدیک

خبر آتی ہے، سو بھی دُور سے یاں ۔۔۔ آؤ: یک بار بے خبر نزدیک
مر بھی رہ میرؔ، شب بہت رویا ۔۔۔ ہے مری جان! اب سحر نزدیک

جلے شب، آگ سا دیکھا سُلگتے ۔۔۔ اُسے پھر خاک ہی پایا سحر تک
کھنچی کیا کیا خرابی زیرِ دیوار ۔۔۔ ولے آیا نہ وہ ٹک، گھر سے در تک
گلی تک تیری، لایا تھا ہمیں شوق ۔۔۔ کہاں طاقت، کہ اب پھر جائیں گھر تک
کہاں پھر شور و شیون، جب گیا میرؔ ۔۔۔ یہ ہنگامہ ہے اُس ہی نوحہ گر تک

کعبہ پہنچا، تو کیا ہوا؟ اے شیخ! ۔۔۔ سعی کر ٹک، پہنچ کسی دل تک
بجھ گئے ہم چراغ سے باہر ۔۔۔ کہیو، اے باد! شمعِ محفل تک

ردیف گ

بن: جو کچھ بن سکے، جوانی میں ۔۔۔ رات تو تھوڑی ہے، بہت ہے سانگ
عشق کا شور کوئی چھپتا ہے ۔۔۔ نالۂ عندلیب ہے گُل بانگ
کس طرح ان سے کوئی گرم ملے ۔۔۔ سیم تن پگھلے جاتے ہیں، جوں رانگ
میرؔ! بندوں سے کام کب نکلا ۔۔۔ مانگنا ہے جو کچھ، خدا سے مانگ!

ردیف ل

اللہ رے! عندلیب کی آوازِ دل خراش ۔۔۔ جی ہی نکل گیا جو کہا اُن نے: ہائے گُل!
مقدور تک، شراب سے رکھ انکھڑیوں میں رنگ ۔۔۔ یہ چشمکِ پیالہ ہے ساقی! ہوائے گُل
آ، عندلیب! صلح کریں، جنگ ہو چکی ۔۔۔ لے اے زباں دراز! تُو سب کچھ، سوائے گُل
گُل چیں! سمجھ کے چُنیو کہ گلشن میں میرؔ کے ۔۔۔ لختِ جگر پڑے ہیں، نہیں برگ ہائے گُل

گل کی جفا بھی جانی، دیکھی وفائے بُلبل ۔۔۔ یک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بُلبل
کر سیر جذب الفت، گُل چیں نے کل چمن میں ۔۔۔ توڑا تھا شاخِ گل کو، نکلی صدائے بُلبل
آئی بہار، گلشن، گُل سے بھرا ہے، لیکن ۔۔۔ ہر گوشۂ چمن میں خالی ہے جائے بُلبل

مشکل ہے، مِٹ گئے ہوئے نقشوں کی پھر نمود　　جو صُورتیں بگڑ گئیں، ان کا نہ کر خیال

سیر کر! عندلیب کا احوال　　ہیں پریشان چمن میں کچھ پر و بال
تپِ غم تو گئی، طبیب، ولے　　پھر نہ آیا کبھو مزاج بحال
سبزہ نورستہ رہ گزر کا ہوں　　سر اُٹھایا کہ ہو گیا پامال
کیوں نہ دیکھوں چمن کو حسرت سے　　آشیاں تھا مرا بھی یاں، پر سال
ہم تو سہ گزرے، کج روی تیری　　نہ نبھے گی پر اے فلک! یہ چال

دنیا ہے میرؔ! حادثہ گاہِ مقرری　　یاں سے تُو اپنا پاؤں شتابی نکال چل

ٹھوکر دلوں کو لگنے لگی ہے، خرام میں　　لاوے گی اک بلا، تری رفتار آج کل

ردیف م

کیا بُلبلِ اسیر ہے بے بال و پر کہ ہم　　گُل کب رکھے ہے ٹکڑے جگر جس قدر کہ ہم
جیتے ہیں تو دکھا دیں گے دعوائے عندلیب　　گُل بن، خزاں میں اب کی وہ رہتی ہے مر کہ ہم
اس جستجو میں اور خرابی، تو کیا کہیں　　اتنی نہیں ہوئی ہے صبا در بدر کہ ہم

رنگِ شکستہ میرا بے لطف بھی نہیں ہے　　اک آدھ رات کو تو یاں بھی سحر کرو تم
ہے پیچ دار از بس! راہِ وصال و ہجراں　　ان دو ہی منزلوں میں برسوں سفر کرو تم
یہ ظلم ہے تو ہم بھی اس زندگی سے گزرے　　سوگند ہے تمہیں اب جو درگزر کرو تم

ق

ہو عاشقوں میں اُس کے، تو آؤ، میرؔ صاحب!　　گردن کو اپنی، مُو سے باریک تر کرو تم
کیا لُطف ہے وگرنہ، جس دم وہ تیغ کھینچے　　سینہ سپر کریں ہم، قطع نظر کرو تم

جانا! کہ شغل رکھتے ہو تیر و کماں سے تم　　پر مل چلا کرو بھی کسی خستہ جاں سے تم
ہم اپنی چاک جیب کو سی رہتے یا نہیں　　پھاٹے میں پاؤں دینے کو آئے کہاں سے تم؟

مدت ہوئی کہ چاک قفس ہی سے اب تو میرؔ　　دِکھلا رہے ہیں گُل کو دلِ چاک چاک ہم

نہ جانا، یہ کہ کہتے ہیں کسے پیار　　رہیں بے کُلفیاں ہی یاں تو باہم
مرض ہی عشق کا بے ڈول ہے کچھ　　بہت کرتے ہیں اپنی سی دوا ہم
کب آگے کوئی مرتا تھا کسی پر　　جہاں میں کر گئے رسمِ وفا ہم
مُوا جس کے لیے، اُس کو نہ دیکھا　　نہ سمجھے میرؔ کا کچھ مدعا ہم

اگر راہ میں اُس کی رکھا ہے گام　　گئے گزرے خضر علیہ السلام

ق

قیامت ہی یاں چشم و دل سے رہی　　چلے بس تو واں جا کے کوئیے قیام
نہ دیکھے جہاں کوئی آنکھوں کی اُور　　نہ لیوے کوئی جس جگہ دل کا نام

گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم　　لیک لگ چلنے میں بلا ہیں ہم
کام کیا آتے ہیں گے معلومات　　یہ تو سمجھے ہی نہ کہ کیا ہیں ہم
اے بُتاں! اس قدر جفا ہم پر　　عاقبت بندۂ خدا ہیں ہم
کوئی خواہاں نہیں ہمارا میرؔ　　گویا جنسِ ناروا ہیں ہم

ردیف ن

بے کلی، بے خودی کچھ آج نہیں　　ایک مدت سے وہ مزاج نہیں
درد اگر یہ ہے، تو مجھے بس ہے　　اب دوا کی بھی احتیاج نہیں
ہم نے اپنی سی کی بہت، لیکن　　مرضِ عشق کا علاج نہیں
شہرِ خوبی کو خوب دیکھا میرؔ　　جنسِ دل کا کہیں رواج نہیں

ہنس کر کبھو بلایا، تو برسوں تک رُلایا　　اُس کی ستم ظریفی کس کے تئیں دکھاؤں
از خویش رفتہ ہر دم، فکر وصال میں ہوں　　کتنا میں کھویا جاؤں یارب! کہ تجھ کو پاؤں
آسودگی تو معلوم! اے میرؔ! جیتے جی یاں　　آرام تب ہی پاؤں، جب جی سے ہاتھ اٹھاؤں

سوزشِ دل سے مُفت گلتے ہیں — داغ، جیسے چراغ جلتے ہیں
اس طرح دل گیا کہ اب تک ہم — بیٹھے روتے ہیں، ہاتھ ملتے ہیں
بھری آتی ہیں آج یُوں آنکھیں — جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں
دمِ آخر ہے، بیٹھ جا، مت جا! — صبر کر ٹُک کہ ہم بھی چلتے ہیں
تیرے بے خود جو ہیں، سو کیا چیتیں — ایسے ڈُوبے کہیں اچھلتے ہیں
فتنہ در سر، بُتانِ حشر خرام — ہائے رے! کس ٹھسک سے چلتے ہیں
نظر اُٹھتی نہیں کہ جب خُوباں — سوتے سے اُٹھ کے آنکھ ملتے ہیں
میرؔ صاحب کو دیکھیے، جو بنے — اب بہت گھر سے کم نکلتے ہیں

دیں عمرِ خضر موسمِ پیری میں، تو نہ لے — مرنا ہی اس سے خوب ہے عہدِ شباب میں

کوئی ہوا نہ دست بہ سر، شہرِ حُسن میں — شاید نہیں ہے رسمِ جوابِ سلام یاں
ناکام رہنے ہی کا تمھیں غم ہے آج میرؔ — بہتوں کے کام ہو گئے ہیں کل تمام یاں

نہ گیا خیالِ زُلفِ سیہِ جفا شعاراں — نہ ہوا کہ صبح ہووے شبِ تیرہ روزگاراں
ہوئی عید سب نے پہنے طرب و خوشی کے جامے — نہ ہوا کہ ہم بھی بدلیں یہ لباسِ سوگواراں
کہیں خاک کُو کو اُس کی تُو صبا! نہ دیجو جنبش — کہ بھرے ہیں اس زمیں میں جگرِ جگر فگاراں
یہ سُنا تھا میرؔ ہم نے کہ فسانہ خواب لائے — تری سرگزشت سُن کر گئے اور خوابِ یاراں

متصل روتے ہی رہیے تو بُجھے آتشِ دل — ایک دو آنسو، تو اور آگ لگا جاتے ہیں
وقتِ خوش اُن کا جو ہم بزم ہیں تیرے، ہم تو — در و دیوار کو احوال سنا جاتے ہیں
ایک بیمارِ جُدائی ہوں میں آپ ہی، تِس پر — پُوچھنے والے جدا جان کو کھا جاتے ہیں
میرؔ صاحب بھی ترے کُوچے میں شب آتے ہیں لیک — جیسے دریوزہ گری کرنے گدا جاتے ہیں

اُس کے کُوچے میں نہ کر، شورِ قیامت کا ذکر — شیخ! یاں ایسے تو ہنگامے ہوا کرتے ہیں
تو پری شیشے سے نازک ہے، نہ کر دعویٰ مہر — دل ہیں پتھر کے اُنھوں کے، جو وفا کرتے ہیں

تجھ بن اس جانِ مصیبت زدہ، غم دیدہ پہ ہم　　کچھ نہیں کرتے، تو افسوس کیا کرتے ہیں
کیا کہیں میرؔ جی ہم تم سے معاش اپنی غرض　　غم کو کھایا کریں ہیں، لوہو پیا کرتے ہیں

ہم چشم ہے ہر آبلۂ پا کا، مرا اشک　　از بس کہ تری راہ میں آنکھوں سے چلا ہوں
تب گرمِ سخن کہنے لگا ہوں میں کہ اِک عمر　　جوں شمع، سرِ شام سے تا صبح، جلا ہوں
سینہ تو کیا فضلِ الٰہی سے سبھی چاک!　　ہر وقت دعا، میرؔ! کہ اب دل کو لگا ہوں

جنسِ گراں کو تجھ سے جو لوگ چاہتے ہیں　　وے روگ اپنے جی کو ناحق بساہتے ہیں

ہوائے مے کدہ یہ ہے، تو فوتِ وقت ہے ظلم　　نماز چھوڑ دیں اب کوئی اور گناہ کریں
بڑی بلا ہیں ستم کشتۂ محبت ہم　　جو تیغ برسے تو سر کو نہ کچھ پناہ کریں
اگرچہ سہل ہیں، پر دیدنی ہیں ہم بھی میرؔ　　ادھر کو یار تأمل سے گر نگاہ کریں

یہ دل وہ جا ہے، جس میں دیکھا تھا تجھ کو بستے　　کن آنکھوں سے اب اُجڑا اس گھر کو آہ! دیکھوں

سو بار ہم نے گُل کے کہے پر، چمن کے بیچ　　بھر دی ہیں آبِ چشم سے راتوں کو کیاریاں

تربت سے عاشقوں کی، نہ اٹھا کبھو غبار　　جی سے گئے، ولے نہ گئیں رازداریاں
پڑھتے پھریں گے گلیوں میں ان ریختوں کو لوگ　　مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں
گُل نے ہزار رنگِ سخن سر کیا، ولے　　دل سے گئیں نہ باتیں تری پیاری پیاریاں

درد و اندوہ میں ٹھہرا جو رہا میں ہی ہوں　　رنگِ رُو جس کے کبھو مُنہ نہ چڑھا میں ہی ہوں
خار کو جن نے لڑی موتی کی کر دکھلایا　　اس بیابان میں وہ آبلہ پا میں ہی ہوں
کاسۂ سر کو لیے، مانگتا دیدار پھرے　　میرؔ! وہ جان سے بیزار گدا، میں ہی ہوں

غافل نہ رہیو ہم سے کہ ہم وے نہیں رہے　　ہوتا ہے اب تو حال عجب ایک آن میں

دل نذر و دیدہ پیش کش لے باعثِ حیات! سچ کہہ اگر جی لگے ہے ترا کس مکان میں؟
پھاڑا ہزار جا سے گریبانِ صبر، میرؔ کیا کہہ گئی نسیمِ سحر، گُل کے کان میں

زباں رکھ غنچہ ساں اپنے دہن میں بندھی مُٹھی چلا جا اس چمن میں
رکھا کر ہاتھ دل پر، آہ کرتے نہیں رہتا چراغ ایسی پوَن میں
نہ تجھ بِن ہوش میں ہم آئے ساقی مسافر ہی رہے اکثر وطن میں
خرد مندی ہوئی زنجیر، ورنہ گزرتی خوب تھی دیوانہ پن میں

جن کے لیے اپنے تو یُوں جان نکلتے ہیں اس راہ میں وے، جیسے انجان نکلتے ہیں
مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

تُو گلی میں اُس کی آ، جا، ٹلے لے صبا! نہ چنداں کہ گڑے ہوئے پھر اُکھڑیں، دلِ چاک دردمنداں

مرنے سے تم ہمارے خاطر رنجنت رکھیو اس کام کا بھی ہم کچھ اسلوب کر چکے ہیں
حُسنِ کلام کھینچے کیوں کر نہ دامنِ دل اس کام کو ہم آخر مجبوب کر چکے ہیں

خال وخط ایسے فتنے، نگاہیں یہ آفتیں کچھ اک بلا وہ زلفِ پریشان ہی نہیں
کیا تجھ کو بھی جنوں تھا کہ جامے ہیں تیرے میرؔ سب کچھ بجا ہے ایک گریبان ہی نہیں

ہم آپ ہی کو اپنا مقصود جانتے ہیں اپنے سوائے کس کو موجود جانتے ہیں
عجز و نیاز اپنا، اپنی طرف ہے سارا اس مُشتِ خاک کو ہم مسجود جانتے ہیں
صورت پذیر ہم بِن، ہرگز نہیں وے معنی اہلِ نظر ہمیں کو معبود جانتے ہیں
اپنی ہی سیر کرنے ہم جلوہ گر ہوئے تھے اس امر کو و لیکن معدود جانتے ہیں
مرکر بھی ہاتھ آوے، تو میرؔ مُفت ہے وہ جی کے زیان کو بھی ہم سود جانتے ہیں

چاہے ہے آج ہُوں میں ہفت آسماں کے اُوپر دِل کے مزاج میں بھی کتنی ستا بیاں ہیں

جی بکھرے، دل ڈہے ہے، سر بھی گرا پڑے ہے   خانہ خراب! تجھ بن، کیا کیا خرابیاں ہیں

اب فائدہ سراغ سے بلبل کے، باغباں!   اطرافِ باغ ہوں گے، پڑے مشتِ پر کہیں

کیا تم کو اچنبھا ہے سختی کا محبت میں   دشوار ہی ہوتا ہے، دل جن کے اٹکتے ہیں

پہنچے نہیں کہیں کہ نہیں واں سے اُٹھ چلے   القصہ ایک عمر سے ہم ہیں گے راہ میں
بیٹھے تھے میرؔ یار کے دیدار کو سو ہم   اپنا یہ حال کر کے اُٹھے اک نگاہ میں

نہ تنگ کر اسے، اے فکرِ روزگار! کہ میں   دل اُس سے دم کے لیے مستعار لایا ہوں
چلا نہ اُٹھ کے وہیں چپکے چپکے پھر تو میرؔ   ابھی تو اُس کی گلی سے پکار لایا ہوں

جفائیں دیکھ لیاں، بے وفائیاں دیکھیں   بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں

اُس کے نزدیک کچھ نہیں عزت   میرؔ جی یُوں ہی خوار ہوتے ہیں

وے جو حُسن و جمال رکھتے ہیں   سارے، تیرا خیال رکھتے ہیں
گفتگو ناقصوں سے ہے، ورنہ   میرؔ جی بھی کمال رکھتے ہیں

موسم حیرت ہے، دل بھر کر تو رونا مل گیا   اتنے بھی آنسو بہم پہنچیں کہ مژگاں نم کروں

بار ہا وعدوں کی راتیں آئیاں   طالبوں نے صبح کر دکھلائیاں
ایک بھی چشمک نہ اُس مہ کی سی کی   آنکھیں تاروں نے بہت جھمکائیاں
ایک سی صورت نہ پکڑی پیشِ یار   دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں

دیکھیں تو، تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں   اب ہم نے بھی کسو سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
ٹک مُس! اگر تُو برسوں کی ناموسِ خامشی کو   دو چار دل کی باتیں اب منہ پہ آئیاں ہیں
آئینہ ہو کے صورت، معنی سے ہے لبالب   رازِ نہانِ حق میں کیا خود نمائیاں ہیں

میں کون ہوں ؟ اے ہم نفساں ! سوختہ جاں ہوں ! اک آگ مرے دل میں ہے شعلہ فشاں ہوں
لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر میں ورنہ وہی خلوتیِ رازِ نہاں ہوں
جلوہ ہے مجھی سے لبِ دریائے سخن پر صد رنگ مری موج ہے ، میں طبعِ رواں ہوں
پنجہ ہے مرا پنجۂ خورشید میں ہر صبح میں شانہ صفت سایہ روِ زلفِ بتاں ہوں
دیکھا ہے مجھے جن نے ، سو دیوانہ ہے میرا میں باعثِ آشفتگیِ طبعِ جہاں ہوں
تکلیف نہ کر آہ ! مجھے جنبشِ لب کی میں صد سخن آغشتہ بہ خوں زیرِ زباں ہوں
ہوں زرد غمِ تازہ نہالانِ چمن سے اس باغِ خزاں دیدہ میں ، میں برگِ خزاں ہوں
رکھتی ہے مجھے خواہشِ دل ، بلکہ پریشاں درپے نہ ہو اس وقت خدا جانے کہاں ہوں؛
اک وہم نہیں بیش مری ہستیِ موہوم اس پر بھی تری خاطرِ نازک پہ گراں ہوں

وفا پیشگی قیس تک تھی بھی کچھ کچھ اب اس طور کے لوگ کم دیکھتے ہیں
بہت ہی اپنے تیں ہم تو خوار پاتے ہیں وہ کوئی اور ہیں جو اعتبار پاتے ہیں

ٹک تورہ ! اے بنائے ہستی تو تجھ کو کیسا خراب کرتا ہوں

جی میں پھرتا ہے میرؔ وہ میرے جاگتا ہوں کہ خواب کرتا ہوں

خاک میں لوٹتے تھے کل تجھ بن آج لوہو میں ہم نہاتے ہیں
اے عدم ہونے والو ! تم تو چلو! ہم بھی اب کوئی دم میں آتے ہیں

آتا ہے دل میں حالِ بد اپنا بھلا کہوں پھر آپ ہی آپ سوچ کے کہتا ہوں کیا کہوں؛

ہری نمو نے مجھ کو کیا برابر خاک میں نقشِ پا کی طرح پائمال اپنا ہوں

کھودیں ہیں نیند میری مصیبت بیانیاں تم بھی تو ایک رات سنو یہ کہانیاں
یہ بے قراریاں نہ کبھو اُن نے دیکھیاں جاں کاہیاں ہماری بہت سہل جانیاں

کیفیتیں اُٹھی ہیں یہ کب خانقاہ میں بدنام کر رکھا ہے خرابات کے تئیں
ہم جانتے ہیں یا کہ دل آشنا زدہ کہیے سو کس سے عشق کے حالات کے تئیں
آخر کے یہ سلوک ہم اب تیرے دیکھ کر کرتے ہیں یاد پہلی ملاقات کے تئیں

دیا عاشق نے جی ، تو عیب کیا ہے ؛ یہی میرؔ اک ہنر ہوتا ہے ہم میں

ایک دَم پر ہے بِنا تیری ، سو آیا کر نہیں　　وہ کچھ اس زندگی میں کر کہ تجھے یاد کریں
ریختہ خوب ہی کہتا ہے ، جو انصاف کرو　　چاہیے اہلِ سخن میرؔ کو استاد کریں

ملنے لگے ہو دیر دیر ، دیکھیے کیا ہے کیا نہیں　　تم تو کرو ہو صاحبی ، بندے میں کچھ رہا نہیں
ایک فقط ہے سادگی ، تِس پہ بلائے جاں ہے تُو　　عشوہ ، کرشمہ ، کچھ نہیں ، آن نہیں ، ادا نہیں
آب و ہوائے ملکِ عشق تجربہ کی ہے میں بہت　　کر کے دوائے دردِ دل کوئی بھی پھر جیا نہیں

کبھُو آتے ہیں آپ میں تجھ بِن　　گھر میں ہم میہمان ہوتے ہیں
تجھ عشق میں تو مرنے کو تیار بہت ہیں　　یہ جُرم ہے تو ایسے گنہ گار بہت ہیں
کوئی تو زمزمہ کرے میرا سا دل خراش　　یُوں تو قفس میں اور گرفتار بہت ہیں

دِوانہ ہوگیا تو میرؔ آخر ریختہ کہہ کہہ　　نہ کہتا تھا میں اے ظالم! کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں

سینے پر داغ کا احوال میں پوچھوں ہوں نسیم　　یہ بھی تختہ کبھُو ہووے گا سزاوارِ چمن

بزم میں جو ترا ظہور نہیں　　شمعِ روشن کے منہ پہ نور نہیں
کتنی باتیں بنا کے لاؤں ، لیک　　یاد رہتی ترے حضور نہیں

ق

فکر مت کر ہمارے جینے کا　　تیرے نزدیک کچھ یہ دُور نہیں
پھر جئیں گے ، جو تجھ سا ہے جاں بخش　　ایسا جینا ہمیں ضرور نہیں
عام ہے یار کی تجلّی ، میرؔ!　　خاص مُوسیٰ و کوہِ طُور نہیں

دامن پہ تیرے گرد کا کیوں کر اثر نہیں　　ہم دل جلوں کی خاک جہاں میں کدھر نہیں
دامان و جیب و دیدۂ و مژگان و آستیں　　اب کون سا رہا ہے کہ ان میں سے تر نہیں!

جس کی نظر پڑی ہے اُن نے مجھے بھی دیکھا　　جب سے وُہ شوخ آنکھیں میں نے سراہیاں ہیں

یہ ناز و سرگرانی اللہ رے کہ ہر دم نازک مزاجیاں ہیں یا کج کُلاہیاں ہیں
شاہد نوں تیرؔ کس کو اہلِ محلہ سے یَیں محضر پہ خوں کے میرے سب کی گواہیاں ہیں

تجھے بھی یار اپنا یُوں تو ہم ہر بار کہتے ہیں ولے کم ہیں بہت وے لوگ جن کو یار کہتے ہیں
سمجھ کر ذکر کر آسودگی کا مُجھ سے اے ناصح! وہ میں ہی ہوں کہ جس کو عافیت بیزار کہتے ہیں
عجب ہوتے ہیں شاعر بھی، میں اس فرقے کا عاشق ہوں کہ بے دھڑکے، بھری مجلس میں یہ اسرار کہتے ہیں

کیا کہوں، تیرؔ! فراموش کیا اُن نے تجھے میں تو تقریب بھی کی، پر تُو اُسے یاد نہیں

یک لحظہ سینہ کوبی سے فرصت ہمیں نہیں یعنی کہ دل کے جانے کا ماتم بہت ہے یاں
اس بُت کدے میں معنیٰ کا کس سے کریں سوال آدم نہیں ہے، صورت آدم بہت ہے یاں
عالم میں لوگ ملنے کی گوں اب نہیں رہے ہر چند ایسا ویسا تو عالم بہت ہے یاں
ویسا چمن سے سادہ نکلتا نہیں کوئی رنگینی ایک اور خم و چم بہت ہے یاں
اعجاز عیسوی سے نہیں بحث عشق میں تیری ہی بات جانِ مجسم بہت ہے یاں
میرے ہلاک کرنے کا غم ہے عبث تمھیں تم شاد زندگانی کرو، غم بہت ہے یاں
شاید کہ کام صبح تک اپنا کھنچے نہ میرؔ احوال آج شام سے درہم بہت ہے یاں

لیتے ہیں سانس یُوں ہم، جُوں تار کھینچتے ہیں اب دل گرفتگی سے آزار کھینچتے ہیں
منصور کی حقیقت تم نے سُنی ہی ہو گی حق جو کہے ہے اس کو جاں دار کھینچتے ہیں
شکوہ کروں تو کس سے؟ کیا شیخ، کیا برہمن ناز اس بلائے جاں کے سب یار! کھینچتے ہیں

جس جا کہ خس و خار کے اب ڈھیر لگے ہیں یاں ہم نے انھی آنکھوں سے دیکھی ہیں بہاریں
منظور ہے کب سے سر شوریدہ کا دینا چڑھ جائے نظر کوئی تو یہ بوجھ اتاریں
ان لوگوں کے تو گرد نہ پھر، سب ہیں لباسی سَو گز بھی جو یہ پھاڑیں، تو اک گز بھی نہ واریں
ناچار ہو، رخصت جو منگا بھیجی، تو بولا میں کیا کروں؟ جو میرؔ جی جاتے ہیں، سدھاریں!

یُوں ہی حیران و خفا ، جُوں غنچۂ تصویر ہُوں   عمر گزری ، پر نہ جانا میں کہ کیوں دل گیر ہوں
کھول کر دیوان میرا ، دیکھ قدرت مدّعی   گرچہ ہُوں میں نوجواں پر شاعروں کا پیر ہوں

کسے ہے کوہ کن ، کر فکر ، میری خستہ حالی میں   الٰہی ! شکر کرتا ہُوں تری درگاہِ عالی میں
میں وہ پژمردہ سبزہ ہُوں کہ ہو کر خاک سے سرزد   یکایک آ گیا اس آسماں کی پائمالی میں
خلاف ان اور خوباں کے ، سدا یہ جی میں رہتا ہے   یہی تو میرؔ اک خوبی ہے معشوق خیالی میں

جہاں اب خارزاریں ہو گئی ہیں   یہیں آگے بہاریں ہو گئی ہیں
سنا جاتا ہے ، شہرِ عشق کے گرد   مزاریں ہی مزاریں ہو گئی ہیں

خوش نہ آئی تمھاری چال ہمیں   یُوں نہ کرنا تھا پائمال ہمیں
حال کیا پُوچھ پُوچھ جاتے ہو   کبھُو پاتے بھی ہو بحال ہمیں

تمام صید ، سرِ تیر جمع ہیں ، لیکن   نصیب اس کے کہ جس کو ترا شکار کریں
ہمیں تو نزع میں شرمندہ آکے اُن نے کیا   رہا ہے ایک رمق جی ، سو کیا نثار کریں
رہی سہی بھی گئی عمر تیرے پیچھے یار   یہ کہہ کہ آہ ! ترا کب تک انتظار کریں

یہ غلط کہ میں پیا ہوں ، قدحِ شراب تجھ بن   نہ گلے سے میرے اُترا کبھو قطرہ آب تجھ بن
یہی سبق عاشقوں کی کبھُو سیر کرنے چل تُو   کہ محلّے کے محلّے پڑے ہیں خراب تجھ بن
سبھی آتشیں ہیں نالے ، سبھی زمہریری آہیں   مری جان پہ رہا ہے غرض اک عذاب تجھ بن
بُرے حال ہو کے مرنا ، جو ورنگ میرؔ کرتا   یہ بھلا ہوا ستم گر کہ مُوا شتاب تجھ بن

تکلیفِ باغ کن نے کی تجھ خوش وہاں کے تئیں   دیتا ہے آگ رنگ ترا گلستاں کے تئیں
اک گردش ، اے فلک ! کہ ہوا اٹھائے راہ سے   کنعاں کی اور راہ غلط کارواں کے تئیں
ہم تو ہوئے تھے تیرے اُس دن ہی ناامید   جس دن سُنا کہ اُن نے دیا دل ، بُتاں کے تئیں

موئے سہتے سہتے جفا کاریاں — کوئی ہم سے سیکھے وفاداریاں
ہماری تو گزری اسی طور عمر — یہی نالہ کرنا، یہی زاریاں
فرشتہ جہاں کام کرتا نہ تھا — مری آہ نے برچھیاں ماریاں
گیا جان سے اک جہاں، شوخ بالک — نہ تجھ سے گئیں یہ دل آزاریاں
نہ بھائی! ہماری تو قدرت نہیں — کھنچیں میرؔ تجھ سے ہی یہ خواریاں

دن نہیں، رات نہیں، صبح نہیں، شام نہیں — وقت ملنے کا مگر داخلِ ایّام نہیں!
مثلِ عنقا مجھے تم دُور سے سُن لو، ورنہ — ننگِ ہستی ہوں مری جائے بجز نام نہیں
خطرِ راہِ وفا بلکہ بہت دُور کھچ — عمر گزری کہ بہم نامہ و پیغام نہیں
بے قراری جو کوئی دیکھے ہے، سو کہتا ہے — کچھ تو ہے میرؔ جو اک دم تجھے آرام نہیں

ہے امر سہل چاہت، لیکن نباہ مشکل — پتھر کرے جگر کو، تب تو کرے وفائیں

آرزوئیں ہزار رکھتے ہیں — تو بھی ہم دل کو مار رکھتے ہیں
برق، کم حوصلہ ہے، ہم بھی تو — دلکِ بے قرار رکھتے ہیں
غیر ہی موردِ عنایت ہے — ہم بھی تو تم سے پیار رکھتے ہیں
نہ نگہ، نے پیام، نے وعدہ — نام کو ہم بھی یار رکھتے ہیں
ہم سے خوش زمزمہ کہاں، یُوں تو — لب و لہجہ ہزار رکھتے ہیں

گزر جان سے اور ڈر کچھ نہیں — رہِ عشق میں پھر خطر کچھ نہیں
ہے اب کامِ دل جس پہ موقوف، تو — وہ نالہ کہ جس میں اثر کچھ نہیں
کروں کیوں کہ انکار عشق آہ میں — یہ رونا بھلا کیا ہے گر کچھ نہیں

رونا آنکھوں کا روئیے کب تک — پُھوٹنے ہی کے باب ہیں دونوں
ایک سب آگ، ایک سب پانی — دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں
آگے دریا تھے دیدۂ تر میرؔ — اب جو دیکھو، سراب ہیں دونوں

ردیف و

تجھے گر چشمِ عبرت ہے تو آندھی اور بگولے سے   تماشا کر غبار افشانیِ خاکِ عزیزاں کو

یہ کیا جانوں، ہوا سینے میں کیا اس دل کو اب ناصح   سحر خوں بستہ تو دیکھا تھا میں نے اپنی مژگاں کو
صدائے آہ، جیسے تیر، دل کے پار ہوتی ہے   کسو بے درد نے کھینچا کسو کے دل سے پیکاں کو
کریں بال ملک فرشِ راہ اس ساعت کہ محشر میں   لہو ڈوبا کفن لاویں شہیدِ نازِ خوباں کو
کیا سیر اس خرابے کا بہت، اب چل کے سو رہیے   کسو دیوار کے سائے میں، منہ پر لے کے داماں کو
تری ہی جستجو میں گم ہوا ہے، کہہ! کہاں کھویا؟   جگر خوں گشتہ، دل آزردہ میرؔ اس خانہ ویراں کو

کیا جانیے! اے گوہرِ مقصد! تُو کہاں ہے؟   ہم خاک میں بھی مل گئے، لیکن نہ مِلا تُو
منظر میں بدن کے بھی یہ اک طُرفہ مکاں ہے   افسوس کہ ٹک دل میں ہمارے نہ رہا تُو!
تھے چاک گریبان گلستاں میں گلُوں کے   نکلا ہے مگر کھولے ہوئے بندِ قبا تُو

خط لکھ کے کوئی سادہ نہ اس کو طول ہو   ہم تو ہوں بدگمان جو قاصد رسول ہو

کہتے ہو: اتحاد ہے ہم کو   ہاں کہو: اعتماد ہے ہم کو
شوق ہی شوق ہے نہیں معلوم   اس سے کیا دل نہاد ہے ہم کو
آہ! کس ڈھب سے روئیے کم کم   شوق حد سے زیاد ہے ہم کو

ہم دُور ماندگاں کی منزل رساں مگر اب   یا ہو صدا جرس کی، یا گرد کارواں ہو
ہم سایہ اس چمن کے کتنے شکستہ پر ہیں   اتنے لیے کہ شاید اک باؤ گل فشاں ہو

آرام ہو چکا مرے جسمِ نزار کو   رکھے خدا جہاں میں دلِ بے قرار کو
ہنستا ہی میں پھروں، جو مرا کچھ ہو اختیار   پر کیا کروں مَیں دیدۂ بے اختیار کو
آیا جہاں میں دوست بھی ہوتے ہیں یک دگر   مجھ سے تو دشمنی ہی رہی میرے یار کو

خُوباں کا کیا جگر کہ کریں مجھ کو اپنا صید   پہچانتا ہے سب کوئی تیرے شکار کو

چالیں تمام بے ڈھب، باتیں فریب ہیں سب   حاصل کہ اے شکر لب! اب وہ نہیں رہا تُو
جاتے نہیں اٹھائے یہ شور ہر سحر کے   یا اب چمن میں بُلبل ہم ہی رہیں گے یا تُو
تقریب پر بھی تُو تو پہلو تہی کرے ہے   دس بار عید آئی، کب کب گلے ملا تُو
عالَم ہے شوق کشتہ، خلقت ہے تیری رفتہ   جانوں کی آرزو تُو، آنکھوں کا مدعا تُو
کہہ ! سانجھ کے موئے کو اے میر! روئیں کب تک   جیسے چراغ مفلس، اک دم میں جل بجھا تُو

گرچہ کب دیکھتے ہو، پر دیکھو   آرزو ہے کہ تم ادھر دیکھو
عشق کیا کیا ہمیں دکھاتا ہے   آہ! تم بھی تو اک نظر دیکھو
یُوں عرق جلوہ گر ہے اُس مُنہ پر   جس طرح اوس پھُول پر، دیکھو!
ہر خراشِ جبیں، جراحت ہے   ناخنِ شوق کا ہنر دیکھو
رنگِ رفتہ بھی دل کو کھینچے ہے   ایک شب اور یاں سحر دیکھو
دل ہوا ہے طرف محبت کا   خون کے قطرے کا جگر دیکھو
پہنچے ہیں ہم قریب مرنے کے   یعنی جاتے ہیں دُور، اگر دیکھو
لُطف مجھ میں بھی ہیں ہزاروں میر   دیدنی ہُوں جو سوچ کر دیکھو

ہم سے بہ غیرِ عجز کبھو کچھ بنا نہ میر   خوش حال وہ فقیر کہ جو بے نیاز ہو

بکھری ہے میں مُنہ پر زلفیں، آنکھ نہیں کھُل سکتی ہے   کیوں کہ چھُپے مے خواریِ شب، جب ایسے اوباش ملتے ہو
چشم تو ہے اک دید کی جا، پر کب تکلیف کے لائق ہے   دل جو ہے دل چسپ مکاں، تم اس میں کب کب آتے ہو

عشق کو نفع نہ بےتابی کرے ہے، نہ شکیب   کریئے تدبیر کہ جو درد دوا رکھتا ہو
ہائے! اس زخمیِ شمشیرِ محبت کا جگر   درد کو اپنے جو ناچار چھپا رکھتا ہو

چاہ کا دعویٰ سب کرتے ہیں، مانیے کیوں کر بے آثار   اشک کی سُرخی، زردی منہ کی، عشق کی کچھ تو علامت ہو

رات تو ساری گئی سُنتے پریشاں گوئی   میرؔ جی کوئی گھڑی تم بھی تو آرام کرو

گل گشت کا بھی لطفِ دلِ خوش سے ہے نسیم!   پیشِ نظر وگرنہ چمن زار کیوں نہ ہو
مخصوصِ دل ہے کیا مرضِ عشق جاں گداز   اے کاش! اس کو اور کچھ آزار کیوں نہ ہو
تلوار کے تلے بھی ہیں آنکھیں تری اُدھر   تو اس ستم کا میرؔ! سزاوار کیوں نہ ہو

گیسوئے مشک لب کو اسے خدسے کھولنا   پھر زخم دلِ فگاروں کا ناسُور کیوں نہ ہو
صورت تو تیری صفحۂ خاطر پہ نقش ہے   ظاہر میں اب ہزار کو مستور کیوں نہ ہو
مجھ کو تو یہ قبول ہُوا عشق میں کہ میرؔ   پاس اُس کے جب گیا تو کہا: "دور کیوں نہ ہوا"

اب تو جگر کو ہم نے بلا کا ہدف کیا   انداز اس نگاہ کا پھر تیر کیوں نہ ہو
ہوشِ ہزار وحشت اُسے، تو بھی یار ہے   اغیار تیرے ساتھ جو ہوں، میرؔ کیوں نہ ہو

دیکھتا ہُوں دھوپ ہی میں جلنے کے آثار کو   لے گئی ہیں دُور تڑپیں سایۂ دیوار کو

جو میں نہ ہوں تو کرو ترک ناز کرنے کو   کوئی تو چاہیے جی بھی نیاز کرنے کو
نہ دیکھو دیدۂ نرگس کی اُور کھلتے میں   جو دیکھو اس کی مژہ نیم باز کرنے کو
جو بے دماغی یہی ہے، تو بن چکی اپنی   دماغ چاہیے ہر اک سے ساز کرنے کو

جُوں تُوں کر، حالِ دل اک بار تو میں عرض کیا   میرؔ صاحب جی بس اب بارِ دگر مت پوچھو!

اُس کی طرزِ نگاہ مت پُوچھو!   جی ہی جانے ہے آہ! مت پُوچھو!
کہیں پہنچو گے بے رہی میں بھی   گُم رہاں! یُوں یہ راہ مت پُوچھو

گریۂ شمع کا اے ہم نفساں! میں تھا حریف   گزری ہے رات کی صحبت بھی عجب، مت پوچھو

یہ دعا کی تھی تجھے کن نے کہ بہرِ قتلِ میر محضرِ خونیں پہ تیرے اک گواہی بھی نہ ہو

افسانۂ غم کا لب تک آیا ہے مدّتوں میں سو جا ئیو نہ پیارے! اس داستاں تلک تو
اے کاش! خاک ہی ہم رہتے کہ میرؔ اس میں ہوتی ہمیں رسائی اس آستاں تلک تو

ردیف ہ

تنو ظلم کے رہتے ہیں سزاوار ہمیشہ ہم بے گنہ اس کے ہیں گنہ گار ہمیشہ

چمن میں دل خراش آواز آتی ہے چلی شاید پسِ دیوارِ گلشن نالہ کش ہے کوئی پر بستہ

ہم ہیں مجروح، ماجرا ہے یہ وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ
آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم اب جو ہیں خاک، انتہا ہے یہ

یہ دشتِ خاک یاں کی جا ہے ہے اک تأمّل بن سوچے راہ مت چل، ہر گام پر کھڑا رہ

اب حال اپنا اُس کے ہے دل خواہ کیا پوچھتے ہو الحمد للہ!
مر جاؤ کوئی پروا نہیں ہے کتنا ہے مغرور اللہ اللہ!
پیرِ مغاں سے بے اعتقادی استغفر اللہ! استغفر اللہ!
ظاہر کہ باطن اوّل کہ آخر اللہ اللہ، اللہ اللہ!

کرے ہے جس کو ملامت جہاں وہ میں ہی ہوں اجل رسیدہ، جفا دیدہ، اضطراب زدہ

ایک محروم چلے میرؔ ہمیں عالم سے ورنہ عالم کو زمانے نے دیا کیا کیا کچھ

رات مجلس میں تری، ہم بھی کھڑے تھے چپکے جیسے تصویر لگا دے کوئی دیوار کے ساتھ
مر گئے پر بھی کھلی رہ گئیں آنکھیں اپنی کون اس طرح موا حسرتِ دیدار کے ساتھ

ردیف ی

آج پھر تھا بے حمیت میرؔ واں　　کل لڑائی سی لڑائی ہو چکی

دل کس قدر شکستہ ہوا تھا کہ رات میرؔ　　آئی جو بات لب پہ سو فریاد ہو گئی

یہ چشمِ آئنہ دار رُو تھی کسو کی　　نظر اس طرف بھی کبھو تھی کسو کی
سحر پائے گُل بے خودی ہم کو آئی　　کہ اس سُست پیماں میں بُو تھی کسو کی
نہ ٹھہری ٹک اک جان برلب رمیدہ　　ہمیں مدعا گفتگو تھی کسو کی
جلایا شب اک شعلۂ دل نے ہم کو　　کہ اُس تند سرکش میں خُو تھی کسو کی
دمِ مرگ دشوار دی جان اُن نے　　مگر میرؔ کو آرزو تھی کسو کی

اسی تقریب اس گلی میں رہے　　منتیں ہیں شکستہ پائی کی
زور و زر کچھ نہ تھا تو بارے میرؔ　　کس بھروسے پہ آشنائی کی

آہ میری زبان پر آئی　　یہ بلا آسمان پر آئی
عالمِ جاں سے تو نہیں آیا　　ایک آفت جہان پہ آئی

لاعلاجی ہے جو رہتی ہے مجھے آوارگی　　کیجے کیا میرؔ صاحب! بندگی بے چارگی
کیسی کیسی صحبتیں آنکھوں کے آگے سے گئیں　　دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا یک بارگی

جو آنسو پی گیا میں آخر کو میرؔ اُن نے　　چھاتی جلا، جگر میں اک آگ جا لگائی

باہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم　　کاہے کو میرؔ کوئی دبے جب بگڑ گئی

کچھ موج ہوا پیچاں اے میرؔ! نظر آئی　　شاید کہ بہار آئی، زنجیر نظر آئی

دِلّی کے نہ تھے کُوچے اوراقِ مصوّر تھے　　جو شکل نظر آئی، تصویر نظر آئی

ہو گئی شہر شہر رُسوائی　　اے مری موت! تُو بھلی آئی
یک بیاباں برنگِ صوتِ جرس　　مجھ پہ ہے بے کسی و تنہائی

ہاں خدا مغفرت کرے اُس کو　　صبر مرحوم تھا عجب کوئی

کیا کروں شرح خستہ جانی کی　　میں نے مر مر کے زندگانی کی
حال بد گفتنی نہیں میرا　　تم نے پوچھا تو مہربانی کی

ہے یہ بازارِ جنوں، منڈی ہے دیوانوں کی　　یاں دُکانیں ہیں کئی چاک گریبانوں کی

ترے فراق میں، جیسے خیال مفلس کا　　گئی ہے فکرِ پریشاں کہاں کہاں میری

اب کے بھی سیرِ باغ کی جی میں ہوس رہی　　اپنی جگہ بہار میں کُنجِ قفس رہی!

آج کل بے قرار ہیں ہم بھی　　بیٹھ جا! چلنے ہار ہیں ہم بھی
آن میں کچھ ہیں، آن میں کچھ ہیں　　تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی
میرؔ نام اک جواں سُنا ہو گا　　اُسی عاشق کے یار ہیں ہم بھی

مدّت سے ہیں اِک مُشتِ پر آوارہ چمن میں　　نکلی ہے یہ کس کی ہوسِ بال فشانی

ق

اک شخص مجھی سا تھا کہ وُہ تجھ پہ تھا عاشق　　وہ اس کی وفا پیشگی، وہ اُس کی جوانی
یہ کہہ کے جو رویا، تو لگا کہنے: نہ کہہ میرؔ!　　سُنتا نہیں میں ظلم رسیدوں کی کہانی

خورشید سا پیالۂ مے بے طلب دیا　　پیرِ مغاں سے رات کرامات ہو گئی
کتنا خلافِ وعدہ ہوا ہو گا وہ کہ یاں　　نومیدی و امید مساوات ہو گئی

اپنے تو ہونٹ بھی نہ ہلے اُس کے رُوبرو رنجش کی وجہ میرؔ وہ کیا بات ہو گئی

کوئی ہو محرمِ شوخی ترا ، تو میں پُوچھوں کہ بزمِ عیشِ جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

نسبت تو دیتے ہیں ترے لب سے ، پر ایک دن ناموس یُوں ہی جائے گی آبِ حیات کی
صد حرف زیرِ خاک تہِ دل چلے گئے مُہلت نہ دی اجل نے ہمیں ایک بات کی

رکھنا نہ تھا قدم یاں جُوں باد ، بے تأمل سیر اس جہاں کی رہ رَو ! پر تُو نے سرسری کی
پیشہ تو ایک ہی تھا اس کا ہمارا لیکن مجنوں کے طالعوں نے شہرت میں یاوری کی
خُوباں ! تمھاری خوبی تا چند نقل کریئے ہم رنجہ خاطروں کی کیا خوب دل بری کی

دیکھ تو ، دل کہ جاں سے اٹھتا ہے یہ دُھواں سا ، کہاں سے اُٹھتا ہے
خانۂ دل سے زینہار نہ جا کوئی ایسے مکاں سے اُٹھتا ہے
یُوں اُٹھے آہ ! اس گلی سے ہم جیسے کوئی جہاں سے اُٹھتا ہے

دلّی میں اب کی آکر ان یاروں کو نہ دیکھا کچھ وے گئے شتابی ، کچھ ہم بھی دیر آئے

بات احتیاط سے کر ، ضائع نہ کر نفس کو بالیدگیِ دل ہے مانندِ شیشہ دم سے

کیا کیا تعب اٹھائے ، کیا کیا عذاب دیکھے تب دل ہوا ہے اتنا خُوگر ترے ستم سے

وُہ اپنی ہی خوبی پہ رہتا ہے نازاں مرو یا جیو کوئی اس کی بلا سے

بُلا کر شکر کرلے دِل ! کہ اب معلوم ہوتی ہے حقیقت عافیت کی اُس گلی کے رہنے والوں سے

اندوہ وصل و ہجر نے عالم کھپا دیا ان دو ہی منزلوں میں بہت یار کھپ گئے

وَے مے گُسار ظرف جنھیں خُم کشی کے تھے   بھر کر نگاہ تو ے جو کی، وو ہیں چھک گئے

اس شوخ کی سر تیز پلک ہیں کہ وُہ کانٹا   گڑ جائے اگر آنکھ میں، سر دل سے نکالے
عشق اُن کو ہے، جو یار کو اپنے دمِ رفتن   کرتے نہیں غیرت سے خدا کے بھی حوالے
احوال بہت تنگ ہے، اے کاش! محبت   اب دستِ تلطّف کو مرے سر سے اٹھالے

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کر دیا ہم کو   وگرنہ ہم خدا تھے، گر دلِ بے مدعا ہوتے
الٰہی! کیسے ہوتے ہیں جنھیں ہے بندگی خواہش   ہمیں تو شرم دامن گیر ہوتی ہے خدا ہوتے

سراپا میں اس کے نظر کر کے تُم   جہاں دیکھو اللہ اللہ ہے
تری آہ! کس سے خبر پایئے   وہی بے خبر ہے، جو آگاہ ہے
مرے لب پہ رکھ کان، آواز سُن   کہ اب تک بھی اک ناتواں آہ ہے
گزر سر سے، تب عشق کی راہ چل   کہ ہر گام یاں اک خطرہ گاہ ہے
کبھُو وادیِ عشق دکھلایئے   بہت خضرؔ بھی دل میں گمراہ ہے
یہ وہ کارواں گاہِ دل کش ہے میرؔ   کہ پھر یاں سے حسرت ہی ہمراہ ہے

ڈھب ہیں تیرے سے، باغ میں گُل کے   بُو گئی کچھ دماغ میں گُل کے
جائے روغن، دیا کرے ہے عشق   خونِ بُلبل چراغ میں گل کے
سیر کر میرؔ اس چمن کی شتاب   ہے خزاں بھی سراغ میں گُل کے

عشق میں نَے خوف و خطر چاہیے   جان کے دینے کو جگر چاہیے
قابلِ آغوشِ ستم دیدگاں   اشک سا پاکیزہ گہر چاہیے
کم ہیں شناسائے زرِ داغِ دل   اس کے پرکھنے کو نظر چاہیے
شرط سلیقہ ہے ہر اک امر میں   عیب بھی کرنے کو ہنر چاہیے

ہستی اپنی حباب کی سی ہے   یہ نمائش سراب کی سی ہے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے　　پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے
بار بار اُس کے در پہ جاتا ہوں　　حالت اب اضطراب کی سی ہے
میں جو بولا، کہا کہ یہ آواز　　اُسی خانہ خراب کی سی ہے
میرؔ اُن نیم باز آنکھوں میں　　ساری مستی شراب کی سی ہے

ہم قفس زاد قیدی ہیں ورنہ　　تا چمن ایک پر فشانی ہے
اُس کی شمشیرِ تیز سے ہم دم!　　مر رہیں گے جو زندگانی ہے

بے طاقتیِ دل نے سائل بھی کیا ہم کو　　پر میرؔ فقیروں کی یاں کون صدا مانے

عشق میں وصل و جدائی سے نہیں کچھ گفتگو　　قُرب و بُعد اس جا برابر ہے محبت چاہیے
تنگ مت ہو ابتدائے عاشقی میں اس قدر　　خیریت ہے میرؔ صاحب! دل سلامت چاہیے

بے یار شہرِ دل کا ویران ہو رہا ہے　　دکھلائی دے جہاں تک میدان ہو رہا ہے
اچھا لگا ہے شاید آنکھوں میں یار اپنے　　آئینہ دیکھ کر کچھ حیران ہو رہا ہے

صناعِ طرفہ ہیں ہم عالَم میں ریختے کے　　جو میرؔ جی لگے گا، تو سب ہُنر کریں گے

کچھ نہیں خورشید صفت سرکشی　　سایۂ دیوار ہُوا چاہیے
کر نہ تعلّق کہ یہ منزل نہیں　　آہ! سبک بار ہوا چاہیے

رنج کھینچے تھے، داغ کھائے تھے　　دل نے صدمے بڑے اٹھائے تھے
پاسِ ناموسِ عشق تھا، ورنہ　　کتنے آنسو پلک تک آئے تھے
وہی سمجھا نہ، ورنہ ہم نے تو　　زخم چھاتی کے سب دکھائے تھے
اب جہاں آفتاب میں ہم ہیں　　یا کبھو سرو و گُل کے سائے تھے
کچھ نہ سمجھے کہ تجھ سے یاروں نے　　کس توقع پہ دل لگائے تھے

فرصت زندگی سے مت پُوچھو　　سانس بھی ہم نہ لینے پائے تھے
میر صاحب رُلا گئے سب کو　　کل وے تشریف یاں بھی لائے تھے

کہاں ہیں آدمی عالم میں پیدا　　خدائی صدقے کی انسان پر سے

اپنے جی ہی نے نہ چاہا کہ پئیں آبِ حیات　　یُوں تو ہم میرؔ اسی چشمہ پہ بے جان ہوئے

اس واسطے کانپوں ہُوں کہ ہے آہ نپٹ سرد　　یہ باؤ کلیجے کے کہیں پار نہ ہووے

بُرقعے کو اُٹھا چہرے سے وہ بُت اگر آوے　　اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آوے
ہم آپ سے جاتے رہے ہیں ذوقِ خبر میں　　اے جان بلب آمدہ! رہ، تا خبر آوے

جب نام ترا لیجیے، تب چشم بھر آوے　　اس زندگی کرنے کو کہاں سے جگر آوے

بالیں پہ میری آکر ٹک دیکھ شوقِ دیدار　　سارے بدن کا جی اب آنکھوں میں آرہا ہے
ضدِ سحر و یک رقمہ خط میرؔ جی کا دیکھا　　قاصد نہیں چلا ہے، جادو گر چلا ہے

مشہور چمن میں تری گُل پیرہنی ہے　　قرباں ترے ہر عضو پہ نازک بدنی ہے

کس دن دامن کھینچ کے اُن نے یار سے اپنا کام لیا!　　مدت گزری دیکھتے ہم کو میرؔ بھی اک ناکارا ہے

ہم ہُوئے، تُم ہُوئے کہ میرؔ ہوئے　　اُس کی زُلفوں کے سب اسیر ہوئے

نے اب ہے جگر کاوی، نے سینہ خراشی ہے　　کچھ جی میں یہ آئے ہے، بے کار رہا کیجے!

مارا ہے کس کو ظالم! اس بے سلیقگی سے　　دامن تمام تیرا لوہُو میں بھر رہا ہے

اُٹھیو سمجھ کے جا سے کہ مانندِ گرد باد — آوارگی سے تیری زمانے کو عشق ہے

پہنچے ہر اک نہ درد کو میرے — وہی جانے جو ایسا حال رکھے
سمجھے اندازِ شعر کو میرے — میرؔ کا سا اگر کمال رکھے

پیار کرنے کا جو خوباں ہم پہ رکھتے ہیں گناہ — اُن سے بھی تو پوچھیے! تم اتنے کیوں پیارے ہوئے

کرے کیا کہ دل بھی تو مجبور ہے — زمیں سخت ہے، آسماں دُور ہے
تمنائے دل کے لیے جان دی — سلیقہ ہمارا تو مشہور ہے
کہیں جو تسلی ہوا ہو یہ دل — وہی بے قراری بدستور ہے
بہت سعی کریے تو مر رہیے میرؔ — بس اپنا تو اتنا ہی مقدور ہے

گفتگو ریختے میں ہم سے نہ کر — یہ ہماری زبان ہے پیارے!
میرؔ عمداً بھی کوئی مرتا ہے — جان ہے تو جہان ہے پیارے!

بڑھتیں نہیں پلک سے تا ہم تلک بھی پہنچیں — پھرتی ہیں وے نگاہیں پلکوں کے سائے سائے
آگے بھی تجھ سے تھا یاں تصویر کا سا عالم — بے دردیِ فلک نے وے نقش سب مٹائے
مدت ہوئی تھی بیٹھے جوشش و خروشِ دل کو — ٹھوکر نے اُس نگر کی آشوب پھر اٹھائے

شوق تھا جو یار کے کوچے ہمیں لایا تھا میرؔ — پانو میں طاقت کہاں اتنی کہ اب گھر جائیے

غالب کہ یہ دل خستہ شبِ ہجر میں مر جائے — یہ رات نہیں وہ جو کہانی میں گزر جائے
یاقوت کوئی ان کو کہے ہے کوئی گُل برگ — ٹک ہونٹ ہلا تو بھی کہ اک بات ٹھہر جائے

تڑپنا بھی دیکھا نہ بسمل کا اپنے — میں کشتہ ہوں انداز قاتل کا اپنے

یعقوبؑ کے نہ کلبۂ احزاں تلک گئے　　سنو کاروان مصر سے کنعاں تلک گئے

جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے　　اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے

تمام اُس کے قد میں سناں کی طرح ہے　　رنگیلی نپٹ اُس جواں کی طرح ہے

اُداسیاں تھیں مری خانقہ میں قابلِ سیر　　صنم کدے میں تو ٹک آ کے دل لگا بھی ہے
یہ کیسے کیونکہ کہ خوباں سے کچھ نہیں مطلب　　لگے جو پھرتے ہیں ہم کچھ تو مدعا بھی ہے
غمِ فراق ہے دُنبالۂ گردِ عیشِ وصال　　فقط مزا ہی نہیں عشق میں بلا بھی ہے

عاشق کہیں جو ہو گے تو جانو گے قدرِ میر　　اب تو کسی کے چاہنے کا تم کو چاؤ ہے

ہر اک سے کہا نیند میں پر کوئی نہ سمجھا　　شاید کہ مرے حال کا قصہ عربی ہے

دل کس طرح نہ کھینچیں اشعار ریختے کے　　بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے

در بھی آ گئی مزاجوں میں　　آخر ان گیسوانِ درہم سے

از خویش رفتہ اس بن رہتا ہے میر اکثر　　کرتے ہو بات کس سے، وہ آپ میں کہاں ہے

چُپ کا باعث ہے بے تمنائی　　کہیے کچھ بھی تو مدعا ہووے
پھر نہ شیطاں سجود آدم سے　　شاید اس پردہ میں خدا ہووے

پہنچا تو ہوگا سمعِ مبارک میں حالِ میر　　اس پر بھی جی میں آئے تو دل کو لگائیے

نہیں وسواس جی گنوانے کے　　ہائے رے ذوق دل لگانے کے

میرے تغیرِ حال پر مت جا　　اتفاقات ہیں زمانے کے!

بے خوابی تری آنکھوں میں دیکھوں ہوں مگر رات　　افسانہ مرے حال کا مذکور ہوا ہے

کیا جانوں لذّتِ درد اس کی جراحتوں کی　　یہ جانوں ہُوں کہ سینہ سب چاک ہو گیا ہے

فقیرانہ آئے، صدا کر چلے　　میاں! خوش رہو! ہم دُعا کر چلے
جو تجھ بِن نہ جینے کو کہتے تھے ہم　　سو اس عہد کو اب وفا کر چلے
شفا اپنی تقدیر ہی میں نہ تھی　　کہ مقدور تک تو دوا کر چلے
وہ کیا چیز ہے آہ! جس کے لیے　　ہر اک چیز سے دل اٹھا کر چلے
کوئی ناامیدانہ کرتے نگاہ　　سو تم ہم سے منہ بھی چھپا کر چلے
بہت آرزو تھی گلی کی تری　　سو یاں سے لہو میں نہا کر چلے
دکھائی دِیے یُوں کہ بے خود کیا　　ہمیں آپ سے بھی جُدا کر چلے
پرستش کی یاں تک کہ اے بُت! تجھے　　نظر میں سبھوں کی خدا کر چلے

میر صاحب بھی اس کے ہاں تھے، پر　　جیسے کوئی غلام ہوتا ہے

کرو توکُّل کہ عاشقی میں نہ یُوں کرو گے تو کیا کرو گے　　الم جو یہ ہے تو دردمندو! کہاں تلک تم دوا کرو گے
اخیر الفت یہی نہیں ہے کہ جل کے آخر ہوئے پتنگے　　ہوا جو یاں کی یہ ہے تو یارو! غبار ہو کر اڑا کرو گے

مصائب اور تھے، پر دل کا جانا　　عجب اک سانحہ سا ہو گیا ہے
سرہانے میرؔ کے کوئی نہ بولو　　ابھی ٹک روتے روتے سو گیا ہے

عمر بھر ہم رہے شرابی سے　　دل پُر خوں کی اِک گلابی سے
جی ڈھا جائے ہے سحر سے آہ!　　رات گزرے گی کس خرابی سے
کِھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے　　اُس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
بُرقع اُٹھتے ہی چاند سا نکلا　　داغ ہوں اُس کی بے حجابی سے

کام تھے عشق میں بہت، پر میرؔ　　ہم ہی فارغ ہوئے شتابی سے

نالوں سے میرے رات کو غافل نہ رہا کر　　اک روز یہی دل میں ترے کام کریں گے
گر دل ہے یہی مضطرب الحال تو اے میرؔ　　ہم زیرِ زمیں بھی بہت آرام کریں گے

دیوانِ دوم

ردیف الف

لذت سے نہیں خالی جانوں کا کھپا جانا　　کب خضرؑ و مسیحاؑ نے مرنے کا مزا جانا

کچھ سوجھتا نہیں ہے مستی میں میرؔ جی کو　　کرتے ہیں پوچ گوئی پی کر شراب کیا کیا

تم واقفِ طریقِ بے طاقتی نہیں ہو　　یاں راہ دو قدم ہے اب دور کا سفر سا
انداز سے ہے پیدا، سب کچھ خبر ہے اس کو　　گو میرؔ بے سر و پا ظاہر ہے بے خبر سا

اُس کے گئے پہ دل کی خرابی نہ پوچھیے!　　جیسے کسو کا کوئی نگر ہو لُٹا ہُوا
کہتا تھا میرؔ حال تو جب تک تو تھا بھلا　　کچھ ضبط کرتے کرتے ترا حال کیا ہُوا

عزت بھی بعدِ ذلتِ بسیار، چھیڑ ہے　　مجلس میں جب خفیف کیا، پھر ادب ہے کیا
آئے ہم آپ میں تو نہ پہچانے پھر گئے　　اس راہِ صعبِ عشق میں یارو تعب ہے کیا

اب بھی دماغِ رفتہ ہمارا ہے عرش پر　　گو آسماں نے خاک میں ہم کو ملا دیا

حمیت اس کے تئیں کہتے ہیں، جو میرؔ میں تھی　　گیا جہاں سے، یہ تیری گلی میں آ نہ رہا

عالم کی سیر میرؔ کی صحبت میں ہو گئی　　طالع سے میرے ہاتھ یہ بے دست و پا لگا!

سمجھے تھے ہم تو میرؔ کو عاشق اُسی گھڑی جب تیرا نام سُن کے وہ بے تاب سا ہُوا

پھر میرؔ آج مسجدِ جامع کے تھے امام داغِ شراب دھوتے تھے کل جانماز کا
حق تو سب کچھ ہی ہے، تو ناحق نہ بول بات کہتے سر کٹا منصور کا

ق

مرگئے پر خاک ہے سب کبر و ناز مت جھکو گو سر کسی مغرور کا
ٹھیکری کو قدر ہے اُس کو نہیں ٹوٹے جب کاسہ سرِ فغفور کا

پرستش اب اسی بُت کی ہے ہر سُو رہا ہوگا کوئی بندہ خدا کا
کہیں اُس زلف سے کیا لگ چلی ہے پڑے ہے پانو بے ڈھب کچھ صبا کا

کہیں ہیں اب کی بہت رنگ اُڑ چلا گُل کا ہزار حیف اکہ میں بال و پر نہیں رکھتا
جدا جدا پھرے ہے میرؔ سب سے کس خاطر خیال ملنے کا اُس کے اگر نہیں رکھتا

کیا لُطف ہے اجتے جو بُرے حال کوئی میرؔ جینے سے تو نے ہاتھ اٹھایا، بھلا کیا

یہ بھی طُرفہ ماجرا ہے کہ اسی کو چاہتا ہوں مجھے چاہیے ہے جس سے بہت احتراز کرنا

دیکھا نہ ایک گُل کو بھی چشمک زنی میں بلتے! جب کچھ رہا نہ باغ میں، تب میں رہا ہوا

جس شعر پر سماع تھا کل خانقاہ میں وہ آج میں سنا، تو ہے میرا کہا ہوا

کل دل آزردہ گلستاں سے گزر ہم نے کیا گُل لگے کہنے: کہو! مُنہ نہ اُدھر ہم نے کیا
جیسے حسرت لیے جاتا ہے جہاں سے کوئی آہ! یُوں کوچۂ دل بر سے سفر ہم نے کیا

وصل و ہجراں سے نہیں ہے عشق میں کچھ گفتگو لاگ دل کی چاہیے ہے یاں قریب دُور کیا

شب، مے کدے سے وارِدِ مسجد ہوا تھا میں　　پر شکر ہے کہ صبح تئیں بے خبر رہا
اب چھیڑ یہ رکھی ہے کہ پوچھے ہے بار بار　　کچھ وجہ بھی کہ آپ کا منہ ہے اُتر رہا
کاہے کو میں نے میرؔ کو چھیڑا کہ اُن نے آج　　یہ دردِ دل کہا کہ مجھے دردِ سر رہا

جلوہ ترا تھا جب تئیں، باغ و بہار تھا　　اب دل کو دیکھتے ہیں تو صحرا سا ہو گیا
کل تک تو ہم وے ہنستے چلے آتے تھے یہیں　　مرنا بھی میرؔ جی کا تماشا سا ہو گیا

دل کی واشد کے لیے کل باغ میں ٹک میں گیا　　سُن گلہ بُلبل سے گُل کا اور بھی جی رُک گیا

پھرتا ہے زندگی کے لیے آہ! خوار کیا　　اس وہم کی نمود کا ہے اعتبار کیا
صحبت رہی بگڑتی ہی اُس کینہ ور سے آہ!　　ہم جانتے نہیں ہیں کہ ہوتا ہے پیار کیا

حیرتِ روئے گُل سے مرغِ چمن　　چُپ ہے یُوں، بے زبان ہے گویا
مسجد ایسی بھری بھری کیا ہے　　مے کدہ اک جہان ہے گویا
وہی شورِ مزاج شیب میں ہے　　میرؔ اب تک جوان ہے گویا

شیشے سے کوہ کن کے کیا طُرفہ کام نکلا　　اپنے تو ناخنوں میں اِس طَور کا ہُنر تھا
ہوش اُڑ گئے سبھوں کے شورِ سحر سے اُس کے　　مرغِ چمن اگرچہ یک مُشتِ بال و پر تھا
پھر آج یہ کہانی کل شب پہ رہ گئی ہے　　سوتا نہ رہتا ٹک تو قصّہ ہی مختصر تھا
تھا وُہ بھی اک زمانہ جب نالے آتشیں تھے　　چاروں طرف سے جنگل جلتا دہر و ہر تھا

کہتے ہیں ضائع کیا اپنے تئیں　　میرؔ تو دانا تھا، یہ کیا کر گیا

یک نگہ، ایک چشمک، ایک سخن　　اس میں بھی تم کو ہے تامّل سا
بارے مستوں نے ہوشیاری کی　　دل کے کچھ محتسب کا مُنہ جُھلسا

جی کوئی لگتا ہے اُس کے اُٹھ گئے پر باغ میں گُل نے بہتیرا کہا، ہم سے نہ ٹک ٹھہرا گیا

دیکھیں گے آدمی کی روش تیرؔ ہم تری گو سامنے سے ٹک وُہ پری زاد آ گیا

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا آگ لینے مگر آئے تھے، یہ آنا کیا تھا

خانہ خراب میرؔ بھی کتنا غیور تھا مرتے مُوا پر اُس کے کبھو گھر نہ جا پھرا

عشق نے کیا کیا تصرف یاں کیے ہیں آج کل چشم کو پانی کیا سب، دل کو سب لوہو کیا
کام میں قدرت کے کچھ بولا نہیں جاتا ہے، ہائے! خُوب رُو اُس کو کیا، لیکن بہت بد خُو کیا

مدت ہوئی اُلفت گئے، برسوں ہوتے طاقت گئے دل مضطرب ایسا نہ تھا، کیا جانیے! اب کیا ہُوا
مستی میں لغزش ہو گئی، معذور رکھا چاہیے اے اہلِ مسجد! اس طرف آیا ہوں میں بہکا ہُوا

بے رنگ، بے ثباتی، یہ گلستاں بنایا بُلبل نے کیا سمجھ کر یاں آشیاں بنایا
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میرؔ جی کی دو چار اینٹیں رکھ کر پھر میں نشاں بنایا

کہتے نہ تھے کہ صاحب اتنا کُڑھا نہ کریے اس غم نے میرؔ تم کو جی سے نِدان مارا

یہ میرؔ ستم کُشتہ کسُو وقت جواں تھا انداز سخن کا سببِ شور و فغاں تھا
جادُو کی پُڑی پرچۂ ابیات تھا اُس کا مُنہ تکیے غزل پڑھتے، عجب سحر بیاں تھا
جس راہ سے وہ دل زدہ دِلّی میں نکلتا ساتھ اُس کے قیامت کا سا ہنگامہ رواں تھا
افسردہ نہ تھا ایسا کہ جُوں آب زدہ خاک آندھی تھا، بلا تھا، کوئی آشوبِ جہاں تھا
غافل تھے ہم احوالِ دلِ خستہ سے اپنے وہ گنج اسی کُنج خرابہ میں نہاں تھا
گو میرؔ جہاں میں کنھوں نے تجھ کو نہ جانا موجود نہ تھا تُو، تو کہاں نام و نشاں تھا

دل نہ تھا ایسی جگہ، جس کی نہ سُدھ لیجے کبھو اُجڑی اس بستی کو پھر تُو نے بسایا ہوتا
دل سے خوش طرح مکاں پھر بھی کہیں بنتے ہیں اس عمارت کو تو ٹک دیکھ کے ڈھایا ہوتا

ایک ڈھیری راکھ کی تھی صبح جائے میرؔ پر برسوں سے جلتا تھا، شاید رات جل کر گیا

گُل پھول سے بھی تُو جو لیتا ہے مُنہ کو پھیرے ٹکڑے سے کس کے تُو نے اے میرؔ! دل لگایا

بے خودی لے گئی کہاں ہم کو دیر سے انتظار ہے اپنا
روتے پھرتے ہیں ساری ساری رات اب یہی روزگار ہے اپنا
کچھ نہیں ہم مثالِ عنقا، لیک شہر شہر اشتہار ہے اپنا

کیوں کہ نہ مر رہے جو بتا ب میرؔ سا ہو اک آدھ دن تو گھر سے دل تھام تھام نکلا

کیا کہیں کچھ کہا نہیں جاتا اب تو چُپ بھی رہا نہیں جاتا

کجی اُس کی جو مَیں جتانے لگا مجھے سیدھیاں وہ سُنانے لگا
تحمّل نہ تھا جس کو ٹک، سو وہ مَیں ستم کیسے کیسے اُٹھانے لگا
دُندھے عشق میں کوئی یوں کب تلک جگر آہ مُنہ تک تو آنے لگا
پریشاں ہیں اس وقت میں نیک و بد مُوا جو کوئی، وہ ٹھکانے لگا
کروں یاد اُسے، ہُوں جو مَیں آپ میں سو اں جی ہی اب بھول جانے لگا
نہیں رہتے عاقل، علاقے بغیر کہیں میرؔ دل کو دِوانے لگا

کچھ عشق و ہوس میں فرق بھی کر کیدھر ہے وہ امتیاز تیرا
کہتے نہ تھے میرؔ مت کُڑھا کر دل ہو نہ گیا گداز تیرا

وصیّت میرؔ نے مجھ کو یہی کی کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

آنسو مری آنکھوں میں ہر دم جو نہ آ جاتا ۔۔۔ تو کام مرا اچھا پردے میں چلا جاتا
کہتے تو ہو یوں کہتے، یوں کہتے، جو وہ آتا ۔۔۔ سب کہنے کی باتیں ہیں کچھ بھی نہ کہا جاتا
گر عشق نہیں ہے تو یہ کیا ہے بھلا مجھ کو ۔۔۔ جی خود بخود اے ہمدم! کاہے کو کھپا جاتا

بچھڑے تمھارے، اپنا عجب حال ہو گیا ۔۔۔ جس کی نگاہ پڑ گئی اُن نے عجب کیا
کی زندگی سو وہ کی، موئے اب یہ اس طرح ۔۔۔ جو کام میرؔ جی نے کیا وہ غضب کیا

چمن میں پھول گل اب کے ہزار رنگ کھلے ۔۔۔ دماغ کاش کے اپنا بھی ٹک وفا کرتا
فقیر بستی میں تھا، تو ترا زیاں کیا تھا ۔۔۔ کبھو جو آن نکلتا، کوئی صدا کرتا
خراب مجھ کو کیا دل کی لاگ نے ورنہ ۔۔۔ فقیر تکیے سے کاہے کو یوں اُٹھا کرتا

بندھا رات آنسو کا کچھ تار سا ۔۔۔ ہوا ابرِ رحمت گنہگار سا
کوئی سادہ ہی اُس کو سادہ کہے ۔۔۔ لگے ہے ہمیں تو وہ عیار سا
محبت ہے یا کوئی جی کا ہے روگ ۔۔۔ سدا میں تو رہتا ہوں بیمار سا
مگر آنکھیں تیری بھی چپکی نہیں ۔۔۔ ٹپکتا ہے چتون سے کچھ پیار سا

وائے احوال اُس جفاکش کا ۔۔۔ عاشق اپنا جسے وہ جان گیا
داغِ حرماں ہے خاک میں بھی ساتھ ۔۔۔ جی گیا، پر نہ یہ نشان گیا
کل زمانے میں ایک یاں تیرے ۔۔۔ آج سو سو طرف گمان گیا
دل سے مت جا! کہ پھر وہ پچھتایا ۔۔۔ ہاتھ سے جس کے یہ مکان گیا
کون جی سے نہ جانے گا اے میرؔ ۔۔۔ حیف یہ ہے کہ تو جوان گیا

کل میں کہا: وہ طور کا شعلہ کہاں گرا ۔۔۔ دل نے جگر کی اور اشارت کی، یاں گرا

تڑپے ہے جب کہ سینے میں، اُچھلے ہے دو دو ہاتھ ۔۔۔ گر دل یہی ہے میرؔ، تو آرام ہو چکا

دامان و جیب دونوں ہوئے ٹکڑے ایک جا　　اب کی یہ کام ہاتھ سے میرے سمٹ گیا

پہلا قدم ہے انساں پامالِ مرگ ہونا　　کیا جانے! رفتہ رفتہ کیا ہو مآل تیرا
کچھ زرد زرد چہرہ، کچھ لاغری بدن میں　　کیا عشق میں ہوا ہے اے میرؔ! حال تیرا

عجب ہم بے بصیرت ہیں، کہاں کھولے بار آکر　　جہاں سے لوگ سب رخت سفر کرتے ہیں بار اپنا
نہ ہو یوں مے کدہ مسجد سا، پر واں ہوش جاتے ہیں　　ہوا ہے دونوں جاگہ ایک دو باری گزار اپنا

میرؔ بھی دَیر کے لوگوں ہی کی سی کہنے لگا　　کچھ خدا لگتی بھی کہتا، جو مسلماں ہوتا

نہ ترک عشق جو کرتا، تو میرؔ کیا کرتا　　جفاکشی نہیں ہے کام ناز پرور کا

میرؔ کے ہوش کے ہیں ہم عاشق　　فصلِ گُل جب تلک تھی مست رہا

دل گیا اور مفت دُکھ پایا　　ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا

ہر چند میرؔ بستی کے لوگوں سے ہے نفور　　پر ہائے! آدمی ہے وُہ خانہ خراب کیا

اے ٹکیلے! یہ تھی کہاں کی ادا　　کُھب گئی جی میں تیری بانکی ادا
دل چلے جاتے ہیں خرام کے ساتھ　　دیکھی چلتے ہیں اُن بُتاں کی ادا

عشق سے دل پہ تازہ داغ جلا　　اس سیہ خانے میں چراغ جلا
میرؔ کی گرمی تم سے اچرج ہے　　کس سے ملتا ہے یہ دماغ جلا

ردیف ب

پیش از دمِ سحر مرا رونا لہو کا دیکھو — پھُولے ہے جیسے سانجھ وہی یاں سماں ہے اب
برسوں ہوے گئے اُسے، پر بھُولتا نہیں — یادش بخیر! میر بہے خوش، جہاں ہے اب

نَے چاہ وہ اُسے ہے، نہ مجھ کو ہے وہ دماغ — جانا مرا اُدھر کو بہ شرطِ طلب ہے اب

ناسازیٔ طبیعت ایسی، پھر اُس کے اُوپر — ہے ہر کسُو سے مجھ کو ناچار ساز واجب

اس عمرِ برق جلوہ کی فرصت بہت ہے کم — جو کام پیش آوے تجھے، اس میں ہو شتاب
غفلت سے ہے غرور تجھے، ورنہ ہے بھی کچھ — یاں وہ سماں ہے جیسے کہ دیکھے ہے کوئی خواب
یہ بستیاں اُجڑ کے کہیں بستیاں بھی ہیں — دل ہو گیا خراب جہاں، پھر رہا خراب!
کاش! اس کے رُو برُو نہ کریں مجھ کو حشر میں — کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

جو کہو تم، سو ہے بجا صاحب! — ہم بُرے ہی سہی، بھلا صاحب!
سادہ ذہنی میں نکتہ چیں تھے ہم — اب تو ہیں حرف آشنا صاحب!
نہ دیا رحم ٹک بُتوں کے تئیں — کیا کیا ہاتے! یہ، خدا صاحب!
بندگی ایک اپنی، کیا کم ہے — اور کچھ تم سے کہیے کیا؟ صاحب!
پھر گئیں آنکھیں، تم نہ آن پھرے — دیکھا تم کو بھی' واہ وا! صاحب!
کس نے سُن شعرِ میر یہ نہ کہا — کہیو پھر، ہائے! کیا کہا صاحب!

نکلی ہیں اب کی کلیاں اس رنگ سے چمن میں — سر جوڑ جوڑ جیسے مل بیٹھتے ہیں احباب

ردیف ت

دیر کچھ کھنچتی تو کہتے بھی ملاقات کی بات — مِلنا اپنا جو ہُوا اُس سے، سو وہ بات کی بات
گفتگو شاہدِ مَے سے ہے، نہ غیبت، نہ گِلہ — خانقہ کی سی نہیں بات خرابات کی بات
منہ اِدھر اور سخن زیرِ لبی غیر کے ساتھ — اس فریبندہ کی ناگفتنی ہے گھات کی بات

یہ کس آشفتہ کی جمعیت دل تھی منظور　　بال بکھرے ترے منہ پر، کہیں ہیں رات کی بات

دیکھیں تو کیا دکھائے یہ افراطِ اشتیاق　　لگتی ہیں تیری آنکھیں ہمیں پیاریاں بہت
شکوہ خراب ہونے کا کیا چاہیے میں میرؔ　　ایسی تو اے عزیز! ہیں یاں خواریاں بہت

دیکھ خالی جا، کہیں گے برسوں اہلِ روزگار　　میرؔ اکثر دل کا قِصّہ یاں کہا کرتا تھا رات

کیا پُوچھتے ہو آہ! مرے جنگ جُو کی بات　　گویا وفا ہے عہد میں اس کے کبھو کی بات
آئینہ پانی پانی رہا اس کے سامنے　　کیسے جہاں، کہوں، یہ تو ہے روبرو کی بات

یُوں چُپکے چپکے میرؔ تلف ہو گا کب تلک　　کچھ ہو رہے، بھڑ گراس سے بھی کر ایک بار بات

ہوتی ہے گرچہ کہنے سے یارو! پرائی بات　　پر ہم سے تو تھمی نہ کبھو مُنہ پر آئی بات
اب تو ہوئے ہیں ہم بھی ترے ڈھب سے آشنا　　واں تُو نے کچھ کہا کہ ادھر ہم نے پائی بات
بُلبل کے بولنے میں سب انداز ہیں مرے　　پوشیدہ کب رہی ہے کسُو کی اڑائی بات
اک دن کہا تھا یہ کہ خموشی میں ہے وقار　　سو مجھ سے ہی سخن نہیں، میں جو بتائی بات
اب مجھ ضعیف و زار کو مت کچھ کہا کرو　　جاتی نہیں ہے مجھ سے کسُو کی اٹھائی بات

ملامت گر! نہ مجھ کو کر ملامت　　جلے کو اور تو اتنا جلا مت
تری ناآشنائی کے ہیں بندے　　نہ وہ اب ربط، نَے صاحب سلامت
بہت رونے نے رُسوا کر دکھایا　　نہ چاہت کی چُھپی ہم سے علامت

ردیف چ

عشق میں اے طبیب! ہاں! ٹک سوچ　　پائے جاں درمیاں ہے یاں، ٹک سوچ
سرسری مت جہاں سے جا غافل!　　پانو تیرا پڑے جہاں، ٹک سوچ
ہونٹ اپنا ہلا نہ سمجھے بن　　یعنی جب کھولے تُو زباں، ٹک سوچ

فرہاد و قیس و میرؔ، بہ آوارگانِ عشق　　ایسے گئے ہیں، سب کی رہی من کی من کے بیچ

جُھوٹ ہر چند نہیں یار کی گفتار کے بیچ　　دیر لیکن ہے قیامت ابھی دیدار کے بیچ
کس کی خُوبی کے طلب گار ہیں عزّت طلباں　　خرقے بکنے کو چلے آتے ہیں بازار کے بیچ

ردیف ح

نقشہ الٰہی! دل کا مرے کون لے گیا　　کہتے ہیں: ساری عرش ہے جیسے اس مکاں کی طرح

ہم گرفتاروں سے وحشت ہی کرے ہے وہ غزال　　کوئی تو بتلاؤ: اس کے دام میں لانے کی طرح
کس طرح جی سے گزر جاتے ہیں آنکھیں مُونْد کر　　دیدنی ہے دردمندوں کی بھی مر جانے کی طرح
یُوں بھی سر چڑھتا ہے اے ناصح! کوئی مجھ سے کہ ملے　　ایسے دیوانے کو سمجھاتے ہیں سمجھانے کی طرح
جان کا صرفہ نہیں ہے کچھ تجھے کُڑھنے میں میرؔ　　غم کوئی کھاتا ہے میری جان! غم کھانے کی طرح

ردیف د

عمرِ عزیز اپنی منّت ہی کرتے گزری　　بے جُرم آہ! رہے یُوں عذر خواہ تا چند

کیا صحبتیں اگلی گئیں خاطر سے ہماری　　اپنی بھی وفا یاد ہے، اس کی بھی جفا یاد
اک لطف کے شرمندہ نہیں میرؔ ہم اُس سے　　گو یاں سے گئے اُن نے بہت ہم کو کیا یاد

چمن کی یاد کے آتے، خبر نہ اتنی رہی　　کہ میں کدھر ہوں، کدھر ہے قفَس، کدھر صیّاد
شکستہ بالی کو چاہے تو ہم سے ضامن لے　　شکار موسمِ گُل میں ہمیں نہ کر! صیّاد
سنا ہے بھڑکی ہے اب کی بہت ہی آتشِ گُل　　چمن میں اپنے بھی ہیں خار و خس کے گھر صیّاد!
لگی بہت رہیں چاکِ قفَس سے آنکھیں، لیک　　پڑا نہ اب کی کوئی پھول گُل نظر صیّاد!

لوہو آنکھوں میں اب نہیں آتا　　زخم اب دل کے بھر گئے شاید
شور بازار سے نہیں اُٹھتا　　رات کو میرؔ گھر گئے شاید

لگا آگ، پانی کو دوڑے ہے تُو یہ گرمی تری اس شرارت کے بعد
سخن کی نہ تکلیف ہم سے کرو لہو ٹپکے ہے اب شکایت کے بعد
نظر میرؔ نے کیسی حسرت سے کی بہت روئے ہم اس کی رخصت کے بعد

ردیف ر

آنکھیں لگی رہیں گی برسوں وہیں سبھوں کی ہو گا قدم کا تیرے جس جا نشاں زمیں پر
آتا نہ تھا فرو سر جن کا کل آسماں سے ہیں ٹھوکروں میں ان کے آج استخواں زمیں پر
پھر بھی اٹھائی سر پر تم نے زمیں سب آکر کیا کیا ہُوا تھا تم سے کچھ آ گئے یاں زمیں پر
پست و بلندیاں کا ہے اور ہی طرف سے اپنی نظر نہیں ہے کچھ آسماں زمیں پر
قصرِ جناں تو ہم نے دیکھا نہیں، جو کہیے شاید نہ ہووے دل سا کوئی مکاں زمیں پر
یاں خاک سے انھوں کی لوگوں نے گھر بنائے آثار ہیں جنھوں کے اب تک عیاں زمیں پر
گو دل دھسک ہی جاوے، آنکھیں اُبل ہی آویں سب اونچ نیچ کی ہے ہموار تیری خاطر

اے صبا! گر شہر کے لوگوں میں ہو تیرا گزار کہیو ہم صحرا نوردوں کا تمامی حالِ زار
خاکِ دہلی سے جُدا ہم کو کیا یک بارگی آسماں کو تھی کدورت، سو نکالا یُوں غبار
منصبِ بُلبُل غزل خوانی تھا، سو وہ ہے اسیر شاعری زاغ و زغن کا کیوں نہ ہووے اب شعار
طائرِ خوش زمزمہ کنجِ قفس میں ہے خموش چھپے چڑیاں کریں ہیں صحنِ گلشن میں ہزار
برگِ گُل سے بھی کیا نے ایک نے ٹک ہم کو یاد نامہ و پیغام و پرسش بے مراتب درکنار
بے خلش کیوں کر نہ ہو گرمِ سخن گلزار میں میں قفس میں ہوں کہ میرا تھا دلوں میں اُن کے خار
بُلبُلِ خوش لہجہ کی جائے پہ گو غوغا نیاں طرح غوغا کی چمن میں ڈالیں پر کیا اعتبار
طائرانِ خوش لب و لہجہ نہیں رہتے چھپے شور سے اُن کے بھرے ہیں قریہ و شہر و دیار
شہر کے کیا ایک دو کوچوں میں تھی شہرت رہی شہروں شہروں، ملکوں ملکوں ہے انھوں کا اشتہار
کیا کہوں سُونے چمن جاتا جو میں سرگرمِ گشت پھول گُل جب کِھلنے لگتے، جوش زن ہوتی بہار
شور سُن سُن کر غزل خوانی کا میری ہم صفیر غنچہ ہو آتے جو ہوتا آب و رنگِ شاخسار
خوش نوائی کا جنھیں دعوٰی تھا، رہ جاتے خموش جن کو میں کرتا مخاطب، اُن کو ہوتا افتخار
بعضوں کو رشکِ قبولِ خاطر و لطفِ سخن بعضوں کا سینہ فگار اور بعضوں کا دل داغ دار

ایک کے ہونٹوں کے اُوپر آفریں با اُستاد اٹھا
ایک کہتے تھے رسوخِ دل ہے اپنا اُستوار

ربط کا دعویٰ تھا جن کو کہتے تھے مخلص ہیں ہم
جانتے ہیں ذاتِ سامی ہی کو ہم سب خاک سار

نقل کرتے کیا یہ صحبت منعقد جب ہوتی بزم
بیٹھ کر کہتے تھے منہ پر میرے بعضے بعضے یار

بندگی ہے خدمت عالی میں ہم کو دیر سے
کر رکھی ہے جان اپنی ہم نے حضرت پر نثار

سو نہ خط ان کا، نہ کوئی پرچہ پہنچا مجھ تلک
واہ واہ ہے رابطہ، رحمت ہے یہ اخلاص و پیار

رفتہ رفتہ ہو گئیں آنکھیں بھی میری اب سفید
بس کہ نامے کا کیا یاروں کے، میں نے انتظار

لکھتے گر دو حرف لطف آمیز بعد از چند روز
تو بھی ہوتا اس دلِ بے تاب و طاقت کو قرار

سو تو یک نہ نوشتہ کاغذ بھی نہ آیا میرے پاس
اُن ہم آوازوں سے جن کا ہیں کیا ربط آشکار

خط کتابت سے یہ کہتے تھے نہ بھُولیں گے تجھے
آویں گے گھر بار کی تیرے خبر کو بار بار

جب گیا میں یاد سے، تب کس کا گھر، کاہے کا پاس
آفریں! صد آفریں!! اے مردُمانِ روزگار

اب بیاباں در بیاباں ہے مرا شور و فغاں
گو چمن میں خوش کی نم نے میری جائے نالہ زار

ہے مثل مشہور یہ، عمرِ سفر کوتاہ ہے
طالع برگشتہ بھی کرتے ہیں اب امدادِ کار

اک پرافشانی میں بھی ہے یہ وطن گلزار سا
سامعوں کی چھاتیاں نالوں سے ہوویں گی فگار

منہ پر آئیں گے سخن آلودۂ خونِ جگر
کیوں کہ یارانِ زماں سے چاک ہے دل جُوں انار

لب سے لے کر تا سخن ہیں خُوں چکاں شکوے بھرے
لیک ہے اظہار ہر کس سے اپنا ننگ و عار

چُپ بھلی گو تلخ کامی کھینچنی اس میں پڑی
بیت بحثی طبع نازک پر ہے اپنی ناگوار

آج سے کچھ بے حسابی جو رکن مردم نہیں
ان سے اہلِ دل سدا کھینچے ہیں رنجِ بے شمار

بس قلم رکھ ہاتھ سے جانے بھی دے یہ حرف میرؔ
کاہ کے چاہے نہیں کُہسار ہوتے بے وقار

کام کے جو لوگ صاحب فن ہیں، سو محسود ہیں
بے تہی کرتے رہیں گے حاسدانِ نابکار

کچھ ہو رہے گا عشق و ہوس میں بھی امتیاز
آیا ہے اب مزاج ترا امتحان پر

فرصت ہے اس چمن کی کل رو کے میں جو پوچھا
چشمک کی ایک گُل نے میری طرف کو ہنس کر

اس قافلہ میں کوئی دل آشنا نہیں ہے
ٹکڑے گلے کے اپنے ناحق نہ اے جرس کر

صُورت پرست ہوتے نہیں معنیٰ آشنا
ہے عشق سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور

مرنے پہ جان دیتے ہیں وارفتگانِ عشق ہے میر راہ و رسمِ دیارِ وفا کچھ اور

چمکے ہے جب سے برقِ سحر گلستاں کے اور جی تنگ رہا ہے خار و خسِ آشیاں کے اور
یا دل وہ دیدنی تھی جگہ یا کہ تجھ بغیر اب دیکھتا نہیں ہے کوئی اس مکاں کے اور

ردیف ز

مدت سے ترکِ عشق کیا میر نے و لے زار و زبوں و زرد ہے بیمار سا ہنوز

برسوں ہوئے کہ رات کو ٹک بیٹھتے نہیں رہتے ہیں تم کو میر جی کیا ایسے کام روز

ردیف س

دردمندوں سے تمہیں دُور پھرا کرتے ہو کچھ پوچھنے ورنہ سبھی آتے ہیں بیمار کے پاس
کیا رکھا کرتے ہو آئینہ سے خلوت ہر دم ٹک کبھو بیٹھو کسُو طالبِ دیدار کے پاس

وحشی ہے میر، ربط ہے اس سے خلافِ عقل بیٹھے سو جا کے کیا کوئی ایسے اُداس پاس

ردیف ش

گل کو ہوتا صبا قرار اے کاش! رہتی اک آدھ دن بہار اے کاش!
جان آخر تو جانے والی تھی اس پہ کی ہوتی میں نثار اے کاش!
اس میں راہِ سخن نکلتی تھی شعر ہوتا ترا شعار اے کاش!
بے اجل میر اب پڑا مرنا عشق کرتے نہ اختیار اے کاش!

کیا کہیے! کیا رکھے ہیں ہم تجھ سے یار خواہش یک جان و صد تمنّا، یک دل ہزار خواہش
نے کچھ گنہ ہے دل کا، نے جُرمِ چشم اس میں رکھتی ہے ہم کو اتنا بے اختیار خواہش
حال آں کہ عمر ساری مایوس گذری تس پر کیا کیا رکھیں ہیں اُس کے امیدوار خواہش
کرتے ہیں سب تمنّا پر میر جی نہ اتنی رکھے گی مار تم کو پایانِ کار خواہش

کس اعتبار دل کے تئیں گُل کہیں ہیں لوگ   مُجھ پاس تو مُندی ہی کلی سا رہا ہمیشں
واقف نہیں ہُوں مِیر سے تو ، پر تمام شب   کرتا ہے شور آن کر اک بے نوا ہمیشں

ردیف ط

عشق کی رہ نہ چل ، خبر ہے شرط   اوّلِ گام ترکِ سر ہے شرط
دعویِٰ عشق یُوں نہیں صادق   زردیِ رنگ و چشمِ تر ہے شرط
دل کا دینا ہے سہل کیا اے مِیر   عاشقی کرنے کو جگر ہے شرط

کرتے نہیں ہیں اُس سے بنا کچھ ہم اختلاط   ہوتا تھا اگلے لوگوں میں بھی باہم اختلاط
کس طور اتفاق پڑی صحبت اس سے دیر   ہے مِیر بے دماغ و قیامت کم اختلاط

ردیف ق

اس پردے میں غمِ دل کہتا ہے مِیر اپنا   کیا شعر و شاعری ہے یارو! شعارِ عاشق

مِیر جی زرد ہوتے جاتے ہو   کیا کہیں تم نے بھی کیا ہے عشق

ردیف ک

پُشت پا مارے ہے شاہی پر گدا اس کو نے عشق   دیکھو تم یاں کا خدا کے واسطے ! دستور ٹُک
پھر کہیں کیا دل لگایا مِیر جو ہے زرد رُو   مُنہ پر آیا تھا ترے دو چار دن سے نور ٹُک

دل تنگ ہو جیے تو نہ ملیے کسُو کے ساتھ   ہوتے ہیں ایسے وقت میں یہ لوگ کم شریک
شاید کہ سرنوشت میں مرنا ہے گھُٹ کے مِیر   کاغذ نہ محرمِ غمِ دل ، نَے قلم شریک

تربتِ مِیر پر چلے تم دیر   اتنی مدت میں واں رہا کیا خاک

اُٹھا پاس بے اختیاری سے سب کا   کیا بیٹھے کرتے ہیں دو دو پہر تک

محبت میں جی سے گئے میر آخر خبر گفتنی ہے یہ ہے بے خبر تک

ردیف گ

تو ہم میں اور آپ میں مت دے کسی کو دخل ہوتے ہیں فتنہ ساز یہی درمیاں کے لوگ
مرتے ہیں اس کے واسطے یوں تو بہت،ولے کم آشنا ہیں طور سے اس کام جاں کے لوگ
بُت چیز کیا کہ جس کو خدا مانتے ہیں سب خوش اعتقاد کتنے ہیں ہندوستاں کے لوگ
کیا سہل جی سے ہاتھ اٹھا بیٹھتے ہیں ہائے! یہ عشق پیشگاں ہیں الٰہی! کہاں کے لوگ

افسردگیٔ سوختہ جاناں ہے قہر میرؔ دامن کو ٹک ہلا کہ دلوں کی بجھی ہے آگ

رہ مرگ سے کیوں ڈراتے ہیں لوگ بہت اس طرف کو تو جاتے ہیں لوگ

ردیف ل

مدت تو وا ہوا ہی نہیں غنچہ وار دل اب جو کھلا سو جیسے گلِ بے بہار دل
ظالم! بہت ضرور ہے اُن بے کسوں کا پاس ناچار اپنے رہتے ہیں جو مار مار دل

ردیف م

کچھ نہ پوچھو! بہک رہے ہیں ہم عشق کی مے سے چھک رہے ہیں ہم
وقفۂ مرگ اب ضروری ہے عمر طے کرتے تھک رہے ہیں ہم
کون پہنچے ہیں بات کی تہ کو ایک مدت سے بک رہے ہیں ہم

یہی جانا کہ کچھ نہ جانا ہائے! سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم

کس طور کوئی تجھ سے مقصود کرے حاصل نے رحم ترے جی میں، نے دل میں ترس ظالم!

اک گل زمیں نہ وقفے کے قابل نظر پڑی دیکھا بہ رنگِ آب رواں یہ چمن تمام

جاتی نہیں اٹھائی یہ اب سرگرانیاں مقدور تک تو اپنے ، گئے ٹال ٹال ہم
نقصان ہوگا اس میں نہ ظاہر کہاں تلک ہوویں گے جس زمانے کے صاحب کمال ہم

حکمِ آبِ رواں رکھے ہے حسن بہتے دریا میں ہاتھ دھو لو تم
کیا سراہیں ہم اپنی جنس کو لیک دل عجب ہے متاع ، جو لو تم
جانا آیا ہے اب جہاں سے ہمیں تھوڑی تو دُور ساتھ ہو لو تم
رات گزری ہے سب ، تڑپتے میرؔ آنکھ لگ جائے ٹک تو سو لو تم

رکھا جس کو آنکھوں میں اک عمر ، اب اسے دیکھ رہتے ہیں حسرت سے ہم

اڑتی ہے خاک شہر کی گلیوں میں اب جہاں سونا لیا ہے گود میں بھر کر وہیں سے ہم

ردیف ن

مدّعی مجھ کو کھڑے صاف بُرا کہتے ہیں چُپکے تم سنتے ہو بیٹھے اسے کیا کہتے ہیں
دیکھے خوباں کے بجا دل نہیں رہتا ہرگز لوگ جو کچھ انہیں کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
عشق کے شہر کی بھی رسم کے ہیں کشتے ہم دردِ جاں کاہ جو ہو ، اس کو دوا کہتے ہیں
حُسن تو ہے ہی کرو لطفِ زباں بھی پیدا میرؔ کو دیکھو کر سب لوگ بھلا کہتے ہیں

نہ نکلا دُوسرا ویسا جہاں میں وہی اک جنس ہے اس کارواں میں
کوئی بجلی کا ٹکڑا اب تلک بھی پڑا ہوگا ہمارے آشیاں میں

ملے برسوں ، وہی بیگانہ ہے وہ ہُنر ہے یہ ہمارے آشنا میں

دیر و حرم سے تُو تو سرگرمِ ناز نکلا ہنگامہ ہو رہا ہے اب شیخ و برہمن میں
ہیں گھاؤ دل پر اپنے تیغِ زباں سے سب کی تب درد ہے ہمارے اے میرؔ ہر سخن میں

طائرانِ خوش معاش اس باغ کے تھے ہم کبھو — اب ترستے ہیں قفس میں اک پر افشانی کے تئیں
دل جو پانی ہو، تو آئینہ ہے رُوتے یار کا — خانہ آبادی سمجھ اس خانہ ویرانی کے تئیں

کیا کہوں اوّل بخود تو دیر میں آتا ہُوں میں — پھر جو یاد آتا ہے وہ چپکا سا رہ جاتا ہوں میں

کیا جانوں دل کو کھینچے ہیں کیوں شعر میرؔ کے — کچھ طرز ایسی بھی نہیں، ایہام بھی نہیں

کر چلا بے خود غمِ زلفِ درازِ دل براں — دُور کا اے میرؔ اور پیش اب سفر آیا ہمیں

ساتھ اُس حُسن کے دیتا تھا دکھائی وُہ بدن — جیسے جھمکے ہے پڑا گوہر تر پانی میں

اب کی ہمت صرف کر جو اُس سے جی اُچٹے مرا — پھر دُعا اے میرؔ مت کریو اگر ایسا کروں

عشق میں جی کو صبر و تاب کہاں — اس سے آنکھیں لگیں تو خواب کہاں
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردہ — ہم نہ ہوویں تو پھر حجاب کہاں
گریۂ شب سے سُرخ ہیں آنکھیں — مجھ بلا نوش کو شراب کہاں
عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد — ایسے پھر خانماں خراب کہاں

یارو! مجھے معاف رکھو، میں نشے میں ہوں — اب دو تو جام خالی ہی دو، میں نشے میں ہوں
ایک ایک قرط دَور میں یُوں ہی مجھے بھی دو — جامِ شراب پُر نہ کرو، میں نشے میں ہوں
یا ہاتھوں ہاتھ لو مجھے مانندِ جام سے — یا تھوڑی دُور ساتھ چلو، میں نشے میں ہوں
نازک مزاج آپ قیامت ہیں میرؔ جی — جُوں شیشہ میرے منہ نہ لگو، میں نشے میں ہوں

کرتے ہیں جو کہ جی میں ٹھانے ہیں — خُوب رو کس کی بات مانے ہیں
میں تو خُوباں کو جانتا ہی ہُوں — پر مجھے یہ بھی خوب جانے ہیں
جا ہیں اُس گلی میں گر رہتا — ضُعف و بے طاقتی بہانے ہیں

عشق کرتے ہیں اس پری رُو سے   میرؔ صاحب بھی کیا دِوانے ہیں

بلا آفت ہے کچھ دل پر کہ ایسا رنگ ہے اُن کا   کسو بے مہر کے تئیں میرؔ شاید پیار کرتے ہیں

اب کی جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے   دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

کیسے لطافت اُس تنِ نازک کی میسّر کیا   شاید یہ لطف ہو گا کسو جان پاک میں

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یاں جو نثار کریں   الّا کھینچ بغل میں تجھ کو دیر تلک ہم پیار کریں
خاک ہوئے، برباد ہوئے، پامال ہوئے، سب محو ہوئے   اور شدائد عشق کی رہ کے کیسے ہموار کریں
شیوہ اپنا بے پروائی، نومیدی سے ٹھیرا ہے   کچھ بھی وہ مغرور ڈبے تو منّت ہم سَو بار کریں
پتہ پتہ گلشن کا تو حال ہمارا جانے ہے   اور کہے تو جس سے اے گل! بے برگی اظہار کریں

گل پھول کوئی کب تک جھڑ جھڑ کے گرتے دیکھے   اس باغ میں بہت اب جُوں غنچہ میں رُکا ہُوں

ہے عاشقی کے بیچ ستم دیکھنا ہی لطف   مر جانا آنکھیں مُوند کے یہ کچھ ہُنر نہیں
کب شب ہُوئی زمانے میں جو پھر ہوا نہ روز   کیا اے شبِ فراق! تجھی کو سحر نہیں؟

ہر چند ہم کو مستوں سے صحبت رہی ہے لیک   دامن ہمارا ابر کے مانند تر نہیں

اس مے کدے میں جس جا ہُشیار چاہیے تھے   رحمت ہے ہم کو ہم بھی کیا بے خبر رہے ہیں

رہتے ہیں یُوں حواس پریشاں کہ جُوں کہیں   دو تین آکے ٹوٹے مسافر اُتر رہیں

باغ گو سبز ہوا، اب سرِ گل زار کہاں   دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یار کہاں؟
دم زدن مصلحتِ وقت نہیں اے ہم دم!   جی میں کیا کیا ہے مِرے، پر لبِ اظہار کہاں

ڈوبا لوہو میں پڑا تھا ہمگی پیکر مہید　　یہ نہ جانا کہ لگی ظلم کی تلوار کہاں

یہ جوشِ غم ہوتے بھی ہیں، یوں ابر تر روتے بھی ہیں　　چشمِ جہاں آشوب سے دریا بہایا ایک میں
ہیں طالبِ صورت سبھی، مجھ پر ستم کیوں اس قدر　　کیا مجرمِ عشقِ بتاں یاں ہوں خدایا ایک میں
بجلی سے یُوں چمکے بہت، پر بات کتنے ہو چکے　　جُوں ابر ساری خلق پر، ہوں اب تو چھایا ایک میں

چمن میں جا کے بھرو تم گُلوں سے جیب و کنار　　ہم اپنے دل ہی کے ٹکڑوں سے گل بداماں ہیں
بنے تو عزتِ عُشاق میں نہ کر تقصیر　　کہ ایسے لوگ پیارے عزیز مہماں ہیں

جُور کیا کیا، جفائیں کیا کیا ہیں　　عاشقی میں بلائیں کیا کیا ہیں
فکرِ تعمیرِ دل کسُو کو نہیں　　ایسی ویسی بنائیں کیا کیا ہیں
گہ نسیمِ صبا ہے، گاہ سموم　　اس چمن میں ہوائیں کیا کیا ہیں
منظرِ دیدہ، قصرِ دل اے میرؔ!　　شہرِ تن میں بھی جائیں کیا کیا ہیں

نہیں دَیر اگر میرؔ، کعبہ تو ہے　　ہمارے کوئی کیا خدا ہی نہیں

میں جی سنبھالتا ہُوں، وہ ہنس کے ٹالتا ہے　　یاں مشکلیں ہیں ایسی، واں یہ مسالے ہیں

گھبرانے لگتیاں ہیں رُک رُک کے تن میں جانیں　　کرتے ہیں جو وفائیں اُن ہی کے حوصلے ہیں

محبت نے کھویا کھپایا ہمیں　　بہت اُس نے ڈھونڈا، نہ پایا ہمیں
پھرا کرتے ہیں دُھوپ میں جلتے ہم　　ہوا ہے کہے تو کہ سایا ہمیں
لگے ڈالنے ہے دل کوئی عشق میں　　یہ کیا روگ یا رب! لگایا ہمیں
ہوئی اس گلی میں تو مٹی عزیز　　و لے خواریوں سے اٹھایا ہمیں

شب آنکھوں سے دریا سا بہتا رہا　　انھیں نے کنارے لگایا ہمیں

مرنے کے پیچھے تو راحت سچ ہے لیکن ‏ ‏ بیچ میں یہ واقعہ حائل ہے میاں !
کی زیارت میرؔ کی ہم نے بھی کل ‏ ‏ لا اُبالی سا ہے، پر کامل ہے میاں!

پُر غباری جہاں سے نہیں سُدھ میرؔ ہمیں ‏ ‏ گرد اتنی ہے کہ مٹی میں رُلے جاتے ہیں

ردیف و

اتنا کہا نہ ہم سے تم نے کبھو کہ آؤ! ‏ ‏ کاہے کو یُوں کھڑے ہو وحشی سے، بیٹھ جاؤ!
تھی سحر یا نگہ تھی، ہم آپ کو تھے بھولے ‏ ‏ اس جادوگر کو یارو ! پھر بھی تنک دکھاؤ

مت تربتِ میرؔ کو مٹاؤ ‏ ‏ رہنے دو غریب کا نشاں تو

میرؔ تُو تو عاشقی میں کھپ گیا ‏ ‏ مت کسی کو چند روزہ اب چاہ تُو

سائے میں ہر پلک کے خوابیدہ ہے قیامت ‏ ‏ اُس فتنۂ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو
ڈوبے ہے کشتی میری بحرِ عمیقِ غم میں ‏ ‏ بیگانے سے کھڑے ہو تم آشنا تو دیکھو!

بد زباں ہو، جیسے خوش اسلوب ہو ‏ ‏ کیا کہیں! جو کچھ کہ ہو تم خوب ہو
ایسا شہرِ حُسن ہی ہے تازہ رسم ‏ ‏ دوستی باہم جہاں معیوب ہو
مطلب عمدہ ہے دل، لے تو رکھو ‏ ‏ گاہ باشد تم کو بھی مطلوب ہو
جو کہو ہو، سو مخالف عقل کے ‏ ‏ میرؔ صاحب تم مگر مجذوب ہو

لگ نہ چل اے نسیم باغ! کہ میں ‏ ‏ رہ گیا ہوں چراغ سا گُل ہو
اب دُھواں یُوں جگر سے اُٹھتا ہے ‏ ‏ جیسے پُر پیچ کوئی کاکُل ہو
ادھ جلا لالہ ساں رہا تو کیا ‏ ‏ داغ بھی ہو تو کوئی بالکل ہو
مجھ دِوانے کی مت ہِلا زنجیر ‏ ‏ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر غُل ہو
دیر رہنے کی جا نہیں یہ چمن ‏ ‏ بُوئے گُل ہو، صفیرِ بُلبُل ہو

جہاں سجدے میں ہم نے غش کیا تھا   وہیں شاید کہ اُس کا آستاں ہو
جگر تو چھِن گیا تیروں کے مارے   تمھاری کس طرح خاطر نشاں ہو
تم اے نازک تناں ! وہ ہو کہ سب کے   تمنائے دل و آرام جاں ہو
ہوئے ہم پیر، سو ساکت ہیں اب میرؔ   تمھاری بات کیا ہے ؟ تم جواں ہو!

برسوں میں کبھو ایدھر تم ناز سے آتے ہو   پھر برسوں تئیں پیارے جی سے نہیں جاتے ہو
رہتے ہو تم آنکھوں میں، پھرتے ہو تمھیں دل میں   مدّت سے اگرچہ یاں آتے ہو، نہ جاتے ہو
خوش کرنے سے ہم ایسے، ناخوش ہی کیا کیجیے   ہنستے ہو گھڑی بھر تو، پہروں ہی رُلاتے ہو

ہو کوئی بادشاہ کوئی یاں وزیر ہو   اپنی بلا سے ! بیٹھ رہے جب فقیر ہو
کس طرح آہ ! خاکِ مذلّت سے میں اٹھوں   افتادہ تر جو مجھ سے مرا دست گیر ہو
حد سے زیادہ جور و ستم خوش نُما نہیں   ایسا سلوک کر کہ تدارک پذیر ہو
ایسا ہی اس کے گھر کو بھی آباد دیکھیو   جس خانماں خراب کا یہ دل مشیر ہو
یک وقتِ خاص حق میں مرے کچھ دُعا کرو   تم بھی تو میرؔ صاحب و قبلہ فقیر ہو

ٹک لُطف سے ملا کر، گو پھر کبھو کبھو ہو   سو تب تلک کہ مجھ کو ہجراں سے تیرے خُو ہو
کیا کیا جوان ہم نے دنیا سے جاتے دیکھے   اے عشقِ بے محابا ! دنیا ہو اور تُو ہو
ایسے کہو گے کچھ تو ہم چُپکے ہو رہیں گے   ہر بات میں کہاں تک آپس میں گفتگو ہو
کہتے ہو، کانپتا ہوں جوں بید، عاشقی سے   تم بھی تو میرؔ صاحب ! کتنے غلافت گو ہو

لُطفِ شراب ابر سے ہے سُو نصیب دیکھ   جب لیویں جام ہاتھ میں، تب آفتاب ہو

سب سرگزشت سُن چکے اب چُپکے ہو رہو   آخر ہوئی کہانی مری، تم بھی سو رہو

واثق نہیں تمھیں کہ ہیں ناسزا کہو   پر ہے یہی ہمارے کیے کی سزا کہو
چُپکے رہے بھی چین نہیں، تب کہے ہے یُوں   لب بستہ بیٹھے رہتے جو ہو مدعا کہو

یارو باخصوصیت تو رہے اپنی اس کے ساتھ — میرا کہو جو حال تو اس سے جُدا کہو
آشفتہ مُو، حواس پریشاں، خراب حال — دیکھو مجھے تو خبطی، دِوانہ، بِبڑا کہو

صحبت آخر ہے ہماری نہ کرو پھر افسوس — متصل ہو سکے تو ہم سے ملاقات کرو
تم تو تصویر ہوئے دیکھ کے کچھ آئینہ — اتنی چپ بھی نہیں ہے خوب کوئی بات کرو
بس بہت وقت کیا شعر کے فن میں ضائع — میرؔ اب پیر ہوئے، ترکِ خیالات کرو

دشمن ہیں اپنے جی کے تمہارے لیے ہوئے — تم بھی حقوق ودستی کے کچھ ادا کرو
ہر چند ساتھ جان کے ہے عشق میرؔ لیک — اس دردِ لا علاج کی کچھ تو دوا کرو

مُطرب نے پڑھی تھی غزل اک میرؔ کی شب کو — مجلس میں بہت وجد کی حالت رہی سب کو
حیرت ہے کہ ہے مدّعیِ معرفت اک خلق — کچھ ہم نے تو پایا نہیں اب تک ترے ڈھب کو
ہوگا کسو دیوار کے سائے میں پڑا میرؔ — کیا ربط محبت سے اس آرام طلب کو

اس باغ کے ہر گل سے چپک جاتی ہیں آنکھیں — مشکل بنی ہے آن کے صاحب نظروں کو
اندیشے کی جاگہ ہے بہت میرؔ جی مرنا — درپیش عجب راہ ہے ہم نو سفروں کو

اب جو نصیب میں ہے سو دیکھ لوں گا میں بھی — تم دستِ لطف اپنا سر سے مرے اٹھا لو
جنبش بھی اس کے آگے ہونٹوں کو ہو تو کہیے — یُوں اپنے طور پر تم باتیں بہت بنا لو
یُوں رفتہ اور بے خود کب تک رہا کرو گے — تم اب بھی میرؔ صاحب اپنے تئیں سنبھالو

ردیف ہ

ہر آن ہم کو تجھ بن ایک اک برس ہوئی ہے — کیا آگیا زمانہ اے یار! رفتہ رفتہ
کیا کہیے؛ کیوں کہ جانیں بے پروا جاتیاں ہیں — اس معنی کا بھی ہوگا اظہار رفتہ رفتہ
پامال ہوں کہ اس میں ہوں خاک سے برابر — اب ہو گیا ہے سب کچھ ہموار رفتہ رفتہ

بندے کے دردِ دل کو کوئی نہیں پہنچتا　　ہر ایک بے حقیقت یاں ہے خدا رسیدہ
سائے سے اپنے وحشت ہم کو رہی ہمیشہ　　جُوں آفتاب ہم بھی کیسے رہے جریدہ
ذوقِ سخن ہوا ہے اب تو بہت ہمیں بھی　　لکھ لیں گے میرؔ جی کے کچھ شعر چیدہ چیدہ

مسجد میں چل کے ملیے جمعہ کے دن، بنے تو　　ہوتے ہیں میرؔ صاحب واں دن ڈھلے ہمیشہ

لطف کیا ہر کسو کی چاہ کے ساتھ　　چاہ وہ ہے جو ہو نباہ کے ساتھ

باغباں بے رحم، گُل بے دیدہ، موسم بے وفا　　آشیاں اس باغ میں بُلبل نے باندھا کیا سمجھ؟

کھینچتا ہے دلوں کو صحرا کچھ　　ہے مزاجوں میں اپنے سودا کچھ
ویسے ظاہر کا لطف ہے چُھپنا　　کم تماشا نہیں یہ پردا کچھ!
کچھ نہ دیکھا تھا ہم نے پر تو بھی　　آنکھ میں آئی یہ نہ دُنیا کچھ
وصل اس کا خدا نصیب کرے!　　میرؔ! جی چاہتا ہے کیا کیا کچھ

نبود نقش و نگار سا ہے کچھ　　صورت اک اعتبار سا ہے کچھ
یہ جو مُہلت، جسے کہیں ہیں عمر　　دیکھو تو انتظار سا ہے کچھ
منہ نہ ہم جبریوں کے کھلواؤ　　کہنے کو اختیار سا ہے کچھ
منتظر اُس کی گردِ راہ کے تھے　　آنکھوں میں سو غبار سا ہے کچھ
کیا ہے، دیکھو ہو جو اِدھر ہر دم　　اور چتون میں پیار سا ہے کچھ

گہ شگفتہ ہیں مُو کے، گہ باؤلے ہیں رُو کے　　احوال میرؔ جی کا ہے شام کچھ، سحر کچھ

ردیف ی

ہم سے، دیکھا کہ محبت نے ادا کیا کیا کی　　ایک دل قطرۂ خوں، تس پہ جفا کیا کیا کی

کچھ کرو فکر مجھ دِوانے کی — دُھوم ہے پھر بہار آنے کی!
وہ جو پھرتا ہے مجھ سے دُور ہی دُور — ہے یہ تقریب جی کے جانے کی

میرؔ دریا ہے سُنے شعر زبانی اُس کی — اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
ایک ہے عہد میں اپنے وہ پراگندہ مزاج — اپنی آنکھوں میں نہ آیا کوئی ثانی اُس کی
مینہ تو بوچھاڑ کا دیکھا ہے برستے تم نے — اسی انداز سے تھی اشک افشانی اُس کی
بات کی طرز کو دیکھو تو کوئی جادُو تھا — پر ملی خاک میں سب سحر بیانی اُس کی
اُس کا وُہ عجز، تمہارا یہ غرور خُوبی — منتیں اس نے بہت کیں، پہ نہ مانی اُس کی
سرگزشت آپ ہی کس اندوہ سے سب کہتا تھا — سو گئے تم نہ سنی ہائے! کہانی اُس کی
مرثیے دل کے کئی کہہ کے دیے لوگوں کو — شہر دلّی میں ہے سب پاس نشانی اُس کی
آبلے کی سی طرح ٹھیس لگی، پھُوٹ بہے — دردمندی میں گئی ساری جوانی اُس کی
اب گئے اُس کے جُز افسوس نہیں کچھ حاصل — حیف صد حیف! کہ کچھ قدر نہ جانی اُس کی

مقدور تک تو ضبط کروں ہوں پہ کیا کروں — مُنہ سے نکل ہی جاتی ہے اک بات پیار کی

کیا رنگ و بُو و بادِ سحر سب ہیں گرمِ راہ — کیا ہے جو اِس چمن میں ہے ایسی چلا چلی
یہ جُور و جُور کش تھے کہاں آگے عشق میں — تجھ سے جفا و میرؔ سے رسمِ وفا چلی

خانہ آباد کعبے میں تھا میرؔ — کیا خدائی خراب ہے وہ بھی

یار بِن تلخ زندگانی تھی — دوستی مدّعیِ جانی تھی
کلفت پر اُس کے ہم نشیں! مت جا — کبھو ہم پر بھی مہربانی تھی
میرے قصّے سے سب گئیں نیندیں — کچھ عجب طور کی کہانی تھی
عاشقی جی ہی لے گئی آخر — یہ بلا کوئی ناگہانی تھی
کوئی قاتل سے بچ کے نکلا خضرؔ — اسی میں اُس کی زندگانی تھی
فقر پر بھی تھا میرؔ کے اک رنگ — کفنی پہنی سو زعفرانی تھی

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ　　افسوس! تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی

باؤلے سے جب تلک بکتے تھے سب کرتے تھے پیار　　عقل کی باتیں کیاں، کیا ہم سے نادانی ہوئی

جفا اس کی نہ پہنچی انتہا کو　　دریغا! عمر نے کی بے وفائی

گو اس رخِ مہتابی سے واں چاندنی چھٹکی　　یاں رنگِ شکستہ سے بھی چھٹتی ہے ہوائی
میں دیر پہنچ کے، نہ کیا قصد حرم کا　　اپنی سی جرس نے کی بہت ہرزہ درائی

یوں تو مُردے سے پڑے رہتے ہیں ہم　　پر وہ آتا ہے، تو آ جاتا ہے جی
عشق آدم میں نہیں کچھ چھوڑتا　　ہولے ہولے کوئی کھا جاتا ہے جی

مزاجوں میں یاس آ گئی ہے ہمارے　　نہ مرنے کا غم ہے، نہ جینے کی شادی

وفا لوگ آپس میں کرتے تھے پہلے　　یہ رسمِ کہن آہ! تم نے اٹھا دی

نو گرفتار ہوں اس باغ کا، رحم! اے صیّاد!　　موسمِ گل رہے جب تک مجھے مہلت دیجے!
اپنے ہی دل کا گنہ ہے جو جلاتا ہے مجھے　　کس کو لے بیٹھے میاں! اور کسے تہمت دیجے!

اک شور ہو رہا ہے خُوں ریزی میں ہمارے　　حیرت سے ہم تو چپ ہیں کچھ تم بھی بولو پیارے!

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے!　　پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے!
خشک سالِ وفا میں اک مدت　　پلکیں لوہو میں تر رہیں پیارے!

اسیرِ زلف کرے، قیدیٔ کمند کرے　　پسند اُس کی ہے، جس طرح وہ پسند کرے

مت سہل سمجھو! ایسے ہیں ہم کیا ورے ورے — ظاہر تو پاس بیٹھے ہیں، پر ہیں بہت پرے

بُو کئے کھلانے جاتے ہو، نزاکت ہائے رے! — ہاتھ لگتے مَیلے ہوتے ہو، لطافت ہائے رے!

مبادا اکارواں جاتا رہے، تو صبح سوتا ہے — بہت ڈرتا ہوں میں اے مِیر! تیری دیر خوابی سے

کعبے میں جاں بلب تھے ہم دُوریِ بُتاں سے — آئے ہیں پھر کے یارو! اب کی خدا کے ہاں سے
خاموشی ہی میں ہم نے دیکھی ہے مصلحت اب — ہر اک سے حالِ دل کا مدت کہا زباں سے
اتنی بھی بد مزاجی ہر لحظہ میر تم کو — الجھاؤ ہے زمیں سے، جھگڑا ہے آسماں سے

تم چھیڑتے ہو بزم میں مجھ کو تو ہنسی سے — پر مجھ پہ جو ہو جانے ہے، پُوچھو مِرے جی سے

ساتھ سونا جو گیا اس کا بہت دل تڑپا — برسوں پھر مِیر یہ پہلو نہ لگے بستر سے

بھری آنکھیں کسی کی پُونچھتے جو آستیں رکھتے — ہوئی شرمندگی کیا کیا ہمیں اس دستِ خالی سے

افراطِ اشتیاق میں سمجھے نہ اپنا حال — دیکھے ہیں سوچ کر کے تو اب ہم بھی ہو چکے

سر کو اُس آستاں پہ رکھے رہیں تو بہتر — اُٹھیے جو اُس کے در سے تو ہو جیے کہاں کے

خاک ایسی عاشقی میں ٹھکرائے بھی گئے کل — پانو کنے سے اس کے پر مِیر جی نہ سرکے

کتنے روزوں سے نہ سونے کے ہیں نَے کھانے کے — دل جو یہ ہے تو ہم آرام نہیں پانے کے

غیر کو دیکھے ہے گرمی سے، نہ کچھ لاگ لگے — اس لیے دیکھ رہے ہے کہ مجھے آگ لگے

لائے تھے جاکر ابھی تو اس گلی میں سے پکار　　چپکے چپکے میر جی تم اُٹھ کے پھر کیدھر چلے

یا پہلے وے نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے　　یا اب کی وے ادائیں جو دل سے آہ نکلے

جلنے کو جلتے ہیں سب کے اندرونے لیک میر　　جب کسُو کی اس وتیرے سے کہیں چھاتی جلے

دل دھڑکے ہے جاتے کچھ بت خانہ سے کعبہ کو　　اس راہ میں پیش آوے کیا ہم کو خدا جانے
یوں شہر میں بہتیرے آزار دہندے ہیں　　تب جانیے جب کوئی اس ڈھب سے ستا جانے

جو خواہش نہ ہوتی، تو کاہش نہ ہوتی　　ہمیں جی سے مارا تری آرزو نے
نہ بھائیں تجھے میری باتیں وگرنہ　　رکھی دھوم شہروں میں اس گفتگو نے
تری چال ٹیڑھی، تری بات روکھی　　تجھے میر سمجھا ہے یاں کم کسو نے

جی میں بگڑ رہا ہے تب میر چپ ہے بیٹھا　　چھیڑو ابھی تو کیا کیا باتیں بنا کے لاوے

چولی جہاں سے مسکی، پھر آنکھیں وہیں چمکیں　　جب پیرہن گل بھی اس خوبی سے چس جاوے
ہے میر عجب کوئی درویشِ برشتہ دل　　بات اس کی سنو تم تو چھاتی بھی جھلس جاوے

کعبے گئے کیا کوئی مقصد کو پہنچتا ہے　　کیا سعی سے ہوتا ہے، جب تک نہ خدا چاہے
رنگِ گل و بوئے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں　　کیا قافلہ جاتا ہے، جو تو بھی چلا چاہے
ہم میر ترا مرنا کیا چاہتے تھے لیکن　　رہتا ہے ہوئے بن کب جو کچھ کہ ہوا چاہے

اب جس کے حسن خلق پہ بھولے پھریں ہیں لوگ　　اس بے وفا سے ہم بھی بہت آشنا رہے
آتے کبھو جو واں سے تو یاں رہتے تھے اداس　　آخر کو میر اس کی گلی ہی میں جا رہے

ہم نے بھی نذر کی ہے پھریں گے چمن کے گرد　　آنے تئیں بہار کے گر بال و پر رہے

تھا ملک جن کے زیرِ نگیں صاف مٹ گئے ... تم اس خیال میں ہو کہ نام و نشاں رہے
دیکھیں تو مصرِ حُسن میں کیا خواریاں کھنچیں ... اب تک تو ہم عزیز رہے ہیں، جہاں رہے

چاہ کے سارے دیوانے پر آپ سے اکثر بیگانے ... عاشق اس کے سیر کیے ہم سے جُدی مت رکھتے تھے
کل کہتے ہیں اس بستی میں میرؔ جی مشتاقانہ مُوئے ... تجھ سے کیا ہی جان کے دشمن وے بھی محبت رکھتے تھے

کیا رنگ میں شوخی ہے اُس کے تنِ نازک کے ... پیراہن اگر پہنے تو اس پہ بھی تر بیٹھے

گُل گئے، بُوٹے گئے، گلشن ہوئے برہم گئے ... کیسے کیسے ہائے! اپنے دیکھتے موسم گئے
گر ہوا اس باغ کی ہے یہ تو اے بُلبُل! نہ بھول ... کوئی دن میں دیکھیو واں وے گئے، یاں ہم گئے
شاید اب ٹکڑوں نے دل کے قصد آنکھوں کا کیا ... کچھ سبب تو ہے جو آنسو آتے آتے تھم گئے
کیا معاش اس غمکدے میں ہم نے دس دن کی بہم ... اُٹھ کے جس کے ہاں گئے، دل کا لیے ماتم گئے
ربط صاحب خانہ سے مطلق بہم پہنچا نہ میرؔ ... مدتوں سے ہم حرم میں تھے پہ نامحرم گئے

وہ بھی تو ٹک سُست و تیغ اپنے کی جانے قدر میرؔ ... زخم سارے ایک دن اُس کو دکھایا چاہیے

انکھڑیوں کو اس کی خاطر خواہ کیوں کر دیکھیے ... سو طرف جب دیکھ لیجے، تب ٹک ایدھر دیکھیے

گرداب وار یار! ترے صدقے جائیے! ... دریا کا پھیر پایئے، تیرا نہ پایئے

ہیم مُردن اس قدر یہ کیا ہے میرؔ ... عشق کریئے اور پھر ڈر جایئے

کیا جانو میر صاحب و قبلہ کے ڈھب کو تم ... خوبی مسلّم اُن کی و لے بد بلا ہیں یے

ہر کوئی اس مقام میں دس روز ... اپنی نوبت بجائے جاتا ہے
کُھل گئی بات تھی سو ایک اک پہ ... تُو وہی مُنہ چھپائے جاتا ہے

جائے عبرت ہے خاکدانِ جہاں — تُو کہاں مُنہ اُٹھاتے جاتا ہے
دیکھ سیلاب اِس بیاباں کا — کیسا سر کو جھکاتے جاتا ہے
وہ تو بگڑے ہے میر سے ہر دم — اپنی سی یہ بناتے جاتا ہے

خرابی دل کی کیا انبوہِ دردو غم سے پُوچھو ہو — وہی حالت ہے جیسے شہر لشکر لُوٹ جاتا ہے

جب نسیمِ سحر اُدھر جا ہے — ایک سناہٹ گزر جا ہے

ہزار بار گھڑی بھر میں میر مرتے ہیں — انھوں نے زندگی کا ڈھب نیا نکالا ہے!

چھاتی جلا کرے ہے، سوزِ دروں بلا ہے — اک آگ سی رہے ہے کیا جانیے کہ کیا ہے
پھرتے ہو میر صاحب سب سے جُدے جُدے تم — شاید کہیں تمھارا دل ان دنوں لگا ہے

ہمارا تو ہے اصلِ مُدّعا تُو — خدا جانے ترا کیا مدعا ہے
نہیں ملتا سخن اپنا کسُو سے — ہماری گفتگو کا ڈھب جُدا ہے

پلکوں سے رفو ان نے کیا چاکِ دلِ میر — کس زخم کو کس نازکی کے ساتھ سیا ہے

کس غم میں مجھ کو یارب! یہ مبتلا کیا ہے — دل ساری رات جیسے کوئی مَلا کیا ہے
ہم گو نہ ہوں جہاں میں آخر جہاں تو ہو گا — تُو نے بدی تو کی ہے ظالم! بھلا کیا ہے

ہر طرف بحث تجھ سے ہے اے عشق! — شکر تیرا، تری شکایت ہے

کس سے جُدا ہُوتے ہیں کہ ایسے ہیں دردمند — مُنہ میر جی کا آج نہایت ہی زرد ہے

لُطف اس کے بدن کا کچھ نہ پُوچھو! — کیا جانیے! جان ہے کہ تن ہے

گو دَیر میں ہیں، گے حرم میں — اپنا تو یہی دِوانہ پن ہے
کر میرؔ کے حال پر ترحّم — وہ شہر غریب و بے وطن ہے

ہم مست بھی ہو دیکھا آخر مزا نہیں ہے — ہُشیاری کے برابر کوئی نشا نہیں ہے
میں روؤں تم ہنسو ہو، کیا جانو میرؔ صاحب — دل آپ کا کسو سے شاید لگا نہیں ہے!

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے — کیا بدن کا رنگ ہے تہ جس کی پیراہن پہ ہے

مجھے منظور کیا ہے زلف و خال و خط خوباں سے — خدا نے دیکھنے کی لت سی آنکھوں کو لگا دی ہے

یہ کیا ہے کہ مُنہ نوچے، نئے چاک کرے سینہ — کر عرض جو کچھ تجھ میں اے میرؔ ہُنر بھی ہے

دیدنی ہے شکستگی دل کی — کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے
مرگِ مجنوں سے عقل گم ہے میرؔ — کیا دِوانے نے موت پائی ہے

اُس شوخ سے ہمیں بھی اب یاری ہو گئی ہے — شرم انکھڑیوں میں جس کی عیاری ہو گئی ہے
ہم کو تو دردِ دل ہے، تم زرد کیوں ہو ایسے — کیا میرؔ جی تمھیں کچھ بیماری ہو گئی ہے

چھپاتی ہوں آنکھیں ہی اُن نے تو کیسے — وہ ہر بات کا ہم سے پردا کرے ہے

دانستہ اپنے جی پہ کیوں تُو جفا کرے ہے — اتنا بھی میرے پیارے! کوئی کُڑھا کرے ہے
ہم طورِ عشق سے تو واقف نہیں ہیں، لیکن — سینے میں جیسے کوئی دل کو مَلا کرے ہے
کیا کہیے! داغ دل ہے، ٹکڑے جگر ہے سارا — جانے وہی جو کوئی ظالم وفا کرے ہے!
کیا چال یہ نکالی ہو کر جوان تم نے — اب جب چلو ہو، دل کو ٹھوکر لگا کرے ہے
اک آفتِ زماں ہے یہ میرؔ عشق پیشہ — پردے میں سارے مطلب اپنے ادا کرے ہے

کس کو کہتے ہیں ، نہیں میں جانتا اسلام و کفر   دیر ہو یا کعبہ مطلب مجھ کو تیرے در سے ہے
ناز و خشم و بے دماغی اس طرف سب ہیں ولے   کچھ کسو بھی طور کی رنجش بھلا ادھر سے ہے

تم نہیں فتنہ ساز سچ صاحب !   شہر پُر شور اس غلام سے ہے
کوئی تجھ سا بھی کاش ! تجھ کو مِلے   مدعا ہم کو انتقام سے ہے
شعر میرے ہیں سب خواص پسند   پر مجھے گفتگو عوام سے ہے
سہل ہے میر کا سمجھنا کیا   ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

بنتی ہے سامنے اس کے کیے سجدہ ہی ولے   جی سمجھتا ہے جو اُس بُت میں ادا نکلے ہے
ویسا بے جا نہیں دل میر کا جو رہ نہ سکے   چلتا پھرتا کبھو اس پاس بھی جا نکلے ہے

سارے دُکھوں کی اے دل ! ہو جائے گی تلافی   صحبت ہماری اس کی ٹک بھی اگر بنے ہے
برسوں لگی رہیں ہیں جب مہر و مہ کی آنکھیں   تب کوئی ہم سا صاحب ! صاحب نظر بنے ہے
یارانِ دیر و کعبہ دونوں بلا رہے ہیں   اب دیکھیں میر اپنا جانا کدھر بنے ہے

دیوانِ سوم

ردیف الف

مجھ کو شاعر نہ کہو میر کہ صاحب میں نے   درد و غم کتنے کیے جمع تو دیوان کیا

یک جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کنے   لیکن اس کو پھیر ہی لایا ، جہاں ہیں لے گیا

پشیماں ہُوا دوستی کر کے میں   بہت مجھ کو ارماں تھا چاہ کا

چشم سے خوں ہزار نکلے گا   کوئی دل کا بخار نکلے گا

صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم وگرنہ کچھ　　جُز عاشقی، گناہ نہیں ہے غلام کا

کیوں کر گلی سے اس کی میں اُٹھ کے چلا جاتا　　یاں خاک میں مِلنا تھا، لوہو میں نہانا تھا
کہتا تھا کسُو سے کچھ، تکتا تھا کسُو کا مُنہ　　کل میرؔ کھڑا تھا یاں، سچ ہے کہ دِوانا تھا

مت سہل ہمیں سمجھو، پہنچے تھے ہم تب ہم　　برسوں تئیں گردوں نے جب خاک کو چھانا تھا

لگ دل دیتے سُنے تھے میرؔ سے گزرا ہے جی　　یک اپنے طور پر ان نے بھی اک سودا کیا

میں گلستاں میں آ کے عبث آشیاں کیا　　بُلبُل نے بھی نہ طور گلوں کا بیاں کیا

غضب کچھ شور تھا سر میں، بلا بے طاقتی جی میں　　قیامت لحظہ لحظہ تھی مرے دل پر، جہاں میں تھا

نہیں اُس طرف میرؔ جانے سے رہتا　　رہے گا تو اُدھر ہی مر کر رہے گا

دن جی کے اُلجھنے کے ہی جھگڑے میں کٹے ہے　　رات اس کے خیالات سے رہتے ہیں قضایا
کیا کہیے دماغ اُس کا کہ گل گشت میں کل میرؔ　　گُل شاخوں سے جُھک آئے تھے، پر مُنہ نہ لگایا

تحقیق کروں کس سے حقیقت کے نشے کو　　خضرؔ آب اسے کہتا ہے، آتش کہے موسیٰؑ

شراب خانے میں شب مست ہو رہا شاید　　جو میرؔ ہوش میں ہوتا تو اپنے گھر آتا

مَیلان اس کا تھا کاہے کو جانب اُلفت کیشوں کے　　اپنی طرف سے ہم نے اب تک اس ظالم سے پیار رکھا
عشق بھی ہم میں ہائے تصرف کیسے کیسے کرتا ہے　　دل کو چاک، جگر کو زخمی، آنکھوں کو خُوں بار رکھا

دل نے کیا کیا نہ رات درد دیے　　جیسے پکتا رہے کوئی پھوڑا

دل عجب شہر تھا خیالوں کا   لُوٹا مارا ہے حُسن والوں کا

پھرتا تھا میر غم زدہ اک عمر سے خراب   اب شکر ہے اکہ بارے کسی در پہ جا گرا

سُو جا نہ چاہ میں کچھ ، برباد کر چکے دل   میر اندھے ہو رہے تھے اپنا بھی گھر نہ دیکھا

خراب احوال کچھ بکتا پھرے ہے دیر و کعبہ میں   سخن کیا معتبر ہے میر سے واہی تباہی کا

برسوں سے ہے تلاوت و سجادہ و نماز   پر مَیلِ دل جو سوئے مے ناب تھا ، سو تھا

ردیف ب

کل کچھ صبا ہوئی تھی گل افشاں قفس میں بھی   وُہ بے کلی تو جان کو بارے نہیں ہے اب
مسکن جہاں تھا دل زدہ مسکیں کا ہم تو واں   کل دیر میر میر پکارے نہیں ہے اب

دنیا میں حُسن و خُوبی میر اک عجیب شے ہے   رندان و پارسایاں جس پر رکھیں نظر سب

بولا ، جو مُو پریشاں آ نکلے میر صاحب   آنا ہُوا کہاں سے کہیے ! فقیر صاحب !

تم کس خیال میں ہو ، تصویر سے جو چُپ ہو   کرتے ہیں لوگ کیا کیا تقریر میر صاحب !

ردیف ت

مت اِن نمازیوں کو خانہ سازِ دیں جانو   کہ ایک اینٹ کی خاطر یہ ڈھاتے ہیں گے مسیت۔
غمِ زمانہ سے فارغ ہیں مایہ باختگاں   قمار خانۂ آفاق میں ہے ہار بھی جیت

جلتے آنکھوں میں پڑ گئے ، مُنہ زرد   ہو گئی میر تیری کیا صورت

پھول، گُل، شمس و قمر سارے ہی تھے　　پر ہمیں ان میں تمھیں بھائے بہت !
میرؔ سے پُوچھا جو میں ، عاشق ہو تم ؟　　ہو کے کچھ چپکے سے شرماتے بہت

کوشش اپنی تھی عبث، پر کی بہت　　کیا کریں ہم چاہتا تھا جی بہت

ہمیں عشق میں میرؔ چُپ سی لگی ہے　　نہ شکر و شکایت ، نہ حرفِ حکایت

ردیف د

ہمیں اسیر تو ہونا ہے اپنا اچھا یاد　　کشش نہ دام کی دیکھی ، نہ کوششِ صیاد
نہ دردمندی سے یہ راہ تم چلے ورنہ　　قدم قدم پہ تھی یاں جائے نالہ و فریاد
ثباتِ قصر و در و بام و خشت و گِل کتنا　　عمارتِ دلِ درویش کی رکھو بنیاد
چمن میں یار ہمیں لے گئے تھے ، وا نہ ہُوئے　　ہمارے ساتھ یہی غم ، یہی دلِ ناشاد

گزرتی ہے کیا میرؔ دل پر ترے　　تو ہوتا ہے ہر لحظہ کچھ زرد زرد

ردیف ر

اے مُرغِ چمن ! صبح ہوئی ، زمزمہ سر کر　　دم کھینچ تہِ دل سے کوئی ، ٹکڑے جگر کر
ہے بے خبری مجھ کو ترے دیکھے سے ساقی　　ہر لحظہ مری جان ! مجھے میری خبر کر
جس جائے سراپا میں نظر جاتی ہے اُس کے　　آتا ہے مرے جی میں ، یہیں عمر بسر کر !
پڑتے نگہ اس شوخ کی ہوتا ہے وہ احوال　　رہ جاوے ہے جیسے کہ کوئی بجلی سے ڈر کر
معشوق کا کیا وصل ورے ایسا دھرا ہے　　تا شمع پتنگا بھی جو پہنچے ہے ، تو مر کر
کسبِ اور کیا ہوتا عوض ریختے کے کاش !　　پچھتائے بہت میرؔ ہم اس کام کو کر کر

سعی و طلب بہت کی مطلب کے تئیں نہ پہنچے　　ناچار اب جہاں سے بیٹھے ہیں ہاتھ اٹھا کر

کس طرح میرؔ جی کا ہم توبہ کرنا ، مانیں　　کل تک تھے داغ مے کے سب اُن کے پیرہن پر

سحر گوشِ گل میں کہا میں نے جا کر کھلے بند مرغِ چمن سے ملا کر
لگا کہنے، فرصت ہے یاں یک تبسم سو وہ بھی گریباں میں مُنہ کو چھپا کر
تناسب پہ اعضا کے اتنا تبختر بگاڑا تجھے، خوب صورت بنا کر
قیامت رہا اضطراب اس کے غم میں جگر پھر گیا رات ہونٹوں پہ آ کر
مبارک تمھیں میر ہو عشق کرنا بہت ہم تو پچھتائے دل کو لگا کر

مذہب سے میرے کیا تجھے، تیرا دیار اور میں اور، یار اور مرا کاروبار اور
بندے کو ان فقیروں میں گنیے نہ شہر کے صاحب نے میرے، مجھ کو دیا اعتبار اور

ردیف ش

پاؤں پڑتا ہے کہیں، آنکھیں کہیں اس کی مستی دیکھ کر جاتا ہے ہوش

بُتوں کے غم میں نالاں جب نہ تب ہوں نہ راضی خلق مجھ سے، نے خدا خوش
کلی رُکتی ہے، گُل ہے دل پریشاں کسو کی اس چمن میں گزرے کیا خوش
جہانِ تنگ کُڑھنے ہی کی جا تھی کوئی دن میں تکلف سے رہا خوش
رہا پھولوں میں کرتا زمزمہ میں مری اس باغ میں گزری سدا خوش

کیا پتنگے کو شمع روئے میر اس کی شب کو بھی ہے سحر درپیش

ردیف ظ

جو وہ ہے تو ہے زندگانی سے حظ مزا عمر کا ہے جوانی سے حظ
نہیں وہ تو سب کچھ یہ بے لطف ہے نہ کھانے میں لذت، نہ پانی سے حظ
کہا دردِ دل رات کیا میر نے اٹھایا بہت اس کہانی سے حظ

ردیف غ

صحبت کسو سے رکھنے کا اس کو نہ تھا دماغ تھا میر بے دماغ کو بھی کیا بلا دماغ

باتیں کرے برشتگیِ دل کی ، پر کہاں ‏ کرتا ہے اس دماغ جلے کا وفا دماغ
دو حرف زیرِ لب کہے ، پھر ہو گیا خموش ‏ یعنی کہ بات کرنے کا کس کو رہا دماغ
کر فکر اپنی طاقتِ فکری جو ہو ضعیف ‏ اب شعر و شاعری کی طرف کب لگا دماغ
آتش زبانی شمع نمط میرؔ کی بہت ‏ اب چاہیے معاف رکھیں جل گیا دماغ

ردیف ف

کیا پیام و سلام ہے موقوف ‏ رسم ظاہر تمام ہے موقوف
حیرتِ حسنِ یار سے چُپ ہیں ‏ سب سے حرف و کلام ہے موقوف
اقتدا میرؔ ہم سے کس کی ہُوئی ‏ اپنے ہاں اب امام ہے موقوف

ردیف ق

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق ‏ حق شناسوں کا ہاں! خدا ہے عشق
دل لگا ہو ، تو جی جہاں سے اٹھا ‏ موت کا نام پیار کا ہے عشق
کوہ کن کیا پہاڑ کاٹے گا ‏ پردے میں زور آزما ہے عشق
کون مقصد کو عشق بن پہنچا ‏ آرزوُ عشق مدعا ہے عشق
میرؔ مرنا پڑے ہے خُوباں پر ‏ عشق مت کر کہ بد بلا ہے عشق

ردیف ل

اب کی ہزار رنگ گلستاں میں آتے گُل ‏ پر اُس بغیر اپنے تو جی کو نہ بھائے گُل
ہم طرح آشیاں کی نہ گلشن میں ڈالتے ‏ معلوم ہوتی آگے جو ہم کو وفائے گُل

عبارت خوب لکھی شاعری انشا طرازی کی ‏ وصلے مطلب ہی گم دیکھیں تو کب ہے مدعا حاصل
پھرا مت میرؔ سر اپنا گراں گوشوں کی مجلس میں ‏ سُنے کوئی تو کچھ کہیے بھی ، ایسے کہنے کا حاصل

ردیف م

اپنے خیال ہی میں گزرتی ہے اپنی عمر　　پر کچھ نہ پوچھو سمجھے نہیں جاتے ہم سے ہم
طرفیں رکھے ہے ایک سخن چار چار، میرؔ　　کیا کیا کہا کریں ہیں زبانِ قلم سے ہم

میرؔ آؤ گے آپ میں بھی کبھو　　سخت مشتاق ہیں تمھارے ہم

عجب راہ پُرخوف و مشکل گزر　　اٹھایا گیا ہم سے مر مر قدم!
بہت مستیِ عشق پا لغزنہ تھی　　خدا جانے! پڑتا تھا کیدھر قدم

چاہیں تو تم کو چاہیں، دیکھیں تو تم کو دیکھیں　　خواہش دِلوں کی تم ہو، آنکھوں کی آرزو تم

ردیف ن

ہم بھی اس شہر میں ان لوگوں سے ہیں خانہ خراب　　میرؔ گھر بار جنھوں کے رہِ سیلاب میں ہیں

ظلم و ستم کیا، جور و جفا کیا، جو کچھ کیے اُٹھاتا ہوں　　خِفّت کھینچ کے جاتا ہُوں، رہتا نہیں دل پھر آتا ہوں
گھر سے اُٹھ کر، کونے میں بیٹھا، بیت پڑھے، دو باتیں کیں　　کِس کِس طور سے اپنے دل کو اُس بن مَیں بہلاتا ہوں
آنے کی میری فرصت کتنی، دو دم، دو پل، ایک گھڑی　　رنجش کیوں، کاہے کو خشونت، غصہ کیا، میں جاتا ہوں
پہلے فریب لطف سے اُس کے، کچھ نہ ہوا معلوم مجھے　　اب جو چاہ نے بدلیں طرحیں، گُڑھتا ہُوں، پچھتاتا ہوں

کبھو ملے ہے سو وہ یُوں کہ پھر مِلا نہ کریں　　کرے ہے آپ ہی شکایت کہ ہم گِلا نہ کریں
دل اب تو ہم سے ہے بد، یار اگر ہے جیتے　　کسُو سے ہم بھی دلی پھر معاملا نہ کریں

صبحِ چمن کا جلوہ ہندی بُتوں میں دیکھا　　صندل بھری جبیں ہے، ہونٹوں کی لالیاں ہیں
وہ دُزدِ دل نہیں تو، کیوں دیکھتے ہو مجھ کو؟　　پلکیں جُھکا لیاں ہیں، آنکھیں چُرا لیاں ہیں

رفتگاں میں جہاں کے ہم بھی ہیں　　ساتھ اس کارواں کے ہم بھی ہیں
جس چمن زار کا ہے تو گلِ تر　　بُلبل اس گلستاں کے ہم بھی ہیں
وجہِ بے گانگی نہیں معلوم　　تم جہاں کے ہو، واں کے ہم بھی ہیں
اپنا شیوہ نہیں کجی، یوں تو　　یار جی! ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں

نئی گردش ہے اُس کی ہر زماں میں　　خلل سا ہے دماغِ آسماں میں
کہا میں دردِ دل، یا آگ اُگلی　　پھپھولے پڑ گئے میری زباں میں

تری شورش بھی بے کل ہے مگر میرؔ　　ہلا دی پیس کر بجلی فغاں میں

دل و دلی دونوں اگر ہیں خراب　　یہ کچھ لطف اس اُجڑے گھر میں بھی ہیں

زبانیں بدلتے ہیں ہر آن خوباں　　یہ سب کچھ ہیں بگڑے زمانے کی باتیں
ہمیں دیر و کعبے سے کیا گفتگو ہے　　چلی جاتی ہیں یہ سنانے کی باتیں

کچھ تمھیں ملنے سے بے زار ہو میرے، ورنہ　　دوستی ننگ نہیں، عیب نہیں، عار نہیں
دل کے اُلجھاؤ کو کیا تجھ سے کہوں؛ اے ناصح!　　تو کسی زلف کے پھندے میں گرفتار نہیں

جہاں سے دیکھیے اِک شعرِ شور انگیز نکلے ہے　　قیامت کا سا ہنگامہ ہے ہر جا میرے دیواں میں

اب پست و بلند ایک ہے، جوں نقشِ قدم یاں　　پامال ہوا خوب، تو ہموار ہوا میں
ہشیار تھے سب، دام میں آنے ز ہم آواز　　تھی رفتگی سی مجھ کو، گرفتار ہوا میں
کیا چیتنے کا فائدہ؛ جو شیب میں چیتا　　سونے کا سماں آیا، تو بیدار ہوا میں

چاہیے وہ کہے سو لکھ رکھیں　　ہر سخن میرؔ کا کتاب ہے میاں

گرفتہ دل ہوں، سرِ انبساط مجھ کو نہیں — کسو سے شہر میں کچھ اختلاط مجھ کو نہیں
جہاں ہو تیغ بکف کوئی سادہ، جا لگنا — اب اپنی جان کا کچھ احتیاط مجھ کو نہیں
ہوا ہوں فرطِ اذیت سے میں تو سُن اے میرؔ! — تمیزِ رنج و خیالِ نشاط مجھ کو نہیں

ہم بھی تو فصلِ گل میں چل، ٹک تو پاس بیٹھیں — سر جوڑ جوڑ کیسے کلیاں نکلتیاں ہیں

دیکھیں تو میرؔ کیا ہو بے طاقتی سے حالت — اب تو بہ دیر جائیں اپنی سنبھلتیاں ہیں

بہار آئی، کھلے گل پھول شاید باغ صحرا میں — جھلک سی مارتی ہے کچھ سیاہی داغ صحرا میں

جاتے ہے جی، نجات کے غم میں — ایسی جنت گئی، جہنم میں
پر کے تھی بے کلی قفس میں بہت — دیکھیے اب کے گل کے موسم میں
بے خودی پر نہ میرؔ کی جاؤ — تم نے دیکھا ہے اور عالم میں

جس کا خوباں خیال لیتے ہیں — دل کلیجہ نکال لیتے ہیں
دیکھو اُسے، ہو، ملک سے بھی لغزش — ہم تو دل کو سنبھال لیتے ہیں

کس کس ادا سے ریختے میں نے کہے ولیک — سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

رُلتے ہیں، نالہ کش ہیں، یا رات دن جلے ہیں — ہجراں میں اُس کی ہم کو بہتیرے مشغلے ہیں
مرنا ہے خاک ہونا، ہو خاک اُڑتے پھرنا — اس راہ میں ابھی تو درپیش مرحلے ہیں
تھا جو مزاج اپنا، سو تو کہاں رہا ہے — پر نسبت اگلی تو بھی ہم اِن دنوں بھلے ہیں

رہا تھا دیکھ اُودھر میرؔ چلتے — عجب اک نااُمیدی تھی نظر میں

مجھ کو دماغِ وصفِ گل یاسمن نہیں — میں جُوں نسیم، بادفروشِ چمن نہیں

تم کبھو میرؔ کو چاہو سو کہ چاہیں ہیں تمھیں　　اور ہم لوگ تو سب ان کا ادب کرتے ہیں

مصرع کوئی کوئی کبھو موزوں کروں ہوں میں　　کس خوش سلیقگی سے جگر خوں کروں ہوں میں
بات اپنے ڈھب کی کوئی کرے وہ، تو کچھ کہوں　　بیٹھا خموش سامنے، ہوں ہوں کروں ہوں میں
لاویں کہاں سے خونِ دل اتنا کہ میرؔ ہم　　جس وقت بات کرنے لگیں، چشم تر کریں

کچھ حال میرؔ جی کے آتے نہیں سمجھ میں　　ہم بھی سلوک ان سے اب کم کیا کریں ہیں

ردیف و

قتل کیے پر غصہ کیا ہے، لاش مری اٹھوانے دو　　جان سے ہم بھی جاتے رہے ہیں، تم بھی آؤ، جانے دو
اب کی بہت ہے شورِ بہاراں، ہم کو مت زنجیر کرو　　دل کی ہوس کچھ ہم بھی نکالیں، دھومیں ہم کو مچانے دو
عرصہ کتنا سارے جہاں کا، وحشت پر جو آجاویں　　پاؤں تو ہم پھیلادیں گے پر فرصت ہم کو پانے دو!
ضُعف بہت ہے میرؔ تمھیں کچھ اُس کی گلی میں مت جاؤ　　صبر کرو کچھ اور بھی صاحب! طاقت جی میں آنے دو
بات بنانا مشکل سا ہے، شعر سبھی یاں کہتے ہیں　　فکرِ بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہہ لانے دو

لاگ اگر دل کو نہیں، لطف نہیں جینے کا　　اُلجھے سُلجھے کسی کاکل کے گرفتار رہو

سب میرؔ کو دیتے ہیں جگہ آنکھوں پہ اپنی　　اس خاکِ رہِ عشق کا اعزاز تو دیکھو

کیا بلا خیز جا ہے کوچۂ عشق　　تم بھی اِں میرؔ مول اک گھر لو

پہلے دیوانے ہوئے، پھر میرؔ آخر مر گئے　　ہم نہ کہتے تھے کہ صاحب! عاشقی تم مت کرو!

بارے دُنیا میں رہو غم زدہ، یا شاد رہو　　ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو!
ہم کو دیوانگی شہروں ہی میں خوش آتی ہے　　دشت میں قیس رہو، کوہ میں فرہاد رہو
میرؔ ہل کے بہت خوش ہوئے تم سے پیارے!　　اس خرابے میں مری جان! تم آباد رہو!

کیا آنکھ بند کرکے مُراقب ہونے ہو تُم — جاتے ہیں کیسے کیسے سمے ، چشم وا کرو
ہرچند اِس متاع کی اب قدر کُچھ نہیں — پر جس کسو کے ساتھ رہو تم ، وفا کرو!
تدبیر کو مزاجِ محبت میں دخل کیا — جاں کاہ اِس مرض کی نہ کوئی دوا کرو
گرچہ شانِ کفر ارفع ہے، وَلے اے راہباں! — ایک دو ہم سوں کو بھی زُنّار بند ہوا کرو

کہتا ہے کون میرؔ کہ بے اختیار رو — ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے ہنسی نہ ہو
جب دیکھتے ہیں پانو ہی دابو ہو اُس کے میرؔ — کیوں ہوتے ہو ذلیل، تم اتنا تو مت دبو

میری طرف کی یارو! اس سے بات کوئی کہتے ہو، کہو — مانے نہ مانے، وہ جانے پھر، تم بھی منت مت کریو

حاصل کوئی امید ہوئی ہو ، تو میں کہوں — خُوں ہی ہوا کیے ہیں مرے دل میں سارے چاؤ

ردیف ہ

کہتے تو ہیں کہ ہم کو اس کی طلب نہیں کچھ — پر جی اُسی کو اپنا ڈھونڈے ہے، ڈھب نہیں کچھ
یہ حال بے سبب تو ہوتا نہیں ہے لیکن — رونے کا لحظہ لحظہ ظاہر نہیں سبب کچھ!
کر عشق میرؔ اس کا مارے کہیں نہ جاویں — جلدی مزاج میں ہے، اُس سے عجب نہیں کچھ

چشم و دل کا اس سے لگ جانا تو تھا جس تس طرح — جی بھی ان باتوں میں اُلجھا اور یہ جنجال دیکھ

نکہت سے لب یہ ہے اُس کام جاں کا سب بدن — مختلط ہو جائے ہم سے جو کبھو ، تو ہائے وُہ

ردیف ی

اَب حسرت آنکھوں میں اس کی نو میدانہ پھرتا تھا — میرؔ نے شاید خواہش دل کی آج کوئی پھر رخصت کی

کہی میں ان لبوں کی جاں فزائی — یہ بات اک بے خودی میں مُنہ پہ آئی

کہاں کا بے ستوں، فرہاد کیسا　　یہ تھی سب عشق کی زور آزمائی
موافق ہُک ہو تُو، تو پھر جہاں میں　　مثل ہو میری تیری آشنائی

دخیل ذات نہیں عشق میں کو میرؔ کو دیکھو　　ذلیل کیسے ہیں، اُن کی ہے گو کہ ذات بڑی

بات کیا آدمی کی بن آئی　　آسماں سے زمیں نپوائی
حیرت آتی ہے اُس کی باتیں دیکھ　　خود سری، خودستائی، خودرائی

کیے سلوک انھوں کے کیا کیا، چھیڑ تجاہُل کی ہے نئی　　نکلے تھے اس رستے، سو وے جان کے بھی انجان گئے

جب دیکھتے ہیں تیرؔ تمھیں، بے دماغ ہو　　کاہے کو ناز عشق میں صاحب! دخیل ہے

سوز دروں نے آخر جی ہی کھپا دیا ہے　　ٹھنڈا دل اب ہے ایسا، جیسے بجھا دیا ہے

سرکسی سے فرو نہیں آتا　　حیف! بندے ہُوتے، خدا نہ ہوئے
کیسا کیسا قفس سے سر مارا　　موسمِ گُل میں ہم رہا نہ ہوتے

خاطر اپنی آتی پریشاں، آنکھیں پھریں مرا اُس بن جی ہلاں　　تم نے کہا: دل چاہے تو بیٹھو! دل کیا جانے کیدھر ہے!
تاب و تواں کا حال وہی ہے، آج تلک ہم جیتے ہیں　　تم پُوچھو تو اور کہیں کیا! نسبت کل کی بہتر ہے!

اس عرصے سے گیا ہو کہیں کوئی، تو کہیں　　چل پھر کے لوگ یاں کے یہیں سارے رہ گئے
تسبیحیں ٹُوٹیں، خرقے مصلے پھٹے، جلے　　کیا جانے! خانقاہ میں کیا میرؔ کہہ گئے

سیر قابل ہیں تنگ پوشیں اب کے　　کہنیاں پھنستیں، چولیاں چستے
رنگ لیتی ہے سب ہوا اُس کا　　اس سے باغ و بہار میں رستے

خدا جانے! کہ دل کس خانہ آباداں کو دے بیٹھے   کھڑے تھے میر صاحب گھر کے دروازے پہ حیراں سے

وصل یا ہجر، کچھ ٹھہر جاوے   دل کو اپنے اگر قرار رہے
کم ہے کیا لذتِ ہم آغوشی   سب مزے میر درکنار رہے

پُوچھنا اس ناتواں کا خوب تھا   پر نہ پُوچھا اُن نے، وہ بھی زور ہے

آشنا ہو اُس سے ہم مر مر گئے، آئندہ میر   جیتے رہیے تو کسُو سے اب نہ یاری کیجیے!

کرتی پھرے ہے مجھ کو سارے چمن میں رُسوا   گر کوئی بات دِل کی بُلبل سے میں کہی ہے
چلاہٹ اس طرح کی جُز میر کس سے ہوتے   باور نہ ہو، تو دیکھو! یہ ہو نہ ہو، وہی ہے

غربت پہ مہرباں ہوئے میری، سو یہ کہا   ان کو غریب کوئی نہ سمجھے، غضب ہیں یے
سیّد ہیں میر صاحب و درویش و درد مند   سر رکھیے ان کے پاؤں پہ، جائے ادب ہیں یے

اب جنوں میں میر سوئے دشت جاتے   کار وحشت کے تئیں یک سُو کرے

جی ہی دینے کا نہیں کڑھنا فقط   اس کے در سے جانے کی حسرت بھی ہے

چلے ہم، اگر تم کو اِکراہ ہے   فقیروں کی اللہ اللہ ہے
جہاں لگ چلے گُل سے، ہم داغ ہیں   اگرچہ صبا بھی ہوا خواہ ہے
نہ کی کوتہی بت پرستی میں کچھ   خدا اس عقیدے سے آگاہ ہے

کم میں بھی عجب جنس ہوں بازار جہاں میں   سو ناز مجھے لیتے خریدار کرے ہے
کیوں کر نہ ہو تم میر کے آزار کے درپے   یہ جُرم ہے اس کا کہ تمھیں پیار کرے ہے

اس کا غضب سے نامہ نہ لکھنا ، تو سہل ہے　　لوگوں کے پوچھنے کا کوئی کیا جواب دے

دن فصلِ گل کے اب کے بھی جاتے ہیں باؤ سے　　دل داغ ہو رہا ہے چمن کے سبھاؤ سے
وارفتگانِ عشق میں کیا طرفہ لوگ ہیں　　دل کے گئے پہ دیتے ہیں جی ، کیسے چاؤ سے

کیا ذکر مرا ، میں تو کہیں اس سے ملوں ہوں　　ان خانہ خرابوں کی کہو ، جن کے وہ گھر جاتے

بتوں کے جرمِ الفت پر ہمیں زجر و ملامت ہے　　مسلماں بھی خدا لگتی نہیں کہتے ، قیامت ہے !
نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی ، دعا کر میر　　کہ اب جو دیکھوں اسے میں ، بہت نہ پیار آتے

دل سوختہ ہوں ، مجھ کو تکلیفِ حرف مت کر　　اک آگ کی لپٹ سی نکلے ہے ہر سخن سے

کعبے کے در پہ تھے ہم ، یا دَیر میں در آتے　　آوارگی تو دیکھو ! کیدھر سے کیدھر آئے

مت پڑا رہ ! دَیر کے ٹکڑوں پہ میر　　اٹھ کے کعبے چل ! خدا رزّاق ہے

بت کدے سے تو چلے کعبے ، ولے　　دس قدم ہم دل کو کر پتھر ، سگئے
کیا جو اڑتی سی سنی ، آئے ہیں گل　　ہم اسیروں کے تو بال و پر گئے !
مجلسوں کی مجلسیں برہم ہوئیں　　لوگ فے ، پل مارتے ، کیدھر گئے
خانوادے ہو گئے کیا کیا خراب　　خانہ سازِ دین کیسے مر گئے !
دست افشاں ، پائے کوباں ، شوق میں　　صومعے سے میر بھی باہر گئے !

دیوانِ چہارم

ردیف الف

ابر اور جوشِ گل ہے ، چل خانقہ سے صوفی　　ہے لطف ئے کدے میں وہ چند اس ہوا کا

عاشق کی چشمِ تر میں گو دبتے آویں لیکن — پانو کے دل بروں کے چُھپتا نہیں چھپا کا

کیوں کر بسر کرے غم و غصّہ میں ہجر کے — خوگر جو ہو کسُو کے کوئی التفات کا
واعظ کے سوپچ ہے، و لے مے فروش سے — ہم ذکر بھی سنا نہیں صوم و صلوٰت کا
عالم کسُو حکیم کا باندھا طلسم ہے — کچھ ہو، تو اعتبار بھی ہو کائنات کا

تجاہل، تغافل، تساہل کیا — ہُوا کام مشکل توکّل کیا
نہیں تاب لاتا دلِ زار اب — بہت ہم نے صبر و تحمّل کیا
زمینِ غزل مِلک سی ہو گئی — یہ قطعہ تصرف میں بالکُل کیا
حقیقت نہ میر اپنی سمجھی گئی — شب و روز ہم نے تاٴمّل کیا

رفتۂ عشق ہوں میں کیا اب کا — جا چکا ہوں جہان سے کب کا
لوگ جب ذکرِ یار کرتے ہیں — دیکھ رہتا ہُوں دیر مُنہ سب کا
مست رہتا ہوں، جب سے ہوش آیا — میں بھی عاشق ہوں اپنے مشرب کا
ہم تو ناکام ہی چلے یاں سے — تم کو ہو گا وصول مطلب کا

تب تک ہی تحمل ہے، جب تک نہیں آتا وہ — اس رستے نکلتا تو ہم سے نہ رہا جاتا

تھا میر بھی دیوانہ پر ساتھ ظرافت کے — ہم سلسلہ داروں کی زنجیر ہِلا جاتا

گو بےکسی سے عشق کی آتش میں جل بُجھا — میں جُوں چراغِ گورِ اکیلا جُلا کیا

گردن کشی سے اپنی مارے گئے ہم آخر — عاشق اگر ہوئے تھے، ناز و غرور کیا تھا
مرتا تھا جس کی خاطر، اُس کی طرف نہ دیکھا — میر ستم رسیدہ ظالم غیور کیا تھا

ہر چند میں نے شوق کو پنہاں کیا، ولے — اِک آدھ حرف پیار کا مُنہ سے نکل گیا

یُں وہ دلا تو آگے ہی تھا فرطِ شوق سے — طور اُس کا دیکھ اور بھی کچھ دل دہل گیا

سوزشِ دل کے سبب مرگ نہ تھی عاشق کی — اپنی غیرت میں وہ کچھ آپ ہی جلا جاتا تھا

ہم سے تو جُز مرگ کچھ تدبیر بن آتی نہیں — تم کہو! کیا تم نے دردِ عشق کا درماں کیا!
لکھنؤ، دلّی سے آیا، یاں بھی رہتا ہے اداس — میرؔ کو سرگشتگی نے بے دل و حیراں کیا

نجف گیا، مدینے گیا، کربلا گیا — جیسا گیا تھا، ویسا ہی چل پھر کے آگیا
دیکھا جو کچھ اس آمد و شد میں تو میں کہوں — خود گم ہُوا ہُوں بات کی تہ اب جو پا گیا

عشق کی ہے بیماری ہم کو دل اپنا سب درد ہُوا — رنگِ بدن میّت کے رنگوں جیتے جی ہی پہ زرد ہوا

لُطف سے پُوچھتا تھا ہر کوئی — جب تلک لُطف کچھ تمہارا تھا
خوب کیا، جو اہلِ کرم کے جُود کا کچھ نہ خیال کیا — ہم جو فقیر ہوئے تو ہم نے پہلے ہی ترکِ سوال کیا
میرؔ اسدا بے حال رہو ہو، مہر و وفا سب کرتے ہیں — تم نے عشق کیا سو صاحب! کیا یہ اپنا حال کیا

ایک نگہ کی اُمید بھی اس کی چشمِ شوخ سے ہم کو نہیں — راہ ادھر اُدھر دیکھے گا، پہ ہم سے آنکھ چھپاوے گا

بہار آئی، چلو چمن میں، ہوا کے اوپر بھی رنگ آیا — کہاں تلک گُل نہ ہووے غنچہ، رہا مُندے مُنہ، سو تنگ آیا
چلے ہیں مونڈھے، پھٹی ہے کہنی، چسی ہے چولی، پھنسی ہے مُہری — قیامت اُس کی ہے تنگ پوشی، ہمارا جی تو بہ تنگ آیا
وہی ہے رونا وہی ہے کُڑھنا، وہی ہے سوزش جوانی کی سی — بڑھاپا آیا ہے عشق ہی میں، پہ میرؔ ہم کو نہ ڈھنگ آیا

نے ہم سے کچھ، نہ اس ستم ایجاد سے ہوا — ظلمِ صریح عشق کی امداد سے ہوا

چڑھی تیوری کبھو اس کی نہ اُتری — غضب ہے، قہر ہے، پیارا ہمارا
گُلِ لب تک نہ آیا میرؔ ہرگز — کیا جی ہی میں غم سارا ہمارا

ردیف ت

سخت ہیں کیا ایامِ جدائی ، دشواری سے کٹتے ہیں   دن ، دیواروں سے سر مارے ہوں ، پتھر ہے چھاتی ہے رات

چشم رہنے لگی پُر آب بہت   شاید آوے گا خونِ ناب بہت
دَیر و کعبے میں اُس کے خواہشمند   ہوتے پھرتے ہیں ہم خراب بہت
دل کے دل ہی میں رہ گئے ارماں   کم رہا موسمِ شباب بہت!
مارنا عاشقوں کا گر ہے ثواب   تو ہوا ہے تمھیں ثواب بہت

دل نے کام کیے ہیں ضائع دل ہے ہے دل خواہ بہت   قدر بہت ہی کم ہے دل کی ، پر دل ہیں ہے چاہ بہت
حیرانی ہے کیوں کر ہووے نسبت اپنی اس سے درست   بندہ تو ہے عاجز عاجز اس کو غرور اللہ بہت
سب کہتے ہیں ، رشتے توجہ ایدھر کرنے کہتا تھا   شاید یُوں بھی ظاہر ہووے ، ہے تو سہی افواہ بہت
اب تو ہے پیری حضرت ہو کر ایک کنارے بیٹھے ہیں   جب تھی جوانی ، تب تو ہم بھی جاتے تھے درگاہ بہت

تھی بحر کی سی لہر کہ آئی ، چلی گئی   پہنچی ہے اس سرے تئیں طبع رواں کی بات
اب تو وفا و مہر کا مذکور ہی نہیں   تم کس سمے کی کہتے ہو ، یہ ہے کہاں کی بات

ردیف ج

شیشہ ، صراحی ، ساغر و مینا ، سب کل تک بھی حاضر تھے   کوئے بادہ فروشاں میں یہ میری حُرمت کیا ہے آج
میر کھڑے اک ساعت ہی میں غش تم کرنے لگتے ہو   تاب نہیں کیا ضعف ہے دل ہیں ، جی بے طاقت کیا ہے آج

جینے سے ہم غم کُشتوں کے ، خاطر تم بھی جمع کرو   کل تک کام نہیں کھنچنے کا ، غش آتا ہے اکثر آج
عشق کیا ہو ہم نے کہیں تو عشق ہمارا جی مارے   یُونہی نکو رُو دل بر اپنا ہم سے ہوا ہے بدتر آج
رحم کی جاگہ کی ہے پیدا شاید اس کے دل میں بھی   دیکھ رہا ہے مُنہ کو ہمارے حال ہمارا سُن کر آج

ردیف ح

جُوں سبزہ چل چمن میں، لبِ جُو پہ سیر کر   عمرِ عزیز جاتی ہے آبِ رواں کی طرح
جُوں سقفِ بے عمد ہو، نہیں اُس کا اعتماد   کس خانماں خراب نے کی آسماں کی طرح
یُوسفؑ کی اُس نظیر سے دل کو نہ جمع رکھ   ایسی متاع جاتی ہے بازار ہر طرح

ردیف ر

مت اس چمن میں غنچہ روش بود و باش کر   مانندِ گل، شگفتہ جبیں یاں معاش کر!
دل رکھ قوی فلک کی زبردستی پر نہ جا   گر کشتی لگ گئی ہے تو تُو بھی تلاش کر

تقدیس دل تو دیکھ، ہوتی جس کو اس سے راہ   سر دیں ہیں لوگ اس کے قدم کے نشان پہ

عشق محبت، یاری میں اک لطف رکھے ہے کرنا ضبط   چھاتی پر جو ہو کوہ الم کا، تو بھی نالہ و آہ نہ کر
مانگ پناہ خدا سے بندے، دل لگنا اک آفت ہے   عشق نہ کر، زنہار نہ کر، واللہ نہ کر، باللہ نہ کر

کیا جانیے! کہ دل پہ گزرے ہے میرؔ کیا کیا   کرتا ہے بات کوئی آنکھیں پُر آب کر کر!

جدائی تا جدائی فرق ہے ملتے بھی ہیں آ کر   فراق ایسا نہیں ہوتا کہ پھر آتے نہیں جا کر

سُن سن کے دردِ دل کو بولا کہ جاتے ہیں ہم   تُو اپنی یہ کہانی بیٹھا ہوا کہا کر
آگے زمیں کی تہ میں ہم سے بہت تھے تو بھی   سر پہ زمیں اُٹھاتی ہم بے تہوں نے آ کر
اب تو پھرو ہو بے غم، تب میرؔ جانیں گے ہم   اچھے رہو گے جب تم دل کو کہیں لگا کر

بزم میں مُنہ اُدھر کریں کیوں کر   اور نیچی نظر کریں کیوں کر
یُوں بھی مشکل ہے، وُوں بھی مشکل ہے   سر جھکائے گزر کریں کیوں کر
سر فلک پر ہے وُہ زمیں پر آہ   ان کو زیر و زبر کریں کیوں کر

دل نہیں دردمند اپنا میر　　آہ! نالے اثر کریں کیوں کر

ردیف س

خوش حال وے جو حال کہیں دل بروں سے دیر　　رویا نہ میں تو ایک گھڑی اپنے یار پاس

اب نہیں ہوتی چشم تر افسوس!　　بہ گیا خون ہو جگر افسوس!
دیدنی ہے یہ خستہ حالی، لیک　　ایدھر اس کی نہیں نظر افسوس!
میر ابتر بہت ہے دل کا حال　　یعنی ویراں پڑا ہے گھر افسوس!

ردیف ش

یُوں سر بکھیرے عشق میں پھرتے نہیں ہیں میر　　اظہار بھی کریں ہیں تو اظہار کی روش
سررشتۂ دل بند نہیں زلف و کمر میں　　کیا جانیے! ہم کس لیے ہیں یار سے ناخوش
اک بات کا بھی لوگوں میں پھیپٹ اُسے کرنا　　ہم ہیں گے بہت میر کے بستار سے ناخوش

ردیف ط

دل کا لگانا، جی کھونا ہے، اس کو جگر ہے پیارے شرط　　سو تو بہا تھا خوں ہو آگے، پہلے داؤ میں ہارے شرط

ردیف غ

ہمارے آگے چمن سے گئی بہار دریغ!　　دریغ درد و صد افسوس! صد ہزار دریغ!

دل جلے ہم نہیں رہے بے کار　　زخم کاری اٹھائے، کھائے داغ
دیکھے دامن کے نیچے تجھ سے دیے　　میر نے گر تلے چھپائے داغ

ردیف ف

آج ہمارا سر پھرتا ہے، باتیں جتنی سب موقوف　　حرف و سخن جو بایک دیگر رہتے تھے، سو اب موقوف
اُس کی گلی میں آمد و شد کی گھاتیں میں ہم رہتے تھے　　اب جو شکستہ پا ہو بیٹھے ڈھب کرنے کے ڈھب موقوف

وہ جو مانع ہو تو کیا ہے، شوق کمال کو پہنچا ہے　　　　وقفہ ہو گا تب ملنے میں ہم بھی کریں گے جب موقوف
حلقے پڑے ہیں چشمِ تر میں سوکھے ایسے تم نہ رہے　　　　رونا گڑھا عشق میں اس کے میر کرو گے کب موقوف

نظر کیا کروں اس کے گھر کی طرف　　　　نگاہیں ہیں میری نظر کی طرف
چھپاتے ہیں مُنہ اپنا کامل سے سب　　　　نہیں کوئی کرتا ہُنر کی طرف
اندھا دُھند رُتے ہیں آنکھوں سے خُوں　　　　نہیں دیکھتے ہم جگر کی طرف

ردیف ق

میر خلافِ مزاجِ محبت موجبِ تلخی کشیدن ہے　　　　یار موافق مل جاوے تو لطف ہے چاہ، مزا ہے عشق

جی سارے تن کا کھنچ کر آنکھوں میں آ رہا ہے　　　　کس مرتبے میں ہم بھی ہیں دیکھنے کے مشتاق
کل میر جی نے ضائع اپنے تئیں کیا ہے　　　　یہ کام تھا نہ اُن کی شائستگی کے لائق

ردیف ک

مرتے ہی سُنا ان کو جنھیں دل لگی تھی کچھ　　　　اچھا بھی ہوا کوئی اس آزار سے اب تک
کچھ رنج دلی میر جوانی میں کھنچا تھا　　　　زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک

نہ ہو گو جنوں میر جی کو پر اُن کی　　　　طبیعت ہے آشفتہ وحشت سے اب تک

ردیف ل

آنکھوں کی دیکھا دیکھی ہرگز دل کو اُس سے نہ لگنا تھا　　　　جیسی سزا پہنچا ہے کوئی اب اس کے قابل ہے دل

حال فکرِ سخن میں کچھ نہ رہا　　　　شعر مرا شعار ہے تا حال
حال مستی جوانی تھی، سو گئی　　　　میر اس کا خمار ہے تا حال

آزردہ خاطری کا ہماری نہ کر عجب　　　　اک عمر ہم رہا کیے ہیں مار مار دل

ردیف م

خواہ نماز خضوع سے ہوئے، خواہ نیاز اک سوئے دل　　وقت رہا ہے بہت کم، اب تو بالے کچھ کر جاویں ہم

چپکے سے کچھ آجاتے ہو، آنکھیں بھر بھر لاتے ہو　　میر گزرتی کیا ہے دل پر، کڑھا کرو ہو اکثر تم

کم پائی اس قدر ہے، منزل ہے دُور اتنی　　طے کس طرح کرو گے یارو! یہ مرحلے تم؟

میں کہا، دیکھو ادھر ٹک تم تو میں بھی جان دُوں　　ہنس کے بولے، یہ تری باتیں ہیں پر دیکھیں گے ہم
شورشِ دیوانگی اُس کی نہیں جانے گی، لیک　　ایک دو دن میر کو زنجیر کر دیکھیں گے ہم

جس کے تئیں پروا ہو کسی کی، آنا جانا اُس کا ہے　　نیک ہوا یا بد حال ہمارا، تم کو کیا ہے جاؤ تم!

چُپ ہیں کچھ جو نہیں کہتے ہم، کارِ عشق کے حیراں ہیں　　سوچو حال ہمارا ٹک تو بات کی تہ کو پاؤ تم!

ظلم ہوئے ہیں کیا کیا ہم پر، صبر کیا ہے کیا کیا ہم　　آن لگے ہیں گور کنارے، اُس کی گلی میں جا جا ہم

مُریدِ پیرِ خرابات یُوں نہ ہوتے میر　　سمجھتے عارف اگر اور بھی کسُو کو ہم

کیا دن تھے وے دیکھتے تم کو نیچی نظر میں کر لیتا　　شرما شرما لوگوں سے جب آنکھیں مجھ کو دکھاتے تم
چہرہ زرد بجا ہے سارا عشق میں غم کا مارا ہوں　　رنگ یہ دیکھا ہوتا تو دل میر کہیں نہ لگاتے تم!

صبر بہت تھا ایک سمے میں جا سے اپنی نہ جاتے ہم　　کس کس ناز سے وے آتے پر آنکھ نہ ان سے ملاتے ہم

ردیف ن

ضعفِ دماغ سے کیا پُوچھو ہو، اب تو ہم میں حال نہیں　　اتنا ہے کہ طپش سے دل کی سر یہ وہ دھمال نہیں

گاہے گاہے اُس میں ہم نے مُنہ اُس مہ کا دیکھا تھا جیسا سال کہ پر کا گزرا، ویسا بھی یہ سال نہیں

عشق کی رہ میں پانو رکھا سو، رہنے لگے کچھ رفتہ سے آگے چل کر دیکھیں ہم اب گُم ہوویں یا پیدا ہوں

محبوب کا وصال نہ ہم کو ہوا نصیب دل سے ہزار خواہشیں سر کو پٹک گئیں

غزل میرؔ کی کب پڑھائی نہیں کہ حالت مجھے غش کی آئی نہیں
زباں سے ہماری ہے صیاد خوش ہمیں اب اُمیدِ رہائی نہیں!

دل کی لاگ بُری ہے ہوتی چنگے بھلے مرجاتے ہیں آپ میں ہم سے بے خود و رفتہ پھر پھر بھی کیا آتے ہیں
رنگ نہ بدلے چہرہ کا کیوں کر آنکھیں بیٹھی جائیں نہ کیوں کیسے کیسے غم کھاتے ہیں، کیا کیا رنج اٹھاتے ہیں

میرؔ بلا سے جان رہے ہیں دونوں فراق و وصل اُس کے ہجر کی راتیں وہ بھاری تھیں ملنے کے دن کی یہ گھڑیاں

تلاش میرؔ کی اب مے کدوں میں کاش کریں کہ مسجدوں میں تو وہ خانماں خراب نہیں

اس شہِ حُسن کا اقبال! کہ ظالم کے تئیں ہر طرف سینکڑوں درویش دُعا دیتے ہیں
طُرفہ صناع ہیں اے میر! یہ موزوں طبعاں بات جاتی ہے بگڑ بھی، تو بنا دیتے ہیں

جی مارا بے تابیِ دل نے اب کچھ اچھا ڈھنگ نہیں رنگ پلیدن کی شوخی سے منہ پر میرے رنگ نہیں
ہم بھی عالمِ فقر میں ہیں پر ہم سے جو مانگے کوئی فقیر ایک سوال ہیں دو عالم دیں، اتنے دل کے تنگ نہیں

چاک سینے کے ہمارے نہیں سینے اچھے! انہی زخموں سے دل و جان ہوا لیتے ہیں

تھکے چارہ جوئی سے اب کیا کریں کہو تم سو دل کا مداوا کریں
نہیں چاہتا جی کچھ اب سیر ہیں ہوس دل کی ہو تو تمنا کریں

بُرے حال اس کی گلی میں ہیں میرؔ   جو اُٹھ جائیں واں سے، تو اچھا کریں

پنج روزہ عمر، کریئے عاشقی یا زاہدی   کام کچھ چلتا نہیں اس تھوڑی سی مہلت سے یاں
کیا سرِ جنگ و جدل ہو، بے دماغِ عشق کو   صُلح کی ہے میرؔ نے ہفتاد و دو ملّت سے یاں

گوندھ کے گویا پتّی گل کی، وہ ترکیب بنائی ہے   رنگ بدن کا تب دیکھو، جب چولی بھیگے پسینے میں
میرؔ نے کیا کیا ضبط کیا ہے شوق میں اشکِ خُونیں کو   کیجے جو تقصیر ہُوئی ہو، اپنا لوہُو پینے میں

شور نہیں یاں کوئی سُنتا میرؔ قفس کے اسیروں کا   گوش نہیں دیوارِ چمن کے، گل کے شاید کان نہیں!

یُوں ناکام رہیں گے کب تک، جی میں ہے اک کام کریں   رُسوا ہو کر مارے جاویں، اس کو بھی بدنام کریں

پھرائیں صورتِ احوال ہر یک کو دکھاتا یاں   مروّت قحط ہے، آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں
خرابہ دِلّی کا وہ چند بہتر لکھنؤ سے تھا   وہیں میں کاش! مرجاتا، سراسیمہ آتا یاں

ردیف و

بعد از نماز تھے کل مے خانے کے در پہ   کیا جانئے میرؔ اُٹھ کر واں سے گئے کہاں کو

خراب عشق تو سرگشتہ ہوں ہی میں، تم بھی   پھرا پھرا کے مجھے گلیوں میں خراب کرو!

دل میرؔ دل بروں سے چاہا کرے ہے کیا کیا   کچھ انتہا نہیں ہے عاشق کی آرزو کو

اے آہوانِ کعبہ! نہ اینڈو حرم کے گرد   کھاؤ کِسُو کی تیغ، کِسُو کے شکار ہو

ہوتا ہے میرؔ رشتۂ سخن آدمی کی اور   افسوس! اے ستم زدہ! انسان ہُوا نہ تو

ناز کی کوئی یہ بھی شُسک ہے، اجی کاہے کو کڑھاتے ہو　　آتے ہو تمکین سے ایسے، جیسے کہیں کو جاتے ہو!
مست نہیں پر بال ہیں بکھرے، پیچ گلے میں پگڑی کے　　ساختہ ایسے بگڑے رہے ہو تم جیسے مدھ ماتے ہو
سوچ نہیں یہ فقیر ہے اپنا، جیب و دیدہ، دیوانا　　ٹھوکر لگتے دامن کو کس ناز سے تم یاں آتے ہو

یاد آئے وہ کیا تڑپے ہے، کیا بے تابی کرتا ہے　　کوئی تسلّی بھر ہوتا ہے، جب تک دل کو تھام نہ لو
میر کہاں تک بے خوابی وُہ میں ہوں تم جو سُلاتا ہوں　　بس جو تمھارا کچھ بھی چلے تو ایک گھڑی آرام نہ لو

دن ہیں بڑے کبھو کے، راتیں بڑی کبھو کی　　رہتے نہیں ہیں یکساں لیل و نہار دونو
چلتے جو اس کو دیکھا، جی اپنے کھنچ گئے ہیں　　ہم اور میر یاں ہیں بے اختیار دونو

کام گئے ہیں شوق سے ضائع، صبر نہ آیا یاروں کو　　مار رکھا بے تابیِ دل نے ہم سب غم کے ماروں کو

جو نہ ہوئے نماز، کریئے نیاز　　آدمی چاہیے کرے کچھ تو
طالع و جذب و زاری و زر و زور　　عشق میں چاہیے ارے کچھ تو
سہے سہے نظر پڑے ہیں میر　　اس کے اطوار سے ڈرے کچھ تو

رفتنِ رنگینِ گُل رویاں سے کیا ٹھیراؤ ہو　　ساتھ اُن کے چل، تماشا کر لے، جس کو چاؤ ہو

جی کی لاگ بلا ہے کوئی دل جینے سے اُٹھا بیٹھو　　ہو کے فقیر گلی میں کسو کی رنج اٹھاؤ، جا بیٹھو
ٹیڑھی چال سے اس کی خائف چپکے کھڑے کیا بِچتے ہو　　سیدھی سیدھی دو چار اس کو جرأت کر کے سنا بیٹھو

ردیف ی

جامۂ احرام آخر تہ کر دل کی اور توجہ کی　　در پہ حرم کے اس لیے تھے ہم کوئی ملے گا محرم بھی

نقد دل غفلت سے کھویا، راہ کھوٹی کر گئے　　کارواں جاتا رہا، ہم خواب ہی میں مر گئے
کیا کہیں اُن نے جو پھیرا اپنے در پر سے ہمیں　　مر گئے غیرت سے ہم بھی، پر نہ اُس کے گھر گئے

واعظِ ناکس کی باتوں پر کوئی جاتا ہے میرؔ   آؤ! مے خانے چلو! تم کس کے کہنے پر گئے

اے کاش! کوئی جا کر کہہ آئے یار سے بھی   یاں کام جا چکا ہے اب اختیار سے بھی
جان وجہاں سے گزرا ہیں میرؔ جن کی خاطر   بچ کر نکلتے ہیں وے، میرے مزار سے بھی

خوار پھرایا گلیوں گلیوں، سر مارے دیواروں سے   کیا کیا ان نے سلوک کیے ہیں شہر کے عزت داروں سے
شور کیا جو میں نے شباں گہ بے تابی سے دل کی بہت   کہنے لگا جی تنگ آیا ان مہر و وفا کے ماروں سے
حرف شنو ساتھ اپنے نہیں ہیں، ورنہ در آتے قافلہ ساں   راہ میں باتیں کس کس ڈھب کی کرتے ہیں ہم یاروں سے
خستہ ہو اپنا کیسا ہی کوئی، پھر بھی گلے سے لگاتے ہیں   دہشت ایک تمھیں کو دیکھی اپنے سینہ فگاروں سے

کچھ نہیں اور دیکھے ہیں کیا کیا   خواب کا سا ہے یاں کا عالم بھی
کھپ ہی جاتا ہے آدمی اے میرؔ   آفتِ جاں ہے عشق کا غم بھی

آتش خو مغرور سے ویسے عہدہ بر آ کیا عاشق ہو   دل کو جلا دے، منت رکھے، جی مارے، احسان کرے

آنکھیں بھر آئیں، جی رُندھا، کیسے سو گیا، چپکے سے تھے   جی چاہتا مطلق نہ تھا ناچار ہم رخصت ہوئے
یا مست درگاہوں میں شب کرتے تھے شاہد بازیاں   تسبیح لے کر ہاتھ میں یا میرؔ اب حضرت ہوئے

باغ میں سیر کبھو ہم بھی کیا کرتے تھے   روشِ آبِ رواں پہلے پھرا کرتے تھے
غیرتِ عشق کسو وقت بلا تھی ہم کو   تھوڑی آزردگی میں ترکِ وفا کرتے تھے
دل کی بیماری سے خاطر تو ہماری تھی جمع   لوگ کچھ یوں ہی محبت سے دوا کرتے تھے
جب تلک شرم رہی مانعِ شوخی اس کی   تب تلک ہم بھی ستم دیدہ حیا کرتے تھے
مائل کفر جوانی میں بہت تھے ہم لوگ   دیر میں، مسجدوں میں، دیر رہا کرتے تھے
اب تو بے تابیٔ دل نے ہمیں بھلا ہی دیا   آگے رنج و تعب عشق اٹھا کرتے تھے
اُٹھ گئے پر مرے ہمکیے کو کہیں گے یاں میرؔ   دردِ دل بیٹھے کہانی سی کہا کرتے تھے

باغ میں جا کر ہم جو رہے سو اودہ دماغ آشفتہ ہوا   کیا کیا سر پہ ہمارے آ کر بلبلِ شب چلاتی ہے

قصہ ہم غربت زدگاں کا کہنے کے شائستہ نہیں — بے صبری، کم پائی ہے، پھر دُور اس سے تنہائی ہے

کیا ابرِ رحمت اب کی برستا ہے لطف سے — طاعت گزیں جو ہو، سو گنہ گار ہو کوئی
ہم عاشقانِ زرد و زبون و نزار سے — مت کر ادائیں ایسی کہ بیزار ہو کوئی

عشق میں دم مارا نہ کبھو، تم چپکے چپکے میر کھپے — لوہو منہ سے مل کر اب فریاد کرو تو بہتر ہے

یُوں میر تو غم اپنا برسوں کہا کریں گے — اب رات کم ہے سو بس ہو چکی کہانی

چلو چمن میں جو دل کھلے ٹک ہم غمِ دل کہا کریں گے — طیور ہی سے بُکا کریں گے گُلوں کے آگے بکا کریں گے

گرامی گہر میر جی تھا ہمارا — ولے عشق میں قدر ہم نے نہ جانی

چلتے ہو تو چمن کو چلیے، کہتے ہیں کہ بہاراں ہے — پات ہرے ہیں، پھول کھلے ہیں، کم کم بادو باراں ہے
رنگ ہوا سے یُوں ٹپکے ہے، جیسے شراب چواتے ہیں — آگے ہو مے خانے کے نکلو، عہدِ بادہ گساراں ہے

آگے کسُو کے کیا کریں دستِ طمع دراز — وہ ہاتھ سو گیا ہے سرہانے دھرے دھرے

ہمیں ہی عشق میں جینے کا کچھ خیال نہیں — وگرنہ سب کے تئیں جان اپنی پیاری ہے

عشق میں کھوئے جاؤ گے، تو بات کی تہ بھی پاؤ گے — قدر ہماری کچھ جانو گے، دل کو کہیں جو لگاؤ گے
صبر کہاں بےتابیِ دل سے، چین کہاں بے خوابی سے — تُو تُو بار گلی میں تکتے گھر سے باہر آؤ گے
صنعت گریاں، صاحب بندہ! دل کی لگی کب پیش گئیں — ایک نہیں وُہ سننے کا، تم باتیں بہت بناؤ گے
چاہ کیے درویش ہوئے تو آب و خورش کی فکر نہیں — لوہو پیو گے اپنا ہر دم، غم غصہ ہی کھاؤ گے
رنگ محبت کے ہیں کتنے کوئی تمھیں خوش آوے گا — خون کرو گے یا دل کو، یا داغِ جگر پہ جلاؤ گے
رہتے ہیں مبہوتِ الفت ہیں گم گشتہ گلفت میں — بُھولے بُھولے آپ ہی پھرو گے، کس کو راہ بتاؤ گے

اشک تو پانی سے ہیں لیکن، جلتے جلتے آویں گے　　دل کی لگی، حیران ہیں صاحب! اُکس جب مل کے بجھاؤ گے
چاہت میرؔ سبھی کرتے ہیں، رنج و تعب میں رہتے ہیں　　تم جو ابھی بے تاب ہوا یسے جی سے ہاتھ اٹھاؤ گے

فرہاد و قیس گزرے، اب شور ہے ہمارا　　ہر کوئی اپنی نوبت دُو دن بجا گیا ہے

ق

اے میرؔ! شعر کہنا، کیا ہے کمالِ انساں　　یہ بھی خیال سا کچھ خاطر میں آ گیا ہے
شاعر نہیں جو دیکھا، تُو تو ہے کوئی ساحر　　دو چار شعر پڑھ کر سب کو رجھا گیا ہے

میرؔ اُٹھ بتکدے سے کعبے گیا　　کیا کرے! جو خدا خراب کرے

کہہ صوفی چل مے خانے ہیں لطف نہیں اب مسجد میں　　ابر ہے باراں باد نرمک رنگ بدن میں جھمکا ہے

صبر کیا جاتا نہیں ہم سے، ضُعف بھی ہے، بے تابی ہے　　سہل نہیں ہے جی کا ڈہنا، کیسی خانہ خرابی ہے

سرخ کبھو آنسو ہیں ہوتے، زرد کبھو ہے مُنہ میرا　　کیا کیا رنگ محبت کے ہیں، یہ بھی ایک زمانا ہے
آنکھوں کی یہ مردم داری دل کو کسُو دل برسے ہے　　طرزِ نگہ طرّاری ساری، میرؔ تمھیں پہچانا ہے

عشق کیا سو باتیں بنائیں، یعنی شعر شعار ہوا　　بیتیں جوڑے مشہور ہوئیں تو، شہروں شہروں رُسوا تھے
کیا ہوتا جو پاس اپنے لے میرؔ! کبھو وے آجاتے　　عاشق تھے، درویش تھے آخر، بے کس بھی تھے، تنہا تھے

ایک پل بھی نہ اس سے آنسو پُچھے　　روتے مجھ کو پہر پہر گزرے

کیا کوئی اس گلی میں آ ئے میرؔ　　آوے تو لوہو میں نہا بھی جائے

دونوں طرف سے دیدہ درائی نہیں ہے خوب　　اس چاہ کا ہے لطف جو آپس میں ڈر رہے

عیب آدمی کا ہے، جو ہے اس دیار میں — مطلق جہاں نہ میرؔ رواجِ ہُنر رہے

آج ہمیں بے تابی سے ہی صبر کی دل سے رخصت تھی — چاروں اور نگہ کرنے میں عالم عالم حسرت تھی
کس محنت سے محبت کی تھی، کس خواری سے یاری کی — رنج ہی ساری عمر اٹھایا، کلفت تھی، یا اُلفت تھی
بدنامی کیا عشق کی کہیے رسوائی سی رسوائی ہے — صحرا صحرا وحشت بھی تھی، دنیا دنیا تہمت تھی

دیوانِ پنجم

ردیف الف

دُور بہت بھاگو ہو ہم سے، سیکھے طریق غزالوں کا — وحشت کرنا شیوہ ہے کیا اچھی آنکھوں والوں کا

رسوائے شہر ہے یاں حرف و سخن ہمارا — کیا خاک میں ملا ہے افسوس! فن ہمارا

جو دل بر ہے ایسا، تو دل جا چکا ہے — کسو روز آنکھوں میں گھر کر رہے گا
ہر اک کام موقوف ہے وقت پر ہی — دلِ خُوں شُدہ بھی جگر کر رہے گا

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا — غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

عجز کیا سو اُس مُفسِد نے قدر ہماری یہ کچھ کی — تیوری چڑھائی، غصہ کیا، جب ہم نے جُھک کے سلام کیا
کہنے کی بھی، لکھنے کی بھی ہم تو قسم کھا بیٹھے تھے — آخر دل کی بے تابی سے، خط بھیجا، پیغام کیا

ہر ورق، ہر صفحہ میں اک شعرِ شور انگیز ہے — عرصۂ محشر ہے عرصہ میرے بھی دیوان کا

عشق ہمارے خیال پڑا ہے، خواب گیا، آرام گیا — جی کا جانا ٹھہر رہا ہے، صبح گیا یا شام گیا

وصل میں رنگ اڑ گیا میرا — کیا جُدائی کو مُنہ دکھاؤں گا

چھانتا ہوں کسی گلی کی خاک   دل کو اپنے کبھو تو پاؤں گا

کیسا کیا جگر خوں، آزار کیسے کھینچے   آساں نہیں ہُوا دل اندوہ گیں ہمارا

چتون بے ڈھب، آنکھیں پھری ہیں، پلکوں سے بھی نظر چھوٹی   عشق ابھی کیا جانیے ہم کو کیا کیا میرؔ دکھائے گا

اے نکیلے یہ تھی کہاں کی ادا   کھپ گئی جی میں تیری بانکی ادا
خاک میں مل کے میرؔ ہم سمجھے   بے ادائی تھی آسماں کی ادا

گلو گیر ہی ہو گئی یاوہ گوئی   رہا میں خموشی کو آواز کرتا

شیخ حرم سے لڑکے چلا ہُوں، اب کعبے میں نہ آؤں گا   تا بُت خانہ ہر قدم اوپر سجدہ کرتا جاؤں گا
آگے مسافر میرؔ عرب میں اور عجم میں کہتے ہیں   اب شہروں میں ہندوستاں کے کافر میرؔ کہاؤں گا

بعد ہمارے اس فن کا جو کوئی ماہر ہوئے گا   درد آگیں انداز کی باتیں اکثر پڑھ پڑھ روئے گا

نہ وہ آوے، نہ جاوے بے قراری   کسو دن میرؔ یوں ہی مر رہوں گا

میرؔ نہ اپنے دردِ دل کو مجھ سے کہا کر روز و شب   صبح جو گوشِ دل سے سنا تھا، دل میں میرے درد ہوا

دل تڑپے ہے، جان کھپے ہے، حال جگر کا کیا ہو گا   مجنوں مجنوں لوگ کہے ہیں، مجنوں کیا ہم سا ہو گا!
کیا جانیں آشفتہ دلاں کچھ ان سے ہم کو بحث نہیں   وہ جانے گا حال ہمارا، جس کا دل بے جا ہو گا

اب یاں سے ہم اُٹھ جائیں گے خلق خدا، ملکِ خدا   ہرگز نہ ایدھر آئیں گے خلقِ خدا، ملکِ خدا
مطلب اگر یاں گم ہوا، اندیشے کی جاگہ نہیں   جا کر کہیں کچھ پائیں گے خلق خدا، ملک خدا
دلی میں نہ جانے یہ کوئی، ہم کھانے کو دیں ہیں انھیں   جو ہے مقدر کھائیں گے خلقِ خدا، ملک خدا
گو لکھنؤ ویراں ہُوا، ہم اور آبادی میں جا   مقسوم اپنا لائیں گے خلقِ خدا، ملکِ خدا

اس بستی سے اُٹھ جائیں گے درویشوں کی کیا مشورت　　وُہ بھی یہی فرمائیں گے ، خلقِ خدا ، ملکِ خدا

بے خرد ، خانقہ میں ہیں گو مست　　وُہ کرے مست اک نگاہ تو کیا
حُسن والے ہیں کج روش سارے　　ہُوئے دو چار رُو بہ راہ تو کیا
میر کیا ہے فقیر مستغنی　　آوے اس پاس بادشاہ تو کیا

دل گیا مُفت اور دُکھ پایا　　ہو کے عاشق بہت میں پچھتایا

چاہ میں جور ہم پہ کم نہ ہُوا　　عاشقی کی تو کچھ ستم نہ ہُوا

وصیت میر نے مجُھ کو یہی کی　　کہ سب کچھ ہونا تو عاشق نہ ہونا

عشق کے پچھتائے ہم تو دل نہ کسُو سے لگانا تھا　　جیدھر ہو وُہ مر نکلا ، اُس راہ نہ ہم کو جانا تھا
فکر خیال کیا کرتا تھا عشق و جنُوں میں روز و شب　　روتے روتے ہنسنے لگا یہ میر عجب دیوانا تھا

کیا کیا عشق میں رنج اٹھائے ، دل اپنا سب خون ہوا　　کیسے رُکتے تھے خفگی سے آخر کار جنون ہُوا

جب زمزمہ کرتی ہے ، صدا چھتی ہے دل میں　　بُلبُل سے کوئی سیکھ لے انداز سخن کا

ردیف ب

دل خوں ہوا تھا یک سر ، پانی ہوا جگر سب　　خُوں بستہ رہتیاں تھیں پلکیں سو اب ہیں تر سب
یارب کدھر گئے وے ، جو آدمی روش تھے　　اُوجڑ دکھائی دے ہیں شہر و دہ و نگر سب
حرف و سخن سے مطلق یاں گفتگو نہیں ہے　　پیادے سوار ہم کو آئے نظر نفر سب
عالَم کے لوگوں کا ہے ، تصویر کا سا عالَم　　ظاہر کھُلی ہیں آنکھیں ، لیکن ہیں بے خبر سب
میر اس خرابے میں کیا آباد ہووے کوئی　　دیوار و در گرے ہیں ، ویراں پڑے ہیں گھر سب

چور، اُچکّے، سکھ، مرہٹے، شاہ و گدا زر خواہاں ہیں　　چَین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے، فقر ہی اِک دولت ہے اب

سیل سے ہلکے عاشق ہوویں تو جوش و خروش بھرے آویں　　تہ پائی نہیں جاتی اُن کی دریا سے تہ دار ہیں سب
کیا کیا خواہشیں بے کس، بے بس، مشتاق اُس سے رکھتے تھے　　لیکن دیکھ کے رہ جاتے ہیں جھجکے سے ناچار ہیں سب

ہم تو تمھارے حُسن کی حیرت سے ہیں خموشش　　تم ہم سے کوئی کرتے نہیں بات کیا سبب؟

سُن کے حال کسُو کے دل کا رونا ہی مجھ کو آتا تھا　　یعنی کبھو جو کُڑھتا تھا میں! وہ رونا ہر دم ہے اب
زردیِ چہرہ، تن کی نزاری، بیماری، پھر چاہت ہے　　دل میں غم ہے، مژگاں نم ہیں، حال بہت درہم ہے اب
دیکھیں دن کٹتے ہیں کیوں کر، راتیں کیونکر گزرتی ہیں　　بے تابی ہے زیادہ زیادہ، صبر بہت کم کم ہے اب
عشق ہمارا آہ! نہ پُوچھو کیا کیا رنگ بدلتا ہے　　خُون ہوا، دل داغ ہوا، پھر درد ہوا پھر غم ہے اب
مِلنے والو پھر ملیے گا، ہے وہ عالمِ دیگر میں　　میرؔ فقیر کو سُکر ہے یعنی مستی کا عالم ہے اب

ردیف ت

دل کی تہ کی کہی نہیں جاتی، نازک ہیں اسرار بہت　　انچھر ہیں تو عشق کے دو ہی، لیکن ہے بستار بہت
ہجر نے جی ہی مارا ہمارا کیا کہیے! کیا مشکل ہے　　اُس سے جُدا رہنا ہوتا ہے، جس سے ہمیں ہے پیار بہت

ردیف ج

گھر آئے ہو فقیروں کے تو آؤ، بیٹھو، کُلفت کرو!　　کیا ہے جاں بن اپنے کنے، سو ان قدموں پر نثار ہے آج
کیا پُوچھو ہو سانجھ تلک پہلو میں کیا کیا تڑپا ہے　　کل کی نسبت دل کو ہمارے بارے کچھ تو قرار ہے آج

سر اپنا عشق میں ہم نے بھی یُوں تو پھوڑا تھا　　پر اُس کو کیا کریں اوروں کا اعتبار ہے آج
کِسُو کے آنے سے کیا اب کہ غش ہے کل دن سے　　ہیں تو اپنا ہی اسے میرؔ انتظار ہے آج

ردیف چ

آج ہمیں بدحالی سی ہے، حال نہیں ہے جان کے بیچ　　کیا عاشق ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے جہان کے بیچ

وعدے کرو ہو برسوں کے تم، دم کا بھروسا ہم کو نہیں　　کچھ کچھ ہو جاتا ہے یاں اک پل میں، اک اک آن کے بیچ

اے بوئے گل! سمجھ کے مہکیو! پون کے بیچ　　زخمی پڑے ہیں مرغ ہزاروں چمن کے بیچ

ردیف د

کم ناز سے ہے کس کے، بندے کی بے نیازی　　قالب میں خاک کے یاں، پنہاں خدا ہے شاید
یہ عشق ہے یقینی، حال ایسا کم سنا ہے　　اے میر! دل کسو سے تیرا لگا ہے شاید

کیا جانے! میر کس کے غم سے ہے چپ وگرنہ　　حرف و سخن میں کیا ہی ہے یہ جواں زباں زد

کچھ ہوش نہ تھا منبر و محراب کا ہم کو　　صد شکر! کہ مسجد میں ہوئے مستی میں وارد

اسلامی کفری کوئی ہو، ہے شرط درد عشق　　دونوں طرق میں نہیں، ناکارہ، دردمند

ردیف ر

اپنے موئے بھی رنج و بلا ہے ہمسایوں کی جانوں پر　　کیا کیا سینہ زنی رہتی ہے درد و غم کے فسانوں پر
میں تو کیا کیا حرف و سخن تھے میرے جہاں سے جاتے رہے　　باتیں درد آگیں ہیں اب تک کیسی کیسی زبانوں پر

ردیف ز

آنکھ لگے اک مدت گزری، پائے عشق جو بیچ میں ہے!　　ملتے ہیں معشوق اگر تو ملتے ہیں شرماتے ہنوز
ایسی معیشت کر لوگوں سے، جیسی غم کش میر نے کی　　برسوں ہوئے ہیں اٹھ گئے ان کو روتے ہیں ہمسائے ہنوز

ردیف س

مجھ کو کرنا تھا احتراز اس سے　　ہائے افسوس! کیا کیا افسوس!

کوئی دن کریئے معیشت جا کسو کامل کے پاس　　ناقصوں میں رہیے کیا، رہیے تو صاحب دل کے پاس

کیا میرؔ اسیروں کو، در باغ جو وا ہو   ہے رنگِ ہوا دیکھنے کو چاکِ قفس بس!

چارۂ اشتیاق کچھ نہ ہُوا   وہ نہ ہم سے ہُوا دوچار افسوس!

ردیف ش

رکھتے رہے بُتوں سے مہر و وفا کی خواہش   اس آرزو نے مارا یہ بھی خدا کی خواہش

رنج و غم آئے بیش تر در پیش   راہِ رفتن ہے اب مگر در پیش
خانہ روشن پتنگوں نے نہ کیا   ہے چراغوں کو بھی سحر درپیش

کیسا خود گم سر بکھیرے، میرؔ ہے بازار میں   ایسا اب پیدا نہیں ہنگامہ آرا دل فروش

آباد، اُجڑا لکھنؤ، چُغدوں سے اب ہوا   مشکل ہے اس خرابے میں آدم کی بُود و باش
عمرِ عزیز یاس ہی میں جاتی ہے چلی   اُمیدوار اُس کے نہ ہم ہوتے میرؔ کاشں!

ردیف ص

شاعری شیوہ ہے، شعار اخلاص   دین و مذہب مرا ہے پیار اخلاص
اب کہاں وہ مؤدّتِ قلبی   ہوئے ظاہر میں یُوں ہزار اخلاص

ردیف ط

جس کو ہُوا ہے اُس صنمِ بے وفا سے ربط   اُس کو خدا ہی ہوئے، تو ہو کچھ خدا سے ربط
گُل ہو کے برگ برگ ہُوئے، پھر ہوا ہوئے   رکھتے ہیں اس چمن کے جو غنچے صبا سے ربط
کرتی ہے آدمی کو دنی صحبتِ فقیر   اچھا نہیں ہے میرؔ سے بے تہ گدا سے ربط

شیریں لباں جہاں کے نہیں چھوٹ جانتے   ہوں گو کہ میرؔ صاحب و قبلہ کم اختلاط

ردیف ظ

رونے کڑھنے کو عیش کہو ہو، ہم تو تمہارے دُعا گو ہیں — یُوں ہی ہمیشہ عشق میں اُس کے رکھے ایسا خدا محظوظ

زردی مُنہ کی، اشک کی سُرخی، دونوں اب تو رنگ پہ ہیں — شاید میرؔ بہت رہتے ہو اس سے ہو کے جدا محظوظ

ردیف غ

ہم کو شہر سے اس مرکے ہے عـزم راہ دروغ! دروغ!! — یہ حرکت تو ہم نہ کریں گے خانہ سیاہ دروغ! دروغ!!

عشق کے مارے غم زدگاں سے اُنس کرے، بُہتان و کذب — اُس بے مہر کی ہم لوگوں سے الفت چاہ دروغ! دروغ!!

کس دل بر کو شوق سے دیکھا میرؔ! غلط ہے، تہمت ہے — مُنہ پہ کسُو کے پڑی نہیں ہے نگاہ نگاہ دروغ! دروغ!!

ردیف ف

کیا نیچی آنکھوں دیکھو ہو تلوار کی طرف! — دیکھو کن انکھیوں ہی سے گنہ گار کی طرف

نظر کیوں گئی رُو و مُو کی طرف — کھنچا جاتے ہے دل کسُو کی طرف

نہ دیکھو کبھو موتیوں کی لڑی — جو دیکھو مری گفتگو کی طرف

اُسے ڈھونڈتے میرؔ کھوئے گئے — کوئی دیکھے اس جستجو کی طرف

اے تجھ بغیر لالہ و باغ و بہار حیف! — گُل سے چمن بھریں ہوں، نہ ہو تُو ہزار حیف!

ردیف ق

مہرِ قیامت، چاہت آفت فتنہ فساد بلا ہے عشق — عشق اللہ صیاد انھیں کہیو جن لوگوں نے کیا ہے عشق

عشق سے نظم کل ہے یعنی عشق کوئی ناظم ہے خُوب — ہر شے یاں پیدا جو ہوئی ہے موزوں کرلایا ہے عشق

خاک و آب و باد و آتش سب ہے موافق اپنے تئیں — جو کچھ ہے سو عشق بتاں ہے، کیا کہیے اب کیا ہے عشق!

میرؔ کہیں ہنگامہ آرا میں تو نہیں ہوں چاہت کا — صبر نہ مجھ سے کیا جاوے تو معاف رکھو کہ نیا ہے عشق

ردیف ک

نفعِ کثیر اٹھایا، کر عشق کی تجارت　　راضی ہیں میرؔ اب تو ہم جان کے زیاں تک۔

ہو کے فقیر، گلی میں اس کی چین بہت سا پایا ہم　　لے کے سرہانے پتھر رکھا، جا ئے فرش بچھائی خاک
قلب گداز ہیں جن کے ہے ہی مٹی سونا کرتے ہیں　　میرؔ اکسیر بنائی اُنھوں نے، جن کی جہاں سے اٹھائی خاک

عشقِ مرد آزما نے آخر کار　　کیے فرہاد و قیس و میرؔ ہلاک

ردیف گ

رات کی بات کہیں ہم کس سے بے زباں اکثر ہیں لوگ　　سرگرم بے راہ روی ہیں خود گم بے رہبر ہیں لوگ
بدتر آپ سے پاؤں کسو کو، تو میں اس کا عیب کہوں　　خوب تامل کرتا ہوں تو سب مجھ سے بہتر ہیں لوگ
دیوانے ہیں شہرِ وفا کی راہ و رسم کے ہم تو میرؔ　　دل کے کہے جی دینے والے قاطبۃً گھر گھر ہیں لوگ

جیسے غمِ ہجراں میں اس کے عاشق جی کھو بیٹھے ہیں　　برسوں مارے چرخ فلک تو ایسے ہو دیں پیدا لوگ
دنیا جائے نہیں رہنے کی میرؔ غرور نہیں اچھا　　جو جاگہ سے جاتے ہیں اپنی ڈے کرتے ہیں بے جا لوگ

ردیف ل

دل دل لوگ کہا کرتے ہیں تم نے جانا کیا ہے دل؛　　چشمِ بصیرت وا ہووے تو عجائب دید کی جا ہے دل
مت پوچھو! کیوں زیست کرو ہو مُردے سے، افسردہ تم　　ہجر میں اس کے ہم لوگوں نے برسوں تک مارا ہے دل

آئی بہار، نکلے چمن میں ہزار گُل　　دل جو کھلا فسردہ تو جُوں بے بہار گُل

ردیف م

عشق جو ہوتا واقع میں تو سیدھے جاتے تیغ تلے　　راہ ہوس کی پھر لی ہم نے یعنی چلے ہیں ٹل کر ہم
ہائے جوانی! شورکناں پابوس کو اُس کے پھرتے تھے　　اب چُپ بیٹھ رہے ہیں یک سُو، ہاتھ بہتیرے مل کر ہم

ڈول لگاتے بہتیرے پر ڈھب پہ کبھو نہیں آتے تم — آنا یک سُو، کب دیکھو ہو ادھر آتے جاتے تم
ہر صورت کو دیکھ رہو ہو، ہر کوچے کر ڈھب لگو ہو — آگے عشق کیا ہوتا تو پھرتے جی نہ کھپاتے تم
دونوں طرف سے کشش رہتی تھی، نیا نیا تھا عشق اپنا — دھوپ میں آتے داغ ہوئے تو گرمی سے گل کھاتے تم
کیدھر اب وُہ یک رنگی جو دیکھو نہ سکتے دل تنگی — رُکتے پاتے ٹک جو ہمیں تو دیر تلک گھبراتے تم

صبر کرو، بے تاب رہو، خاموش پھرو یا شور کرو — کس کو یاں پروا ہے کسُو کی ٹھیرو آؤ جاؤ تم
بود نبود ثبات رکھے تو یہ بھی اک بابت ہے میرؔ — اس صفحے میں حرفِ غلط ہیں کاش کے ہم کو مٹاؤ تم

یہ حُسنِ خلق تم میں عشق سے پیدا ہُوا۔ ورنہ — گھڑی کے رُوٹھے کو دو دو پہر تک کب مناتے تم

ہم نہ کہا کرتے تھے تم سے، دل نہ کسُو سے لگاؤ تم — جی دینا پڑتا ہے اس میں، ایسا نہ ہو پچھتاؤ تم
سو نہ سُنی تم نے تو ہماری آنکھیں لگو ہیں لگ پڑیاں — رو رو کر سر دُھنتے ہو اب بیٹھے رنج اٹھاؤ تم
ہر کوچے میں کھڑے رہ رہ کر ادھر اُدھر دیکھو ہو — ہائے! خیال یہ کیا ہے تم کو، جانے بھی دو اب آؤ تم
فاش نہ کریئے رازِ محبت، جانیں اس میں جاتی ہیں۔ — دردِ دل آنکھوں سے ہر اک کے تا مقدور چھپاؤ تم

خطرناک تھی وادیِ عشق میرؔ — گئے اس پہ بھی ہم قدم بر قدم

ردیف ن

پیری ہے اب تو کہیے سو کیا کہیے ہم نشیں! — کس رنج و غم میں گزری ہیں اپنی جوانیاں
ظلم و ستم سے خُون کیا، پھر دبا دیا — برباد کیا گئی ہیں مری جاں فشانیاں
سنتا نہیں ہے شعر بھی وُہ حرف ناشنو — دل ہی میں خوں ہُوا کیں مری نکتہ دانیاں
باتیں کہ ڈھب رقیب کی ساری ہوئیں قبول — تجھ کو جو ان عشق تھا میری نہ مانیاں
مجلس میں تو خفیف ہوئے ان کے واسطے — پھر اور ہم سے اُٹھتی نہیں سرگرانیاں
عالم کے ساتھ جائیں چلے کس طرح نہ ہم — عالم تو کارواں ہے، ہم کاروانیاں
سرِ رفتہ سُن نہ میرؔ کا گر قصد خواب ہے — نیندیں اُچٹتیاں ہیں سُنے یہ کہانیاں

درا میں کہاں شور ایسا دھرا تھا — کسو کا مگر دل رکھا تھا جرس میں
ہمیں عشق میں بے بسی، بے کسی ہے — نہ دشمن بھی ہو دوستی کے تو بس میں
تن زار لاغر میں ظاہر رگیں ہیں — بھرا ہے مگر عشق ایک ایک نس میں
محبت، وفا، مہر کرتے تھے باہم — اُٹھا دی ہیں وے تم نے اب ساری رسمیں

غمِ ہجراں سے گھبرا کر اُٹھا میں — طرف گُل زار کے آیا چلا میں
کسو سے دل نہیں ملتا ہے یا رب! — ہُوا تھا کس گھڑی ان سے جُدا میں
تعارف ہم صفیروں سے نہیں کچھ — ہوا ہوں ایک مدت میں رہا میں
گیا صبر آخر آزارِ دلی پر — بہت کرتا رہا دارُو دوا میں
ہُوا تھا میر مشکل عشق میں کام — کیا پتھر جگر، تب کی دوا میں

فریاد سے کیا لوگ ہیں دن ہی کو عجب میں — رہتی ہے خلش نالوں سے میرے دلِ شب میں

کس کو دل سا مکان دیتے ہیں — اہل اس گھر پہ جان دیتے ہیں
کیوں کہ خوش خواں نہ ہوویں اہلِ چمن — ہم اُنھوں کو زبان دیتے ہیں
جان کیا گوہر گرامی ہے — بدلے اس کے جہان دیتے ہیں

پلکیں پھری ہیں، کھنچی بھویں ہیں، ترچھی ترچھی نگاہیں ہیں — اُس اوباش کی سادگی دیکھو، شوخی سے ہم چاہیں ہیں
پہنادا خوش آتا ہے ان لڑکے چسپاں پوشوں کا — مونڈھے چنتے ہیں، چولی پھنسی ہے، ٹیڑھی ٹیڑھی کلاہیں ہیں
ضبطِ گریہ دل سے ہو تو کوزے میں دریا کرنا ہے — حوصلہ داری جن کی ہو ایسی، عشق میں ان کو سراہیں ہیں
دل بے داغ، جگر ہے ٹکڑے، رہ جاتے ہیں چپکے سے — چھاتی سراہیے ان لوگوں کی، جو چاہت کو نباہیں ہیں
یہ بھی سماں خوش ترکیبوں کا میر نہ اپنے دل سے گیا — سوتے سے اُٹھ کر آنکھیں ملی ہیں، لے انگڑائی جماہیں ہیں

رسمِ الفت نہیں ہے مطلق شہرِ خوش محبوباں میں — دیکھے کم جو کرتے کسو پہ عاشق ہم مدت سے ہیں

دل جلتے کچھ بن نہیں آتی، حال بگڑتے جاتے ہیں — جیسے چراغِ آخری شب ہم لوگ نبڑتے جاتے ہیں

کوئی سبب ایسا ہو یارب! جس سے عزت رہ جاوے — عالم میں اسباب کے ہیں پر پاس اپنے اسباب نہیں
ننگ شکستہ، دل ہے شکستہ، سر ہے شکستہ مستی میں — حال کسی کا اپنا سا اس مے خانے میں خراب نہیں

ہم وے ہر چند کہ ہم خانہ ہیں دونوں لیکن — روشِ عاشق و معشوق جُدا بیٹھے ہیں
کیا کہوں، اُنے کھڑے گھر سے، تو اک شوخی سے — پانو کے نیچے مرے ہاتھ دبا بیٹھے ہیں

کی ہے عمارت دل کی جنھوں نے، اُن کی بنا کچھ رکھی رہی — اور تو خانہ خراب ہی دیکھے اس بستی کے معماراں
عشق میں ہم سے تم سے کہیں تو کھپ جاویں، غم کس کو ہے — مارے گئے ہیں اس میداں میں، کیا دل والے جگرداراں

کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالمِ حُسن میں نام خدا! — عالمِ عشق خرابہ ہے، واں کوئی گھر آباد نہیں

تدبیر کوئی بتادے، جو آپ کو سنبھالیں — جینے کی اپنے ہم بھی کوئی طرح نکالیں

مے کشی صبح و شام کرتا ہوں — فاقہ مستی مدام کرتا ہوں
کوئی ناکام یوں رہے کب تک؟ — میں بھی اب ایک کام کرتا ہوں
یا تو لیتا ہوں داد دل یا اب — کام اپنا تمام کرتا ہوں

ردیف و

دل کھلتا ہے واں صحبتِ رندانہ جہاں ہو — میں خوش ہوں اُسی شہر سے مے خانہ جہاں ہو
رہنے سے مرے پاس کے، بدنام ہوئے تم — اب جا کے رہو واں کہیں، رُسوا نہ جہاں ہو
ان اُجڑی ہوئی بستیوں میں دل نہیں لگتا — ہے جی میں وہیں جا بسیں، ویرانہ جہاں ہو
وحشت ہے خردمندوں کی صحبت سے مجھے تیر — اب جا رہوں گا واں کوئی دیوانہ جہاں ہو
اپنے حُسنِ عارضی پر آج مت مغرور ہو — پاس تو ہے جس کے، وے ہی کل کہیں گے دُور ہو
دیکھ کر وہ راہ چلتا ہی نہیں تُک ورنہ ہم — پانو اس کے آنکھوں پر رکھ لیویں جو منظور ہو
شہرِ دل کی کیا خرابی کا بیاں باہم کریں — اس کو ویرانہ نہ کہیے، جو کبھو معمور ہو

دوستی جس کو لوگ کہے ہیں، جان سے اس کو خصومت ہے ۔ ہو جاوے جو تم کو کسو سے، تا مقدور چھپاتے رہو
دل لگنے کی چوٹ بُری ہے اس صدمے سے خدا حافظ ۔ بارے سعی و کشش کوشش سے جی کو اپنے بچاتے رہو
شاعر ہو، مت چپکے رہو، اب جب میں جانی جاتی ہیں ۔ بات کرو، ابیات پڑھو، کچھ بیتیں ہم کو بتاتے رہو
کیا جانے! وہ مائل ہووے کب ملنے کا تم سے میر ۔ قبلہ و کعبہ اس کی جانب اکثر آتے جاتے رہو

بند نہیں جو کرتے ہو تم سینے کے سوراخوں کو ۔ جی کے رکن ہیں ان رخنوں سے شاید دل کو ہوا دو ہو

صُوفیاں خُم وا ہُوئے ہیں، ہائے! آنکھیں وا کرو ۔ دیر آیا زورِ غیرت تم بھی کچھ پیدا کرو
مستی و دیوانگی کا عہد ہے بازار میں ۔ پائے کوباں دست افشاں آن کر سودا کرو
گرچہ ہم پر بستہ طائر ہیں پر لے گُل! ہائے ترا ۔ کچھ ہمیں پروا نہیں ہے، تم اگر پروا کرو

عاشق ہو تری بچگاں پر تا کیفیت حاصل ہو ۔ اور کشودِ کار جو چاہو، پیرِ مغاں کو پیر کرو!
شعر کیے موزوں تو ایسے جن سے خوش ہیں صاحبِ دل ۔ روویں کڑھیں جو یاد کریں اب ایسا تم کچھ میر کرو

رستے راہ میں دیکھ لیا ہے بستی میں سے نکلے تمھیں ۔ کیا جانیں ہم روز و شب تم کیدھر رستے چلتے ہو

مُنکر نہیں ہے کوئی سیادت کا میر کی ۔ ذاتِ مقدس اس کی یہی ذات ہو تو ہو

ردیف ھ

ہائے ستم! ناچار معیشت کرنی پڑی ہر خار کے ساتھ ۔ جانِ عزیز گئی ہوتی کاشکی! اب کی سال بہار کے ساتھ
وہ لحظہ نہیں جاتا جی سے، آنکھ لڑائی تھی جب اس سے ۔ چاہ نکلتی تھی باتوں سے چتون بھی تھی پیار کے ساتھ
دیر سے ہیں بیمارِ محبت، ہم سے قطعِ امید کرو ۔ جانیں ہی جاتی دیکھیں ہیں ہم نے آخر اس آزار کے ساتھ

ہم جانتے تو عشق نہ کرتے کسو کے ساتھ ۔ لے جاتے دل کو خاک میں اس آرزو کے ساتھ
نازاں ہو اس کے سامنے کیا گُل کِھلا ہوا ۔ رکھتا ہے لطفِ ناز بھی روئے نکو کے ساتھ

گُل گُل شگفتہ مے سے ہُوا ہے ، نگار! دیکھ! یک جُرعہ ہم دم اور پلا! پھر بہار دیکھ!

ملتا رہا کشادہ جبیں خوب روز و شب کیا آئینہ کرے ہے بسر یاں حیا کے ساتھ
گو دستِ لطف سر سے اٹھا لے کوئی شفیق دل کا لگاؤ اپنا ہے دستِ دُعا کے ساتھ
تدبیرِ دوستاں سے ہے بالعکس فائدہ ہے دردِ عاشقی کو خصومت دوا کے ساتھ
کیا جاؤں میں چمن کو ولیکن قفس پہ میر آتا ہے برگِ گل کبھو کوئی صبا کے ساتھ

ردیف ی

رات کو تھا کعبے میں مَیں بھی شیخِ حرم سے لڑائی ہوئی سخت کدورت بیچ میں آئی، صبح تلک نہ صفائی ہوئی
حوصلہ داری کیا ہے اتنی، قدرت کچھ ہے خدا ہی کی عالم عالم جہاں جہاں جو غم کی ہم میں سمائی ہوئی
یہ یہ بلائیں سر پہ ہیں تو آج موئے کل دُوسرا دن یاری ہوئی، بیماری ہوئی، درویشی ہوئی، تنہائی ہوئی
کہنا جو کچھ جس سے ہو گا، سامنے میر کہا ہو گا بات نہ دل میں پھر گئی ہوگی، مُنہ پر میرے آئی ہوئی

مجھ کو مارا، بھلا کیا تُو نے پر وفا کا بُرا کیا تُو نے
حسرتیں اس کی سر پٹکتی ہیں مرگِ فرہاد کیا کیا تُو نے!
وہ جو کہتا تھا تُو ہی کریو قتل میر کا سو کہا کیا تُو نے

آنکھوں کی طرف، گوش کی در پردہ نظر ہے کچھ یار کے آنے کی مگر گرم خبر ہے
یہ راہ و روش سروِ گلستاں میں نہ ہوگی اس قامتِ دل چسپ کا انداز دگر ہے
وہ ناوکِ دل دوز ہے لاگو مرے جی کا تو سامنے ہو ہم دم! اگر تجھ کو جگر ہے
کیا جان کر جس کے لیے مُنہ موڑتے تم سے تم آؤ چلے واعیہ کچھ تم کو اگر ہے
شب شور و فغاں کرتے گئی مجھ کو تو، اب تو دم کش ہو ٹک اے مُرغِ چمن! وقتِ سحر ہے
سوچے تھے کہ سودائے محبت میں ہے کچھ سُود اب دیکھتے ہیں اس میں تو جی ہی کا ضرر ہے
شانے پہ رکھا ہار جو پھولوں کا، تو لچکے کیا ساتھ نزاکت کے، رگِ گُل سی کمر ہے
کر کام کُشو دل میں، گئی عرش پہ، تو کیا؟ اے آہِ سحر گاہ! اگر تجھ میں اثر ہے
ہر بیت میں کیا میر تری باتیں گُتھی ہیں کچھ اور سخن کر سہ غزل سلکِ گُہر ہے

اے شمع! اقامت کدہ اس بزم کو مت جان! روشن ہے ترے چہرہ سے تُو گرمِ سفر ہے
اس عاشقِ دیوانہ کی مت پُوچھ معیشت دنداں بہ جگر، دست بہ دل، داغ بسر ہے
کیا آگ کی چنگاریاں سینے میں بھری ہیں جو آنسو مری آنکھ سے گرتا ہے، شرر ہے
ڈر جان کا جس جا ہے، وہیں گھر بھی ہے اپنا ہم خانہ خرابوں کو تو یاں گھر ہے، نہ در ہے

کیا کہیے! کچھ بن نہیں آتی، جنگل جنگل ہو آتے چھاتہ میں جا کر پھولوں کی ہم عشق و جنوں کو رو آئے

بزم میں سے اب تو چل! اے رشکِ صبح! شمع کے اُوپر پھری ہے مُردنی
میں چراغِ صبح گاہی ہوں نسیم! مجھ سے اک دم کے لیے کیا دشمنی

بُتانِ دیر سے ایسی نہیں لاگ خدا ہی ہو تو کعبے میرؔ جاوے

نہ بک شیخ! اتنا بھی واہی تباہی! کہاں رحمتِ حق، کہاں بے گناہی
مجھے میرؔ تا گور کاندھا دیا تھا تمنّائے دل نے تو یاں تک نباہی

اگر مسجد سے آؤں میرؔ تو بھی لوگ کہتے ہیں کہ مے خانے سے پھر دیکھو! وہ شاہد باز آتا ہے

حرف و حکایت، شکر و شکایت تھی تو اک وضع و وتیرہ پہ میرؔ کو جا کر دیکھا ہم نے ہے مردِ معقول کوئی

پتّا پتّا، بُوٹا بُوٹا حال ہمارا جانے ہے جانے نہ جانے گُل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے
آگے اس متکبّر کے ہم خدا خدا کیا کرتے ہیں کب موجود خدا کو وہ مغرور خود آرا جانے ہے
عاشق سا تو سادہ کوئی اور نہ ہوگا دنیا میں جی کے زیاں کو عشق میں اُس کے اپنا وارا جانے ہے
چارہ گری بیماریِ دل کی رسمِ شہرِ حُسن نہیں ورنہ دلبر ناداں بھی اس درد کا چارا جانے ہے
مہر و وفا و لطف و عنایت ایک سے واقف ان میں نہیں اور تو سب کچھ طنز و کنایہ، رمز و اشارا جانے ہے

بلوان دونوں ہم اک رات جانی کہاں ہم، کہاں تم، کہاں پھر جوانی

شکایت کروں ہوں تو سونے لگے ہے — مری سرگزشت اب ہوئی ہے کہانی
ملاقات ہوتی ہے تو کش مکش سے — یہی ہم سے ہے جب نہ تب اینچا تانی

عالم عالم عشق و جنوں ہے ، دنیا دنیا تہمت ہے — دریا دریا روتا ہوں میں صحرا صحرا وحشت ہے
ہائے اغیوری جس کے دیکھے جی ہی نکلتا ہے اپنا — دیکھیے اس کی اور نہیں پھر عشق کی یہ بھی غیرت ہے
صبح سے آنسو نومیدانہ جیسے ووامی آتا تھا — آج کسو خواہش کی شاید دل سے ہمارے رخصت ہے
کیا دل کش ہے بزم جہاں کی، جاتے یاں سے جسے دیکھو — وہ غم دیدہ ، رنج کشیدہ ، آہ ! سراپا حسرت ہے

اب تو نڈھال پڑے رہتے ہیں، ضُعف ہی اکثر رہتا ہے — آئے گئے اس کے کُوچے میں، جب تک جی میں طاقت تھی
آبِ حیات وہی نا جس پر خضر و سکندر مرتے رہے — خاک سے ہم نے بھرا وہ چشمہ، یہ بھی ہماری ہمت تھی

یاری کرے جو چاہے کسو سے غم ہی غم یاری میں ہے — بے موقع یاں آہ و فغاں ہے ، بے اثری زاری میں ہے

دل بھی بھرا رہتا ہے میرا ، جی بھی رُندھا کچھ جاتا ہے — کیا جانوں ! میں روؤں گا کیا ، دریا چڑھتا آتا ہے
عشق و محبت کیا جانوں میں ، لیکن اتنا جانوں ہوں — اندر ہی اندر سینے میں میرے دل کو کوئی کھاتا ہے
عاشق اپنا جان لیا ہے اُن نے شاید میرؔ ہمیں — دیکھ بھری مجلس میں اپنی ہم ہی سے شرماتا ہے

ظلم و ستم سب سہل ہیں اس کے ہم سے اُٹھتے ہیں کہ نہیں — لوگ جو پرسشِ حال کریں ہیں جی تو انھوں نے کھایا ہے

گلستاں کے ہیں دونوں پتے بھرے — بہار اِس طرف، اُس طرف ابر ہے
درِ کعبہ پہ کفر بکتا ہے میرؔ — مسلماں نہیں ، وہ کہن گبر ہے

شہر میں در بہ در پھرتے ہیں عزیز — میرؔ ذلت مآب ہے، سو ہے

اُس کج روش سے ملنا خرابات میں نہ تھا — بے طور ہم بھی جا کے ملے بے جگہ گئے

چاہت روگ بُرا ہے جی کا میرؔ اس سے پرہیز بھلا　　اگلے لوگ سنا ہے ہم نے، جی نہ کسو سے لگاتے تھے

در پئے خونِ میرؔ کے نہ رہو　　ہو بھی جاتا ہے جُرم آدم سے

اپنی نیاز تم سے اب تک بُتاں وہی ہے　　تم ہو خدا نے باطل ہم بندے ہیں تمھارے
ٹھیرے ہیں ہم تو مجرم ٹک پیار کر کے تم کو　　تم سے بھی کوئی پُوچھے، تم کیوں ہوئے پیارے
کل تک جو سیر میں تھا کیا پھُول پھُول بیٹھے　　بُلبل لیے ہیں گویا گل زار سب اجارے

ہستی موہوم و یک سر و گردن　　سیکڑوں کیونکہ حق ادا کریئے
وہ نہیں سرگزشت سُنتا میرؔ　　یُوں کہانی سی کیا کہا کریئے

آنکھ مستی میں کسُو پر نہیں پڑتی اُس کی　　یہ بھی اُس سادہ و پُرکار کی ہشیاری ہے

کب تک چاک قفس سے جھانکیے　　برگِ گل یاں بھی صبا کوئی تو لائے

اکثر پُوچھے ہے جیتے ہیں میرؔ　　اب تو کچھ مہرباں بہت ہے

دل کی لاگ بری ہوتی ہے رہ نہ سکے ٹک جائے بھی　　آئے، بیٹھے، اُٹھ بھی گئے، بے تاب ہوئے پھر آئے بھی

رُوٹھے جو تھے سو ہم سے رُوٹھے اٹھے وداعی　　کیا روتے ہیں تو منت بھی کر نہ آئی
کیا رات دن کٹے ہیں ہجراں کی بے خودی میں　　مُدہ اپنی میرؔ اُس بن دو دو پہر نہ آئی

نالہ جب گرم کار ہوتا ہے　　دل کلیجے کے پار ہوتا ہے
سب مزے درکنار عالم کے　　یار جب ہم کنار ہوتا ہے
بے قراری ہو کیوں نہ چاہت میں　　ہم دگر کچھ قرار ہوتا ہے
کس کو پُوچھے ہے کوئی دُنیا میں　　دیر یاں اعتبار ہوتا ہے

موسمِ گل میں توبہ کی تھی واعظ کے میں کہنے سے — اب جو رنگ بہار کے دیکھے شرمندہ ہیں، ندامت ہے

فریادِ شب کی سُن کے کہا بے دماغ ہو — دیکھو تو اس بلا کو یہ شاید کہ میرؔ ہے

نہ تو جذب رسا، نہ بخت رسا — کیوں کہ کہیے کہ واں رسائی ہے
مَیں نہ آتا تھا باغ میں اُس بِن — مجھ کو بُلبُل پکار لائی ہے
اور کچھ مشغلہ نہیں ہے ہمیں — گاہ و بے گہ غزل سرائی ہے

ترے بندے ہم ہیں خدا جانتا ہے — خدا جانے تُو ہم کو کیا جانتا ہے
نہیں عشق کا درد لذت سے خالی — جسے ذوق ہے، وہ مزا جانتا ہے
لگا لے ہے جھمکے دکھا کر اُسی کو — جسے مُغ بچہ پارسا جانتا ہے
بلا شور انگیز ہے چال اُس کی — اسی طرز کو خوش نما جانتا ہے

مرا شعر اچھا بھی دانستہ ضد سے — کِسُو اور ہی کا کہا جانتا ہے
زمانے کے اکثر ستم گار دیکھے! — وہی خوب طرزِ جفا جانتا ہے
نہ جانے جو بے گانہ، تو بات پُوچھے — سو مغرور کب آشنا جانتا ہے

دیوانِ ششم

ردیف الف

فلک نے پیس کر سُرمہ بنایا — نظر میں اُس کی میں تو بھی نہ آیا
قریبِ دَیر خضرؑ آیا تھا، لیکن — ہمیں رستہ نہ کعبے کا بتایا
حقِ صحبت نہ طَیروں کو رہا یاد — کوئی دو پھول اسیروں تک نہ لایا

مرے ہم جس کی خاطر، بے وفا تھا — نہ جانا اُن نے تو یُوں بھی کہ کیا تھا
معالج کی نہیں تقصیر ہرگز — مرض ہی عاشقی کا لا دوا تھا

پریشاں کر گئی فریادِ بُلبل — کسُو سے دل ہمارا پھر لگا تھا
مِلے برسوں وہی بے گانگی تھی — ہمارے زعم میں وہ آشنا تھا
نہ دیوانے تھے ہم سے قیس و فرہاد — ہمارا طَورِ عشق ان سے جُدا تھا
بدن میں صبح سے تھی سنسناہٹ — انھیں سنسناہٹوں میں جی چلا تھا

کیا کہوں کیا طرح بدلی یار نے — چاؤ تھا دل میں سو اب غم ہوگیا

وہ دیکھنے ہمیں ٹک بیماری میں نہ آیا — سَو بار آنکھیں کھولیں، بالیں سے سر اُٹھایا
عاشق جہاں ہوا ہے بے ڈھنگیاں ہی کی ہیں — اس میؔرِ بے خرد نے کب ڈھب سے دل لگایا

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سُنیے گا! — پڑھتے کِسُو کو سُنیے گا، تو دیر تلک سر دُھنیے گا

سائے میں تاک کے مجھے رکھا اسیر کر — صیّاد کے کرم سے قفس آشیاں ہوا
ہم نے دیکھا اُس کو، سو نقصانِ جاں کیا — اُن نے جو اک نگاہ کی اُس کا زیاں ہوا
وَے تو گھر سے کھڑے مرے گھر آکے پھر گئے — میں بے دیار و بے دل و بے خانماں ہوا

بُلبُل کا شورِ سُن کے نہ مجھ سے رہا گیا — میں بے دماغ باغ سے اُٹھ کر چلا گیا

عشق کا مارا ہے کیا پنپے گا میؔر — حال ہے بدحال اس بیمار کا

اُچٹتی ملاقات کب تک رہے گی — کبھو تو تہِ دل سے بھی یار ہو گا

دیر بدعہد وہ جو یار آیا — دُور سے دیکھتے ہی پیار آیا
بے قراری نے مار رکھا ہمیں — اب تو اُس کے تئیں قرار آیا
گردِ رہ اُس کی اب اُٹھو نہ اُٹھو — میری آنکھوں ہی پہ غبار آیا

جوان مارے ہیں بے ڈھنگی ہی سے اُن نے بہت   ستم کی مشق کی پر خُوں اُسے نہ کر آیا

اب جو ہاتھ آتے ہیں ہم، مت مفت کھو دیجو ہمیں   پھر نہ ہو گا تم کو ایسا کوئی پیدا آشنا

مِلا تو تھا وہ بخواہشِ دل، مزہ بھی پاتے ملے سے، لیکن   پھریں جو مستی میں اس کی آنکھیں، سو ہوش ہم کو رہا نہ اپنا
جہاں کا دریا تے بے کراں تو سراب پایانِ کار نکلا   جو لوگ تہ سے کچھ آشنا تھے، انھوں نے لب تر کیا نہ اپنا
نکالی سرکش نے چال ایسی کہ دیکھ حیرت سے رہ گئے ہم   دلوں میں کیا کیا ہمارے آیا، کریں سو کیا؟ بس چلا نہ اپنا

رہے بد حال صوفی حال کرتے دیر مجلس میں   مغنّی سے سُنا مصرع جو میرے شعر حالی کا
نظر بھر دیکھتا کوئی تو تم آنکھیں چُرا لیتے   سماں اب یاد ہو گا کب تمھیں وہ خُرد سالی کا
دماغ اپنا تو اپنے فکر ہی میں ہو چکا یک سر   خیال اب کس کو ہے اے ہم نشیں! نازک خیالی کا

مجھ سے لینے لگے ہیں عبرت لوگ   عاشقی میں یہ اعتبار ہُوا
روؤں کیا اپنی سادگی پہ میرؔ   مَیں نے جانا کہ مجھ سے یار ہُوا

پیار کی دیکھی جو چتون کسُو کی، میں جانا   کہ یہ اب سادہ دپُرکار مرا یار ہُوا
کیوں کہ سب عمر صعُوبت میں کٹی تیری میرؔ   اپنا جینا تو کوئی دن ہمیں دشوار ہُوا

مرتے جیسے صبر کیا تھا ویسی ہی بے صبری کی   ہائے، دریغ، افسوس کوئی دن اور نہ یہ بیمار جیا

سخن مشتاق ہے عالم ہمارا   بہت عالم کرے گا غم ہمارا
پڑھیں گے شعر رو رو لوگ بیٹھے   رہے گا دیر تک ماتم ہمارا

ردیف ب

شب ہائے تار و تیرہ، زمانے میں، دن ہوئے   شب ہجر کی بھی ہوئے سحر، تو ہے کیا عجب
جانے ہے چشمِ شوخ کسُو کی ہزار جا   آوے اِدھر بھی اُس کی نظر تو ہے کیا عجب

بگڑا بنا ہُوں عشق سے تنُو ہار عاقبت — پایا قرار یہ کہ رہوں میں خراب اب
خُوں ریزی عاشقوں کی ہے ظالم اگر ثواب — تو تو ہوا ہے تجھ کو بہت سا ثواب اب

ردیف ت

چشمکِ گُل کا لُطف بھی نہ اُٹھا — کم رہا موسم شباب بہت
ڈھونڈتے اس کو کُوچے کُوچے پھرے — دل نے ہم کو کیا خراب بہت
چلنا اپنا قریب ہے شاید — جاں کرے ہے اب اضطراب بہت
اُس غُصیلے سے کیا کسُو کی نبھے — مہربانی ہے کم، عتاب بہت

خشکی لب کی، زردی رُخ کی، نم ناکی دو آنکھوں کی — جو دیکھے ہے، کہے ہے: ان نے کھینچا ہے آزار بہت
جی کے لگاؤ کیے سے ہم نے جی ہی جاتے دیکھے ہیں — اس پہ نہ جانا، آہ! بُرا ہے الفت کا آزار بہت

ردیف چ

لُطف جیسے ہیں اُس کی چاہ کے بیچ — رنج ویسے ہی ہیں نباہ کے بیچ

رونا کُڑھنا عشق میں دیکھا مرا جن نے، کہا — کیا جئے گا یہ ستم دیدہ ان آزاروں کے بیچ
منتظر برسوں رہے افسوس! آخر مر گئے — دیدنی تھے لوگ اس ظالم کے بیماروں کے بیچ

دل یہی ہے، جس کو دل کہتے ہیں اس عالم کے بیچ — کاش! یہ آفت نہ ہوتی، قالبِ آدم کے بیچ
رونقِ آبادیِ ملکِ سخن ہے اُس تلک — ہوں ہزاروں دم الٰہی! میرؔ کے اک دم کے بیچ

ردیف ر

دل گئے آفت آئی جانوں پر — یہ فسانہ رہا زبانوں پر
گرچہ انسان ہیں زمیں سے، ولے — ہیں دماغ ان کے آسمانوں پر
عرش و دل دونوں کا ہے پایہ بلند — سیر رہتی ہے ان مکانوں پر

سوتے نہ لگ چل اس سے اے بادِ ! تو نے ظالم بتیروں کو سُلایا، اس کو جگا جگا کر

یُوسف عزیزِ دلہا، جا مصر میں ہُوا تھا ذلّت جو ہو وطن میں، تو کوئی دن سفر کر
کیا حالِ زارِ عاشق کریئے بیان، نہ پُوچھو کرتا ہے بات کوئی دل کی تو چشم تر کر

اقرار میں کہاں ہے انکار کی سی خُوبی ہوتا ہے شوق غالب اس کی نہیں نہیں پر
غصّے میں عالم اس کا کیا کیا نظر پڑا ہے تلواریں کھنچتیاں تھیں اس کی جبیں کی چیں پر

ردیف ک

آنکھیں جو کھولیں سوتے سے تو حال کے کہتے مجھ کو کہا ساری رات کہانی کہی ہے، تو بھی اُٹھ کر سوئے ٹک
ایسے دردِ دل کرنے کو میؔر کہاں سے جگر آوے گرم سخن لوگوں میں ہو کوئی بات کرے تو روئے ٹک

رہے ہے غش و درد دو دو پہر تک سرِ زخم پہنچا ہے شاید جگر تک
بہار آئی پر ایک پتّی بھی گُل کی نہ آئی اسیرانِ بے بال و پر تک
بہت میؔر برہم جہاں میں رہیں گے اگر رہ گئے آج شب کی سحر تک

وہ تو نہیں کہ اُودھم رہتا تھا آشیاں تک آشوب نالہ اب تو پہنچا ہے آسماں تک
ہجراں کی سختیوں سے پتھر دل و جگر ہیں صبر اس کی عاشقی میں کوئی کرے کہاں تک
دل دھڑکے ہے جو بجلی چمکے ہے سوئے گُلشن پہنچے مبادا میری خاشاک آشیاں تک
دیواروں سے بھی مارا، پتھروں سے پھوڑ ڈالا پہنچا نہ سر ہمارا حیف! اُس کے آستاں تک
یہ تنگی و نزاکت اس رنگ سے کہاں ہے گُل برگ و غنچے پہنچیں کب ان لبِ دہاں تک

ردیف ل

طریقِ عشق میں ہے رہنما دل پیمبر دل ہے، قبلہ دل، خُدا دل
رُکا اتنا، خفا اتنا ہُوا تھا کہ آخر خون ہو ہو کر بہا دل
جسے مارا، اُسے پھر کر نہ دیکھا ہمارا طرفہ ظالم سے لگا دل

گئے وحشت سے باغ و راغ میں تھے   کہیں ٹھیرا نہ، دُنیا سے اُٹھا دل
اسیری میں تو کچھ وا شُد کبھو تھی   رہا غم گیں، ہوا جب سے رہا دل
ہمہ تن میں اَلَم تھا، سو نہ جانا   گرہ یہ درد ہے پہلو میں، یا دل
خموشی مجھ کو حیرت سے ہے ورنہ   بھرے ہیں لب سے لے کر شکوے تا دل

ردیف م

نہ ہوئے تھے ابھی جواں افسوس!   صبرِ مغفور و طاقتِ مرحوم
جب غبار اپنے دل کا نکلے ہے   دیر رہتی ہے آندھی کی سی دُھوم
صاحب اپنا ہے بندہ پرور میرؔ   ہم جہاں سے نہ جائیں گے محروم

عشق کیا ہے اُس گُل کا، یا آفت لائے سر پر ہم   جھانکتے اس کو ساتھ صبا کے صبح پھریں ہیں گھر گھر ہم!
پُوچھنے راہ شکستہ دل کی جا نکلے تھے کعبے میں   سوچ وہاں تو گزرا جی میں آئے کیدھر سے کیدھر ہم
اب تو ہماری طرف سے اتنا دل کو پتھر مت کریو!   سختی سے ایام کی اب تک جیتے رہے ہیں مر مر ہم

ہم دام بہت وحشی طبیعت تھے اُٹھے سب   تھی چوٹ جو دل پہ، سو گرفتار ہوئے ہم

وے ہم ہیں، جن کو کہیے آزار دیدہ مردُم   اُلفت گزیدہ مردُم، کُلفت کشیدہ مردُم
تھے دست بستہ حاضر خدمت میں میرؔ گویا   سیمیں تنوں کے عاشق ہیں زر خریدہ مردم

دھوپ میں جلتے ہیں پہروں آگے اُس کے میرؔ جی   رفتگی سے دل کی ٹھیرے ہیں گنہ گاروں میں ہم

ردیف ن

رہتے دکھلائی نہیں دیتے بلاکش اُس کے   جی کھپے جاتے ہیں، دل اپنے دبے جاتے ہیں

اُس سے گھبرا کے جو کچھ کہنے کو آ جاتا ہُوں   دل کی پھر دل میں لیے چُپکا چلا جاتا ہُوں
سعیِ دشمن کو نہیں دخل مری ایذا میں   رنج سے عشق کے میں آپ ہی کھپا جاتا ہُوں

گرچہ کھویا سا گیا ہُوں، پہ تہِ حرف و سخن　　اُس فریبندۂ عُشاق کی پا جاتا ہُوں
استقامت سے ہوں جُوں کوہِ قوی دل لیکن　　ضُعف سے عشق کے ڈھتا ہوں، گرا جاتا ہُوں
مجلسِ یار میں تو بار نہیں پاتا میں　　در و دیوار کو احوال سنا جاتا ہُوں
یک بیاباں ہے مری بے کسی و تنہائی　　مثلِ آوازِ جرس، سب سے جُدا جاتا ہُوں

نہ سمجھو مجھے بے خبر اس قدر　　ترِ دل سے لوگوں کے آگاہ ہوں

برہمن زادگانِ ہند کیا پُر کار سادے ہیں　　مُسلمانوں کی یار لنے ہی میں تکفیر کرتے ہیں
مُوئے پر اور بھی کچھ بڑھ گئی رُسوائی عاشق کی　　کہ اس کی نعش کو اب شہر میں تشہیر کرتے ہیں
تماشا دیکھنا منظور ہو تو مل فقیروں سے　　کہ مُٹھی خاک کو لے ہاتھ میں، اکسیر کرتے ہیں
در و دیوار اُفتادہ کو بھی کاش! اک نظر دیکھیں　　عمارت ساز مردُم گھر جو اب تعمیر کرتے ہیں

اب دیکھیں آہ! کیا ہو؟ ہم وے جُدا ہوئے ہیں　　بے یار و بے دیار و بے آشنا ہوئے ہیں
غیرت سے نام اُس کا آیا نہیں زباں پر　　آگے خدا کے جب ہم محوِ دُعا ہُوئے ہیں
اہلِ چمن سے کیوں کر اپنی ہو رُو شناسی　　برسوں اسیر رہ کر اب ہم رہا ہوئے ہیں
اظہارِ کم فراغی، ہر دم کی بے دماغی　　ان روزوں میرؔ صاحب کچھ میرزا ہوئے ہیں

بے کار مجھ کو مت کہہ! میں کار آمدہ ہوں　　بے گانہ وضع تو ہُوں، پر آشنا زدہ ہُوں
میں مُنہ نہیں لگایا بنتِ عنب کو گاہے　　تب تھا جوانِ صالح، اب پیرِ مے کدہ ہُوں

اسرار دل کے کہتے ہیں پیر و جوان میں　　مطلق نہیں ہے بند ہماری زبان میں
رنگینیٔ زمانہ سے خاطر نہ جمع رکھ　　سَو رنگ بدلے جاتے ہیں یاں، ایک آن میں

عشق کرنا نہیں آسان، بہت مشکل ہے　　چھاتی پتّھر کی ہے اُن کی، جو وفا کرتے ہیں
دل کو جانا تھا، گیا، رہ گیا ہے افسانہ　　روز و شب ہم بھی کہانی سی کہا کرتے ہیں

ناآشنا کے اپنے، جیسے ہم آشنا ہیں — اس طور، اس طرح کے، ایسے کم آشنا ہیں
باہم جو یاریاں ہیں اور آشنائیاں ہیں — سب ہیں نظر میں اپنی، ہم عالم آشنا ہیں
یاری جہانیوں کی کیا میر معتبر ہے — ناآشنا ہیں یک دم، یہ اک دم آشنا ہیں

کیا جنوں ہے تم کو جو تم طالبِ ویرانہ ہو — جس کو فردوسِ بریں کہتے ہیں واں آدم کہاں

گو کہ بُت خانے جا رہا ہُوں میں — بخدا! با خدا رہا ہُوں میں
سب گئے دل، دماغ، تاب و تواں — میں رہا ہُوں، سو کیا رہا ہُوں میں
برق تو مَیں نہ تھا کہ جل بُجھتا — ابر تر ہوں کہ چھا رہا ہُوں میں
کچھ رہا ہی نہیں ہے مجھ میں میر — جب سے اُس سے جدا رہا ہوں میں

ردیف و

مجھے عشق اُس پاس یُوں لے گیا — کوئی لاوے جیسے گنہ گار کو

اگلے سب چاہتے تھے ہم سے وفاداروں کو — کچھ تمہیں پیار نہیں کرتے جفا ماروں کو

روز دفتر لکھے گئے یاں سے — اُن نے یک حرف بھی لکھا نہ کبھو
گو شگفتہ چمن چمن تھے گُل — غنچۂ دل تو وا ہُوا نہ کبھو
ابتدا ہی میں مر گئے سب یار — عشق کی پائی اِنتہا نہ کبھو
وہ سخن گو، فریبِ چشمِ یار — ہم سے گویا تھی آشنا نہ کبھو

جھُوٹ اس کا نشاں نہ دو، یارو! — ہم خرابوں کو مت خراب کرو
میر جی راز عشق ہو گا فاش — چشم ہر لحظہ مت پُر آب کرو

نہ سمجھا گیا کھیل قدرت کا ہم سے — کیا اُس کو بد خُو، بنا کر نکو رُو
ہوا، ابر و سبزے میں چشمک ہے گُل کی — کریں ساز ہم برگ عیشِ لبِ جُو

بہار آئی، گُل پھُول سر جوڑ نکلے　　رہیں باغ میں کاش ! اس رنگ ہم تو
رہے آبرو میرؔ تو ہے غنیمت　　کہ غارت میں دل کی ہے ایمائے ابرو

رہتے ہیں میرؔ بے خود و وارفتہ ان دنوں　　پُوچھو کنایۃً کسُو سے دل لگا نہ ہو !

ردیف ہ

کیا جانیں لوگ عشق کا راز و نیاز میرؔ　　اک بات اُس سے ہو گئی دو دو بچن کے ساتھ

مرتے ہیں ہم تو اُس صنمِ خود نما کے ساتھ　　جیتے ہیں وے ہی لوگ، جو تھے کچھ خدا کے ساتھ
تھا جذب آگے عشق سے جو ہر نفس میں میرؔ　　اب وہ کشش نہیں ہے سحر کی دُعا کے ساتھ

خوش ہیں دیوانگیِ میرؔ سے سب　　کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

دل ہے میری بغل میں تختہ پارہ　　اور ہر پارہ اُس کا آوارہ
کیا بنے اُس سے میرؔ، میں مسکیں　　وہ جفا پیشہ و ستم کارہ

ردیف ی

دم میں دم جب تلک تھا، سوچ رہا　　سانس کے ساتھ سارے سانسے گئے
واں گئے کرتے وے خرامِ ناز　　یاں جواں کیسے کیسے جاں سے گئے

سُدھ خبر اپنے غم زدے کی لے　　صبح تک رات کو کراہا ہے

عشق میں ہم نے جان کنی کی ہے　　کیا محبت نے دشمنی کی ہے

یار نے ہم سے بے ادائی کی　　وصل کی رات میں لڑائی کی
بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ　　اب توقع نہیں رہائی کی

خندۂ یار سے طرف ہو کر — برق نے اپنی جگ ہنسائی کی
کوہ کن کیا پہاڑ توڑے گا — عشق نے زور آزمائی کی
پچھے اس کی گلی میں پھرتے رہے — دیر واں ہم نے بے نوائی کی
میرؔ کی بندگی میں جا بارے — سیر سی ہو گئی خدائی کی

نہ وے لوگ ہیں اب، نہ اجماع وہ — جہاں وہ نہیں، یہ جہاں اور ہے
نہ ان لوگوں کی بات سمجھی گئی — یہ خلق اور ان کی زباں اور ہے
تجھے گو کہ صد رنگ ہو مجھ سے کیں — مری اُور اک مہرباں اور ہے
ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میرؔ — زمین و زماں ہر زماں اور ہے

کھو تو کب تئیں یوں ساتھ تیرے پیار رہے — کہ دیکھا جب تجھے، تب جی کو مار مار رہے
اُٹھا جو باغ سے میں بے دماغ تو نہ پھرا — ہزار مُرغِ گلستاں مجھے پکار رہے

سر دے مارتے ہیں ہجراں میں میرؔ صاحب — یارب! چھڑا تو ان کو چاہت کے دردِ سر سے

جب سے جہاں ہے، تب سے خرابی یہی ہے میرؔ — تم دیکھ کر زمانے کو حیران کیا رہے

وہ اب ہُوا ہے اتنا کہ جور و جفا کرے — افسوس ہے جو عمر نہ میری وفا کرے

کچھ کہتے آ کے ہم، تو سُنا کرتے وہ خموش — اب ہر سخن پہ بحث ہے، وہ بات بھی گئی
عمامہ جا نماز گئے لے کے مُغ بچے — واعظ کی اب لباسی کرامات بھی گئی
پھرتے ہیں میرؔ خوار، کوئی پُوچھتا نہیں — اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

گُل نے بہت کہا کہ چمن سے نہ جائیے — گُل گشت کو جو آئیے، آنکھوں پہ آئیے
میں بے دماغ کرکے تغافُل چلا گیا — وہ دل کہاں کہ ناز کسو کے اُٹھائیے
صحبت عجیب طرح کی پڑی اتفاق ہائے! — کھو بیٹھے جو آپ کو، تو اُس کو پائیے

خاطر ہی کے علاقے کی سب ہیں خرابیاں — اپنا ہو بس تو دل نہ کسُو سے لگائیے
اے ہمدم! ابتدا سے ہے آوارگی میں عشق — طبعِ شریف اپنی نہ ایدھر کو لائیے
چلاّ ہے وہ تو دیکھ کے، لیتا ہے آنکھیں موند — سوتا پڑا ہو کوئی تو اُس کو جگائیے

دل میں مسودے تھے بہت، پر حضورِ یار — نکلا نہ ایک حرف بھی میری زبان سے!
اوّل زمینیوں میں ہو مائل مری طرف — جو حادثہ نزول کرے آسمان سے

پھرا کرتے ہیں خوار گلیوں میں ہم — کہاں تک یہ بے اعتباری رہے

وہ دل نہیں رہا ہے، نہ اب وُہ دماغ ہے — جی تن میں اپنے بُجھتا سا کوئی چراغ ہے
یارب! رکھیں گے پنبہ و مرہم کہاں کہاں — سوزِ دروں سے ہائے! بدن داغ داغ ہے

طبیعت نے عجب کل یہ ادا کی — کہ ساری رات وحشت ہی رہا کی
مجھی کو مِلنے کا ڈھب کچھ نہ آیا — نہیں تقصیر اُس نا آشنا کی
اُنھیں نے پردے میں کی شوخ چشمی — بہت ہم نے تو آنکھوں کی حیا کی

سودائی و رُسوا و شکستہ دل و خستہ — اب لوگ ہمیں عشق میں کیا کیا نہ کہیں گے
ہُوں در بہ در و خاک بہ سر، چاک گریباں — اس طور سے کیوں کر مجھے رُسوا نہ کہیں گے
ویرانے کو مدت سے کوئی کیا کرے تعمیر؟ — اُجڑی ہوئی آبادی کو ویرانہ کہیں گے!
موقوف غمِ میرؔ کر شب ہو چکی ہم دم! — کل رات کو پھر باقی یہ افسانہ کہیں گے

مدت سے پائے چار رہے ہیں، مدت گلخن تابی کی — برسوں ہوئے ہیں گھر سے نکلے، عشق نے خانہ خرابی کی
عشق میرؔ کسو سے آشنا، اب تک ظاہر ہم پہ نہ تھا — حرفِ یار جو مُنہ سے نکلا، اُن نے بلا بے تابی کی

اب نہ حسرت رہے گی مرنے تک — موسمِ گُل میں ہم اسیر ہُوئے
شور جن کے سروں میں عشق کا تھا — مَے جواں سالے پائے گیر ہُوئے

بات کا ہم سے اُن کو کب ہے دماغ　　میرؔ درویشی میں امیر ہوئے

شاید شراب خانے میں شب کو رہے تھے میرؔ　　کھیلے تھا ایک مُغ بچہ مُہرِ نماز سے

کچھ تو نسبت ہے اُس کے بالوں سے　　یُوں ہی کیا حالِ میرؔ درہم ہے

جو لوگ آسماں نے یاں خاک کر اُڑا ئے　　بے عبرتوں نے لے کر خاک اُن کی، گھر بنائے
پامال لوگ کیا کیا آگے ہوئے ہیں تُم سے　　اس پر بھی تم جو آئے یاں تم نے سر اٹھائے

اے خوشا حال اُس کا جس کا وُے　　حال عمداً تباہ کرتے تھے
نیچی آنکھیں ہم اس کو دیکھا کیے　　کبھو اونچی نگاہ کرتے تھے
کیا زمانہ تھا وہ جو گزرا میرؔ!　　ہم دگر لوگ چاہ کرتے تھے

اب کی دل اُن سے بچ گیا ، تو کیا　　چور جاتے رہے کہ اندھیاری
چلے جاتے ہیں رات دن آنسو　　دیدۂ تر کی خیر ہے جاری
مر رہیں اس میں یا رہیں جیتے　　شیوہ اپنا تو ہے وفاداری

اتنی سڈول دیہی دیکھی نہ ہم سنی ہے　　ترکیب اُس کی گویا سانچے میں گئی ہے ڈھالی
وصل و فراق دونوں بے حالی ہی میں گزرے　　اب تک مزاج کی مَیں پاتا نہیں بحالی

کیا پھر نظر چڑھا ہے اے میرؔ! کوئی خوش رو　　یہ زرد زرد چہرہ تیرا اُتر رہا ہے

چرخ پر اپنا مدار دیکھیے کب تک رہے　　ایسی طرح روزگار دیکھیے کب تک رہے
سہرے کہاں تک پڑیں آنسوؤں کے چہرے پہ　　گریہ گلے ہی کا ہار دیکھیے کب تک رہے
اُس سے تو عہد و قرار کچھ بھی نہیں درمیاں　　دل ہے مرا بے قرار دیکھیے کب تک رہے
اس بہرے سے اُس کے داغ ہی ہیں صدر میں　　ان بھی گلُوں کی بہار دیکھیے کب تک رہے

روئے سخن سب کا ہے میری غزل کی طرف — شعر ہے میرا شعار دیکھیے کب تک رہے
گیسو و رخسار یار آنکھوں ہی میں پھرتے ہیں — میرؔ یہ لیل و نہار دیکھیے کب تک رہے

بہت نامہرباں رہتا ہے یعنی — ہمارے حال پر کچھ مہرباں ہے
ہمیں جس جائے کل غش آ گیا تھا — وہیں شاید کہ اس کا آستاں ہے

عشق کیا کوئی اختیار کرے — وہی جی مارے، جس کو پیار کرے
غنچہ ہے سر پہ داغ سودا کا — دیکھیں کب تک یہ گل بہار کرے
آنکھیں پتھرائیں، چھاتی پتھر ہے — وہی جانے، جو انتظار کرے
سہل وہ آشنا نہیں ہوتا — دیر میں کوئی اس کو یار کرے
پھول کیا! میرؔ جس کو وہ محبوب — سر چڑھائے، گلے کا ہار کرے

یہ راہِ دورِ عشق نہیں ہوتی میرؔ طے — ہم صبح بھی چلے گئے ہیں، شام بھی چلے

تم کو تو التفات نہیں حالِ زار پر — اب ہم ملیں گے اور کسو مہربان سے

مائل ستم کے ہونا، جور و جفا بھی کرنا — انصاف سے یہ کہنا، یہ رسم ہے کہاں کی
ہے سبزۂ لب جُو اس لطف سے چمن میں — جوں بھیگتی مسیں ہوں کوئی سرو نوجواں کی
ہیں گھر جہاں میں اپنے لڑکوں کے سے بنائے — جب چاہا تب مٹایا، بنیاد کیا جہاں کی
جب سامنے گئے ہم، ہم نے اسے دعا دی — شکل اُن نے دیکھتے ہی، غصہ کیا، زباں کی
دیکھیں تو میرؔ کیوں کر ہجراں میں ہم جیتے ہیں — ہے اضطراب دل کا، بے طاقتی ہے جاں کی

فرہنگ کلیاتِ میر[1]

حرف الف

آب خستہ ترکاری - وہ ترکاری یا پھل جو اندر سے خراب اور ترش ہو گئے ہوں یا پانی کی وجہ سے خراب ہوں۔

آجکل بتانا - جھوٹے وعدے کرنا۔ روز چلے حوالے کرنا۔

آدمی گری - آدمی بنا دینا۔ مجازاً تمیز سکھانا۔ فارسی لغت میں معنی ایجاد کردن آدم لکھا ہے۔ یہ لفظ اکثر طنزاً مستعمل ہوتا ہے۔

آش بغرا - آش ہر رقیق غذا کو کہا جاتا ہے نیز کہا جاتا ہے کہ آش بغرا۔ بغرا خاں کی ایجاد ہے جو ترکستان کے سرداروں میں سے تھا۔ بعض نے خوارزم کا بادشاہ بتایا ہے۔ اس کے بنانے کی ترکیب یہ بتائی گئی ہے کہ کاغذی لیمو کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹی بیسن کی گولیاں بناتے ہیں اور اس کو شوربا دے کر پکاتے ہیں: آئینِ اکبری میں لکھا ہے کہ ایک قسم کا پلاؤ ہے جو گوشت بیسن گھی شکر۔ سرکہ کا بر وغیرہ سے تیار کیا جاتا ہے۔

آشمال - خوشامدی۔ آشمالی وہ خوشامد جو اکثر شکم پرست اپنے پیٹ بھرنے اور کھانا ملنے کے لیے کرتے ہیں۔

آفتابہ - ایک خاص طرح کا لوٹا جس سے ہاتھ منہ وغیرہ دھوتے ہیں۔

آفتابی - عالی شان مکانوں میں ایک جگہ ماہتابی کی طرح بناتے ہیں جو دھوپ میں بیٹھنے کے لیے مخصوص ہوتی ہے۔
۲۔ ماہی مراتب میں چاندی سونے کا ایک دائرہ ہوتا ہے جس میں ایک ڈنڈی لگی ہوتی ہے بادشاہوں کے جلوس میں ساتھ ہوتا ہے اور اسی کا سایہ چتر کی طرح سر پر ہوتا ہے۔ (نوراللغات) ایک قسم کی آتشبازی۔ ایک قسم کی چھوٹی پنکھیا۔

آلا - ہرا۔ تازہ۔ زخم آلے ہیں۔ یعنی زخم ہرے ہیں۔ اکثر جمع کے ساتھ مستعمل ہے۔

آنکھ چپکنا - آنکھ لگنا۔ تعلق پیدا ہونا۔

آنکھوں سے کاجل چرانا - انتہائی چالاکی اور صفائی سے چوری کرنا۔ آنکھوں کے سامنے کی چیز چرا لینا۔

آنکھوں میں رکھنا - حفاظت میں مبالغہ کرنا۔

آنکھیں موندنا - آنکھیں بند کرنا۔

آواز کی ٹرکن - گھبراہٹ سے آواز کا رکنا۔

آہو گیری - عیب جوئی۔

آئی - مجازاً موت۔

ابتسام - تبسّم۔ ہلکی ہنسی۔

ابرام - کسی کو عاجز کرنا۔ ضد کرنا۔ ہٹ کرنا۔ مستحکم کرنا۔

اپنی ٹگی جمانا - اپنے کام نکالنے کی کوشش کرنا۔ اپنا رنگ جمانا۔

اپنی وادی پر آنا - اپنی بات پر جم جانا۔ اپنی بات پر اصرار۔ اب اپنی والی پر آنا بھی بولتے ہیں۔

ابھرنا - ریاح وغیرہ سے پیٹ پھولنا۔ مجازاً تھوڑی حیثیت پر غرور کرنا۔

اُتارا - دریا سے عبور۔ منزل۔ صدقہ جو اتارا ہے وغیرہ پر رکھیں گھاٹ۔

اَت گت - بیحد۔ بے انتہا۔ بہت زیادہ۔

اُتیت - ایک قسم کے ہندو فقیر۔ گشائیں۔

اَٹنا - گرد وغیرہ سے کسی چیز کا بھرنا۔

اِجارا - ٹھیکہ۔ کرایہ۔

---

[1] کلیات میر، مطبوعہ نول کشور ۱۹۴۱ء مرتبہ عبدالباری آسی۔

اُجانغ۔ رت اچوطا۔ آتشدان۔

اچپل۔ اُردو میں شوخ کے معنے میں مستعمل ہے لیکن ہندی میں الف نفی کی وجہ سے اس کے معنی یہ ہیں جو شوخ نہ ہو۔

اچپلی۔ شوخی۔

اَدہم۔ سیاہ رنگ کا گھوڑا۔

اڑاہا۔ جھاڑ جھنکاڑ۔ کوڑا کباڑ۔

اڑ واڑ۔ وہ لکڑی جو پُرانی چھت کے تھمے رہنے کے لیے اُس کے نیچے لگادیتے ہیں ٹیکن۔

اَرنا۔ جنگلی بھینا۔

ارنب۔ خرگوش۔

اُسارا۔ چھپر جو دالان وغیرہ کے آگے ڈالتے ہیں۔

استحالہ۔ ایک حال اور صورت سے دوسرے حال اور صورت میں تبدیل ہونا۔

استغراق۔ کسی خیال یا فکر میں ڈوب جانا محویت۔

استخواں شکنی۔ محنت برداشت کرنا۔

اُس کے جلائے درخت بھی نہیں رہے۔ کسی چالاک شخص کی نسبت کہا جاتا ہے۔

اسلامی۔ مسلم۔ مسلمان۔

اشتعالک دینا۔ اُکسانا۔ کسی بات پر بھڑکانا۔

اُشتلم۔ تندی۔ غلبہ۔ زور ظلم۔

اشعب۔ ایک لالچی آدمی۔

اصحاب فیل۔ ابرہہ بادشاہ اور اُس کے ساتھی جو کعبہ ڈھانے کے لیے کعبے پر چڑھے جن کا قصہ کتب تفاسیر وغیرہ میں مندرج ہے۔

اُعرج۔ لنگڑا۔

اُعمیٰ۔ اندھا۔

اَغلال۔ غل کی جمع۔ طوق۔

اغماض۔ چشم پوشی کرنا۔

اُگٹ اُکت۔ نئی انوکھی بات۔

اکراہ۔ زبردستی۔ فارسی والے کراہت کے معنے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔

اِکلائی۔ وہ اوڑھنے کا کپڑا جو اکہرا ہو۔ دولائی۔ دوہرا۔

اکمہ۔ مادرزاد اندھا۔

اگاس۔ اُگنا۔ اُگنے کی حالت۔

اُلٹ پلٹ۔ ہیرہ بازی۔ داؤ پیچ۔

اُلجھاؤ۔ جھگڑا، بکھیڑا۔ دقت۔ مشکل۔ ۲۔ اُلجھنا۔

اِلحاح۔ رونا دھونا۔ عاجزی کرنا۔ گڑگڑانا۔

اَلقاصُ لَایُحِبُّ القَاص۔ قصہ گو قصہ گو کو دوست نہیں رکھتا مراد یہ کہ دو ہم پیشہ باہم صاف نہیں رہتے ہیں۔

اُلنج۔ کلام میر میں یہ لفظ ایک ساقی نامہ میں آیا ہے ؎

جوشِ لالہ سے تا اُلنج و سنگ
شفقی ہو گیا ہوا کا رنگ

لیکن اُلنج لغت میں مجھے نہیں ملا۔ غالباً یہ لنگ بروزن ملنگ کا بدل ہے۔ جو مرغزار اور سبزہ زار کے معنے میں ہے اور یہ یہاں موزوں اور درست ہے۔ اسی طرح ادنج اونگ کا بدل ہے۔ نیز النگ اس دیوار کے معنے میں ہے جو لشکر کی محافظت کو بناتے ہیں۔

اُلّو ما خرہ۔ بیوقوف۔ گدھا۔

اُلیچنا۔ کوئی رقیق شئے یا پانی کسی جگہ سے نکال کر پھینکنا۔

اِنابت۔ بُرے کاموں سے باز آنا۔ خدا کی طرف متوجہ ہونا کسی کو نائب بنانا۔

انتعاش۔ بھڑک۔ صحت۔

انتہا لینا۔ تھاہ لینا۔

اندرونہ۔ مجازاً دل۔

اندھیرا پاکھ۔ ہر قمری مہینے کے دو پاکھ ہوتے ہیں۔ پہلا اندھیرا پاکھ اور دوسرا اُجالا پاکھ کہلاتا ہے۔

انگدان۔ جسم کا دان جسم کی زکوٰۃ اور صدقہ۔

انگڑانا۔ انگڑائی لینا۔

انمنا۔ اُداس۔

اُن نے۔ اُس نے۔

انوٹھا۔ انوکھا۔ وہ کھانے کی چیز جس میں سے کسی نے کچھ کھایا نہ ہو۔

اُور۔ بروزن مور۔ طرف۔ جانب۔

اوک دینا۔ قے کرنا۔

ایجاز۔ اختصار۔

ایسا تیسا۔ ایک کلمہ جو تحقیر کے لیے غصہ اور آزردگی کی حالت میں کہتے ہیں۔

ایک اور ایک گیارہ - چونکہ ایک کے ہندسے پر ایک اور بڑھانے سے گیارہ کا ہندسہ بن جاتا ہے - اس لئے یہ فقرہ اس جگہ بولتے ہیں جہاں یہ دکھانا مقصود ہوتا ہے کہ ایک سے دو کی طاقت زیادہ ہوتی ہے -

ایکوَن - بجائے ایک استعمال کیا ہے -

اِیل - بز کوہی - گوزن - بارہ سینگا -

اینٹ کا گھر مٹی ہونا - کنایۃً تباہی - بربادی کیا کرایا سب خاک میں مل جانا - گھر برباد ہونا -

---

بائے مُوَحّدَہ

باب - حق - بارہ - معاملہ - متعلق - لائق قابل - دروازہ -

بابت - نسبت - بارہ - حق - معاملہ جیسے میری بابت - لائق -

باب دید - لائق دید -

باب ہونا - کسی امر کے لائق ہونا -

باٹ کا روڑا - اینٹ وغیرہ کا وہ ٹکڑا جس سے راہ چلنے میں رکاوٹ پیدا ہو -
۲ - وہ شخص جس کی وجہ سے کسی کام میں رکاوٹ ہو -

باوی چور - زبردست چور - مشاق چور -

بار - دیر

بار پانا - رسائی ہونا - داخل ہونا -

بار خر - گدھے بھر کا بوجھ -

بازار مندا ہونا - بازار میں اجناس کا سستا ہونا - مجازاً بے قدری -

باز خواہ خون - خون کا دعویدار - خونبہا کا خواستگار -

باس - بو - عموماً بدبو کے معنے میں بولا جاتا ہے

باس کرنا - سونگھنا -

باسن - برتن - ظرف -

باش و بود - رہنا - سہنا -

باشہ - باز سے چھوٹا ایک شکاری پرندہ جس کی آنکھیں زرد ہوتی ہیں -

بالا - کمسن، کم عمر -

بان - آلات جنگ میں سے ایک آتشیں ہتھیار جو زمانہ قدیم میں مستعمل تھا - وہ ہوائی جو ایک آتشبازی ہوتی ہے اس سے مشابہ تھا

باندھنو - وہ بند جو رنگریز چیرے پر مختلف رنگ دینے کے لئے باندھتے ہیں - یہ بندش بعض کپڑوں، صافے یا دوپٹہ وغیرہ میں بھی ہوتی ہے -

باندھنو باندھنا - افترا - تہمت لگانا، منصوبہ باندھنا -

باؤ بہنا - ہوا چلنا -

بَبَر - ایک قسم کا شیر بعض کے نزدیک ایک اور جانور جو شیر کا دشمن ہوتا ہے اور شیر سے مشابہ ہوتا ہے - بعض کے نزدیک بلّی کے برابر کا ایک جانور جس کے دُم نہیں ہوتی -

ببری لباس - مراد ببر کی کھال کا لباس ایسے لباس اکثر فقرا پہنتے ہیں -

بپھرنا - جوش میں بھرنا - غصہ ہونا - جھلانا -

بچلنا - خراب ہونا - بگڑنا - جیسے کام بچلنا - لغزش ہونا - ڈگمگانا -

بحیرہ - بحر کی تصغیر چھوٹا سمندر جو چاروں طرف خشکی سے گھرا ہو -

بدایت - شروع کرنا -

بدیہ - شریر - بدباطن -

بدشراب - وہ شرابی جو شراب پینے کے بعد بدمست ہو جائے اور اپنے قابو میں نہ رہے

بدوی - جنگل کا رہنے والا -

بَرات - حصّہ - فرمان - حکمنامہ - وہ حکمنامہ جس کے ذریعہ سے تنخواہ دہانید کرائی جائے -

برات ہوا پہ لکھی جانا - کنایۃً محروم ہونا، کچھ حاصل نہ ہونا -

بر اُفتادہ ہونا - دور ہونا - محو ہونا ناپید ہونا -

بر خورد - ملاقات -

براق - نہایت چمکدار

بر خویش چیدہ - وہ شخص جس کی وضع اپنی حیثیت و مقدور سے زیادہ ہو، مغرور و متکبر

بر مجنوں - مراد وادیِ نجد سے -

بُزِ آدیزی - اُلٹا لٹکانا - مراد سزا سے -

بُزِ اخفش - اخفش جو علم صرف و نحو کا ایک عالم تھا اُس نے ایک بکرا پال رکھا تھا - جب اخفش دیر تک سبق حفظ کرتا رہتا تو وہ بکرا بولتا تھا - اخفش اُس کو اپنے حفظ کی تصدیق سمجھ کر اس وقت خاموش ہو جاتے -

بُزگیری - کنایتاً چوری۔
بزن گاہ - قتل گاہ۔
بُزہ - ایک پرندۂ آبی۔
بساہنا - مول لینا۔ خریدنا۔ لگانا۔ جیسے روگ بساہنا۔
بستار - پھیلاؤ۔
بسرام - آرام۔
بسرنا - بھولنا۔ مجازاً بگڑنا۔ خراب ہونا۔
بَصَل - پیاز۔
بغل پروردۂ طوفان - وہ کہ جس نے طوفان میں آنکھ کھولی ہو۔ جس نے مصیبت میں پرورش پائی ہو۔
بکانا - بکنا۔
بکرے کی اولاد - غیر صحیح النسب جو حلالی نہ ہو۔
بکرے کی جھیل - لکھنؤ کے کسی محلہ یا ... کا نام تھا۔
بکھیرنا - پراگندہ کرنا۔ پریشان کرنا۔
بُلّاع - بہت زیادہ نگلنے والا۔ مراد ہے پر خور سے۔
بلونا - دہی کو متھانی یا رہی سے متھنا جماؤ گھنگھولنا۔
بَلی - طاقتور۔ زور دار
بُناگوش - کان کی لَو۔
بندرابن - ایک مقام کا نام جو متھرا کے قریب ہے۔

بنڈیلا - جنگلی سوّر۔
بُنگاہ - منزل مکان۔ نقد و جنس و اسباب رکھنے کی جگہ۔
بوتیمار - بگلا۔
بو غرا نکل جانا - چٹتے پٹتے بھرکس نکل جانا۔
بو کرنا - سونگھنا۔
بھبھا - زبردست۔ سخت۔
بھدرک - لُطف۔ مزہ۔ خوبی۔ برکت۔
بھرنے بھرنا - مینھ کا تیزی اور بڑی بڑی بوندوں کے ساتھ برسنا۔ اسی کو بھرن کہتے ہیں۔
بپھہڑ - دَلدل کی زمین۔
بُھسم - جلی ہوئی چیز جو خاک ہو جائے۔
بھسمنت - جل کر راکھ ہوئی چیز۔
بھگت - مقدس آدمی امور مذہبی کا پابند۔ ایک فرقہ جو ناچنے گانے والے لڑکوں کو تعلیم دیتا ہے۔
بُھلاوا - دھوکا۔ مغالطہ۔
بھیرونبہ - لشکر کے ساتھ کے شاگرد پیشہ اور سودا سلف بیچنے والے لوگ۔
بھیچک - حیران۔ بھونچکا۔
بیاہ رچنا - شادی کی خوشی منانا۔ شادی کے سامان ہونا۔
بیت بحثی - بچوں کا شعر خوانی میں باہمی مقابلہ۔

بتیل - بیتال۔ بہت زیادہ کڈھب۔
بے تہہ - بے اصل۔ بے حوصلہ۔ معمولی لیاقت والا۔ بات کی اصل کو نہ پہونچنے والا۔
بے تہی - بات کی تہہ کو نہ پہونچنا۔
بید مجنوں - ایک قسم بید کی۔
بے ہیچ - کم ایہ۔ فرومایہ۔ بے تہہ۔

بائے فارسی

پاچہ خر - گدھے کا بچہ۔
پال - چھوٹا خیمہ۔ کپڑے اور سرکیوں وغیرہ کو جو بطور خیمہ تان دیتے ہیں۔
پانوں آلگنا - قدموں پر گرنا۔
پانوں بچلنا - قدم کو لغزش ہونا۔ قدم ڈگمگانا۔
پانوں نکالنا - حد سے تجاوز کرنا۔ بُرے چلنا آوارگی اختیار کرنا۔
پانی ٹوٹ جانا - پانی کم ہونا۔ کنویں وغیرہ میں پانی کا گھٹ جانا۔
پانی سے پتلا کرنا - ذلیل و شرمندہ کرنا۔
پانی کرنا - نرم کرنا۔ آسان کرنا۔
پائیز - خزاں۔ پت جھڑ۔
پتنگ - پتنگا۔ پروانہ۔
پتھر تلے کا ہاتھ نکالنا - مصیبت ٹالنا، اپنا مطلب نکالنا۔
پتھر ہونا - سخت ہونا۔ سخت دل ہونا۔
پچھڑنا - شکست کھانا۔ مغلوب ہونا۔

پدڑی - ایک چھوٹی سی چڑیا کا نام مجازاً کم حقیقت -
پر - پارسال -
پرتل - سوار کا اسباب جو ٹٹو پہ بار کیا جاتا ہے -
پرتوا - پرچھائیں - پرتو -
پڑچک - شہ - کمک - اشتعالک -
پرچھا - کسی قضیے کا فیصلہ -
۲ - بھیڑ کی ضد - ہجوم کا کم ہونا -
پرچھتی - پھوس وغیرہ کی وہ ہلکی ٹٹی جو پانی سے حفاظت کے لیے دیواروں پہ رکھ دیتے ہیں -
پردۂ ظلام - تاریکیوں کا پردا -
پریدار - وہ شخص جس پہ پری کا سایہ ہو -
پریکھا کرنا - چرچا کرنا - جانچ کرنا -
پساری - پنساری -
پشت بام - طرف بیرونِ بام -
پکپن - پکاپن - بڑے تجربہ کاروں اور بڈھوں کی سی باتیں - دانائی پختہ کاری -
پلشٹ - پلید - زبوں - ناپاک -
پلی پار - اُدھر کی طرف -
پلیتھن نکل جانا - تباہ ہو جانا - سخت نقصان اُٹھانا -
پودنہ - ایک بہت چھوٹی چڑیا -
پویہ - گھوڑے کی ایک چال جسے پویا بھی کہتے ہیں -

پون - ہوا -
پھاند - وہ پھندا جس سے ہاتھی پکڑے جاتے ہیں -
پھیت ٹ فیل - مکر - ۲ - رسوائی -
پھیٹ کرنا - رسوائی - رسوا کرنا -
پھٹنگ - گزر -
پھلانگنا - کودنا - پھاندنا - الگھنا پھلانگ مارنا - زقند مارنا -
پہناوا - لباس -
پھول پڑنا - آگ لگنا - آگ کے پتنگے کا کسی جگہ گرنا -
پھول سونگھ سونگھ کے رہنا - کنایہ ہے کمال لطافت اور نزاکت سے کبھی کبھی یہ فقرہ طنزیہ بھی مستعمل ہوتا ہے -
پھیر - بجائے پھر -
پھیکا - بے رونق -
پیٹھنا - کسی چیز کا کسی چیز میں آمیز ہو کر اثر کرنا -
پینٹھ - وہ بازار جو کسی مقررہ دن میں دیہاتوں اور چھوٹے چھوٹے قصبوں میں لگتا ہے -
پینڈی کا ہلکا - کنایۃً بدوضع - بدچلن اوچھا - غیر مستقل مزاج پیٹ کا ہلکا -

تائے فوقانی

تابہ - توا -
تاج خروس - مرغ کیس ایک بوٹا جس پر مرغ کے کیس کی طرح پھول آتا ہے -
تانی - دیر - ڈھیل -
تبختر - ناز اور غرور کے ساتھ چلنا -
تپک - پھوڑے کے درد کی ٹیس -
تجنا - چھوڑنا مجازاً قربان کر دینا -
تخفیفہ - ایک قسم کی چھوٹی پگڑی -
تخلل - کسی چیز کا گزر جانا کسی چیز میں خلل پیدا ہونا -
تد - بجائے تب -
تراکم - انبوہ - ہجوم - ایک جگہ مجتمع ہونا -
تردامن - گناہگار - فاسق - فاجر -
تردستی - چابکدستی - چستی - چالاکی -
ترسا - قوم نصاریٰ کا عابد - راہب -
ترسل - مکتوب - وہ کاغذ جس میں بہت سے خط جوڑے جاتے ہیں اور شکستہ خط پڑھنے کی مشق کے لئے بچوں کو پڑھاتے ہیں -
ترک - چھوڑنا - کسی کتاب کے صفحہ کا ابتدائی کلمہ جو اس سے پہلے صفحے کے آخر میں گوشہ پر اس غرض سے لکھتے ہیں کہ اس کے بعد کے صفحے کا پتہ چل سکے رکاب -
تسبیح سلیمانی - سنگ سلیمانی کی تسبیح سنگ سلیمانی میں باریک خط سے ہوتے ہیں -
تسپیرھی - بجائے اسپرھی -
تشتت - پریشانی - پراگندہ ہونا - فکر -
تظلم - فریاد ظلم کی فریاد - داد خواہی -

تعریض - کنایۃً کوئی بات کرنا۔ کسی چیز کو پھیلانا۔ اسباب سے اسباب بدلنا۔ بیمار ہونا۔

تعلل - کسی کام میں مشغول ہونا کوئی علت پیدا کرنا۔ مجازاً بہانہ بازی۔ حجت کرنا۔

تعذار - ایک قوی الجثہ پرند جسے تگدار بھی کہتے ہیں۔

تفحص - کاوش کرنا کسی امر میں۔

تفرج - کشائش پانا۔ تنگی سے دور ہونا۔ مجازاً سیر و تفریح۔

تک - تاک۔ موقع کا انتظار

تکہ ریشی - تکمۂ بُزِ نر۔ ریش داڑھی بکرے کی داڑھی۔

تگرگ - اولا۔

تگ و پو - دوڑ دھوپ۔

تل - ریت وغیرہ کا ٹیلہ۔

تلنگا - وہ سپاہی جو انگریزی وردی پہنے ہو چونکہ ابتدائے عہد سلطنت میں انگریزوں نے تلنگانہ میں فوج بھرتی کر کے اُس کو انگریزی لباس پہنایا تھا اسی واسطے سپاہی کے معنے میں یہ لفظ مشہور ہوا اب مجازاً سپاہی کے معنے میں مستعمل ہے۔

تلوار کرنا - بجائے تلوار چلانا۔

تلواسہ - اضطراب - بیقراری

تمہارے منہ میں کے دانت ہیں - پرسان حال ہو۔ کہا جاتا ہے کہ کسی نے یہ بھی نہ پوچھا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں۔

تنک - تھوڑا سا - ذرا سا

تنک حوصلہ - کم حوصلہ۔

تنک شراب - وہ شخص جو تھوڑی شراب پینے کے بعد بہک جائے۔

تنگ - گون - ایک قسم کی بوری۔

تنگنا - تنگ جگہ۔ تنگ کوچہ۔

تواجد - ڈھونڈھنا اور پانا حالت وجد۔

تورہ بندی - مختلف کھانوں کے خوان اور رکابیاں۔ بیس خوانوں سے زیادہ اور دو سے کم تورہ بندی نہیں کہلاتی۔ تورہ بندی کا کھانا بولا جاتا ہے۔

توری - تُرئی جو ایک پھل ہوتا ہے جس کی ترکاری پکاتے ہیں۔

توشہ کی روٹی - وہ کھانا جو لاش کے ساتھ جاتا ہے اور خیرات کرتے ہیں۔

توں توں - ویسے ویسے۔

تہ - اصل۔ مایہ۔ اعتبار - ہر چیز کی حد گہرائی کی حد۔

تھانگ - چوروں کے چھپنے کی جگہ کمیں گاہ۔

تہ داری - وزن ہونا معتبر ہونا۔

تہ دل - مجازاً راز دل۔

تھلکنا - مٹاپے سے گوشت کا ہلنا۔

تھم - ستون۔

تہمتن - بروزن تلمزن۔ رستم کا لقب اس کے معنے بڑے جسم والا۔

تیر تخش - ہوائی جو ایک قسم کی آتشبازی ہے۔

تیر خاکی - ایک قسم کا تیر جس کا پیکان ہڈی کا ہوتا ہے اور سب تیروں سے زیادہ دور پہونچتا ہے۔

تیر مار - اُڑ کر کاٹنے والا - سانپ۔

تیر ماہ - سال شمسی کے مہینوں میں سے چوتھے مہینے کا نام۔

تیس - وہ بکرا جو گلے میں بکریوں کے گابھن کرنے کے لیے رہتا ہے۔ اُردو میں بوک کہتے ہیں۔

تیغہ - چھوٹی چوڑی دھار والی تلوار۔
۲ - دروازے کو اینٹوں وغیرہ سے چننا اور بند کرنا۔

تیں - بجائے تو۔

تیول - جاگیر جو مدد معاش کے طور پر بادشاہوں سے ملتی ہے۔

حرف (ٹ)

ٹٹے ٹوئیے مارنا - تلاش و تجسس کرنا۔ جستجو میں۔ اِدھر اُدھر پھرنا۔

ٹک - ذرا۔

ٹکر اُٹھانا - مقابلے کی تاب لانا۔

ٹکورے - نوبت کی آواز - نقارے تاشے وغیرہ کے بجانے کو جو ہلکی ضرب لگائی جائے۔

ٹھاٹھ - ڈھانچ۔ ٹٹیاں جو روشنی وغیرہ کے

بے بنا کر کھڑی کرتے ہیں۔
ٹھڈیاں۔ وہ بھونا ہوا غلہ جو بھنے کے بعد کھیل نہ ہوا ہو۔
ٹھہراؤ۔ ٹھہرنا۔
ٹھسک۔ ناز و انداز۔ ایک قسم کی لچک چلنے کا ایک انداز خاص۔
ٹھکٹھکانا۔ ٹھوکنا۔ کھٹکھٹانا۔
ٹھوڑ۔ جگہ۔
ٹھوڑ رہنا۔ کسی جگہ پر مر کر گر جانا۔
ٹینی مرغ۔ چھوٹی نسل کا مرغ۔

حرف جیم عربی

جاذبہ۔ جذبہ۔
جاگہ۔ جگہ۔
جام داری۔ ساقی گری۔
جامہ خانہ۔ وہ جگہ جس میں سیے ہوئے اور بے سئے کپڑے رکھے جاتے ہیں اور جہاں لباس بدلتے ہیں۔
جامہ کبریتی۔ زرد رنگ کا کپڑا۔
جان پہ آنا۔ جان پر بننا۔
جاہی جوہی۔ ایک آتشبازی کا نام
جائے گور دار۔ گور کے قابل جگہ
جبال۔ جبل کی جمع بہت سے پہاڑ۔
جباہ۔ جبہہ کی جمع۔ پیشانیاں۔
جب نہ تب۔ وقتاً فوقتاً۔ وقت بے وقت مراد زمانے کے غیر متعین ہونے سے۔

جتن۔ تدبیر۔ ترکیب۔
جٹنا۔ بھڑنا۔ گتھنا۔ باہم لڑنا۔
جد۔ بجائے جب۔
جدول۔ ندی۔ خط۔
جرگہ۔ حلقہ۔ گھیرا۔ صف۔ وہ گھیرا جو شکاری اس لئے باندھتے ہیں کہ شکار باہر نہ جائے۔ اکھاڑا۔
جریدہ۔ دفتر۔ تنہا۔
جسد۔ جسم۔ بدن۔
جسم رنج فرسا۔ وہ جسم جسے رنجوں نے لاغر کر دیا ہو۔
جلاب لگ جانا۔ دست آنا۔
جلف۔ بیوقوف۔ احمق۔ برا آدمی۔
جماہنا۔ جماہی لینا۔
جمل۔ نر اونٹ۔
جناغ۔ زناخ مرغ یا کبوتر کے سینے کی ہڈی جو دو شاخ ہوتی ہے۔ اسی سے زناخ توڑنا بولا جاتا ہے۔ دو عورتیں سینۂ مرغ کی ہڈی کو باہم مل کر توڑتی ہیں اور وہ دونوں ایک دوسری کو زناخی کہتی ہیں زناخی سے مراد ہمراز ہم نوالہ و ہم پیالہ سہیلی ہوتی ہے۔
جنگلہ۔ جنگل۔
جواد۔ جیدار۔ دلیر۔
جوگا۔ لائق۔ قابل۔
جوں جوں۔ جیسے جیسے۔
جوہر اول۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام۔
جھاڑا ہونا۔ جھڑ جھڑ کر صاف ہونا۔

خالی ہو جانا۔ صفایا ہو جانا۔
جھاڑ جھنکاڑ۔ الجھے ہوئے درخت جھاڑیاں وغیرہ جو ملے ہوئے اگے ہوں۔
جھانجھ۔ ایک قسم کا باجہ جو بڑے مجیرے کی قسم کا ہوتا ہے۔ اور ڈھول کے ساتھ بجایا جاتا ہے۔ ۲۔ غصہ۔ جھنجھلاہٹ۔
جھانکا۔ سوراخ۔ رخنہ۔
جھپاکا۔ پھرتی۔ تیزی۔ جلدی۔
جھرمٹ مارنا۔ کپڑے سے سر سے پاؤں تک جسم کو چھپانا۔
جھمکا۔ بیٹھ کا بھاری چھینٹا۔ چمک دمک زور کی روشنی۔ جھم جھماہٹ۔
جھوجرا۔ بال پڑا ہوا برتن۔
جھوک۔ دھچکا یا ہچکولا ہونے میں جو ایک خمیدگی یا لچک کی سی صورت پیدا ہوتی ہے جھٹکا۔
جھینگا۔ چھوٹی مچھلی کی ایک قسم۔
جیٹ۔ نیچے اوپر رکھی ہوئی بہت سی ڈیلہ روٹیوں کی تھئی۔
جی جامہ۔ مراد جان و مال۔ اسباب۔
جید۔ گردن کی درازی۔ گردن بند کی جگہ۔ مجازاً گردن شاما کچھ۔
جی رندھا جانا۔ جی کا پامال ہوا جانا۔
جیغہ جیغہ ابرو۔ مقیش و افشاں کی طرح ایک چیز ہوتی ہے کہ اُسے ملک فارس کی عورتیں ابرو اور پیشانی وغیرہ پر چھڑکتی ہیں۔
جیفہ۔ مردار۔

چیم فارسی

چاروں دانگ ۔ چاروں سمت ۔

چاؤ ۔ آرزو، ارمان، شوق، لاڈ پیار ۔

چبا چبا کے باتیں کرنا ۔ صاف صاف بات نہ کرنا ۔

چَپ ۔ چاپ ۔ قدم کی آہٹ ۔ پاؤں اُٹھانے اور چلنے کی آواز ۔

چپر جانا ۔ کسی مخدوش جگہ سے بچ کر نکل جانا ۔

چت چڑھنا ۔ دل نشین ہونا ۔ دل میں بیٹھنا ۔

چتیرا ۔ تانبے پیتل چاندی وغیرہ کے برتن مل کر صاف کرنے والا ۔

چُٹ ۔ چوٹ کا مخفف ۔

چٹھا ۔ خون کی گرمی اور جوش سے بدن پر ابھار پیدا ہو کر داغ سا پڑ جانا ۔

چَراغی ۔ کسی مزار یا کسی بزرگ کے یہاں جو نذرانہ چراغ کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے مجازاً نذرانہ جو بزرگوں کو دیا جاتا ہے ۔

چرخ اثیر ۔ کرۂ آتشیں جو عناصر اربعہ میں سے اعلیٰ کرہ ہے ۔ بعض نے کہا ہے کہ فلک الافلاک کو کہتے ہیں ۔

چرخ زن ۔ چکر مارنے والا ۔

چرپوز ۔ لچر ۔ لغو ۔ کمینہ ۔ سفلہ ۔

چرکیں لباس ۔ میلے لباس والا ۔

چسپاں اختلاط ۔ محبت میں گرمجوشی دکھانے والا ۔

چشم خروس ۔ گھنگچی ۔

چشمداشت ۔ اُمید ۔

چشمک زنی ۔ آنکھ سے اشارہ کرنا ۔ آنکھیں مارنا ۔

چشم کم سے دیکھنا ۔ حقارت سے دیکھنا ۔

چقر ۔ گڑھا ۔

چکش ۔ ٹپکنا

چکنا گھڑا ۔ وہ شخص جس پر اچھی بری بات کا کوئی اثر نہ ہو ۔ بے حیا ۔ بے شرم ۔

چَل ۔ خطا ۔ قصور ۔

چلاچلی ۔ چلنے کی تیاری ۔ موت کا وقت ۔

چمنی زنگ ۔ ایک قسم کا سبز رنگ ۔

چنڈال ۔ کینہ ۔ شریر ۔ سنسکرت میں ایک قوم کو کہتے ہیں جو سور چراتے شراب پیتے اور ایسے ہی ذلیل پیشے کرتے ہیں ۔

چُواؤ ۔ جھگڑا ۔ جھگڑے کا نچوڑ ۔

چوبدار ۔ نقیب ۔ عصا بردار وہ سپاہی جو سونے چاندی کے خول چڑھے ہوئے عصا لے کر امیروں کی سواری یا امیروں کے آگے آگے چلتے ہیں ۔ رئیسوں کے محل کا دربان مجازاً سپاہی ۔

چوپالا ۔ ایک قسم کی سواری جسے کہار اُٹھاتے ہیں ۔ اور اکثر چوپہلا کہتے ہیں ۔

چوتڑوں پر پیازہ کتری جانا ۔ مجازاً فریب کھانا ۔ چونا لگنا ۔

چور جاتے رہے کہ اندھیاری ہے مطلب یہ کہ ابھی موقع و محل باقی ہے ۔ یا بد آدمی موقع پا کر پھر بدی کرتا ہے ۔

چورنگ ہونا ۔ تلوار کے خاص قسم کے وار سے مارا جانا ۔

چوکی بھرنا ۔ اپنی اپنی باری سے چوکی پہرا دینا ۔ ۲ ۔ ایک قسم کی نذر و نیاز ۔

چومتے ہی گال کاٹنا ۔ ابتدائے کار ہی میں نقصان پہونچانا ۔

چھانہہ ۔ سایہ ۔ چھاؤں ۔

چھبڑا ۔ ٹوکرا ۔ جھتوا ۔

چھپاؤ ۔ پردہ

چھچھند ۔ جال ۔ فریب ۔ مکر ۔ حیلہ ۔

چھرٹا ۔ اکیلا ۔ تنہا ۔

چھڑیاں ۔ ایک میلہ جو مدار کی چھڑیوں کے نام سے مشہور ہے ۔

چُہلا ۔ کیچڑ ۔

چھلاوا ۔ اگیا بیتال ۔ غول بیابانی ۔

چھل بل ۔ شوخی ۔ طراری چالاکی حیلہ گری ۔

چُھلنا ۔ فریب دینا ۔

چھوپنا ۔ مٹی گارا وغیرہ دیوار پر تھوپنا ۔

چیت ۔ بڑے قسم کا سانپ جو اژدہے کے قریب ہوتا ہے ۔

چیتنا ۔ ہوشیار ہونا ۔

چیرہ بند ۔ وہ بازاری عورت جس کی نتھ نہ اتری ہو ۔

چیں مانی ۔ ہار مانی ۔

حائے حطّی

حال۔ طاقت زور۔ صوفیانہ وجد جو کسی نغمہ وغیرہ سے ہو۔
حال حال چلنا۔ آہستہ آہستہ چلنا۔
حایط۔ دیوار۔
حبّذا۔ ایک کلمہ تحسین۔
حَبسِ دَم۔ فقیروں اور جوگیوں کا ایک عمل جسے پرانا یام بھی کہتے ہیں۔
حتی الباب۔ دروازے تک۔
حدیقہ۔ باغ۔
حرکتِ مذبوحی۔ ذبح کئے ہوئے جانور کی تڑپ۔ چونکہ یہ حرکت آخری اور ناپائدار ہوتی ہے اس لیے مجازاً اس کے یہ معنی بے جاتے ہیں کہ کسی کام کے تمام ہونے پر حالت اضطرار میں کچھ ایسے کام کرے کہ جن سے فائدہ مقصود نہ ہو۔
حُسنِ عمل۔ اچھے کام۔
حَصیر۔ بوریا۔
حضرت۔ درگاہ۔ آستانہ۔ بارگاہ۔
حَظیرہ۔ قبرستان جس کے چار طرف چار دیواری ہو۔ قبرستان جس میں کچھ درخت وغیرہ لگے ہوں
حلیم۔ ایک قسم کا کھچڑا۔
حمل۔ ایک بُرج آسمانی کا نام کہ جب آفتاب اُس میں داخل ہوتا ہے تو وہی دن نوروز کا ہوتا ہے۔

حواس مختل۔ دماغی خلل۔
حَواصل۔ ایک پرند جو اکثر دریاؤں وغیرہ کے کنارے پر پایا جاتا ہے۔
حَور بعد الکَور۔ نقصان بعد افزونی۔ مجازاً دشواری بعد آسانی۔
حیدر آباد۔ لکھنؤ کے ایک محلہ کا نام۔

خائے مُعجمہ

خارپُشت۔ سہ۔ سیہی ایک جانور جس کے بدن پر کانٹے ہوتے ہیں۔
خار خار۔ دغدغہ۔ خواہش۔
خاطر نشان۔ دلنشین۔
خاکدان۔ عالم دنیا۔ زمین۔
خانہ باغ۔ وہ باغ جو گھر میں لگا ہو۔
خانوادہ۔ خاندان۔ بزرگ۔ خاندان کے معنے میں اکثر مستعمل ہے۔
خایہ گزک۔ چچڑی۔ کلیلی۔ کلی۔
خبرِ عطر۔ خیر خبر۔
خدمت نالگی۔ رونے اور ماتم کرنے کی خدمت۔
خَرہ اُبہ۔ دیوانہ۔
خُراج۔ دُبل۔ پھوڑا۔ زخم۔
خِرس۔ ریچھ۔ بھالو۔
خِرس بَجَوال۔ گون جو ریچھ کے بالوں سے بنی گئی ہو۔
خرموش۔ گھونس۔

خروس عرش۔ مشہور ہے کہ آسمان پر ایک مرغ ہے کہ پہلے صبح کو وہ بانگ دیتا ہے اور اُس کے بعد دنیا کے مرغ اذان دیتے ہیں۔
خشتک۔ پاجامہ کا رومال۔
خصمی۔ دشمنی۔
خصمی قاطبہ۔ پوری دشمنی۔
خطِ اعتدال۔ منطقۂ اعتدال۔
خِلطہ۔ میل ملاپ۔
خلعِ بدن۔ اپنی روح دوسرے کے جسم میں ڈالنا۔
خلع العذار۔ آزاد۔ بے پردہ۔
خلف الصِدق۔ لائق بیٹا۔ باپ کا صحیح جانشین بیٹا۔
خمیازہ کش۔ مجازاً مشتاق۔ آرزو مند
خور۔ آفتاب۔
خوش ظاہر۔ ظاہر پرست۔ دنیا دار آدمی۔
خیلا۔ عربی میں مغرور اور اُردو میں پھوہڑ اور بے شعور عورت کو کہتے ہیں۔

دال مہملہ

داب۔ ادب
داربست۔ انگور وغیرہ کی بیل چڑھانے کے لئے جو ٹٹیاں باندھتے ہیں۔ لکڑی کی پاڑ جس پر معمار کام کرتے ہیں۔
داڑھ مارنا۔ چیخ کر رونا۔
داسا۔ وہ لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا جسے دیوار

پر رکھ کر اس پر کڑیاں رکھتے ہیں۔
داعیہ۔ خواہش۔ سبب۔
دال۔ دلالت کرنے والا۔
دانتوں زمین پکڑنا۔ زبردست اور مضبوط گرفت کرنا۔
دب۔ دباؤ۔
در انداز۔ لگائی بجھائی کرنے والا۔ دو آدمیوں میں لڑائی کرانے والا۔
دربست۔ تمام وکمال۔ بالکل۔
دروازے کی مٹی لے جانا۔ بار بار پھیرے کرنا۔
دُرونہ۔ باطن۔ دل۔
دست بیع۔ بکا ہوا۔ یا بکنے کی فکر میں ہونا۔
دست و بغل۔ ملا ہوا۔ ایک دوسرے کی بغل میں ہاتھ ڈالے ہوئے۔
دست و پا گم کرنا۔ گھبرا جانا۔
دریاچہ۔ چھوٹا دریا۔ بڑا حوض۔
دریائے لنگر دار۔ وہ دریا جس کا پانی ٹھہرا ہوا ہو۔
دِکھنا۔ دکھائی دینا۔
دَل۔ موٹائی۔ ضخامت۔ ۲ بھیڑ۔ انبوہ۔
دل بیجا ہونا۔ مجازاً مضطرب ہونا۔
دلزدہ۔ وہ شخص جس کا دل مر گیا ہو۔ رنجیدہ ملول۔ غمگین۔
دل شب۔ نصف شب۔
دل گزیدہ۔ دلپسند۔
دم لابہ۔ تملق۔ چاپلوسی۔ دم ہلانا۔

دموں پر آنا۔ لب دم ہونا۔
دندان مُزد۔ فقیروں وغیرہ کو کھانا کھلا کے بعد کچھ نقد بطور خیرات دینا۔
دُند پڑنا۔ شور مچنا۔
دوآبہ۔ وہ جگہ جہاں دو دریا ہوں یا دو دریا کے بیچ کی زمین۔
دَواب۔ چوپائے۔
دَوار۔ سر میں چکر آنے کا مرض۔
دوڑ دھپاڑ۔ دوڑ دھوپ۔
دوس۔ الزام۔ قصور۔
دوکان تختہ کرنا۔ دکان بند کرنا۔
دَوں لگنا۔ آگ لگنا۔ درختوں کی رگڑ سے بنوں اور جنگلوں میں آگ لگنا۔ پتا در وغیرہ میں جو آگ لگاتے ہیں کہ وہ اور نمو پائے۔
دَہا۔ محرم کا عشرہ۔
دَہانا۔ دوڑ پڑنا۔ ڈھل پڑنا۔
دہانہ۔ منہ دریا کے گرنے یا ختم ہونے کی جگہ۔ مشک وغیرہ کا منہ۔
دہ بیٹھنا۔ ہمت ہارنا۔ صبر کر بیٹھنا۔ کوشش کر کے بیٹھ رہنا۔
دہ دلہ۔ کنایتاً متلون مزاج۔
دُہر دُہر جلنا۔ شعلہ زنی کے ساتھ جلنا۔
دُہم۔ دم بخود۔ گم صم۔
دُھمال۔ قلندر فقیروں کی آچھل کود قلندروں کا ایک خاص وضع کے ساتھ کودنا شور و غل دھاچوکڑی۔ غل شور کرنا۔ قلندروں کا آگ میں کودنا۔

دُھولانا۔ چھپانا۔
دِھیر بندھنا۔ آس بندھنا۔ اُمید ہونا۔
دھیری ہے بے دھیری ہے۔ لڑکے پتنگ بازی میں شکست دینے والے کے لیے یہ لفظ کہتے ہیں۔
دھینگ۔ ہٹا کٹا۔ مسٹنڈا۔
دھینور۔ دھیمر کہاروں کی ایک قسم۔
دِیا۔ چراغ۔
دیر خوابی۔ دیر تک سونا۔
دیّوث۔ وہ شخص جو اپنی بیوی سے کسب کرائے۔ بھڑوا۔
دیہی۔ جسم۔ بدن۔

دال ہندی

ڈاگ۔ انگریزی میں کتا۔ اردو میں بھولوں کی قسم کی ایک مفروضہ چیز۔ بدنظر۔
ڈانس۔ بڑا مچھر۔
ڈور ہونا۔ فریفتہ ہونا۔
ڈول۔ ڈھنگ۔ اسلوب۔ طور۔ طریقہ۔
ڈھنڈ۔ ویرانہ کھنڈر۔
ڈھیر۔ مزار۔ قبر۔
ڈھینڈس۔ کدو کی قسم کی ایک ترکاری کنایتاً عضو مخصوص۔
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا۔ جدا طور طریقہ ایجاد کرنا۔

رائے مہملہ

راتا ماتا۔ رات کا جاگا ہوا۔

راکب۔ سوار۔

راہنا۔ چکی یا سل وغیرہ میں۔ دندانے نکالنا۔

رُباط۔ مسافر خانہ۔ مہمانسرائے۔

رَجھوار۔ قدردان۔

رَسّام۔ نقش بنانے والا۔ نقاش مصور۔

رسلاتے آنا۔ رس میں بھرے آنا۔

رَغم۔ خلاف۔ برعکس۔

رفع۔ اُٹھا دینا۔ روک دینا۔

رُکنی۔ رُکنا۔

رنجک۔ بارود جو بندوق یا توپ کے پیالے میں آگ دینے کے لیے رکھی جاتی ہے۔

رند باغاتی۔ باغات اصفہان کا ایک محلہ ہے وہاں کے اکثر لوگ رند و اوباش ہوتے ہیں۔ میرؔ نے بھی اپنے دیوان میں ایک جگہ بلبل کو رند باغاتی بطریق ایہام کہا ہے۔

رنگ۔ بُز کوہی۔ پہاڑی بکرا۔

رواق۔ مکان کا چھجا۔ سائبان۔ ایوان۔

روٹ مار کے جانا۔ تیز تیز چلا جانا۔

رو دینا۔ متوجہ ہونا۔

روز بازار۔ گرمی بازار۔ رواج۔

روضہ خوان۔ وہ لوگ جو محرم کے زمانے میں روضۃ الشہداء پڑھتے ہیں۔

روم روم۔ رواں رواں۔ روئیاں روئیاں۔

روندن۔ پامالی۔

روہست۔ چہرے کی تازگی۔ اور رونق۔

رہ آورد۔ سفر سے لایا ہوا کوئی تحفہ۔

رہبان۔ راہب کی جمع علمائے نصاریٰ پادری۔

رہکلہ۔ ایک قسم کی چھوٹی توپ۔

رُہیلا۔ پٹھانوں کی ایک خاص قوم روہیل کھنڈ کا رہنے والا پٹھان۔

ریجھ۔ فریفتگی۔ میلان۔ شیفتگی۔

ریشخند۔ تمسخر۔ مذاق۔

ریگ رواں۔ ایک مقام جہاں ریت ہمیشہ رواں رہتی ہے اور وہاں کوئی جانور جی نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ تمام ریت نقرۂ خام ہے اور جو چشمہ وہاں نکلتا ہے اُس میں پانی اور پارا ملا ہوا ہوتا ہے۔

زائے معجمہ

زبان سُرخ۔ زبان چرب۔

زبان کرنا۔ زبان درازی کرنا یا وعدہ کرنا

زر اندود۔ سونے کا ملمع کیا ہوا۔

زغن۔ چیل۔

زُلفہ۔ زُلفین۔ دروازے کا کُنڈا جس میں کنڈی کو اٹکاتے ہیں۔

زمین دیکھنا۔ قے کرنا۔

زنجلب۔ بھڑوا۔ اپنی عورت سے کسب کرانے والا۔ دیّوث۔

زنجیر کرنا۔ زنجیر میں مقید کرنا۔

زنجیرہ دامن۔ وہ زنجیرہ جو دامن میں کاڑھا جاتا ہے۔ یا حلقہ دار لکیر کاڑھتے ہیں۔ یا کوئی بٹا ہوا تاگا لگاتے ہیں۔

زنجیری۔ بستۂ زنجیر۔ دیوانہ۔

زنخ زن۔ شرمندہ۔

زندیق۔ کافر۔ مرتد۔

زوّار۔ زائر کی جمع۔

زوریں کش۔ جو چیز زور کے ساتھ کھینچی جائے۔

زہ گریباں۔ گریبان کا دور۔ گریبان پر ٹکی ہوئی ڈوری۔

زیادہ سری۔ خود پسندی۔ غرور۔

سین مہملہ

سارا۔ اعتبار۔ بھروسا۔ ساکھ۔

ساکا کرنا۔ ساکھا کرنا۔ چند آدمیوں کا یکدل اور متفق ہو کر کوئی کام کرنا۔ کوئی بڑا کام کرنا۔

سال۔ سالنا کا حاصل مصدر رنج تکلیف

سالنا۔ لکڑی میں چھید کرنا۔ مجازاً تکلیف دینا۔

سام۔ رستم کے دادا کا نام۔

سام ابرص۔ چھپکلی۔

سانجھ۔ شام۔

سانسا۔ فکر۔ اندیشہ۔ خوف۔ جھگڑا۔

سانٹنا۔ متہم کرنا۔
سالواں ۔ ایک باریک دانے کا غلہ۔
سبز باغ دکھانا ۔ کوئی اُمید دلاکر دھوکا دینا
سبزک۔ جنگلی کوا۔ اور بعض کے نزدیک ایک دوسری چڑیا ہے بعض کا خیال ہے کہ وہ نیل کنٹھ ہے۔
سبزہ ۔ ایک پرندکا نام بعض کے نزدیک ہریل بعض کے نزدیک ہرلیا۔
سبزۂ بیگانہ ۔ سبزۂ خودرو۔
سبزی ۔ بھنگ ۔
سُبکروحی ۔ لطافت شگفتگی ۔ بے تکلفی سادہ مزاجی ۔
سب کو چمارہنا ۔ سب کو دھوکا دینا۔ سب سے عزدر کے ساتھ پیش آنا۔
سبھاؤ ۔ عادت۔ ڈھنگ۔ قاعدہ۔
ستارہ ۔ ایک آتشبازی ۔
ستارۂ سعد ۔ نیک ستارہ ۔
سج ۔ بناؤ ۔ زینت ۔
سجادۂ محرابی ۔ وہ جانماز جس پر محراب شکل بنی ہو۔
سحبان ۔ عرب کے ایک فاضل کا نام۔
سحورہ ۔ سحری کھانا۔ سرگہی (سحرگہی)۔
سخن رس ۔ بات کو سمجھنے والا۔
سُدھ بسرنا ۔ سُدھ جاتی رہنا ۔ عقل خراب ہو جانا۔
سراہنا ۔ تعریف کرنا۔

سرپا ۔ سنیٹھا۔ سرکڑا۔ پتاور۔
سر جوڑنا ۔ جمع ہونا۔ مشورے کے لئے اکٹھا ہونا۔
سر جوڑ کر بیٹھنا ۔ مشورے کے لئے جمع ہونا۔
سُرخہ ۔ ایک پرندکا نام۔ ایک جگہ کا نام
سرڈوب ۔ غرقاب۔ سر سے پاؤں تک بھیگا ہوا۔
سرزدہ آنا ۔ بے طلب ۔ بے اجازت ناگاہ آنا۔
سر سے گذر جائے ۔ یعنی سر کی پروا نہ کرے ۔
سرفرو لانا ۔ سر جھکانا۔
سرکنڈا ۔ سینٹھا۔ سرپتا۔
سرکھپی ۔ کمال محنت۔
سر کی سَوں ۔ سر کی قسم۔
سرگوشی ۔ کاناپھوسی ۔
سرنشین ۔ جو شخص قافلے میں خچر یا اونٹ پر سوار ہوا۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔ میرؔ نے اس شعر میں اس لفظ کا استعمال کیا ہے

سرنشین رہ میخانہ ہوں میں کیا جانوں
رسم مسجد کے تئیں شیخ کہ آیا نہ گیا

یہاں یہ معنے بھی صحیح ہیں ۔ یا یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ میں میخانے کے سرِ راہ بیٹھنے والا ہوں۔ مگر اس صورت میں تعقید ہوگی ۔ چراغ ہدایت میں پیچھے چلنے والے کے معنے بھی لکھے ہیں۔

بے محل دکجاوہ سوار ہونے والا۔
سرواہ ۔ دردسر۔
سروش ۔ غیبی فرشتہ ۔
سفری ۔ مسافر۔
سفک دم ۔ خون بہانا۔
سفیدارہ ۔ ایک درخت کا نام جس پر پھل نہیں آتا۔
سَفِیہ ۔ بیوقوف۔
سَقاوہ ۔ وضو وغیرہ کے لیے پانی رکھنے کی جگہ جو مسجدوں مدرسوں وغیرہ میں بنا دیتے ہیں۔
سُکر ۔ نشہ۔
سَکھیاں ۔ سکھی کی جمع ۔ ایک قسم کی پہیلیاں جس میں بات کہہ کر مکر جاتے ہیں۔
سَگات ۔ میرؔ نے اس شعر میں بطورِ عربی از راہ تفنن طبع سگ کی جمع لکھی ہے

بھونکا کریں رقیب پڑے کوئے یار میں
کس کے تئیں دماغ عفف ہے سگات کا

اور اسی طریقہ سے عف عف کو عفف لکھا ہے۔
سگ لوَند ۔ عہدِ صفویہ کے ایک شاعر کا تخلص جس کا یہ شعر ہے

سحر آمدم بہ کوبیت بہ شکار رفتہ بودی
تو کہ سگ نہ بردہ بودی بچہ کار رفتہ بودی

سِلّی ۔ ایک آبی پرند ۔ ایک قسم کی مرغابی۔
سما ۔ وقت ۔ سمے جمع ۔

سمج - زشت - برا۔
سُمرن - مالا کے ایک بڑے دانہ کا نام - مجازاً مالا۔
سُمن - ایک قسم کی مرغابی -
سناہٹا - ویرانی - خاموشی۔
۲- سہمناک آواز - دھڑکن - خوف - غشی۔
سناہٹا گزرنا - جسم میں سنسنی پیدا ہونا۔
سنپولیا - سانپ کا بچہ۔
سنسان - سناٹا۔
سنکارنا - اشارے سے بلانا - اشارہ کر کے کسی کے سر کر دینا - اکسا دینا۔
سنگباران - پتھروں کی بارش -
سنگستاں - جہاں بہت سے پتھر ہوں
سُن گن - اڑتی سی خبر - کوئی خفیہ خبر - لینا اور پانا کے ساتھ بولا جاتا ہے -
سنمکھ - مقابل - روبرو - آمنے سامنے -
سَواد - سیاہی - وہ نقطہ سیاہ جو دل پر ہوتا ہے - سوادِ شہر وہ سیاہی جو کسی باہر سے آنے والے کو قریب شہر نظر آتی ہے اور فضا تاریک سی معلوم ہوتی ہے -
سوجھتا - انتظام - سُبتیا۔
سوُر - دلیر - بہادر
سوُس - ایک آبی جانور جسے خوک آبی بھی کہتے ہیں۔
سو سر کا ہو کر آنا - نر دا اور سرکشی پر آمادہ ہو کر آنا - پہلے سے بہت زیادہ تیار ہو کر آنا۔

سوسمار - گوہ جو ایک جانور ہوتا ہے اور زمین کے سوراخوں میں رہتا ہے -
سوں - قسم کی جگہ بولتے ہیں۔
سون گسنا - جان بوجھ کر غافل اور سوتا ہوا بن جانا۔
سَنّانا - بے خبر لمبی سانسیں لے کر سونا
سوُکھنا - خشک ہونا - مجازاً ڈرنا۔
سوئی کا ناکا - سوئی میں تاگا ڈالنے کی جگہ
سُہل - بے وقوف - بیکار - معمولی - آسان - نرم خو -
سہو القلم - کتابت کی غلطی -
سیان - ہوشیاری -
سیدھیاں سُنانا - سخت کلامی کرنا۔
سیلسر - کمان کا وہ فیتہ جس میں تیر رکھ کر پھینکتے ہیں۔
سیلی - بالوں یا سیاہ ریشم کی ڈوری جو ہندو فقیر گلے میں ڈالتے اور اکثر حسین بھی ہاتھ پر پہنتے یا گلے میں ڈالتے ہیں۔
سیم بندی - چراغاں کہ شمعوں اور چراغوں کو تار میں باندھ کر لٹکایا جائے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیم کے مجازی معنی یہاں تار کے لئے گئے ہیں -
سیہ کاسہ - کنایتاً ممسک بخیل۔

شین معجمہ

شان - شہد کا چھتہ۔

شانہ بین - ایک قسم کے فال دیکھنے والے چونکہ یہ استخوان شانہ بز کے ساتھ مخصوص ہے اس واسطے مجازاً شانہ بین نام ہوا۔
شانہ سر - ہُدہُد۔
شب - پوتھ۔
شبگز - ہوام اور وہ کیڑے جو رات کو ستاتے ہیں۔ کھٹمل۔
شبگیر کرنا - آخر شب اور قبل صبح سفر کرنا۔
شتّاہ - (عربی میں شطّاح) بیحیا - بے شرم بدچلن عورت -
شتر دل - کنایتاً بزدل - ڈرپوک۔
شریف مکہ - مکہ کے حکمراں کا خطاب۔
شعبہ - شاخ اور وہ چیز جو دو شاخوں کے درمیان ہو - بفتح گھاٹی پہاڑ وغیرہ کی۔
شقائق - ایک قسم کا لالہ۔
شکلِ مثالی - ایسی شکل جس کا خارج میں وجود نہ ہو۔
شل - تُنجا۔
شلّاق - تھپّڑ - سرچنگ سیلی۔
شلّاق کرنا - (ترکی زبان میں) بید مارنا۔
شمعی رنگ - کنایتاً سُرخ رنگ -
شور شرابا - شور شغب۔
شہر غریب - مسافر۔
شہر نا پرساں - وہ شہر جس میں کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہو اور نہ کوئی کسی کی داد فریاد سُنے۔

شیر برفی - ولایت فارس اور اُن جگہوں میں جہاں برف گرتی ہے اور جم جاتی ہے - لڑکے اُس سے شیر اور دوسرے جانوروں کی شکل بنا دیتے ہیں کہ آنے جانے والے اُس کو دیکھ کر ڈر جائیں -

شیرہ خانہ - شراب خانہ -

شیشہ جان - نازک مزاج -

صادِ مہملہ

صاحبی کرنا - تمکنت اور غرور امیرانہ سے پیش آنا -

صَارَ فُؤادِیْ شَقّاً شَقّاً - میرا دل چاک چاک ہو گیا -

صافی شست - جس کی چٹکی تیر چلانے میں صاف ہو -

صبح شام بتانا - ٹال مٹول کرنا - اور جھوٹے وعدے کرنا -

صحارِی - صحرا کی جمع -

صحبت بَرآرہونا - صحبت درگیر اور موافق ہونا -

صحبت بگڑنا - دوستی کے بعد بدمزگی پیدا ہونا -

صحنک - رکابی - چھوٹا طباق -

صُدَاع - دردِ سر -

صرفہ - فائدہ - ۲ - مضائقہ -

صَعب - سخت -

صَعوَہ - ممولا -

صفایا - صفائی

صفِ نعال - محفل کی وہ جگہ جہاں جوتے اُتارا جائے -

صورت باز - سوانگ بھرنے والے لوگ جو مختلف شکلیں بنا کر محفلوں میں تماشے دکھاتے ہیں -

ضادِ معجمہ

ضامنی - ضمانت -

ضربت - ضرب - وار -

ضعف آنا - بیہوش ہونا - غش آنا -

طاءِ مہملہ

طارَم - بلند مکان - بالا خانہ -

طاقچہ - چھوٹا طاق -

طائرِ سدرہ - کنایتاً حضرت جبریل -

طَرح - بنیاد

طَرف - مقابل -

طرہ - زلف - پیشانی کے بال - چھجہ -

طفلانِ تہ بازار - آوارہ اور بازاری لڑکے جن کے گھر در نہ ہو -

طیرِ نو پَر - وہ پرند جس کے نئے نئے پر نکلے ہوں -

عینِ مہملہ

عالمِ جان - عالمِ ارواح - عالمِ دنیا - عناصرِ اربعہ -

عالمِ کون و فساد - دنیا -

عامل - کارندہ - اہلکار سرکاری -

عُبَید - عُبید زاکانی فارسی کا ایک مشہور شاعر جو آخر میں ظرافت اور ہزل کہنے لگا تھا اور اس کی ایک کتاب "موش و گربہ" کے متعلق بھی ہے -

عبیر - ایک خوشبو خشک جو کپڑوں پر چھڑکتے ہیں ایک پوڈر جو ہولی میں مُنھ پر ملتے ہیں -

عجول - جلد باز -

عذرا - ایک حسینہ کا نام جس پر وامق عاشق تھا - ۲ - دوشیزہ - لڑکی -

عَرابَہ - گاڑی -

عِرض - عزت - آبرو -

عشق اللہ - عشق ہے - آزاد فقیروں کا سلام -

عصفور - چڑیا -

عقدِ انامِل - ایک قسم کی مسنون گنتی جو انگلیوں پر گنی جاتی ہے -

عقلِ اوّل - کنایتاً حضرت جبریل -

عقدۂ مالاینحل - وہ گتھی جو سلجھ نہ سکے -

عَلَف - گھاس -

علی الدّوام - ہمیشہ -

عُمدہ - اعلیٰ عہدہ دار - مُعتمد -

عور - ننگا۔

عہدے سے برآنا - کسی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا اور اس کو انجام تک پہونچانا۔

غین معجمہ

غربال کرنا - چھاننا۔

غصیلا - غصہ ور۔ جھلّے مزاج والا۔

غضنفر - شیر۔

غُل - طوق۔

غمخوارک - بگلا۔

غنچہ پیشانی - بیدماغ - ترشرو۔

غنچہ خاطر - افسردہ دل - تنگ دل۔

حرف فا

فتراک - شکاربند - وہ تسمہ جو زین کے اِدھر اُدھر شکار یا اور سامان کے باندھنے کے لئے لگا ہوتا ہے۔

فسانۂ اصحاب فیل - ان لوگوں کا قصہ اصحاب فیل وہ لوگ جنھوں نے خانۂ کعبہ پر بحکم ابرہہ بادشاہ حملہ کیا تھا۔

فقیر اللہ کا - آزاد فقیر - آزاد فقیروں کی بولی فقیروں کی اللہ ہی اللہ ہے - یعنی فقیر اللہ ہی اللہ کہہ سکتے ہیں۔

فلاخن - وہ آلہ جس میں پتھر یا ڈھیلا رکھ کر پھینکتے ہیں - گوپھن۔

فند - کر

فیلیا - فیل کرنے والا۔ مکّار۔

حرف قاف

قاق - پتلا دبلا سوکھا آدمی۔

قاقم - ایک جانور کی بالدار کھال اور اُس کی کھال کا پوستین۔

قبر پوش - وہ چادر جو قبر پر پڑی رہتی ہے۔

قرابہ - بڑا شیشہ۔

قرّاد - بندر نچانے یا بندر کا تماشہ کرنے والا۔

قدغن - تاکید - روک - ٹوک - ممانعت

قرآن کا جامہ پہن کر آنا - مراد - یقین دلانے کی بہتر سے بہتر تدبیر کرنا۔

قرقرا - ایک آبی پرند۔

قشعریرہ - پھر ہری - جھر جھری۔

قشون - فوج - لشکر - فوج کا دستہ۔ چھاؤنی - کیمپ۔

قشقل - ایک آبی پرند۔

قصیدۂ غرا - قصیدۂ روشن یعنی عمدہ اور اعلیٰ قصیدہ۔

قطرہ افشانی - تردد کرنا دوڑ دھوپ - برسنا برسانا - تیز چلنا۔

ققنس - ایک جانور کا نام - جس کی آواز سے علم موسیقی کا استخراج کیا ہے اس کو آتش زن بھی کہتے ہیں۔

قلعچی - قلعہ کا رہنے والا - قلعہ دار۔

قماری - جواری۔

قنارہ - وہ میخ جو قصائیوں کی دُکانوں کی دیواروں یا مسلخ کی دیواروں میں گاڑ دیتے ہیں اور ذبیحہ کو اس میں لٹکاتے ہیں۔

قورچ - مینڈھا۔

قور - ناخن کی کور - ۲ - ہتھیار - ۳ - فیتہ جو کپڑوں کے حاشیہ پر لگاتے ہیں - ۴ - غلاف کا ہاتھی۔

قیر - ایک قسم کا سیاہ روغن - جو پالش وغیرہ کے کام آتا ہے۔

کاف تازی

کارگہ - کام کرنے کی جگہ کارخانہ۔

کاسہ لیس - جھوٹے برتن چاٹنے والا - لالچی - خوشامدی۔

کاغذِ افشانی - وہ کاغذ جس پر افشاں چھڑکی ہو۔

کاغذ باد - کنکوا - پتنگ۔

کاغذ کا تاؤ - کاغذ کا تختہ۔

کاغذیں باغ - وہ پھول، پتیاں اور سبگی جو کاغذ سے تیار کرتے اور باراتوں وغیرہ کے ساتھ لے جاتے ہیں۔

کاکا - باپ کا چھوٹا بھائی - چچا۔
۲ - بڑا بھائی۔

کال - قحط۔

کالا چور - زبردست چور - نامی چور -
کالے بال - موئے زیر ناف -
کانٹا سا نکل جانا - کھٹکا جاتا رہنا -
کانس - ایک گھاس جس سے بان وغیرہ بٹے جاتے ہیں -
کانِ طلق - ابرک کی کان -
کان ہونا - ہوشیار ہو جانا - متنبہ ہو جانا -
کانوں میں اُسترے باندھ کر گھس جانا - گالی کے مقام پر مستعمل ہے اور اس کے ساتھ ایک غیر مہذب جملہ بھی ہے -
کاؤ کاؤ - کاوش - محنت خلش -
کبد - جگر -
کبریت - گندھک -
کپڑ پھاڑ - کپڑا پھاڑنے والا -
کپی - بندر -
کتابت - تحریر -
کتّے وال - کتے پالنے والا -
کٹکھنا - کاٹنے والا -
کٹ مستا - سخت مست - یہ لفظ کٹ مُلّا کے طرز پر ہے -
کٹیل - کاٹنے والا -
کجدار و مریز - ناممکن کام -
کجلی بن - وہ جنگل جس میں ہاتھی رہتے ہوں -
کچی نرد - وہ نرد جو پچیسی کے خانوں میں گھوم کر ہنوز اپنے اصلی گھر تک نہ پہونچی ہو اور اس کے پٹنے کا ہنوز اندیشہ ہو -
کد - کب -
کراڑا - ڈیا کا کنارا - دریا کے کنارے کا بلند ٹیلا -
گرہ بندھنا - کسی کام کا سر پڑنا کہ خواہ مخواہ وہ کرنا ہی پڑے -
کِرہ جانا - کسی دھار دار آلہ کی دھار گر جانا -
کُررس - خراب رس والا -
کِرمِل - ایک خاردار جھاڑی (درخت) کا نام -
کسالا - محنت مشقت - تکلیف -
کِسکِسا - کرکرا -
کسی پر دانت ہونا - کسی چیز کی محبت میں اس کا خواہش مند ہونا -
کشف - کچھوا -
کشتی پاک ہونا - کشتی ختم ہو جانا -
کشتی لگ جانا - کشتی بندھ جانا - جوڑ بدی جانا -
کفتار - ایک جانور جو بجّو کہا جاتا ہے -
کِفل - سُرین - چوتڑ -
کل - گنجا - جس کے سر میں گنج ہو -
کلال - کمھار - ۲ - کلوا -
کلبہ - چھوٹا سا تنگ و تاریک گھر -
کل مکل - بے چینی - کش مکش - شور و غوغا -
گلوَل - مصیبت - پریشانی -
کلید پیچ - رقعہ یا خط کو اس طرح لپیٹتے ہیں کہ وہ بصورت کلید معلوم ہو -
کمان پاک - بھاری اور زوردار کمان -
کماینبغی - جیسا چاہیے - کماحقہ -
کم بغل - کم مایہ - فرو مایہ آدمی -
کم پا - دیر میں چلنے والا - کوتاہ قدم - کم ٹھہرنے والا -
کم پائی - کم فرصتی -
کمیت - کتنا - مقدار ہونا - کس قدر -
کن - کس کی بجائے -
کنارہ ڈھونڈھنا - علیحدگی اختیار کرنا -
کناس - مہتر - بھنگی -
کن رس - آواز کے کن کو پہچاننے والا -
کنسلائی - ایک برساتی کیڑا جس کے بہت سے پانوں ہوتے ہیں -
کنگاش - مشورہ - شوریٰ -
کنگنی - دیوار کی منڈیر پر جو اینٹیں باہر کو نکال کر رکھتے ہیں -
کنیل - مرغ کی ایک قسم -
کوچک دل - خوش خلق - وہ شخص جو کہ ہر شخص سے ہمدردی برتے - درد مند دل والا
کوچہ زخم - زخم کو کوچے سے استعارہ کیا ہے -
کودن - کند ذہن - احمق - جاہل -
کورے بالم - مراد بیکار اور از کار رفتہ -
کوکنار - افیون کی بونڈی -

کولا۔ دروازے کے ادھر اُدھر کی دیوار۔
کَولی۔ دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو دبانا۔ بھرنا کے ساتھ مستعمل ہے۔
کوہ کی کمر۔ درمیان کوہ۔
کھانچا۔ ایک قسم کا ٹاپا۔
کھتّا۔ ایک قسم کا کنواں جس میں غلہ بھرا جاتا ہے۔
کھولا۔ غار۔ گڑھا۔ نالہ۔
کیکر۔ ببول کا درخت۔
کین لینا۔ مخاصمانہ بدلہ لینا۔

کاف فارسی (گ)

گاتی۔ کندھے پر پڑا ہوا دوپٹہ یا چادر جو سینے پر بندھا ہو۔
گاوِ زمین۔ وہ گائے جو زمین کے نیچے بتائی جاتی ہے اور ساری دُنیا کا بوجھ وہ اپنے سینگ پر اُٹھاتے ہے۔
گاہنا۔ کھلیان پر دانہ نکالنے کے لئے بیلوں کو پھرانا۔ روندنا۔
گٹھ بندھن۔ دو چیزوں میں تعلق ہونا۔
گٹھی۔ پیاز لہسن وغیرہ کی مجموعی ہئیت کو گٹھی کہتے ہیں۔
گُڈا بنانا۔ کنایتاً بدنام و رسوا کرنا۔
گُڈّی۔ ایک قسم کی کنکیا۔
گُرُیز۔ مکار۔ حیلہ گر۔
گریوہ۔ ٹیلہ۔ پشتہ۔
گزارہ۔ گزر۔
گرہان کبوتر۔ وہ کبوتر جو تہ کا تیجا ہو۔
گِردباد۔ بگولا۔
گرگ آشتی۔ وہ صلح جو دکھاوے کی ہو اور دراصل دل میں بغض و نفاق ہو۔
گریانی۔ رونا۔
گریبان کوہ۔ پہاڑ کا درمیانی حصہ جس کو کمر کوہ بھی کہتے ہیں۔
گڑھی۔ چھوٹا سا قلعہ۔
گزیا۔ ایک لمبی ٹانگوں والا پرند۔
گلابی۔ ایک ظرف جس میں گلاب یا شراب وغیرہ بھرتے ہیں۔
گل اشرفی۔ ایک پھول جو زرد رنگ ہوتا ہے۔
گل افشاں کرنا۔ پھول بکھیرنا۔
گلال۔ ایک سرخ پوڈر جو ہولی میں ہنود ایک دوسرے پر ڈالتے اور ملتے ہیں۔
گل تریاک۔ پوستے کا پھول۔
گلا توڑنا۔ گلا پھاڑنا کی جگہ چلانا۔
گلبھڑی۔ گمتھی۔ گرہ۔
گلزمین۔ سر سبز و شاداب زمین۔
گلستانہ۔ کسی جگہ کا نام۔
گنجائی۔ گنجائش۔
گورہ۔ گورخر جو ایک چوپایہ جانور ہوتا ہے
گور گڑھا۔ کفن دفن تجہیز و تکفین۔
گوزن۔ پاڑھا۔
گوں۔ قابل۔ لائق۔ کام کا۔
گھتیا۔ وہ شخص جو گھات میں لگا ہے۔
گھر۔ خانے جو بساط اور بچیسی وغیرہ میں ہوتے ہیں۔
گھر گیا۔ خانہ برباد۔
گھر ہونا۔ گھر آباد ہونا۔
گھسکی۔ جھینگے یا مچھر کی قسم کا ایک اُڑنے اور کاٹنے والا کیڑا۔ اس کو کشکی بھی کہتے ہیں۔ بھولی۔ دبیل ڈرپوک۔
گھگھیانا۔ عاجزی کرنا۔ گڑگڑانا۔
گھوپا۔ ایک قسم کا جھونپڑا جو پھونس وغیرہ سے باغوں اور کھیتوں میں بناتے ہیں۔ کٹی۔
گُتی کرنا۔ درگزر کرنا۔
گیدی۔ مکار۔ لالچی۔ بے عزت۔ فسادی جھگڑالو۔ خیلیا۔

حرف لام

لاکھی۔ لاکھ کے رنگ کا۔
لاگا۔ لگا۔
لاگو۔ آرزومند۔ مشتاق۔
۲۔ پیچھے پڑنے والا دشمن۔
۳۔ وہ جانور جسے خون کا چسکا پڑ گیا ہو۔
لاگہ۔ لپٹ۔ شعلہ۔

لب چش ۔ ذائقہ وغیرہ معلوم کرنے کے لئے کسی چیز کو چکھنا۔
لب گزی ۔ ہونٹ چبانا۔ غصے۔ شرم حیا۔ یا کسی امر کے افسوس یا ممانعت کے لئے۔
لُٹ جانا ۔ کمزور ہو جانا۔ دُبلا۔ لاغر ہو جانا۔
لُجہ ۔ دریا کا دھارا۔
لڑاکا ۔ فسادی۔ لڑاک۔
لَسَاع ۔ ڈنک مارنے والے کیڑے کوڑے
لطمہ ۔ پانی کا تھپیڑا۔ طمانچہ۔
لعل خموش ۔ لب خاموش
لگ جانا ۔ بک جانا۔
لگ لگ ۔ یہ ایک قوی الجثہ پرندہ ہے جو اِن اطراف میں فصل ربیع میں پایا جاتا ہے۔ لق لق۔
لگو ناگو ۔ آرزومند۔ مشتاق۔
لوتھ ۔ لاش۔
لوطی ۔ مغلم۔ اغلام کرنے والا۔
لہر ۔ وہ اعضا کی جنبش جو سانپ یا گئے کے زہر چڑھنے سے جسم میں پیدا ہوتی ہے
لیت ولعل ۔ بہانہ۔ وعدہ وعید۔ امروز و فردا۔

حرف میم

مآب ۔ جائے بازگشت۔
مار گیری ۔ حیلہ گری۔ مکاری۔
مالک الحزن ۔ بگلا۔
مالک رقاب ۔ گردنوں کا مالک۔
مآل ۔ انجام کار۔
مبیت ۔ رات گزارنے کی جگہ۔
متصدی گری ۔ پیش کاری۔ نائب گماشتہ۔ محاسب۔
مٹھ بھیڑ ۔ آمنا سامنا۔
مُجعّد ۔ جوڑا بندھے ہوئے بال۔
مَجْہَلہ ۔ بفتح اول و سوم۔ سبب۔ نادانی دکسرا دل وہ زمین جس میں کسی کو راہ نہ ملے
مچھر کی جھول کا چور ۔ ادنیٰ چیزوں کا چُرانے والا۔ ٹکیا چوٹا۔
مچلاپن ۔ ڈھٹائی۔ گمراپن۔
مچھندر ۔ بڑی بڑی مونچھوں والا۔ مجازاً بیہودہ۔ بدمعاش۔ مسخرا۔
مُحاذی ۔ بالمقابل۔ روبرو۔
مدھ ماتا ۔ مست۔ شرابی۔ متوالا۔
مذنب ۔ گناہگار۔
مرتعش ۔ رعشہ دار۔
مرجیا ۔ مر مر کے زندگی بسر کرنے والا۔ ۲۔ جو مرتا مرتا جیا ہو۔
مرزائی ۔ مجازاً تکبر۔ تمکنت۔
مرس ۔ رسی۔
مرغ انداز کرنا ۔ بغیر چبائے نگل جانا۔
مُرغ شوق کُش ۔ وہ چڑیا جسے شوق نے مارا ہو۔
مُرغ عیسٰی ۔ چمگادڑ۔ شب پرہ۔
مُرغ مصلّی ۔ بانگ دینے والا مرغ۔
مزابل ۔ مزبلہ کی جمع۔ کوڑا پڑنے کی جگہ۔ گھورا، کوڑی۔
متاصل ۔ جڑ سے اکھاڑا ہوا۔
مستجاب ۔ مقبول۔
مست طافح ۔ بدمست۔
مسلخ ۔ مذبح۔ جہاں جانور ذبح کئے جائیں
مسیدت ۔ مسجد کا بگڑا ہوا لفظ۔
مسیں بھیگنا ۔ ہونٹوں پر روئیں کا سیاہ ہو کر مونچھوں کا آغاز ہونا۔
مشبک ۔ جالیدار۔
مشقی ۔ وہ کاغذ جس پر خوشنویس مشق کرتے ہیں۔
مشیر ۔ صلاح کار۔
مصطبہ ۔ چبوترہ۔ ٹھیا۔ جس پر بیٹھ کر سودا بیچیں۔
مطبوع ۔ پسندیدہ۔
مطلع ۔ غزل یا قصیدے کا پہلا شعر۔
معارضہ ۔ جھگڑنا۔ بدلا دینا۔ برطرف ہونا۔
معتاد ۔ خوراک روزانہ۔ وہ کام جس کی عادت ہو۔
معلق زن ۔ قلا کرتا ہوا۔
معمورہ ۔ آبادی۔ آباد جگہ۔ بستی۔
معن ۔ معن زایدہ عرب کے سخی کا نام۔

مفتن۔ فتنہ پرداز۔
مقال۔ گفتگو۔
مقام بجنا۔ قافلہ کے ٹھہرنے کے وقت جو نقارہ وغیرہ بجایا جاتا ہے۔
مقام خانہ۔ جہاں جوا کھیلا جائے۔
مکث۔ ٹھہرنا۔ دیر کرنا۔
مکحل۔ سرمہ دانی۔
بگھری۔ چھپر کا وہ حصہ جو سب سے اوپر ہوتا ہے
ملاذ۔ جائے پناہ۔
ملکت۔ مملکت۔
ملل۔ ملت کی جمع۔
منادی ڈھنڈورا پیٹنے والا۔ اعلان کرنے والا
منائی۔ ممانعت۔
منت۔ خوشامد۔
منحرف۔ پھرا ہوا۔ برگشتہ۔
مُندرِس۔ پرانا۔ کہنہ۔ بوسیدہ۔
منقاش۔ موچنا۔ بال چننے کا آلہ۔
منکا ڈھلنا۔ مرنے کے قریب کی حالت۔
منہ اٹکنا۔ مُنہ آنا۔ مُنہ میں آنے پڑنا۔
منہ دکھائی۔ وہ نذرانہ جو دلہن کو پہلی مرتبہ منہ دیکھنے پر دیا جاتا ہے۔
منہ میں تنکا لینا۔ دو حریفوں میں سے جب ایک عاجز آتا ہے تو وہ مُنہ میں تنکا دبا لیتا ہے۔ اور یہ علامت عاجزی کی ہے۔
موجیں کرنا۔ مزے اڑانا۔ لطف اٹھانا۔
مورِ طاس۔ کنایتاً مبتلائے رنج و مصیبت۔

موسنا۔ کسی کا مال و اسباب لوٹ لینا۔
موش کور۔ چھچھوندر۔
موندنا۔ بند کرنا۔
مونڈنا۔ فریب دیکر چیلا بنانا۔ لوٹنا۔
مہابت۔ دہشت۔ خوف۔
مہترانی۔ بھٹیاری۔
مہرورز۔ محبت قبول کرنے والا۔
میاں گیری۔ درمیان میں پڑنا۔
میانہ۔ ایک سواری۔
میلان۔ رغبت۔ خواہش۔
مایؤل۔ انجام کار۔

حرف نون

نابلد۔ ناواقف۔ ناآشنا۔ انجان۔
ناجی۔ نجات پانے والا۔
ناحیہ۔ طرف۔ سمت۔ کنارۂ ملک۔
ناخن بندی تعلق بہم پہونچانا۔ بات کرنے کی گنجائش پیدا کرنا۔
ناخواستہ۔ بغیر چاہے۔
نادعلی۔ ایک دعا کا نام۔ یشب وغیرہ کی تختی جس پر یہ دعا کندہ ہوتی ہے۔
ناک میں تیر کرنا۔ تکلیف و سزا دینا۔
نام باجنا۔ نام مشہور ہونا۔
نباش۔ کفن چور۔
نبل۔ کمزور۔ کم طاقت۔
نپٹ۔ بہت زیادہ۔ بالکل پلودی طرح

نجف۔ وہ جگہ جہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مزار شریف واقع ہے۔
نُچنا۔ نوچنے والا۔ نچ جانا۔
نخ۔ ایک قسم کی دوڑ جس میں ریشم بھی شامل ہوتا ہے۔
نخستین خرد۔ کنایہ حضرت جبرئیل سے عقل اول۔
ندان۔ آخر کار۔
نراس۔ نااُمید۔
نرگسی زن۔ چشمک زن۔
نرم شانہ۔ جو جلد کہنے میں آجائے۔
نریمان۔ رستم کا پردادا۔
نسترن۔ سیوتی۔ سیوتی کا پھول۔
نسر طائر۔ ایک ستارہ جو اڑتے ہوئے گدھ کی طرح ہے۔
نسر واقع۔ ایک ستارہ جو ٹھہرے ہوئے گدھ کی طرح ہے۔
نسناس۔ ایک حیوان جس کا نصف بدن آدمی کا سا ہوتا ہے۔ اور اس کے ایک ہاتھ ایک آنکھ ایک پاؤں ہوتا ہے۔ اور اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں۔
نشاتین۔ دونوں جہان۔ دنیا و آخرت۔
نِطع۔ دباغت دیئے ہوئے چمڑے کا فرش۔ قاعدہ تھا کہ ایسا فرش واجب القتل آدمی کے لیے بچھایا جاتا تھا۔
نظم۔ لڑی۔ اشعار موزوں۔

نظم ونسق - انتظام۔
نعل اچھاتی پر جڑکے پھرنا - سینہ پر داغ کھانا - یہ نعل بربدن بر سینہ وجگر کا ترجمہ ہے۔
نفر - آدمی - نوکر - ملازم۔
نقادت - پرہیز گاری۔
نگاہ کا سوت بندھنا - نگاہ کا تار بندھنا۔
نگر - گاؤں - چھوٹی بستی۔
نمر - پلنگ - تیندوا۔
نواڑا - کشتی۔
نوانا - جھکانا۔
نوچہ - جوان نوخاستہ - امرد۔
نوسفر - جس نے نیا نیا سفر کیا ہو۔
نوشاد - حسینوں کا ایک شہر تھا۔
نوک کرنا - مراد بڑھ کر باتیں کرنا۔
نُہ - ناخن۔
نُہ لینا - ناخن ترشوانا۔
نہاد - ذات - سرشت - خلقت۔
نہار توڑنا - صبح کو ہر کھانے سے قبل کچھ کھانا کھانا - یہ نہار شکستن کا ترجمہ ہے۔
نہایت - انتہا۔
نیر اعظم - آفتاب۔
نیلہ - نیل گاؤ۔
نے نرگس - نرگس کا تنہ جس پر پھول کھلتا ہے
نیو چلنا - جھک کر چلنا۔
نیونا - جھکنا۔

حرف (واؤ)

وارا - فائدہ۔
وادی مجنوں - وادئ نجد جس میں کہ بحالتِ دیوانگی مجنوں کا رہنا بتایا جاتا ہے۔
واشد - کھلنا - کھلا۔
وامق - ایک شخص کا نام جو عذرا کا عاشق تھا۔
وجب - بالشت۔
وحی منزل - وحی نازل شدہ۔
ور - زبردست برتر۔
ورے - اِدھر - اس کنارے پاس۔
وصال - جٹ بندی کرنیوالا کتاب جڑنے والا
وصید - ڈیوڑھی - دہلیز - پیش گاہ مکان۔
وقاع - ہم صحبتی - یکجائی۔
وقت گرگ و میش - صبح صادق کا وہ وقت کہ ہنوز آسمان پر سیاہی موجود ہو۔
وے - وہ کی جمع۔

ہائے ہوز

ہاتھ لگانا - وار کرنا - تھپڑ وغیرہ مارنا۔
ہاجی - ہجو کرنے والا۔
ہا ہا ہی ہی - خوشامد - لجاجت۔
ہر بابی - ہر فن مولا - ہر فن میں دخل رکھنے والا - ہر فن کا ماہر - شاطر - چالاک۔
ہرزہ چانگی - فضول اور لایعنی باتیں کرنا۔
ہرزہ درائی - فضول باتیں کرنا۔
ہزار پایہ - کنکھجورا
ہفت گنج خسرو - خسرو پرویز کے سات خزانے جن کے نام یہ ہیں - گنج عروس
۲ گنج بادآورد۔
۳- گنج اُپیہ۔
۴- گنج افراسیاب۔
۵- گنج سوختہ
۶- گنج خضرا
۷- گنج شادآورد۔
ہلہلانا - لرزش ہونا - جنبش دینا - ہلانا
ہنکار - ہول - ہاں کی آواز - پشتی حمایت - شیر کی آواز۔
ہولے ہولے - آہستہ آہستہ۔

یائے تحتانی

یادبود - نشانی - یادگار۔
یاقوتی - ایک مقوی قلب مرکب دوا۔
یال و گوپال - کنایتاً - کروفر - تن و توش۔

یراق - سامان جنگ اور کبھی مطلق سامان کے معنے میں بھی آتا ہے۔

یرقان - ایک جگر کی بیماری جس میں جسم اور آنکھیں زرد ہو جاتی ہیں - کانور۔ کمل باؤ۔

یزدی پرند - پرند ایک ریشمی کپڑا یزد کا نہایت اچھا اور مشہور ہوتا ہے۔

یکّا یکہ - فرد۔ یکتا۔

یک پیچہ - ایک قسم کی ہلکی اور چھوٹی سی پگڑی۔

یک رہ - ایک بار۔

یمن - برکت۔ مبارکی۔

یوز - ایک شکاری جانور

یوم التناد - قیامت۔ روزِ محشر

نقوش

کے سابقہ نمبر، جو مستقبل کی دستاویز ہیں

			صفحات
۱ — غزل نمبر		اُردو اَدب کی دوسو سالہ تاریخ	۷۵۲
۲ — افسانہ نمبر	(دوجلدیں)	اُردو اَدب کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ	۱۰۹۰
۳ — مکاتیب نمبر	(دوجلدیں)	اُردو خطوط کی سو سالہ تاریخ	۱۰۴۸
۴ — شخصیات نمبر	(دوجلدیں)	مشاہیر ادب کی سو سالہ تاریخ	۱۵۱۴
۵ — طنز و مزاح نمبر		طنز و مزاحیہ ادب کی سوا سو سالہ تاریخ	۹۲۸
۶ — لاہور نمبر		لاہور کی نو سو سالہ جامع تاریخ	۱۲۰۴
۷ — آپ بیتی نمبر	(دوجلدیں)	خودنوشت حالات، چار سو سالہ شخصی تاریخ	۱۹۶۴
۸ — ادب عالیہ نمبر		نقوش کی دس سالہ تخلیقات کا انتخاب	۱۲۷۲
۹ — غالب نمبر	(تین جلدیں)	فن و شخصیت کا جائزہ، مع قلمی بیاض	۱۸۵۶
۱۰ — اقبال نمبر	(دوجلدیں)	فن و شخصیت کا جائزہ، مع غیر مطبوعہ تحریریں	۱۸۰۰
۱۱ — خطوط نمبر	(تین جلدیں)	اُردو خطوط کی ڈیڑھ سو سالہ تاریخ	۱۷۲۰
۱۲ — میر نمبر	(دوجلدیں)	دو سو سالہ پرانا مخطوطہ اور جائزہ	۱۲۸۰
۱۳ — پطرس نمبر		پطرس کے مضامین اور فن و شخصیت کا جائزہ	۶۴۰
۱۴ — منٹو نمبر		منٹو کے منتخب افسانوں کیساتھ فن و شخصیت کا جائزہ	۳۸۴
۱۵ — شوکت نمبر		شوکت تھانوی کی اہم تحریریں اور جائزہ	۶۲۴

ان کے علاوہ متعدد سالنامے اور متعدد خاص نمبر

وہ نمبر جو زیرِ ترتیب ہیں اور شائع ہو رہے ہیں

		اندازاً صفحات
۱۶ — رسولؐ نمبر	(سات جلدیں)	۴۰۰۰
۱۷ — اقبال نمبر	(غیر مطبوعہ تحریریں)	۱۰۰۰
۱۸ — نوادرات نمبر	(دو جلدیں)	۱۱۰۰
۱۹ — ادبی معرکے نمبر	(دو جلدیں)	۱۲۰۰
۲۰ — شعر نمبر	(غیر فانی اشعار)	۶۰۰
۲۱ — انیس نمبر	(مع غیر مطبوعہ کلام)	۶۵۰
۲۲ — غالب نمبر	(چوتھی جلد، اہم مواد)	۵۰۰
۲۳ — میر نمبر	(تیسری جلد)	۶۰۰
۲۴ — تنقید نمبر	(اہم مقالات)	۶۰۰

مندرجہ بالا نمبر بھی قریب قریب مکمل ہیں۔ بارہ چودہ مہینوں میں اِن میں سے بیشتر نمبر آپ کی لائبریریوں کی زینت ہوں گے

(ادارہ نقوش)